بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاویٰ دارالعلوم زکریا

جلدِ ششم

” باب الرهن ، باب الغصب ، باب اللقطة ، باب المزارعة والمساقاة ، كتاب الصيد والذبائح ، أبواب الأضحية والعقيقة ، كتاب الحظر والإباحة “

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیرِ اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت عفی عنہ

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

جملہ حقوق بحق دارالافتاء دارالعلوم زکریا محفوظ ہیں۔

نامِ کتاب:...... فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ششم (۶)۔

اشاعتِ اول:......دسمبر ۲۰۱۳ء ، زم زم پبلشرز، کراچی، پاکستان۔

اشاعتِ دوم:......مئی ۲۰۱۶ء ، بمبئی۔

اشاعتِ سوم:......۲۰۱۸ء مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

کتابت وکمپوزنگ:......دارالافتاء، دارالعلوم زکریا۔

تعدادِ صفحات:...... ۸۲۸۔

Darul Iftaa Darul Uloom Zakariyya

Lenasia South Africa

Email:duziftaa@gmail.com

shaikhim99@gmail.com

Tel:0027118592694

0027839510492

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ عنوانات

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ششم

باب الرهن

گروی رکھنے کے احکام کا بیان

باب الغصب

غصب کے احکام کا بیان

باب اللقطة

احکامِ لقطہ کا بیان

باب المزارعۃ والمساقاۃ

مزارعت اور مساقات کے احکام کا بیان

کتاب الصید والذبائح

باب ...... ﴿۱﴾

ذبح کرنے کے احکام کا بیان

باب ......﴿۲﴾

ما یؤکل لحمه من الحیوانات وما لا یؤکل

ماکول اللحم اورغیر ماکول اللحم جانوروں کے احکام

باب ......﴿۳﴾

أحكام الأضحية

قربانی کے مسائل کا بیان:

فصل اول

وجوب اور ادائیگی وجوب سے متعلق احکام

فصل دوم

قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام کا بیان

فصل سوم

قربانی کے گوشت اور کھال کے احکام کا بیان

چرمِ قربانی کی رقم کے مصرف کا بیان

فصل چہارم

قربانی سے متعلق متفرق احکام کا بیان

باب......﴿۷﴾

احکام العقیقة

فصل اول عقیقہ کے احکام کا بیان

فصل دوم

نومولود سے متعلق احکام کا بیان

کتاب الحظر والاباحة

باب ﴿۱﴾

أحكام الأكل والشرب

فصل اول

کھانے سے متعلق احکام کا بیان

فصل دوم

احکام الشرب کا بیان

باب......﴿۲﴾

احکام الضیافۃ کا بیان

ضیافت ومہمانی کے آداب واحکام کا بیان

باب ...... ﴿۳﴾

احکام التداوی

علاج ومعالجہ کے شرعی احکام

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد :

اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلدِ ششم کی تیاری اورطبع کرانے کی توفیق عطافرمائی ، ماشاءاللہ فتاویٰ کی یہ جلد کتاب الرہن ، کتاب الغصب ، کتاب اللقطہ ، کتاب المزارعۃ ، کتاب الذبائح ، احکام الضحیہ اور کتاب الحظر والاباحۃ کے بعض ابواب پر مشتمل ہے ، دوسری جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی بعض مسائل رسائل کی شکل اختیار کر چکے ہیں ، ان مسائل پر جنوبی افریقہ میں بحث ومباحثہ ہوتا رہتا تھا ، اس لیے ان کی تحقیق طویل ہوگئی ، لیکن ان شاءاللہ تعالیٰ فائدہ سے خالی نہیں ہوگی ، اورشاید ان مسائل کی اتنی تفصیل دیگر اردو فتاویٰ میں نہیں ملے گی ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس جلد کو بھی دیگر جلدوں کی طرح قبول فرمائے ۔ آمین ۔

تخصص کے طالبِ علم محترم مولانا فہیم صاحب کی محنتیں بھی اس جلد کی تیاری میں شامل ہیں ، تحقیق ، ترتیب اور تنقیح اور حوالوں کے ملانے کا بیڑا حسبِ سابق مفتی محمد الیاس صاحب نے اٹھایا ، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی شانِ عالی کے مناسب جزائے خیر عطافرمائے ، اوراس پورے کام کی سرپرستی مہتمم صاحب مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کو بھی بہت بہت جزائے خیر عطافرمائے ۔ آمین ۔

کتبہ : (حضرت مفتی) رضاءالحق (صاحب مدظلہ)

دارالافتاء ، دارالعلوم زکریا ، لینیشیا جنوبی افریقہ

مؤرخہ : ۱۹/ شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ

مطابق : ۲۷/ اگست ۲۰۱۳ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد :

احقر پر اللہ تعالیٰ کے احسانات مثل بحرِ بے کراں ہیں، انہیں احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے زیرِ سایہ اس عظیم الشان کام کے لیے منتخب فرمایا، اور حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کے فتاویٰ کی ترتیب، تحقیق اور تنقیح کا موقع میسر فرمایا۔ زیرِ نظر فتاویٰ کی جلد حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے سلسلۃ الفتاوی اور موسوعۃ الفتاوی کی چھٹی سنہری کڑی ہے، اس جلد میں فتاوی کا اکثر و بیشتر وہ حصہ ہے جو خورد و نوش سے متعلق ہے۔ مثلاً کتاب الذبائح کے تمام تفصیلی ابواب اور حظر و اباحت کے پیش کردہ تین ابواب: (۱) اکل و شرب (۲) ضیافت اور (۳) تداوی، ان کا تعلق داخلی استعمال سے ہے۔

خورد و نوش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام سے حلال اور طیبات کا حکم فرمایا ہے اور حرام اور خبائث سے منع فرمایا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں حلال وطیب اور پاکیزہ اشیا کے کھانے کمانے کا حکم ہے، سورۂ مائدہ میں تقریباً چار آیتوں میں حلال، طیب اور پاکیزہ کھانے، کمانے اور حرام و ناپاک چیزوں سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے، سورۂ اعراف میں تین جگہ، سورۂ انفال کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے اور حلال میسر ہونے پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، سورۂ یونس میں رزق حلال عطا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان وعطیہ قرار دیا، سورۂ نحل کی دو آیتوں میں رزقِ حلال کو بطورِ امتنان ذکر کیا، سورۂ بنی اسرائیل میں ایک جگہ ذکر ہے، سورۂ طٰہٰ میں حلال کھانے کا حکم ہے، سورۂ مومنین میں انبیاءِ کرام کو حلال کھانے اور نیک عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، سورۂ سبا میں حلال کھانے اور شکر بجالانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح سورۂ غافر، سورۂ جاثیہ وغیرہ میں تذکرہ ہے، نیز ان

مقامات کے علاوہ بھی کئی مزید جگہوں پر حلال کی ترغیب اور حرام سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال کھانے کی کتنی اہمیت ہے اور حرام سے کس قدر نفرت ہے، کیونکہ انسان کا بطن جسمِ انسانی کی رفتار کے لئے ٹینکی کے مثل ہے، اگر اس ٹینکی میں حلال لقمہ ڈالا تو یہ جسم اپنے اختیار میں لحہ بہ لحہ صحیح سمت اور درست صورت اختیار کرے گا اور ہر نقل وحرکت میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ عالیہ فاضلہ کا مظاہرہ کریگا اور بصورتِ دیگر اگر حرام بھر دیا تو یہ جسم اپنے احساسات وخیالات، عقائد واعمال، اخلاق وکردار، رفتار اور گفتار میں صحیح رخ کی بجائے غلط رخ پر چل پڑے گا، نیز بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تقریباً اسی فیصد گناہ کے اسباب حرام اور ناپاک غذا ہے، اور بیس فیصد گناہ دیگر خواہشات کی وجہ سے ہوتے ہیں، لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے انسان کے دنیوی اور اخری فائدہ ومصلحت کو مدِ نظر رکھا ہے۔

بایں وجہ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے پانچ اسباب ہیں: (۱) **الضرر اللاحق بالبدن أو العقل**: ہر وہ چیز جو انسان کے جسم یا اس کی عقل کو نقصان دہ ہو وہ حرام ہے، چاہے وہ چیز حیوانات میں سے ہو یا نباتات اور جمادات میں سے ہو، اور اس بارے میں مسلمان ماہر اطباء کی بات تسلیم کی جائے گی۔ (۲) **الإسكار والتخدير**: مسکرات، مخدرات اور منشیات سے متعلق جتنی اشیا ہیں تمام کی تمام حرام اور ناجائز ہیں۔ (۳) **النجاسة**: ناپاک چیزیں۔ (۴) **الاستقذار والاستخباث**: جن چیزوں سے طبیعتِ سلیمہ، وفطرتِ صحیحہ نفرت اور گھن محسوس کرتی ہو اور ان کے اوصافِ خبیثہ کے انسان میں منتقل ہونے کا اندیشہ ہو۔ (۵) **عدم الإذن شرعاً** جیسے طعامِ مغصوب، مسروق اور غیر مملوک وغیرہ۔

نیز احادیثِ مبارکہ میں بھی جگہ جگہ حلال اور طیب کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال تعالى: ﴿يا أيها الرسل كلو من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ [المومنون:۵۱] **وقال تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا كلو من طيبات ما رزقناكم﴾** [البقرة:۱۷۲] **ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء، يا رب**

يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب لذالک ؟ (رواه مسلم: رقم ١٠١٥).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ طیب ہیں اور طیب ہی قبول فرماتے ہیں اور بے شک اللہ تعالی نے مومنین کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا حکم رسولوں کو دیا، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! حلال اور پاکیزہ غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والوں! کھاؤ حلال اور پاکیزہ رزق جو ہم نے تم کو دے رکھا ہے، پھر ایک شخص کا تذکرہ فرمایا کہ لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ، غبار آلود، آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، اے رب! اے رب! اور اسکا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور حرام سے پرورش پائی، اب کیسے دعا قبول ہو۔

وروى الترمذى بسنده عن أبي سعيد الخدرى رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: " من أكل طيباً وعمل فى سنة وأمن الناس بوائقه دخل الجنه، فقال رجل: يا رسول الله ! إن هذا اليوم فى الناس لكثير، قال: و سيكون فى قرون بعدي . (رقم: ٢٥٢٠).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذا رسانی اور گزند سے محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آج کل تو یہ اعمال لوگوں میں بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آئندہ بھی ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے۔

وأخرج الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنه قال: تليت هذه الآية عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴿يا أيها الناس كلو مما فى الأرض حلالاً طيباً﴾ فقام سعد ابن أبي وقاص رضي الله عنه فقال: يا رسول الله ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة فقال له النبي صلى الله عليه وسلم يا سعد أطب مطعمک تكن مستجاب الدعوة والذي نفس محمد بيده إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوماً وأي عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به. (رواه الطبرانى فى الاوسط : رقم ٦٤٩٥).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمادیجئے کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے، جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے سعد! اپنی غذا حلال اور پاکیزہ بنادو مستجاب الدعوات بن جاؤ گے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے بے شک بندہ حرام لقمہ اپنے بطن میں ڈالتا ہے جس کی وجہ سے اس کے چالیس دن کے اعمال قبول نہیں ہوتے اور ہر وہ بندہ جس کی پرورش حرام اور سود سے ہوئی ہو تو جہنم کی آگ اس کے لئے بہتر ہے۔

عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الحلال بين وإن الحرام بين وبينهما مشتبهات، لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام ، كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه، ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى الله محارمه ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلَحت صلَح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب . (متفق عليه).

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، پس جو شخص شبہات سے باز رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو صاف رکھا اور ان کی حفاظت کی اور جو شبہات میں گر گیا وہ حرام میں پھنسا۔ پھر آخر میں فرمایا دل کے کان کھول کر سنو! بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو جسم کا پورا کارخانہ ٹھیک چلے گا، لیکن اگر وہ فاسد اور خراب ہوا تو پورا جسم فاسد اور خراب ہو جائے گا، اور خوب سنو وہ دل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک ایسا واحد مذہب ہے جس نے خورد ونوش سے متعلق بڑی ہدایات اور تاکید کی ہے، بنابریں ہر مسلمان کے لئے بے حد ضروری ہے کہ خورد ونوش میں بازاری راستوں سڑکوں کی ہر چیز کو اپنے جسم کا حصہ نہ بنائے، بلکہ حلال، طیب اور پاکیزہ کھانے کا اہتمام کرے، حرام اور مشتبہ چیزوں سے حتی

الامکان اجتناب کرے اور اس کے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ حلال اور حرام چیزوں کے بارے میں مکمل علم حاصل کرے، اہل علم وعلماء سے پوچھتا رہے اور ان کی مستند کتابوں کو زیر مطالعہ رکھے، تاکہ صراط مستقیم پر چل کر بآسانی اپنی منزل مقصود پالے۔

اسی سلسلے میں یہ فتاوی بھی مرتب کیے گئے ہیں اور اس میں خورد ونش سے متعلق حلال، حرام کی نشاندہی کی گئی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے سے متعلق احوال وآداب بھی بموقع ذکر کیے گئے ہیں، نیز گاہے گاہے طبی فوائد بھی بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ احقر کی اس معمولی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور صاحبِ فتاوی حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنے حفظ وامان میں داخل فرمائیں، اور صحت وعافیت کے ساتھ ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم اور دائم فرمائیں۔ آمین۔

زیر نظر کتاب کی تصحیح میں دارالافتاء کے جن طلبا نے بندہ کی معاونت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے، اور یہ محنت ان کی علمی عمارت کے لیے خشتِ اول بنادے۔ آمین۔

بندۂ عاجز صمیمِ قلب سے اپنے استاذِ محترم ومہتممِ مکرم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سالوجی اور ناظمِ مدرسہ حافظ بشیر صاحب کا ممنون ومشکور ہے کہ انہوں نے کتاب کی تیاری میں ہر قسم کی سہولیات مہیا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ ان کی شب وروز کی خدمات قبول فرما کر اپنی بارگاہ میں ترقی درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعونا أن الحمد للّٰہ رب العلمین . وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا وحبینا وطبیبنا ومولانا محمد وآله وأصحابه وأهل بیته ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین .

راقم السطور:

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ

معین دارالافتاء، دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۷/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶/ جون ۲۰۱۳ء

فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ، فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ، علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے، اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔ اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے، بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے، اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے، کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہوجائے۔ (ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ’’البینات‘‘ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انھوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادر علمی سے ایک بڑے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبد الباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنھوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ’’بیّنات‘‘ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اوران کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اورانھیں کی توجھات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء .

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اوردعا کی برکت اوراساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاءاللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اورطلبائے عزیز کی تعداد: ۲۱۷، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۴ ہے۔ اورطلبائے کرام کی تعداد ۴۴۲ ہے، مقامی ان میں سے ۳۲ فیصد، اور دیگر ۵۷ ممالک کے ۶۸ فیصد طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاءالحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے

ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہٰذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہٰذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتیِ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا

سیدرابع صاحب۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔حضرت مولانا سلمان صاحب۔حضرت حکیم اختر صاحب۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔حضرت مولانا یونس صاحب پوناؒ۔حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔حضرت مولانا سالم صاحب۔حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔والشیخ محمد عوامہ ونجلہ الشیخ الدکتور محی الدین حفظہما اللہ تعالیٰ ورعاہما۔

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ

معینِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق: ۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتباً فرهن مقبوضة﴾

(سورة البقرة).

عن عائشةؓ قالت:

"اشترى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم
من يهودي طعاماً إلى أجل ورهنه درعه"

(رواه البخاري).

باب الرهن

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

"لا يغلق الرهن له غنمه وعليه غرمه".

(اخرجه الحاكم).

گروی رکھنے کے احکام کا بیان

شئ مرہون سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مرہون مکان وزمین سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جب تک دین وصول نہ ہوجائے، اور کہتے ہیں کہ ہدایہ وغیرہ میں مرقوم ہے کہ مالک یعنی راہن کی اجازت سے نفع اٹھانا جائز ہے، تو کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اگر رہن سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہو تو پھر اس کے لیے کوئی ایسی تدبیر ہوسکتی ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نکل آئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء کی عبارات کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ شئ مرہون سے انتفاع بلا اجازتِ مالک ناجائز ہے اور بہ اجازتِ مالک جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں مرقوم ہے:

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس إلا أن يأذن له المالك لأن له حق الحبس دون الانتفاع . (الهداية: ٥٢٢/٤، كتاب الرهن).

وللمزيد راجع: (البحر الرائق: ٢٣٨/٨، ط: كوئته، وتبيين الحقائق، وبدائع الصنائع: ١٤٥/٦، سعيد، والمبسوط ، والفتاوى الهندية، والفتاوى البزازية، وخلاصة الفتاوى، وفتاوىٰ قاضي خان، وفتاوى النوازل، وغيره).

لیکن فقہاء کی عبارت سے بہ اجازتِ مالک مطلقاً انتفاع کو جائز سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مالک کی اجازت عقد میں مشروط یا معروف ہو تو انتفاع ناجائز ہوگا، اور اگر اجازت نہ مشروط ہو اور نہ معروف ہو بلکہ محض وقتی اجازت ہو تب انتفاع جائز ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ اپنے رسالہ ''الفلک المشحون'' میں فرماتے ہیں:

وقد اغتر كثير من علماء عصرنا ومن سبقنا بظاهرعبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره ، ومن دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلوا وأضلوا...فإلى الله المشتكى من صنيع جهلاء زماننا يشترطون الإذن فى الرهن، أو يقصدون ذلک، وأنه لولاه لما ارتهنوا ذلک ، ويظنون جوازه أخذاً من قول الفقهاء يجوز بالإذن، وشتان مابين مرادهم ومرادهم. (الفلك المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون، للعلامة عبدالحيى اللكنوى،المندرجة فى مجموعة رسائل اللكنوى :٤١٣/٣، المكتبة الامدادية).

فتاوی الشامی میں ہے:

في جواهر الفتاوى: إذا كان مشروطاً صارقرضاً فيه منفعة وهوربا وإلا فلا بأس ، ... قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط، لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع، والله أعلم. (فتاوى الشامى:٤٨٢/٦،كتاب الرهن، سعيد).

وانظر: (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٢٣٦/٤،كتاب الرهن).

پھر مشروط فی العقد اجازت سے انتفاع مکروہِ تحریمی ہے۔ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

إن كانت بشرط كره وإلا فلا...ويؤيده قول الشارح الآتى آخرالرهن إن التعليل بأنه ربا يفيد أن الكراهة تحريمية فتأمل . (ردالمحتار:٤٨٢/٦،كتاب الرهن ، سعيد).

الفلک المشحون میں ہے:

والمراد بالكراهة التحريمية ،كما يفيده تعليلهم بأنه ربا، وهى المرادة من الحرمة في قول من تكلم بحرمة المشروط، فإن المكروه التحريمي قريب من الحرام، بل كأنه هو.

ثم المشروط أعم من أن يكون مشروطاً حقيقة، أوحكماً أماحقيقة فبأن يشترط

المرتهن في نفس عقد الرهن أن يأذن له الراهن بالانتفاع من الرهن على ما هو المتعارف فی أكثر العوام،...وأما حكماً فهوما تعارف في ديارنا أنهم لايشترطون ذلک فی نفس المعاملة لكن مرادهم ومنواهم إنما هو الانتفاع...ومن المعلوم أن المعروف كالمشروط،كما حققه صاحب ”الأشباه“ وفرع عليه فروعاً كثيرة ، فكما أن المشروط حقيقة يتضمن الربا، كذلک المشروط حكماً من أفراد الربا... (الفلك المشحون فی الانتفاع بالمرهون،المندرجة فی مجموعة رسائل اللكنوی :۳/۲ ۱ ٤،المكتبة الامدادية).

البتہ اگر عقدِ رہن میں انتفاع نہ مشروط ہواور نہ اس کا عرف ہو رہن محض وثیقہ کے لیے رکھا جائے اور انتفاع کی اجازت ہوتو اس صورت میں انتفاع کی گنجائش ہے۔فقہاء کی مطلق عبارات کا یہی منشا ہے۔تاہم بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی انتفاع جائز نہیں ہے،اس لیے اس صورت میں بھی انتفاع خلافِ اولیٰ ہے لہذا بچنا اولیٰ اور افضل ہوگا۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی المنح: وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندی وكان من كبار علماء سمرقند أنه لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن، لأنه أذن له فی الربا لأنه يستوفی دينه كاملاً فتبقی له المنفعة فضلاً فيكون ربا، وهذا أمر عظيم.قلت: وهذا مخالف لعامة المعتبرات من أنه يحل بالإذن إلا أن يحمل على الديانة، وما فی المعتبرات على الحكم ثم رأيت في جواهر الفتاوی: إذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا وإلا فلا بأس . (فتاوی الشامی:٦/٢ ٨ ٤ ،كتاب الرهن،سعيد).

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

وصورة الإذن الغير المشروط أن لايشترط المرتهن ذلک في نفس العقد، ولا يدفع الدين بهذا الشرط، ولاينوی أيضاً بدفع الدين إباحته، وأنه لولاه لما دفع، بل قصد مجرد الحبس والتوثق، وهذا لاشبهة في جوازه ، فإنه ليس فيه ربا، ولاشبهة الربا...لكن مع ذلک

الانتفاع خلاف الأولى، والاحتراز عنه أولى، فالاحتراز في هذه الصورة تقوى والانتفاع فتوى . (الفلك المشحون ،المندرجة فى مجموعة رسائل اللكنوى :٣/٤١٣ ،المكتبة الامدادية).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۲۰/۱۲۳۔۱۳۰،وکفایت المفتی:۸/۱۴۰،دارالاشاعت ،واحسن الفتاویٰ:۸/ ۴۹۸، وامدادالفتاویٰ:۳/۴۵۴)۔

فی زمانناچونکہ عقدمیں شرط لگاتے ہیں یامرتہن خودانتفاع کاارادہ رکھتاہے،اورمذکورہ بالاعبارات کی روشنی میں یہ ناجائزہےاس لیےبعض حضرات نے انتفاع کے جائز ہونے کے لیےایک حیلہ تحریرفرمایاہے وہ ہے بیع الوفاء۔

بیع الوفایہ ہے کہ بائع مشتری سے کہدے کہ یہ چیز میں آپ کے ہاتھ بیچتاہوں،خاص متعین وقت پر یا جب بھی میں ثمن واپس کردوں تو آپ مبیع واپس کردیں گے،(بیع سے پہلے یابیع کے بعدوعدہ کی صورت میں ہوشرط لگانااچھا نہیں ہے۔)اس بیع کا فائدہ یہ ہوگا کہ مرتہن شئ مرہون کا مالک بن جائے گااور ہرقسم کا فائدہ اس کے لیے جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہومعجم لغۃ الفقہاءمیں ہے:

أن يبيع السلعة للمشترى بالذي له عليه من الدين على أنه متى قضاه الدين عادت إليه السلعة . (معجم لغة الفقهاء ، ص١١٥، ادارة القرآن).

مجلہ میں ہے:

بيع الوفاء هو بيع المال بشرط أن البائع متى رد الثمن يرد المشترى اليه المبيع.

(المجلة ، المادة:١١٨، دارالكتب العلمية).

المقالات الفقهية میں ہے:

كان الناس يريدون أن يأخذوا الديون لحاجاتهم، ويرهنوا أراضيهم لذلک ، وكان المرتهن الدائن يأبى عن مبرة الإقراض المستحب إلا بان يأخذ عليه منفعة لنفسه ، وبما أن الشرع حرم على الدائن أن يأخذ على الدين ربحاً لأن كل قرض جر منفعة فهو ربا، وبما أن

الشرع حرم على المرتهن أن ينتفع بالمرهون لكونه ربا، احتال الناس إلى بيع الوفاء لكي ينتفع المرتهن بالمرهون، فإن المرتهن يصير بهذه الحيلة مشترياً وللمشترى أن ينتفع بمملوكه كيف يشاء إلا أنه وعد أن يرد المشترى المبيع إذا رد عليه الثمن . (المقالات الفقهية، ص: ٣٣٣، بيع الوفاء، مكتبة دارالعلوم كراتشى).

بیع الوفا کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، اور جواز کا قول بھی موجود ہے۔

بیع الوفا کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد پنجم، باب ۶، بیع کی مختلف قسموں کا بیان)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

شیٔ مرہون کو عاریت پر دینے کا حکم:

سوال: اگر راہن نے مرتہن کے پاس کار بطورِ رہن رکھی لیکن کار کو معطل چھوڑنے کے بجائے مرتہن کے پاس کار کے کاغذات رکھے اور راہن کار استعمال کرتا رہا، جس کو عاریۃً استعمال کرنا کہتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کار معطل ہونے سے بچ جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: شرعاً یہ جائز اور درست ہے کیونکہ شیٔ مرہون کو عاریت پر دینے سے عقدِ رہن باطل نہیں ہوتا، اس لیے کہ مرتہن جب چاہے شیٔ مرہون کو واپس لے سکتا ہے۔ ہاں عاریت پر دینے کی وجہ سے شیٔ مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

فأما الإعارة فليست بلازمة لأن للمعير ولاية الاسترداد في أى وقت شاء فجوازها لا يوجب بطلان عقد الرهن إلا أنه يبطل ضمان الرهن . (بدائع الصنائع: ٦/١٤٦، فصل فى حكم الرهن، سعيد).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

ولو استعاره الراهن من المرتهن لينتفع به فقبضه خرج عن ضمان الرهن حتى لو

هلك في يده يهلك أمانة والدين على حاله لأن قبضه قبض العارية وأنه قبض أمانة فينافي قبض الضمان وكذلك لو أذن المرتهن للراهن بالانتفاع بالرهن . (بدائع الصنائع: ٦/١٥٦) .

فتاویٰ شامی میں ہے:

فالعارية توجب سقوط الضمان سواء كان المستعير هو الراهن أو المرتهن إذا هلك حالة الاستعمال أو أجنبياً ولا ترفع عقد الرهن . (ردالمحتار:٦/٥١١، كتاب الرهن،سعيد).

وللمزيد راجع : (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٢٠٢،فصل فى الانتفاع بالرهن. والفتاوى الولوالجية :٥/٦٩، كتاب الرهن،دارالكتب العلمية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرہون مکان راہن کو عاریت پر دینے کا حکم:

سوال: اگر زید نے عمر کو ۲ لاکھ رینڈ قرض دیا اور عمر نے زید کے پاس مکان بطورِ رہن رکھدیا، لیکن زید نے مکان پر قبضہ نہیں کیا بلکہ یہی مکان عمر کو عاریۃً دیدیا تو اس عمل سے رہن پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ یعنی مکان مرہون سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شیٔ مرہون راہن کو عاریت پر دینے سے رہن پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اور مکان بدستور مرہون ہوگا، البتہ مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گا۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وخرج من ضمانه بإعارته من راهنه أى بإعارة المرتهن الرهن من راهنه يخرج من ضمان المرتهن لأن الضمان كان باعتبار قبضه وقد انتقض بالرد إلى صاحبه فارتفع الضمان لارتفاع المقتضى له ولا يكون مضموناً على صاحبه لأن الاسترداد بإذنه فلو هلك فى يد الراهن هلك مجاناً لارتفاع القبض الموجب للضمان على ما بينا وبرجوعه عاد ضمانه أى برجوع الرهن إلى يد المرتهن عاد الضمان حتى يذهب الدين بهلاكه لعود القبض الموجب

للضمان وللمرتهن أن يسترده إلى يده لأن عقد الرهن باق إلا في حكم الضمان في هذه الحالة . (تبيين الحقائق:٦/٨٧، كتاب الرهن،امداديه). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پگڑی کی دکان بطورِ رہن رکھنے کا حکم:

سوال: زید کے پاس پگڑی کی دکان ہے زید نے اس دکان کی دو لاکھ روپے پگڑی کی رقم ادا کر کے دکان حاصل کر لی ہے، اب زید کو اپنی تجارت کے سلسلہ میں بڑی رقم کی ضرورت ہے جس کے لیے رہن درکار ہے، کیا زید پگڑی والی دکان بطورِ رہن رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زید کے پاس پگڑی والی دکان ہمیشہ کے لیے ہو تو یہ اپنی ملکیت کی طرح ہے جس میں کسی اور کو دخل نہیں، لہذا اس دکان کو بطورِ رہن رکھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو مجلّہ فقہ اسلامی مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب میں ہے:

اور اس علاقہ کا عرف یہ ہے کہ اس پگڑی کے لین دین کی وجہ سے اصل مالک دکان یا مکان سے بے دخل ہو جاتا ہے، اس کے سارے مالکانہ اختیار سلب ہو جاتے ہوں اور کرایہ دار کو حاصل ہو جاتے ہوں تو یہ بیع کے حکم ہے، اور پگڑی کی رقم بمنزلہ ثمن کے اور دکان وعمارت بمنزلہ مبیع کے ہے، اور کرایہ اس زمین کا ہوتا ہے جس پر دکان وعمارت قائم ہے، گویا زمین مالک کی ہے اور عمارت کرایہ دار کی۔ واللہ اعلم۔ (مجلّہ فقہ اسلامی،ص۱۴۲، اسلامک فقہ اکیڈمی)۔

مجلّہ فقہ اکیڈمی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ پگڑی والا مکان یا دکان کرایہ دار کے قبضہ وملک میں ہے، لہذا اس کو بطورِ رہن رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

(ہاں نفس پگڑی کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: فتاویٰ دار العلوم زکریا جلدِ پنجم)۔

نیز کسی چیز کو بطورِ رہن رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مرتہن اس شی پر مکمل قبضہ کر سکتا ہو اور محبوس رکھ سکتا ہو جب تک راہن دین ادا نہ کر دے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

ولنا أن موجبه ثبوت يد الاستيفاء واستحقاق الحبس الدائم لتحصيل مقصوده وهو الاستيثاق من الوجه الذي بينا ذلک لايحصل إلا بثبوت اليد عليه ولهذا شرط فی النص أن يكون مقبوضاً . (تبيين الحقائق:٦/٦٩،ط:امداديه).

وفي حاشية الشيخ الشلبي: قوله أن موجبه ثبوت يد الاستيفاء) والمراد منه اختصاص المرتهن بالرهن حبساً إلى أن يقضي الراهن دينه . (حاشية الشيخ شهاب الدين احمدالشلبی: ٦/٦٩، ط:امداديه).

ہدایہ میں ہے:

والثاني: أن موجب الرهن هو الحبس الدائم ، لأنه لم يشرع إلا مقبوضاً بالنص أو بالنظر إلى المقصود منه، وهو الاستيثاق من الوجه الذي بيناه ، وكل ذلک يتعلق بالدوام ، ولايفضى إليه إلا استحقاق الحبس. (الهداية:٤/٥٢٤،و الفقه الحنفی فی ثوبه الجديد:٤/٤٦٣،باب مايجوز ارتهانه ومالايجوز). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرتہن کو وکیل بالبیع بنانے کا حکم:

سوال: اگر حامد نے محمود کو قرض دیا اور محمود نے اپنا مکان حامد کے پاس بطورِ رہن رکھا اور یہ شرط لگادی کہ اگر محمود ایک سال تک قرض ادا نہ کرے تو حامد مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مکان کو بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرلے کیا ایسی شرط لگانا جائز ہے یا نہیں؟ پھر مکان فروخت کرنے کی شکل میں صرف مرتہن کا حق ہوگا یا راہن کا بھی حق ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسی شرط لگانا جائز اور درست ہے کیونکہ راہن مکان کا مالک ہے تو وہ خود بھی فروخت کرسکتا ہے اور دوسرے کو وکیل بالبیع بھی بنا سکتا ہے، پھر مکان فروخت کرنے کے بعد جو رقم حاصل

ہوگی حامد مرتہن فقط اپنا حق وصول کریگا اور باقی ماندہ رقم محمود راہن یعنی مالکِ مکان کو واپس کردے گا کیونکہ زائد رقم میں مرتہن کا حق نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا وكل الراهن المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيع الرهن عند حلول الدين فالوكالة جائزة لأنه توكيل ببيع ماله. (الهداية:٤/٥٣٨،باب الرهن الذى يوضع على يدالعدل).

تبيين الحقائق میں ہے:

فإن وكل المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيعه عند حلول الدين صح ، لأن الراهن مالك فله أن يوكل من شاء من الأهل ببيع ماله معلقاً أو منجزاً لأن الوكالة يجوز تعليقها بالشرط لكونها من الأسقاطات لأن المانع من التصرف حق المالك وبالتسليط على بيعه أسقط حقه والإسقاطات يجوز تعليقها بالشروط . (تبيين الحقائق:٦/٨١،ط:امداديه). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بلا اجازتِ راہن رہن کو فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو گھر یا زمین کی ضرورت تھی مگر اس کے پاس پیسے موجود نہیں تھے، اس نے بینک سے رابطہ کیا، بینک والوں نے وہ زمین بطورِ وکیل خرید کر اسے دیدی، معاملہ اقساط پر طے ہوا کہ وہ ماہانہ بینک کو اتنی رقم ادا کریگا، بینک نے بطورِ رہن کوئی چیز رکھی، یعنی اس چیز کے کاغذات اپنے پاس رکھ لیے، کچھ عرصہ کے بعد اس آدمی نے اقساط ادا کرنا بند کردیا، بینک نے مطالبہ کیا، اس کے باوجود ادا کرنے سے انکار کردیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بینک اس شئ کو بیچ کر اپنا حق وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا ولکم الأجر الجزیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ راہن کی اجازت سے بیچنا درست ہے، لیکن بلا اجازت بیچنا درست نہیں ہے ہاں اگر راہن نہ دین ادا کرتا ہے اور نہ بیچنے پر آمادہ ہوتا ہے تو اس کے بارے میں عام طور پر فقہاء یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حاکم یا قاضی کے حکم سے بیچنا جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں ہے:

المادة : ۷۵۷ ـ إذا حل أجل الدين وامتنع الراهن عن أدائه ، فالحاكم يأمره ببيع الرهن وأداء الدين فإن أبى وعاند باعه الحاكم وأدى الدين . والعهدة على الراهن لا على القاضي (ردالمحتار) وهذا قولهما لأنهما يريان الحجر على المديون ، ومذهب الإمام تأبيد حبسه إلى أن يبيع الراهن بنفسه، لأنه لايرى الحجر على الحر المديون، وصرح قاضي خان وغيره بأن الفتوىٰ على قولهما...

المادة : ۷۵۸ ـ إذا كان الراهن غائباً ولم تعلم حياته ولا مماته فالمرتهن يراجع الحاكم على أن يبيع الرهن ويستوفي الدين. لما في البزازية ، عن المنية للمرتهن بيع الرهن بإجازة الحاكم و أخذ دينه ، إذا كان الراهن غائباً لايعرف موته و لا حياته . (شرح المجلة: ۳/ ۲۰۲، الفصل الرابع في بيع الرهن).

قال في الدرالمختار: غاب الراهن غيبة منقطعة فرفع المرتهن أمره للقاضي ليبيعه بدينه ينبغي أن يجوز. وفي رد المحتار: بقي ما إذا كان حاضراً وامتنع عن بيعه ؛ وفي الولوالجية : يجبر على بيعه ، فإذا امتنع باعه القاضي أو أمينه للمرتهن وأوفاه حقه والعهدة على الراهن، ملخصاً ، وبه أفتى في الحامدية . (الدرالمختارمع ردالمحتار:۶/ ۵۰۲،سعيد).

لیکن چونکہ موجودہ دور میں یہ صورت ممکن نہیں ہے اگر مقدمہ دائر کریں گے تو کئی سال انتظار کرنا پڑے گا پھر اس کی وجہ سے مقدمہ کے اخراجات عائد ہوں گے، اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ مرتہن خود بیچ کر اپنا دین وصول کرلے اور زائد رقم راہن کو واپس کردے۔ جیسا کہ مشتری اگر ثمن ادا نہ کرتا ہو تو بائع کے لیے یک طرفہ طور پر فسخ کر کے اپنا ثمن وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا، جلدِ پنجم، ص۷۶۔۷۹)۔

البتہ بینک جب بطورِ رہن کوئی چیز وصول کرتا ہے تو اس کے معاہدہ میں عام طور پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اگر راہن دین ادا نہیں کریگا تو بینک شئ مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کرنے کا مجاز ہوگا، اور اس پر راہن کے

دستخط لیے جاتے ہیں، لہذا اس دستخط کی وجہ سے گویا راہن نے بینک کو وکیل بالبیع بنا دیا اور وکیل بالبیع کا فروخت کرنا جائز اور درست ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا وكل الراهن المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيع الرهن عند حلول الدين فالوكالة جائزة لأنه توكيل ببيع ماله. (الهداية:٤/٥٣٨،باب الرهن الذى يوضع على يدالعدل).

تبيين الحقائق میں ہے:

فإن وكل المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيعه عند حلول الدين صح ، لأن الراهن مالك فله أن يوكل من شاء من الأهل ببيع ماله معلقاً أو منجزاً لأن الوكالة يجوز تعليقها بالشرط لكونها من الإسقاطات لأن المانع من التصرف حق المالك وبالتسليط على بيعه أسقط حقه والإسقاطات يجوز تعليقها بالشروط . (تبيين الحقائق:٦/٨١،ط:امداديه).

بنابریں بصورتِ مسئولہ بینک شئ مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کرنے کا شرعاً مجاز ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناجائز اموال کو بطورِ رہن رکھنے کا حکم:

اگر البرکہ بینک کسی عامل کے ساتھ بیع مؤجل کرتا ہے تو بینک مشتری سے رہن لیتا ہے۔

سوال: اگر بینک نے سہام بطورِ رہن لیے اور یہ سہام ناجائز شرکت کے سہام ہوں تو درجِ ذیل سولات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا البرکہ بینک ایسے ناجائز سہام بطورِ رہن رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مدیون نے قرض ادا نہیں کیا تو کیا البرکہ بینک یہ ناجائز سہام بیچ سکتا ہے؟

(۳) جو ربح اس ناجائز سہام سے حاصل ہوا، کیا مرتہن کے لیے بھی ناجائز ہے؟ بینوا ولکم الاجر الجزیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جو سہام بالکل ناجائز ہوں وہ واجب التصدق ہیں ان کو بطورِ رہن رکھنا اور

اس سے فائدہ اٹھانا راہن اور مرتہن دونوں کے لیے درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں ہے:

المادة : ۷۰۹ـ يشترط أن يكون المرهون صالحاً للبيع فيلزم أن يكون موجوداً مالاً متقوماً مقدور التسليم في وقت الرهن . فلا يجوز رهن ما ليس موجوداً وقت العقد ... ولا رهن الميتة والدم ،لانعدام ماليتهما، ولارهن صيد الحرم والإحرام ،...ولا رهن الخمر والخنزير من مسلم سواء كان العاقدان مسلمين أو أحدهما مسلماً ، لانعدام مالية الخمر والخنزير في حق المسلم. (شرح المجلة:۱۴۲/۳،لمحمدخالدالاتاسی).

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جو اشیاء مسلمان کے حق میں مالِ متقوم اور قابل انتفاع نہیں ہیں ان اشیاء کو بطورِ رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ناجائز اموال،سودی اموال سب مسلمان کے حق میں قابل انتفاع نہیں ہیں بلکہ واجب التصدق ہیں،لہذا ان کو بطورِ رہن رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حکومت کے قانون کے تحت مرتہن کا مرہون پر قبضہ کر لینے کا حکم:

سوال: اگر راہن نے اپنی زمین مرتہن کے پاس بطورِ رہن رکھی اور طویل مدت (تقریباً بیس سال) تک دین ادا نہیں کیا،تو حکومت کا قانون یہ ہے کہ طویل مدت کے بعد مرتہن زمین کا مالک بن جاتا ہے تو کیا شرعاً مرتہن زمین کا مالک سمجھا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر خاص وقت تک راہن دائن قرضہ ادا نہ کر سکے اور حکومت کے قانون کے مطابق مرتہن رہن کو زبردستی اپنے پاس رکھ کر اس کا مالک بنے یا حکومتی قانون کے ماتحت مقدمہ چلا کر مرتہن مقدمہ جیت لے تو دونوں صورتوں میں مرتہن اس زمین یا چیز کا شرعاً مالک نہیں بنے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا يغلق الرهن له غنمه

وعليه غرمه". (رواه ابن حبان في صحيحه ، رقم: ٥٩٣٤، قال الشيخ شعيب : رجاله ثقات رجال الشيخين غير اسحاق).

والمراد بقوله عليه الصلاة والسلام:" لايغلق الرهن" على ما قالوا: الاحتباس الكلي والتمكن بأن يصير مملوكاً له .كذا ذكر الكرخي ؒ عن السلف . (الفقه الحنفي في ثوبه الجديد:٤/٤٤٩). **واللہ ﷻ اعلم۔**

اشکال اور جواب:

اشکال: ہاں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حکومت کے قانون اور استیلاء کی وجہ سے مرتہن مرہون کا مالک بن جانا چاہئے، گویا حکومت کے قانونی غلبہ کی وجہ سے حکومت نے مرتہن کو مالک بنایا جیسے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے امداد الاحکام (۳۸۲/۳و۴۰۲) میں لکھا ہے اور اس کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ پنجم میں گزر چکی ہے، تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے مرتہن مالک بن جانا چاہئے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی استیلاء یہاں نہیں آیا یہاں ایسا نہیں جیسے کسی کار کی ڈیوٹی ادا نہیں کی گئی ہو اور حکومت اس پر قبضہ کرے، اور قانونی استیلاء درحقیقت استیلاء نہیں اگر مرتہن چاہے تو مرہون کو واپس کرسکتا ہے، ہاں حضرت تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے میراث کے مسئلے میں قانونی استیلاء کو حقیقی استیلاء ضرورت اور تالیفِ قلب اور مال کی حفاظت اور بطورِ انتقام حقیقی استیلاء کا درجہ دیا ہے یعنی جب قانون کے ماتحت کافر بیٹا مسلمان باپ کا وارث بنتا ہے تو مسلمان باپ کو بھی کافر بیٹے کا وارث مان لیا گیا ورنہ عجیب بات ہوگی کہ غیر مسلم تو ہمارا مال اڑالیں اور ہم محروم رہیں۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

شئی مرہون کے ہبہ میں قبضہ کا حکم:

سوال: حامد نے محمود کے پاس سے قرض لیکر اس کے عوض زیور رہن رکھا تھا، پھر حامد نے قرض ادا کیا، اور محمود کو وہ زیور ہبہ کردیا، محمود چونکہ فقہ کی کتابیں پڑھ چکا ہے ان میں لکھا ہے کہ قبض ضمان قبض امان کا قائم مقام

نہیں ہوتا تو تجدیدِ قبض کی ضرورت ہے جب کہ حامد دور کسی اور ملک میں رہتا ہے تو اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ مسئلہ ہمارے فتاویٰ میں مفصل گزر چکا ہے یہاں اتنا لکھنا کافی ہے کہ علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ نے "**التصحیح والترجیح**" میں لکھا ہے کہ تجدیدِ قبض کے لیے یہ کافی ہے کہ محمود اس چیز کے پاس اتنی دیر رہے جتنی دیر میں اس چیز پر قبضہ ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

أما لو كانت في يده" أى الموهوب له" رهناً يحتاج إلى تجديد القبض قال الاسبيجابيؒ: بأن يرجع إلى موضع فيه العين و يمضى وقت يتمكن عن قبضها. (التصحيح والترجيح على مختصر القدورى، ص۲۸۶). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یا أیہا الذین آمنوا لا تآکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارۃ عن تراض منکم﴾

[النساء: ۲۹].

قال علیہ الصلاۃ والسلام:

”علی الید ما أخذت حتی تؤدی“

(رواہ الترمذی).

باب الغصب

عن عائشۃؓ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:

”من ظلم شبراً من الأرض طوقہ اللّٰہ من سبع أرضین“.

(متفق علیہ).

وقال علیہ الصلاۃ والسلام:

”لایآخذن أحدکم متاع أخیہ لاعباً ولاجاداً، فإذا أخذ أحدکم عصا صاحبہ فلیردھا إلیہ“.

(رواہ ابوداود).

غصب کے احکام کا بیان

تاوان ادا کرنے کے بعد شیٔ مغصوب کا حکم:

سوال: میرے پاس بلڈ پریشر چیک کرنے کی ایک مشین تھی جو بہت عمدہ مشینوں میں شمار کی جاتی تھی، ایک صاحب نے میری غیر موجودگی میں وہ مشین میری اجازت کے بغیر ہمارے گھر سے اٹھالی، بعد میں بتلایا، کچھ دنوں کے بعد میں نے مشین واپس کرنے کے لیے کہا اس نے کہا ٹھیک ہے، لیکن تلاش کرنے کے بعد کہا کہ وہ مشین گم ہوگئی، اور تاوان ادا کر دیا، کچھ مدت کے بعد اس نے یہ نوید سنائی کہ آپ کی مشین مل گئی۔اب میں اپنی مشین واپس لے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر تاوان مالک کی مرضی کے مطابق ادا کیا گیا تو مالک زبردستی مشین واپس نہیں لے سکتا، اور اگر مالک کی مرضی کے مطابق تاوان نہیں ملا بلکہ غاصب کی مرضی کے مطابق ملا تو مالک مشین واپس لے کر تاوان کی رقم واپس کر سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

فإن ظهرت العين وقيمتها أكثر مما ضمن وقد ضمها بقول المالك وببينة أقامها أو بنكول الغاصب عن اليمين فلا خيار للمالك وهو للغاصب لأنه تم له الملك بسبب اتصل به رضاء المالك حيث ادعى هذا المقدار. فإن كان ضمنه بقول الغاصب مع يمينه

فهو بالخيار إن شاء أمضى الضمان وإن شاء أخذ العين ورد العوض لأنه لم يتم رضاه بهذا المقدار حيث يدعي الزيادة وأخذه دونها لعدم الحجة. (الهداية:٣/٣٨١،كتاب الغصب).

(وكذا في البحرالرائق:٨/١٢٠،كوئته۔وتبيين الحقائق:٥/٢٣١،امداديه ،ملتان).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فإذا قضى القاضي ثم ظهرت الجارية فإن كان القضاء بالقيمة بالبينة أو بنكول الغاصب أوبإقرار الغاصب بما ادعى المالك من قيمة الجارية كانت الجارية للغاصب لا سبيل للمغصوب منه عليها وإن كان القضاء بالقيمة بزعم الغاصب بعد ما حلف الغاصب يخير المغصوب منه إن شاء استرد الجارية ورد ما قبض على الغاصب وإن شاء أمسك تلك القيمة ولاسبيل عليها. (الفتاوى الخانية على هامش الهندية:٣/٢٤٨).

(وكذا في الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٢٠٣، سعيد، والفتاوى الهندية:٥/١٣٧، الباب السابع في الدعوى الواقعة في الغصب واختلاف الغاصب والمغصوب منه والشهادة في ذلك).

یعنی اگر غاصب نے مالک کے بینہ یا غاصب کی قسم سے گریز یا غاصب کے اقرار کے نتیجہ میں قیمت ادا کی ہواور غاصب کا اقرار مالک کی بتلائی ہوئی قیمت کے موافق تھا تو مالک مغصوب کوواپس نہیں لے سکتا، اور اگر غاصب نے قسم کھا کر قسم کے نتیجے میں قیمت ادا کی ہوتو مالک مغصوب کوواپس لے سکتا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شئ مغصوب خراب ہونے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کا موبائل فون اس کی اجازت کے بغیر لے لیا اور وہ خراب ہو گیا تو اس پر تاوان ہے یا نہیں؟ اور اگر اجازت سے لیا تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بغیر اجازت کے لے لیا اور ان کے مابین اجازتِ عرفی بھی نہیں تھی اور فون خراب ہو گیا تو تاوان لازم ہوگا، اور اگر اجازت سے لیا تھا تو یہ امانت ہے لہذا تعدی اور کوتاہی کے بغیر تاوان نہیں آئیگا۔

ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں ہے:

إذا هلک مال شخص في يد آخر فإن كان أخذه إياه بدون إذن المالک ضمن بكل حال، وإن كان أخذ ذلک المال بإذن صاحبه لايضمن لأنه أمانة في يده إلا إذا كان أخذه على سوم الشراء وسمى الثمن فهلک المال لزم الضمان ...مثلاً إذا أخذ شخص إناء بلور من دكان البايع بدون إذنه فوقع من يده وأنكسر ضمن قيمته، أما إذا أخذه بإذن صاحبه فوقع من يده بلا قصد أثناء النظر وأنكسر لايلزمه الضمان ...وكذا لو وقع كأس الفقاعى من يد أحد فانكسر وهو يشرب لا يلزمه الضمان لأنه أمانة من قبيل العارية، أما لو وقع بسبب سوء استعماله فأنكر لزم الضمان. (شرح المجلة :٣/ ٢٣٠،المادة : ٧٧١).

شرح المجلة میں ہے:

الإذن دلالة كالإذن صراحة أما إذا وجد النهي صراحة فلا عبرة للإذن دلالة مثلاً إذا دخل شخص دار آخر بإذنه فوجد إناء معداً للشرب فهو مأذون دلالة بالشرب به فإذا أخذ ذلک الإناء ليشرب به فوقع من يده وهو يشرب فلا ضمان عليه... (شرح المجلة:٣/ ٢٣١، المادة: ٧٧٢).

بدائع الصنائع میں ہے:

فلا شک أن الاتلاف سبب لوجوب الضمان عند استجماع شرائط الوجوب لأن إتلاف الشيء إخراجه من أن يكون منتفعاً به منفعة مطلوبة منه عادة، وهذا اعتداء وإضرار وقد قال اللّٰه سبحانه وتعالىٰ:﴿ فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم﴾ و قال عليه الصلاة والسلام:" لا ضرر ولا ضرار فى الإسلام"، وقد تعذر نفى الضرر من حيث الصورة فيجب نفيه من حيث المعنى بالضمان ليقوم الضمان مقام المتلف فينتفى الضرر بالقدر الممكن ولهذا وجب الضمان بالغصب فبالإتلاف أولى... سواء وقع إتلافاً له صورة ومعنى بإخراجه عن كونه صالحاً للانتفاع أومعنى بإحداث معنى فيه يمنع من الانتفاع به مع

قیامه فی نفسه حقیقة . (بدائع الصنائع:۱٦٤/۷، فصل فی مسائل الاتلاف،سعید).

شرحِ مجلّہ میں ہے:

العارية أمانة في يد المستعير فإذا هلكت أو ضاعت أو نقصت قيمتها بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان مثلاً إذا سقطت المرآة من يد المستعير بلا عمد أو زلقت رجله فسقطت المرآة فانكسرت لا يلزم الضمان. (شرح المجلة:۳۱۲/۳).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۱۰۹/۸، کوئٹہ،وشرح المجلة :۲۳۱/۳،و۳۱۳/۳،وبدائع الصنائع:۱٤۸/۷،سعید).

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ایک شخص دوسرے کی کتاب مالک کی اجازت کے بغیر خاموشی کے ساتھ لے گیا۔

جواب میں فرمایا: اس کا یہ فعل غصب میں داخل ہے اور حرام ہے اس پر وہ گنہگار ہوگا اگر وہ کتاب موجود ہو تو قیمت ادا کرنا کافی نہیں بلکہ بعینہٖ اس کتاب کا واپس کرنا لازم ہے، جس طرح لایا ہے اسی طرح واپس بھی کر آئے اگر وہ تلف ہوگئی تو اس کی قیمت... یا وہ کتاب خرید کردے دے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۴۳/۲۶، مکتبہ محمودیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عقار کے غصب کا حکم:

سوال: میں ایک کمزور آدمی ہوں میری ایک زمین پر ایک بدمعاش آدمی نے قبضہ کرلیا اور پانچ سال تک اپنے قبضہ میں رکھا، اس عرصہ میں تین سال تک اس نے خود فائدہ اٹھایا اور دو سال زمین کو کرایہ پر دیا اور کرایہ وصول کیا، الغرض مختلف ذرائع استعمال کرا کے زمین اس کے قبضہ سے واپس لے لی گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس عرصہ کا تاوان اس پر لازم ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے کہ اس مدت میں زمین کی قیمت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ زمین کے غصب کی وجہ سے اگر زمین کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے تو کوئی

تاوان غاصب پر واجب اور لازم نہیں ہے، البتہ مدتِ استعمال کی اجرت طلب کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔
ملاحظہ ہو شرحِ مجلّہ میں ہے:

إن الغصب على ضربين، ما هو موجب للضمان فيشترط له إزالة اليد المحقة ، وما هو موجب للردفيشترط له إزالة إثبات اليد المبطلة . وأن الحد المذكور في تلك المادة إنما هو للضرب الثاني فباعتباره يتحقق الغصب فى العقار اتفاقاً بين أئمتنا الثلاثة، إذ لاخلاف بينهم في وجوب الرد، بل وفي جميع ما عدا حكم الضمان من أحكام الغصب .

نعم الخلاف بينهم في حكم الضمان لو هلك بآفة سماوية، فالإمامان اشترطا لتحقق الغصب الموجب للضمان أن يكون المغصوب منقولاً ، لأنه يشترط لذلك إزالة اليد المحقة كما علمت ، وهذه الإزالة لا تتحقق إلا بنقل المغصوب من مكانه إلى مكان آخر، وهذا لايمكن فى العقار.

وقال محمدؒ: إن استيلاء الغاصب على العقارالمغصوب قائم مقام الإزالة، فيكون مضموناً بالهلاک، وقولهما مشت عليه المتون، وعليه الفتوى إلا في عقارالوقف واليتيم والمعد للاستغلال، فإن الفتوىٰ فيها على قول محمدؒ بالضمان. (شرح المجلة:٣/٤٣٨،للاتاسی).

عالمگیری میں ہے:

وسئل شيخ الإسلام عطاء بن حمزة عمن زرع أرض إنسان ببذر نفسه بغير إذن صاحب الأرض هل لصاحب الأرض أن يطالبه بحصة الأرض قال:نعم إن جرى العرف فى تلك القرية أنهم يزرعون الأرض بثلث الخارج أوربعه أونصفه أوبشيء مقدر شائع يجب ذلک القدر الذي جرى به العرف . (الفتاوی الهندية:٥/١٤٤).

تنقيح الفتاوى الحامدية میں ہے:

فالحاصل أن من زرع أرض غيره بلا إذنه ولو على وجه الغصب فإن كانت الأرض ملكاً وأعدها ربها للزراعة اعتبرالعرف فى الحصة إن كان ثمة عرف وإلا فإن أعدها

للإيجار فالخارج كله للزارع وعليه أجر مثلها لربها وإلا فإن انتقصت فعليه النقصان وإلا فلا شيء عليه. (تنقيح الفتاوى الهندية:٢/١٧٢).

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے:

شرعاً کسی کا مال غصب کرنا اوراس سے انتفاع حاصل کرنا حرام ہے زمانہ غصب میں جو کچھ مغصوبہ سے حاصل ہوا ہو وہ مغصوب منہ کا حق ہے، بنابریں مغصوب منہ مغصوبہ زمین کی جملہ پیداوار کا مطالبہ کرسکتا ہے، اسی طرح مغصوبہ زمین کی بازیابی کے بعد مساجد اور دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کرسکتا ہے، مگر علاقے کے عرف کے مطابق غاصب کو اجرِ مزارعت دینا لازم ہوگا۔ (جدید معاملات کے شرعی احکام:٢/١٠٦، دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شئ مغصوب میں کمی واقع ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دوسرے شخص کی ایک مشین غصب کرلی کچھ مدت کے بعد واپس کی لیکن درمیان میں اس کی قیمت بہت کم ہوگئی تقریباً نصف قیمت رہ گئی، لیکن ٹوٹی نہیں، تو کیا تاوان واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر غاصب کے تصرف کی وجہ سے قیمت کم ہوگئی تو غاصب پر تاوان واجب ہوگا لیکن اگر اس کے تصرف کے بغیر کمی واقع ہوئی ہے اوراس نے غصب کی جگہ سپرد کی تو غاصب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو صاحبِ عنایہ علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں:

فإن كان النقصان بتراجع السعر فلا يخلو إما أن يكون الرد في مكان الغصب أولا، فإن كان فيه فلا ضمان عليه لأن تراجع السعر بفتور الرغبات لا بفوات جزء، وإن لم يكن فيه يخير المالك بين أخذ القيمة والانتظار إلى الذهاب إلى ذلك المكان فيسترده، لأن النقصان حصل من قبل الغاصب بنقله إلى هذا المكان فكان له أن يلتزم الضرر ويطالبه

بالقيمة ، وله أن ينتظر. (العناية شرح الهداية:۹/۳۲۷،دارالفكر).

ردالمحتار میں ہے:

تنبيه: النقصان أنواع أربعة: بتراجع السعر، وبفوات أجزاء العين، وبفوات وصف مرغوب فيه كالسمع والبصر واليد والأذن فى العبد والصياغة فى الذهب واليبس فى الحنطة وبفوات معنى مرغوب فيه ؛

فالأول : لا يوجب الضمان في جميع الأحوال إذا رد العين في مكان الغصب .

والثاني : يوجب الضمان في جميع الأحوال .

والثالث : يوجب الضمان في غير مال الربا نحو أن يغصب حنطة فعفنت عنده أو إناء فضة فهشم في يده فصاحبه بالخيار إن شاء أخذ ذلك نفسه ولاشيء له غيره وإن شاء تركه وضمنه مثله تفادياً عن الربا.

والرابع: هو فوات المعنى المرغوب فيه فى العين كالعبد المحترف إذا نسى الحرفة في يد الغاصب، أوكان شاباً فشاخ في يده يوجب الضمان أيضاً، هذا إذا كان النقصان قليلاً أما إذا كان كثيراً فيخير المالك بين أخذه وتركه مع أخذ جميع قيمته . (فتاوى الشامي: ۶/۱۸۸، كتاب الغصب،سعيد).

وللمزيد راجع : (شرح المجلة ۳/۴۲۹،المادة:۹۰۰،لمحمدخالد الاتاسى). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

منافعِ غصب کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کی گاڑی غصب کرلی، تین مہینے چلائی اور خوب رینٹ کمائے، پھر گاڑی مالک کو واپس کردی تو اس پر حنفی مذہب کے مطابق تاوان آئیگا یا نہیں؟ یہ بھی یادرہے کہ گاڑی میں کوئی نقصان نہیں آیا؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق گاڑی چلانے اور کرایہ حاصل کرنے کے بعد اگر کرایہ کی رقم موجود ہو تو مالک کو دے دی جائیگی اور اگر غاصب نے استعمال کرلی ہے تو تاوان نہیں، لیکن فی زماننا مفتی بہ قول یہ

ہے کہ اگر گاڑی کرایہ کے لیے ہے تو پھر جتنے دن غاصب نے استعمال کی ہے اتنے دنوں کا کرایہ لازم ہے۔

بلکہ محقق ابن ہمامؒ اور شیخ حلبیؒ اور شارحِ مجلّہ شیخ علی حیدرؒ کے قول کے مطابق اگر گاڑی کرایہ کے لیے نہ ہو تب بھی تاوان آئیگا اور ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لیے یہی قول مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومنافع الغصب غير مضمونة ...إلا في ثلاث فيجب أجر المثل على اختيار المتأخرين...أن يكون وقفاً...أو للاستغلال أو مال اليتيم ... (الدرالمختار:٦/٢٠٦،سعيد).

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

قال مشايخنا: هذا إذا لم يكن معداً للاستغلال فإن كان معداً له يضمن المنافع بالغصب. (البناية:١٠/٢٩٣).

التحرير فى أصول الفقه میں ہے:

(وينبغي مثله) أى الإفتاء بضمان إتلاف المنافع مطلقاً زماناً ومكاناً (لوغلب غصب المنافع) مطلقاً فيهما، وإن كان على خلاف القياس في باب الضمان زجراً للغصبة عن ذلک ، وقد أسلفنا في أواخرالتقسيم الأول من أقسام الوقت المقيدبه الواجب...وحكاية بعضهم الإجماع على ضمان المنافع بالغصب والإتلاف إذا كان العين معداً للاستغلال، وإذا كان الموجب لذلک الزجر للغصبة والحفظ لأموال الضعفة فلا بأس بالفتوى بضمانها حينئذٍ على الإطلاق، لاحتياج ما سوى هؤلاء إلى هذا الارتفاق وحسماً لمادة هذا الفساد بين العباد. (التحريرلابن الهمام مع التقريرلحلبى:٣/٢٦٠،ط:بيروت).

وفى التقرير للشيخ الحلبى : وفى المجتبى: وأصحابنا المتأخرون يفتون بقول الشافعي...وفي جامع الفتاوى نقلاً عن المحيط: الصحيح لزوم الأجر إن معداً للاستغلال بكل حال، وحكى بعضهم الإجماع على ضمان المنافع بالغصب والإتلاف إذا كان العين معداً للاستغلال. (التقرير:٢/١٦٨،ط:بيروت).

درر الحکام شرح مجلة الاحکام میں ہے:

أن منافع المغصوب غير مضمونة مطلقاً عند الإمام الأعظمؒ المجتهد فى الشرع والإمامين أبي يوسفؒ ومحمدؒ المجتهدين فى المذهب إلا أن متأخرى الفقهاء أهل التخريج والترجيح الحنفية شاهدوا تعدى الناس على أموال الأيتام والأوقاف فأفتوا بلزوم الضمان فيهما قطعاً للأطماع الفاسدة . انظر شرح المادتين (٣٩ و٥٩٦) إلا أن الإفتاء يجب أن يكون على فتوى الإمام الشافعيؒ المجتهد فى الشرع وأن القول الذي قيل فى المجلة بعدم ضمان منافع المغصوب فيما عدا المعد للاستغلال وأموال الأوقاف والأيتام فيؤمل قريباً أن يعمل بقول الإمام الشافعيؒ بسبب زيادة التعدي على الحقوق فتصبح منافع المغصوب مضمونة.

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام: ٤/٥٤٩، بیروت).

وفيه أيضاً: أن فقهائنا المتأخرين قد أخذوا في جواز هذه المسألة بقول الإمام الشافعيؒ دون أقوال أئمتنا الثلاثة وللمنافع قيمتة كبرى فى هذا الزمان، كما لو أنشأ أحد بنفسه قصراً للاصطياف وكان أجر المثل السنوى لهذا القصر سبعين جنيهاً فانتهز شخص آخر غياب صاحب القصر وسكنه مدة ثلاث سنوات غصباً، فعلى رأي الأئمة الحنفية لايلزمه أجر، أما عند الشافعيؒ فيلزمه، وبما أن المتأخرين من فقهاء الحنفية قالوا بضمان المنفعة في مال الوقف واليتيم فيجب على فقهاء عصرنا هذا أن يتشاوروا ويتخذوا قراراً بخصوص قبول مذهب الشافعيؒ في عموم منافع الأموال...ولزم ضمان المنفعة فيما هو معد للاستغلال إنما لأن استعماله يقوم مقام العقد الفاسد. (درر الحکام شرح مجلة الاحکام: ٢/٥٨٥، المادة: ٥٩٦، ط: بیروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مکان کے غصب پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کے مکان پر جابرانہ غاصبانہ قبضہ کرلیا اور دو ماہ اس میں رہا پھر مکان

اس آدمی سے چھڑالیا گیا۔کیا غاصب پر کرایہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: عقار کے غصب کا مسئلہ پہلے مذکور ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکان میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا تو تاوان واجب نہیں ہے البتہ اگر مکان کرایہ کے لیے تیار کیا گیا تھا تو دو ماہ کا کرایہ لازم ہوگا۔نیز اگر کرایہ کے لیے نہ ہو پھر بھی تاوان آنا چاہئے۔کمامر۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ومنافع الغصب غير مضمونة ...إلا في ثلاث فيجب أجر المثل عند المتأخرين...أن يكون وقفاً...أو مال اليتيم ...أومعداً للاستغلال . (فتاوی الشامی:٦/٢٠٦،سعید).

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

قال مشايخنا: هذا إذا لم يكن معداً للاستغلال فإن كان معداً له يضمن المنافع بالغصب. (البناية:١٠/٢٩٤).

مزید دلائل کے لیے ملاحظہ ہو مسئلہ ''عقار کے غصب کا حکم'' و''منافع غصب کا حکم''۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غلہ غصب کر کے اس کی کاشت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کچھ اناج غلہ کو چوری کیا اور اس کو کاشت کر کے فصل تیار کی، بعد میں اس کو توبہ کی توفیق ہوئی تو اب پوری فصل مالک کو دیگا یا صرف چوری کردہ غلہ دیگا پھر بقیہ کو کیا کرے گا، نیز اگر بیچ کر حاصل شدہ مال سے تجارت شروع کی اور ربح کثیر کمایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حنفیہ کے نزدیک شئ مغصوب میں غاصب کے فعل سے ایسا تغیر آجائے کہ اس شئ کا نام ہی تبدیل ہوجائے اور اس کے اکثر منافع بھی ختم ہوجائیں تو غاصب اس شئ کا مالک بن جاتا ہے، پھر اس پر حاصل ہونے والے منافع بھی غاصب ہی کی ملک میں ہوں گے، ہاں غاصب پر شئ مغصوب کا بدل ادا کرنا لازم ہوگا، اور اس کی ادائیگی سے قبل منافع سے انتفاع حلال نہیں ہوگا۔

پھر انتفاع کا حکم یہ ہے کہ اگر مالِ مغصوب کی طرف اشارہ کر کے کوئی چیز خریدی اور وہ مشار الیہ مالِ حرام قیمت میں ادا کر دیا تو اس کی آمدنی ناجائز ہے اور واجب التصدق ہے، لیکن اگر مالِ حرام کی طرف اشارہ کیے بغیر اس مال سے کچھ خریدا یا مالِ حرام کی طرف اشارہ کیا لیکن مالِ حلال ادا کیا تو اس صورت میں امام ابوالحسن کرخیؒ کے نزدیک کمایا ہوا نفع حلال ہوگا، صرف اصل مالِ حرام واجب التصدق ہوگا۔

اور صورتِ مسئولہ میں تو شئ مغصوب ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل ہوا لہذا پیداوار غاصب کی ملک میں ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صدقہ کرنا بھی لازم نہیں ہوگا۔ البتہ احتیاطاً تصدق افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ مع فتح القدیر میں ہے:

وإذا تغيرت العين المغصوبة بفعل الغاصب حتى زال اسمها وعظم منافعها زال ملك المغصوب منه عنها وملكها الغاصب وضمنها ولايحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها... وجه الاستحسان قوله عليه السلام في الشاة المذبوحة المصلية بغير رضا صاحبها "أطعموها الأسارى" أفاد الأمر بالتصدق زوال ملك المالك وحرمة الانتفاع للغاصب قبل الإرضاء... وعلى هذا الخلاف إذا غصب حنطة فزرعها أو نواة فغرسها غير أنه عند أبي يوسفؒ يباح الانتفاع فيهما قبل أداء الضمان لوجود الاستهلاك من كل وجه... وفي الحنطة يزرعها لايتصدق بالفضل عنده خلافاً لهما. (الهداية مع فتح القدير: ۹/ ۳۳۲۔۳۳۶، دار الفكر).

وفي المبسوط للإمام السرخسيؒ: وإن غصب حنطة فزرعها ثم جاء صاحبها وقد أدرك الزرع أو هو بقل فعليه حنطة مثل حنطته ولاسبيل له على الزرع عندنا... وحجتنا في ذلك أن الزرع غير الحنطة لأن الحنطة مطعوم بني آدم والزرع بقل هو علف الدواب وهذا الزرع حادث لأنه مالم يفسد الحب في الأرض لاينبت الزرع... وإذا ثبت أنه مضاف إلى عمل الزارع كان هو مكتسباً للزرع والكسب ملك للمكتسب وعليه ضمان ما صار مستهلكاً بعمله إلا أنه لايطيب له الفضل في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعند أبي يوسفؒ يطيب له الفضل لأنه كسبه ولكنا نقول دخل في كسبه من حيث أنه استعمل في الاكتساب

ملک الغیر ولأنه من حیث الصورة هذا متولد من ذلک الأصل...ومن حیث المعنی والحکم غیره فلاعتبارالصورة قلنا لایطیب له الفضل احتیاطاً. (المبسوط :۱۱/۹٤).

وللمزید راجع : (شرح المجلة للاتاسی :۳/٤۲٦،ودررالحکام شرح مجلة الاحکام:۲/٤۸٦، المادة: ۸۹۹، ط:بیروت،والفتاوی الهندیة:۳/۱٤۰، والبدائع:۷/۱۵۳، کتاب الغصب ، سعید).

درمختار میں ہے:

لو تصرف فی المغصوب والودیعة بأن باعه وربح فیه إذا کان ذلک متعیناً بالإشارة أو بالشراء بدراهم الودیعة أوالغصب ونقدها یعنی یتصدق بربح حصل فیهما إذا کانا مما یتعین بالإشارة وإن کانا مما لایتعین فعلی أربعة أوجه فإن أشار إلیها ونقدها فکذلک یتصدق وإن أشار إلیها ونقد غیرها أو أشار إلی غیرها ونقدها أو أطلق ولم یشر ونقدها لایتصدق فی الصور الثلاث عند الکرخيؒ قیل: وبه یفتیٰ. (الدرالمختار :٦/۱۸۹،سعید).

وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدرالمختار وزاد بقوله: والمختار أنه لایحل مطلقاً کذا فی الملتقی ولو بعد الضمان هو الصحیح کما في فتاوی نوازل واختار بعضهم الفتویٰ علی قول الکرخيؒ في زماننا لکثرة الحرام وهذا کله علی قولهما وعند أبي یوسفؒ لایتصدق بشيء منه کما لو اختلف الجنس ذکره الزیلعي. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:٤/۱۰۵).

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فصل واجب التصدق نہیں ہے، اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، ہاں علامہ سرخسیؒ کے قول کے مطابق احتیاطاً صدقہ کردینا افضل ہے۔ پھر آئندہ ایسا نہ کرے کیونکہ مالِ مغصوب کا فی الفور مالک کو پہنچانا لازم ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شئ مغصوب سے انتفاع کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کوئی چیز غصب کی یا چوری کی پھر مالک کو اس کا عوض دیا یا مالک معلوم نہ ہونے کی بنا پر اس کی طرف سے قیمت کا صدقہ کردیا تو اب اس چیز کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عین مغصوب کا مالک کو پہنچانا لازم اور ضروری ہے، اس سے کسی قسم کا انتفاع ناجائز ہے، اگر مالک معلوم نہ ہو تو مالک کی طرف سے اس چیز کا تصدق لازم ہے۔ الا یہ کہ شئ مغصوب ہلاک ہوجائے تو پھر قیمت واجب ہوگی۔ ہاں مالک خود معاف کردے یا بخوشی انتفاع کی اجازت دیدے تو اس کے اختیار میں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ مع شرح العنایہ میں ہے:

قال (وعلى الغاصب رد العين المغصوبة) معناه مادام قائماً لقوله عليه الصلاة والسلام:" على اليد ما أخذت حتى ترد" أى على صاحب اليد عين ما أخذت اليد حتى ترد، وقال عليه الصلاة والسلام:" لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولاجاداً، فإن أخذه فليرده عليه" ولأن اليد حق مقصود وقد فوتها عليه فيجب إعادتها بالرد إليه، وهو الموجب الأصلي على ماقالوا، ورد القيمة مخلص خلفاً لأنه قاصر إذ الكمال فى رد العين والمالية. قيل (القائل هو الاتقاني، سعدي): والصحيح هو الأول لأن الموجب الأصلي لوكان القيمة لجاز للغاصب أن يمتنع عن رد العين إذا قدر على القيمة ...(الهداية مع العناية:۹/۳۲۲،دارالفكر).

وفي حاشية الشيخ سعدى جلبي: ثبت ذلک (رد العين) على خلاف القياس بالنص فيقتصر على مورده. (حاشية الشيخ سعدى جلبى على العناية :۹/۳۲۲،دارالفكر، والبدائع:۷/۱۵۱، كتاب الغصب ، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر جنس سے حق وصول کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے زید کا مال غصب کیا تو کیا زید اپنے مال کی جگہ اتنی قیمت کی دوسری کوئی اور چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصل مذہب یہ ہے کہ غیر جنس سے حق وصول کرنا ناجائز ہے لیکن موجودہ دور میں فسادِ زمانہ

کی وجہ سے فتویٰ اس پر ہے کہ غیر جنس سے حق وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس) أى من النقود أوالعروض؛ لأن النقود يجوز أخذها عندنا على ما قررناه آنفاً. قال القهستاني: وفيه إيماء إلى أن له أن يأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فى المالية، وهذا أوسع فيجوز الأخذ به وإن لم يكن مذهبنا فإن الإنسان يعذر فى العمل به عند الضرورة كما فى الزاهدى. قلت: وهذا ما قالوا: إنه لامستند له، لكن رأيت في شرح نظم الكنز للمقدسي من كتاب الحجر. قال: ونقل جد والدي لأمه الجمال الأشقر في شرحه للقدوري أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم فى الحقوق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان لاسيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق:

قال الشاعر:

عفاء على هذا الزمان فإنه ☆ زمان عقوق لازمان حقوق

وكل رفيق فيه غيرمرافق ☆ وكل صديق فيه غيرصدوق

(فتاوى الشامى:٤/٩٥،باب السرقة ،سعيد).

وكذا نقل الطحطاوى عن الزاهد ى. انظر: (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٢/٤٢٤،كتاب السرقة، ط: كوئته).

ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے بلکہ جہاں ضرورت ہو وہاں خلافِ جنس سے حق وصول کر سکتے ہیں علامہ سندھیؒ نے اسی طرح لکھا ہے جس کو علامہ رافعیؒ نے اپنی تقریرات میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

(قوله والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة الخ) أى عند الضرورة كما يفيده عبارة المجتبى إذ عند عدمها لا يؤخذ بمذهب الغير وبه يرد على من جوزه مطلقاً، سندى عن شرح نظم الكنز. (التحريرالمختارعلى هامش فتاوى الشامى:٤/٥٠،سعيد).

علامہ شامیؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تنبیہ: قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسی عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتوی اليوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أی مال كان لاسيما في ديارنا لمداومتهم العقوق، قال الشاعر......الخ. (فتاوی الشامی: ۱۵۱/۶،سعید).

وكذا نقل عنه فی تكملة فتح الملهم :۵۸۰/۲).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ہم احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ مدیون کے مال سے دین کے علاوہ کسی دوسری جنس میں دین وصول کرنا جائز نہیں ہے، لیکن علامہ حمویؒ نے شرح کنز میں مقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خلافِ جنس سے قرض وصول کر لینے کا عدمِ جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل مفتی بہ یہ ہے کہ مدیون کا جس قسم کا مال قابو میں آجائے اس میں سے قرض وصول کر لینا جائز ہے۔ (کفایت المفتی :۱۵۴/۸، دار الاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچہ کو اغوا کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کا تین سالہ بچہ اغوا کرلیا اور وہ بچہ مغوی کے پاس مرگیا تو اس پر تاوان یا دیت واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر بڑا بچہ ۱۵ سالہ اغوا کرلیا اور مرگیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر بچہ کو معتاد جگہ پر رکھا اور بچہ خود بخود یا بخار وغیرہ کی وجہ سے مرگیا تو مغوی پر ضمان واجب نہیں ہے، اور اگر غیر معتاد جگہ پر رکھا اور وبا یا وہاں کی بیماری کی وجہ مرگیا یا سانپ وغیرہ نے ڈس لیا یا کسی آفت کی وجہ سے مرگیا تو اغوا کنندہ کے خاندان پر دیت واجب ہوگی۔ اور چھوٹے بچہ سے مراد اتنا چھوٹا ہو جو اپنا تعارف نہیں کرسکتا ہو مثلاً تین سالہ بچہ۔

اور اگر بالغ لڑکے کو اغوا کیا، پھر ایسی قید میں رکھا کہ وہ اپنی حفاظت نہ کرسکا اور ہلاک ہوگیا تو تاوان آئے گا لیکن اگر اپنی حفاظت کرسکتا تھا اور کسی چیز کے گرنے سے سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوگیا تو تاوان نہیں آئیگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

غصب رجل صبياً حراً لا يعبر عن نفسه والمراد بغصبه الذهاب به بلا إذن وليه فمات هذا الحر في يده فجأة أو بحمى لم يضمن وإن مات بصاعقة أو نهش حية فديته على عاقلة الغاصب استحساناً لتسببه بنقله لمكان الصواعق أو الحيات حتى لو نقله لموضع يغلب فيه الحمى والأمراض ضمن فتجب فيه الدية على العاقلة لكونه قتلاً تسبباً، هداية وغيرها، قلت: بقي لو نقل الحر الكبير لهذه الأماكن تعدياً إن مقيداً ولم يمكنه التحرز عنه ضمن، وإن لم يمنعه من حفظ نفسه لا، لأنه بتقصيره فحكم صغير ككبير مقيد عناية.

وفي رد المحتار: قوله لا يعبر عن نفسه لأنه لو كان يعبر يعارضه بلسانه، فلا تثبت يده حكماً كذا فى الشرنبلالية عن البرهان؛ ومثله فى الكفاية والقهستاني وغيرهما. قوله بصاعقة أى نار تسقط من السماء أو كل عذاب مهلک كما فى القاموس، فيشمل الحر الشديد والبرد الشديد والغرق فى الماء، والتردي من مكان عال كما فى الخانية وغيرها قهستاني. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٦٢٣،فصل فى غصب القن وغيره،سعيد).

(وكذا فى البدائع: ٧/١٤٦،كتاب الغصب، سعيد،و تبيين الحقائق:٦/١٦٧،وملتقى الابحر،ص٣٩٥).

وفى " الفقه الحنفى وأدلته" (٣/١١٤،ط:بيروت)**: من اختطف صبياً، فمرض فمات فى يد الغاصب، فلا ضمان عليه أبي حنيفةؒ، وإن لم يمرض، ولم يمت، ولكن قتله رجل فى يد الغاصب خطأً، فإن للأولياء أن يطالبوا أيهما شاءوا بالدية، فإن طالبوا الغاصب، رجع على القاتل، وإن طالبوا القاتل، لم يرجع على الغاصب، وكل هذا الضمان على العاقلة، وإن قتله عمداً كان أولياءه بالخيار، إن شاءوا قتلوا القاتل، وبرئ الغاصب، وإن شاءوا اتبعوا الغصب بالدية على قاتلة الغاصب، وتؤخذ من مال القاتل. ولو قتل الصبى نفسه، أو طرح**

نفسه من السيارة ، لا ضمان على الغاصب ، لأن الطفل هو الذي جنى على نفسه .

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غصب کردہ اموال کے منافع کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کا مال چوری کیا یا غصب کیا اور اس مال سے تجارت کر کے اس کو خوب بڑھایا، اب تبلیغی جماعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دی اب یہ تمام کمایا ہوا مال مالک کا ہے یا صرف چوری شدہ اور غصب شدہ مال واپس کیا جائے گا پھر باقی مال تائب کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ صورت میں چوری شدہ اور غصب شدہ مال واپس کیا جائے گا اور اس مال سے جو کمایا ہوا مال ہے اس کی درجِ ذیل چند صورتیں ہوسکتی ہے:۔

(۱) غصب شدہ مال کو متعین کر کے اس کے بدلے میں حلال مال خریدا اور پھر وہ غصب شدہ یا چوری شدہ مال قیمت میں ادا کیا۔

(۲) غصب شدہ مال کو متعین کیے بغیر حلال چیز خریدی پھر غصب شدہ مال کو قیمت میں ادا کیا۔

(۳) مال حلال کو متعین کیا اور غصب شدہ مال ادا کیا۔

(۴) غصب شدہ متعین کیا اور حلال مال ادا کیا۔

پہلی صورت میں حاصل شدہ آمدنی ناجائز اور واجب التصدق ہوگی باقی صورتوں میں امام ابوالحسن الکرخیؒ کے نزدیک حاصل شدہ اموال کے استعمال کی گنجائش ہے لہذا تائب کے لیے باقی مال استعمال کرنا جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

و من غصب شيئاً مما له مثل فهلک في يده فعليه ضمان مثله وإن كان مما لا مثل له فعليه قيمته يوم الغصب . (مختصر القدوری ،ص ۲۹۵،مؤسسة الريان).

ردالمحتار میں ہے:

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه . (ردالمحتار: ۳۸۵/٦،

سعید).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اشترى بدراهم مغصوبة ، أو بدراهم اكتسبها من الحرام شيئاً ، فهذا على وجوه : (١) إما أن دفع إلى البائع تلك الدراهم أو لا ، ثم اشترى منه بتلك الدراهم ، (٢) إذا اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفعها ، (٣) أو اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفع غير تلك الدراهم ، (٤) أو اشترى مطلقاً ، ودفع تلك الدراهم ، (٥) أو اشترى بدراهم آخر ، ودفع تلك الدراهم ، ففى الوجوه كلها لا طيب له التناول قبل ضمان يعني قبل ضمان الدراهم ، وبعد الضمان يطيب له الربح ، هكذا ذكره فى الجامع الصغير قال أبو الحسن الكرخيؒ: هذا الجواب صحيح فى الوجه الأول والثاني ، أما فى الوجه الثالث والرابع والخامس يطيب له، واليوم قالوا : الفتوىٰ على قول أبى الحسن الكرخيؒ ، لكثرة الحرام دفعاً للحرج على الناس ، و على هذا تقرر رأى الصدر الشهيدؒ. (الفتاوى التاتارخانية : ١٦/ ٥١٠، ط : ديوبند).

وللمزيد راجع: (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٥/ ٢٣٥،سعيد،والدرالمختار:٦/ ١٨٩،سعيد،وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/ ١٠٥، كوئته).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس قدر مال بطریق حرام کمایااس کی واپسی لازم ہے...لیکن اس مال کے ذریعہ دوسرا حلال مال کمایا گیااس کوحرام نہ کہا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۸/ ۴۰۸،فاروقیہ،و۱۸/ ۴۱۰)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

کافر مغصوب منہ کی طرف سے صدقہ کا حکم:

سوال: اگرکسی شخص نے کافر کا مال غصب کیااوراس کی جگہ معلوم نہیں ہےتو مسلمان اس کے ساتھ کیا کرے گااگراس کی طرف سے صدقہ کرے گاتو کافر کی طرف سے صدقہ ہوسکتا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب: عینِ مغصوب کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کردی جائے جب تک موجود ہو اگر ہلاک ہوگئی ہو تو تاوان واجب ہوگا، لیکن اگر مالک کا صحیح پتہ نہ ہو اور نہ پتہ لگانا آسان ہو تو پھر اس کی طرف سے صدقہ کیا جائیگا، البتہ کافر کی طرف سے ایصالِ ثواب نہیں ہوسکتا اس لیے بلانیتِ ثواب دیدے جیسے مردار کتے وغیرہ کو گھر سے باہر نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

و يجب رد عين المغصوب لقوله عليه الصلاة والسلام على اليد ما أخذت حتى ترد ولقوله عليه الصلاة والسلام: لا يحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولاجاداً ، وإن أخذه فليرده عليه. (فتاوى الشامي:٦/١٨٢،سعيد).

مالِ مغصوب واپس کرنے سے بریٔ الذمہ ہوتا ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله يبرأ بردها أى رد العين المغصوبة إلى المغصوب منه. (فتاوى الشامي:٦/١٨٢،سعيد).

کافر کی طرف سے ایصالِ ثواب ممکن نہیں ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عبد الرزاق قال حدثنا معمرعن يحيى بن أبي كثير قال أحسبه عن عمروبن شعيب قال: كان على العاص بن وائل مائة رقبة يعتقها فجعل على ابنه هشام خمسين رقبة وعلى ابنه عمر وخمسين رقبة فذكر ذلك عمرولرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه لايعتق عن كافر ولو كان مسلماً فأعتقت عنه أو تصدقت أوحججت بلغه ذلك . (أخرجه عبدالرزاق:٩/٦١/١٦٣٤٩).

عمدۃ القاری میں ہے: **إن الكافر لا تصح منه قربة فيكون مثاباً على طاعته ، ويصح أن يكون مطيعاً غيرمتقرب كنظيره فى الإيمان،فإنه مطيع من حيث كان موافقاً للأمر والطاعة عندنا موافقة للأمر، ولكنه لايكون متقرباً، لأن من شرط التقرب أن يكون عارفاً بالمتقرب إليه، وهوفى حين نظره لم يحصل له العلم بالله تعالىٰ بعد.** (عمدة القارى:٦/٤١٥،باب من تصدق فى الشرك،ط: دارالحديث ، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر مسلم کو آخرت میں طاعات پر اجر ملنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غیر مسلم کے مال کو چوری کیا یا چھین لیا تو کیا قیامت کے دن غیر مسلم کو مسلمان کے حسنات دئے جائیں گے یا نہیں؟ اور کیا اس فعل کا بوجھ مسلمان پر آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسلمان کی نیکیاں کافر کو نہیں دی جائیں گی کیونکہ کفار اس کے اہل ہی نہیں ہیں یعنی ان کے اندر اس کی اہلیت نہیں ہے کہ وہ ثواب کے مستحق ہوں اور جو کچھ دنیا میں انہوں نے نیکی کے کام کیے ہیں تو اس کی وجہ سے تخفیف ہوسکتی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک کفر کے علاوہ کافر کے دوسرے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں۔

اور کافر سے مراد ذمی اور مستامن ہے یعنی جو محارب نہ ہو اور نہ حالتِ جنگ میں ہو۔ البتہ بوقتِ صلح و معاہدہ حربی بھی داخل ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

مسلم غصب من ذمي مالاً أو سرقة ، فإنه يعاقب عليه يوم القيمة ؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً ، والذمي لا يرجى منه العفو بخلاف المسلم ، فكانت خصومة الذمى أشد ، وعند الخصومة لا يعطى ثواب طاعة المسلم للكافر ؛ لأنه ليس من أهل الثواب ولا وجه لأن يوضع على المسلم وبال كفر الكافر فيبقى في خصومته . (ردالمحتار:۳/۶۹۴،باب الاستلاد ، سعيد).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

مسلم غصب مال الذمي يعاقب يوم القيمة ويخاصمه الذمي يوم القيمة وظلامة الكافر أشد من ظلامة المسلم . (الفتاوى السراجية،ص۳۵۸،ط: زمزم).

وفى الدرالمختار: وظلم الذمى أشد من المسلم ؛ وفى رد المحتار : قوله أشد من المسلم ، لأنه يشدد الطلب على ظالمه ليكون معه فى عذابه ، ولا مانع من طرح سيئات

غير الكفر على ظالمه ، فيعذب بها بدله ذكره بعضهم . (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٤٠٢، سعيد).

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/٢٠١، كوئته، و فتاوىٰ قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية :٣/٢٥٨،كتاب الغصب).

قال في " بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية " فى الصنف الثامن من التسعة فى آفات الرجل (٦/٣٥) :

(وكذا الذمى) ، وكذا المستأمن بل الحربى عند الصلح (إن لم يستحل) فيحل (فى الدنيا) وإلا فمجرد الاستحلال ليس بمفيد إلا أن يجعل على معنى أصل الفعل أى إن لم يحل الذمى ، فى التاتارخانية : علاقة الكافر أشد من علاقة المسلم ؛ لأنه لا وجه أن يعطى ثواب المسلم ولا وجه أن يوضع على المسلم وبال كفره فيعاقب عقوبته . ثم ذكرما نقل عن قاضى خان آنفاً ونقل عن الحاشية : هنا اعلم أن الطريق في حقوق العباد أحد الأمور الثلاثة : الإعطاء من حسنات من عليه الحق إن وجدت وإلا أو لم تف فيحمل إثم من له الحق عليه وإدخاله فى النار بدله أو إعطاء الدرجات العالية من اللّٰه تعالىٰ تفضلاً وكل منهما لايتصور فيهما لعدم دخولهما الجنة فلا فائدة لهما في إعطاء الحسنات والدرجات ، وعدم إمكان تحمل إثمهما لعدم الإثم فى الحيوان واقتضاء إثم الكفر التأبيد فى النار والمؤمن لايتأبد فيها وليس للكافر سوى كفره إثم ، و في بعض النسخ زيد قوله : لأنه غير مكلف بالفروع .

أقول : إن كان المقام مقام الرواية فلا مجال لأحد أن يتكلم ، وإن سوغ جانب الدراية فيجوز تخفيف عذاب الكافر بتحمل قوة بعض وزره إلى المسلم مثلاً ولا شك فى تفاوت عذاب الكفار بل ذلک أنفع له من تعذيب المسلم لحقه ، ويجوز أن يخلق اللّٰه تعالىٰ للحيوان مراعى على وفق اقتضاء طبيعته ويجعلها فى مقابلة حقه وأنه قادر على خلق قوة الرضاء عنه بمقابلتها و بما ذكر يندفع ما يرد أن الشهادة مانعة من دخول النار وحقوق

الـكـافـر والـحيوان من دخول الجنة فكيف حال من جمع فيه هذان الأمران وهو المناسب لظاهر قوله : ﴿و يغفر ما دون ذلک لمن يشاء﴾ والله تعالیٰ أعلم .

کفار کو دنیا وآخرت میں حسنات کا فائدہ ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل ملاحظہ ہو:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أنـه سـمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، و ذكر عنده عمه أبو طالب فقال: لعله تنفعه شفاعتي يوم القيمة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبيه يغلى منه أم دماغه . (رواه البخاری:۲/ ۹۷۱،باب صفة الجنة والنار).

و عن عبد الله بن الحارث بن نوفل عن عباس رضي الله عنه أنه قال للنبي صلى الله عليه وسلم: هل نفعت أبا طالب بشيء [وفی رواية: فإنه كان يحفظک ويغضب لک قال: نعم و هو في ضحـضـاح مـن نار و لولا أنا، لكان فی الدرک الأسفل من النار. "البخاری :۲/ ۹۱۷، باب كنية المشرك ، ۱/ ۵٤۸، باب قصة ابی طالب، ط: فیصل"]. (رواه البخاری :۲/ ۹۷۲، باب صفة الجنة والنار).

وفـی البـخـاری: قـال عـروة : وثويبة مولاة لأبي لهب كان أبولهب أعتقها فأرضعت الـنبـي صـلـى الله عليه وسلم فلما مات أبولهب أريه بعض أهله بشرحيبة قال له: ماذا لقيت قـال أبـولهـب: لـم ألـق بـعدكم خيراً غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة . (صحيح البخاری: ۲/ ۷٦٤، كتاب النكاح).

فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ رقمطراز ہے:

قوله بعتاقتی ...قال البيهقی : ما ورد من بطلان الخير للكفار فمعناه أنهم لا يكون لهم التـخـلـص من النار ولا دخول الجنة ، ويجوز أن يخفف عنهم من العذاب الذي يستوجبونه عـلى ما ارتكبوه من الجرائم سوى الكفر بما عملوه من الخيرات ، وأما عياض فقال: انعقد الإجـماع على أن الكفار لا تنفعهم أعمالهم ولا يثابون عليها بنعيم ولا تخفيف عذاب ؛ وإن كـان بـعـضهـم أشد عذاباً من بعض ؛ قلت: وهذا لا يرد الاحتمال الذي ذكره البيهقي، فإن جـمـيـع مـا ورد مـن ذلک فـيـمـا يتـعـلـق بـذنب الكفر، وأما ذنب غير الكفر فما المانع من

تخفيفه؟ وقال القرطبي: هذا التخفيف خاص بهذا و بمن ورد النص فيه ، وقال ابن المنير في الحاشية : هذا قضيتان إحداهما محال وهي اعتبار طاعة الكافر مع كفره ، لأن شرط الطاعة أن تقع بقصد صحيح ، وهذا مفقود من الكافر. الثانية : إثابة الكافر على بعض الأعمال تفضلاً من الله تعالىٰ، وهذا لا يحيله العقل فإذا تقرر ذلك لم يكن عتق أبي لهب لثويبة قربة معتبرة . و يجوز أن يتفضل الله عليه بما يشاء كما تفضل على أبي طالب ، و المتبع في ذلك التوقيف نفياً و إثباتاً ، قلت: و تتمة هذا أن يقع التفضل المذكور إكراماً لمن وقع من الكافر البر له و نحو ذلك ، والله أعلم . (فتح الباری :۹/۱٤۵).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أن الكافر قد يعطى عوضاً من أعماله التي يكون منها قربة لأهل الإيمان بالله ، كما في حق أبي طالب . غير أن التخفيف عن أبي لهب أقل من التخفيف عن أبي طالب وذلك لنصرة أبي طالب لرسول الله صلى الله عليه وسلم وحياطته له وعداوة أبي لهب له . وقال ابن بطال : وصح قول من تأول في معنى الحديث الذى جاء عن الله تعالىٰ: أن رحمته سبقت غضبه ، أن رحمته لا تنقطع عن أهل النار المخلدين فيها، إذ في قدرته أن يخلق لهم عذاباً يكون عذاب النار لأهلها رحمة وتخفيفاً بالإضافة إلى ذلك العذاب ومذهب المحققين أن الكافر لا يخفف عنه العذاب بسبب حسناته فى الدنيا، بل يوسع عليه بها فى دنياه . وقال القاضى عياض ... وقال الكرماني : لا ينفع الكافر العمل الصالح . إذ الرؤيا ليست بدليل ، وعلى تقدير التسليم يحتمل أن يكون العمل الصالح والخير الذى يتعلق بالرسول صلى الله عليه وسلم مخصوصاً ، كما أن أبا طالب أيضاً ينتفع بتخفيف العذاب ... (عمدة القارى: ١٤/٤٤،ط: دارالحديث ، ملتان).

(و كذا فى شرح البخارى لابن بطال :۷/۱۹۵).

فتح الباری میں ہے:

فیحتمل أن یجازی بتخفیف العذاب عنه بمقدار ما عمل ، لقوله تعالیٰ : ﴿ونضع الموازین القسط لیوم القیامة فلا تظلم نفس شیئاً﴾ قلت: هذا البحث النظری معارض بقوله تعالیٰ:﴿ولایخفف عنهم من عذابها﴾ وحدیث أنس رضی اللہ عنہ الذي أشرت إلیه ، وأما ما أخرجه ابن مردویه والبیهقی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفعه " ما أحسن محسن من مسلم ولا کافر إلا أثابه اللّٰه ، قلنا یارسول اللّٰه ما إثابة الکافر ؟ قال : المال والولد والصحة وأشباه ذلک قلنا : وما إثابته فی الآخرة ؟ قال : عذاباً دون العذاب، ثم قرأ : ﴿ أدخلوا آل فرعون أشد العذاب ﴾ فالجواب عنه أن سنده ضعیف ، وعلی تقدیر ثبوته فیحتمل أن یکون التخفیف فیما یتعلق بعذاب معاصیه ، بخلاف عذاب الکفر. (فتح الباری : ۴۳۱/۱۱).

وفي عمدة القاری : قوله " لعله تنفعه شفاعتي" قیل : یشکل هذا بقوله تعالیٰ: ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعین﴾ ، [المدثر:۴۸]، وأجیب بأنه خص فلذلک عدوه من خصائص النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، وقیل : جزاء الکافر من العذاب یقع علی کفره وعلی معاصیه فیجوز أن اللّٰه تعالیٰ یضع عن بعض الکفار بعض جزاء معاصیه تطییباً لقلب الشافع لا ثواباً للکافر . لأن حسناته صارت بموته علی کفره هباء منثوراً . (عمدة القاری : ۶۲۷/۱۵، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار).

شراحِ حدیث کی درج کردہ عبارات کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ کفار کو مطلقاً اعمالِ حسنہ کا فائدہ نہیں ہوگا۔

☆ دنیا میں اعمالِ حسنہ پر بدلہ دیا جائے گا نہ کہ آخرت میں۔(مثلاً دنیا میں مال ودولت، اولاد، صحت وعافیت وغیرہ کے اعتبار سے)۔یہ محققین کا مذہب ہے۔

☆ اعمالِ حسنہ کے سبب آخرت میں عذاب میں تخفیف ہوگی۔جیسا کہ روایات میں گزرا کہ ابوطالب اور ابولہب کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگی۔

اشکال: اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**فلا یخفف عنهم من عذابها**﴾، کفار سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) اس کا جواب یہ ہے کفار کو عذاب دو سبب سے ہوگا (الف) کفر کے سبب۔ (باء) دیگر معاصی کے سبب۔ لہذا دیگر معاصی والے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے، لیکن کفر کے سبب جو عذاب ہوگا اس میں بالکل کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

(۲) ابو طالب اور ابولہب کے لیے تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۳) شافع کے اطمینانِ قلب کے لیے ہے نہ کہ کفار کے حسنات کا بدلہ دینے کے لیے۔ ورنہ کفار کے اعمال موت علی الکفر کی وجہ سے ہباءً منثورا ہو چکے۔

(۴) تخفیفِ عذاب کا ہونا خواب کی بات ہے اور خواب حجت نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰه تعالیٰ :

﴿إن اللّٰه يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾

(النساء:۵۸).

عن أبي بن كعبؓ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال فى اللقطة : ”عرفها ، فإن جاء أحد يخبرك بعددها ووعائها ووكائها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها.

(اخرجه مسلم).

وعن عمر بن الخطابؓ قال فى اللقطة: يعرفها سنة فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها ...الخ.

(رواه ابن ابى شيبة فى المصنف).

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وسئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة ، من التقط شيئاً فليعرفه سنة ، فإن جاء صاحبها فليردها إليه، وإن لم يات صاحبها فليتصدق بها ... الخ.

(أخرجه الدار قطني).

احکامِ لقطہ کا بیان

باورچی خانہ میں آٹے کے بیگ کا حکم:

سوال: زید کو عام طلبہ کے باورچی خانہ میں ایک آٹے کا بیگ ملا اور وہ تقریباً دو ماہ سے وہاں موجود تھا، کوئی مالک معلوم نہیں، اب اس بیگ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لیے استعمال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آٹے کا بیگ لقطہ کے حکم میں ہے، اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جس کو ملا ہے وہ اس کا اعلان اور اس کی تشہیر کریگا یہاں تک کہ مالک معلوم ہو جائے، لیکن اگر ہر ممکن حد تک تلاش وجستجو بسیار کے باوجود مالک کا سراغ نہ ملے اور جب اس کی آمد سے مکمل مایوسی ہو جائے، تو پھر خود اٹھانے والا اگر فقیر محتاج ہے تو وہ استعمال کرسکتا ہے، اور اگر وہ صاحبِ حیثیت ہے تو پھر مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو لقطہ کے بارے میں احادیث میں موجود ہے:

أخرج الدار قطني: (٤/ ١٨٢)، **والطبراني في الأوسط:** (٥ / ٣٥٣)، **عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه، وإن لم يات صاحبها فليتصدق بها ... الخ. وهذا اللفظ للدار قطني، وإسناده ضعيف.**

وروى ابن أبي شيبة في المصنف عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال في اللقطة يعرفها سنة

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها ...الخ. (رواه ابن ابی شیبة فی المصنف:۱۰/۱۳۹/۱۸۶۳۰).

درمختار میں ہے:

(وعرف) أی نادی علیها حیث وجدها وفی المجامع (إلی أن علم أن صاحبها لایطلبها أو أنها تفسد إن بقیت کالأطعمة) والثمار ، قوله : إلی أن علم أن صاحبها لا یطلبها لم یجعل للتعریف مدة اتباعاً للسرخسی رحمه الله فإنه بنی الحکم علی غالب الرأی ، فیعرف القلیل والکثیر إلی أن یغلب علی رأیه أن صاحبه لا یطلبه وصححه فی الهدایة ، وفی المضمرات والجوهرة، وعلیه الفتویٰ...فینتفع الرافع بها لو فقیراً و إلا تصدق بها علی فقیر. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۲۷۸، سعید).

ہدایہ میں ہے:

و یفوض إلی رأی الملتقط یعرفها إلی أن یغلب علی ظنه أن صاحبها لا یطلبها بعد ذلک ثم یتصدق بها ، وإن کانت اللقطة شیئاً لایبقی عرفه حتی إذا خاف أن یفسد تصدق به، وینبغي أن یعرفها فی الموضع الذي أصابها . (الهدایة : ۲/۶۱۴، کتاب اللقطة).

امام محمدؒ سے اشیاء کے اعتبار سے مدت کی تحدید بھی مروی ہے لیکن ملاعلی قاری وغیرہ حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مدت کی تحدید لازم نہیں ہے، مسلم شریف کی حدیث کے اطلاق کی وجہ سے آخذ کی رائے پر موقوف ہے۔

ملاحظہ ہو فتح باب العنایہ میں ہے:

(وعرفت) ما یبقی ، علی سبیل الوجوب ،(في مکان وجدت) بأن نادی أني وجدت لقطة لا أدري مالکها ، فلیأت مالکها أو لیصفها لأردها علیه (و) عرف أیضاً (فی المجامع) لأن ذلک أقرب إلی الوصول إلی صاحبها (مدة لا تطلب بعدها) ... و روی محمد عن أبي حنیفةؒ : إن کانت أقل من عشرة دراهم عرفها أیاماً علی حسب ما یری ، وإن کانت عشرة فصاعداً عرفها حولاً . . .والصحیح أن شیئاً من هذه التقادیر لیس بلازم ، وإن تفویض التقدیر إلی رأی الآخذ ، لإطلاق حدیث مسلم عن أبي بن کعب رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه

علیہ وسلم قال فی اللقطة : " عرفها ، فإن جاء أحد يخبرک بعددها ووعائها ووكائها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها. [أخرجه مسلم فی اللقطة ، رقم: ١٧٢٣] ...**ولأن النبي صلى الله عليه وسلم قد زاد على السنة ونقص منها...**(شرح النقاية:٤/ ١١٦،ط:بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ زید اس بیگ کی تشہیر کریگا یہاں تک کہ اطمینان ہوجائے کہ اس کا مالک اب تلاش نہیں کریگا پھر اگر وہ محتاج ہے تو استعمال کرسکتا ہے ورنہ مالک کی طرف سے صدقہ کردے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مبیع میں سے کوئی قیمتی چیز برآمد ہونے کا حکم:

سوال: آج کل اناج غلہ وغیرہ کمپنیوں سے پیک ہوکرآتا ہے اور دکانوں میں فروخت ہوتا ہے، اگر مشتری کو خریدنے کے بعد اس بیگ میں سے کوئی قیمتی چیز مثلاً سونے کا سکہ مل گیا تو یہ کس کا ہوگا؟ کمپنی والوں کو واپس کیا جائے گا، یا بائع کا ہوگا یا مشتری خود لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بائع اور بائع البائع سے دریافت کیا جائے اگر وہ لاعلمی ظاہر کریں یا کہدیں کہ ہمارا نہیں ہے تو پھر اس کا حکم لقطہ کا ہے کہ مالک کو تلاش کرکے پہنچادے اور اگر مالک نہ ملے تو اگر خود مشتری محتاج ہے تو استعمال کرلے ورنہ صدقہ کردے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی التاتارخانية عن الينابيع : اشترى داراً فوجد في بعض الجدار دراهم . قال أبوبكر : إنها كاللقطة . قال الفقيه : وإن ادعاه البائع رد عليه ، وإن قال ليست لي فهي لقطة. (فتاوی الشامی: ٤/ ٢٨٥، كتاب اللقطة ، سعيد).

ہدایہ میں ہے:

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها إيصالاً للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذلک بإيصال عينها عند الظفر بصاحبها وإيصال العوض وهو الثواب على اعتبار

إجازته التصدق بها و إن شاء أمسكها رجاء الظفر بصاحبها . (الهداية : ٦١٥/٢،كتاب اللقطة).

نیز مذکور ہے:

وإن كان الملتقط غنياً لم يجزله أن ينتفع بها ... ولنا أنه مال الغير فلا يباح الانتفاع به إلا برضاه لإطلاق النصوص والإباحة للفقير لما رويناه أو بالإجماع فيبقى ما وراءه على الأصل ... وإن كان الملتقط فقيراً فلا بأس بأن ينتفع بها لما فيه من تحقيق النظر من الجانبين ولهذا جاز الدفع إلى فقير غيره . (الهداية :٦١٧/٢، كتاب اللقطة). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مالک کے لاپتہ ہونے پر امانت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے پاس امانت ہے، کافی عرصہ گزرنے کے بعد بھی مالک کا کوئی پتہ نہیں ہے، اب اس امانت کا کیا حکم ہے؟ مزید کتنی مدت اس کو رکھا جائے گا؟ اور مالک کے نہ آنے پر اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر غالب گمان یہ ہے کہ مالک مرگیا ہوگا یا نہیں آئے گا اور نہ کسی وارث کا علم ہے تو اس کا حکم لقطہ کی طرح ہے اگر غنی ہے تو صدقہ کردے اور اگر خود محتاج ہے تو استعمال کرنے کی اجازت ہے، البتہ اگر مالک آکر امانت کا مطالبہ کرے تو قیمت ادا کردینا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في شرح الوهبانية : وفي البزازية قال الإمام الحلواني: إذا كان عنده وديعة فمات المودع بلا وارث له أن يصرف الوديعة إلى نفسه في زماننا هذا ، لأنه لو أعطاها لبيت المال لضاع لأنهم لايصرفون مصارفه فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى المصرف . (فتاوى الشامي: ٣٣٦/٢، باب العشر، سعيد ، و كذا في :١٥٩/٤، سعيد و ٧٣٤/٦، سعيد) .

(و كذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ٢٠٧/٦). **واللہ ﷻ اعلم۔**

لاوارث میت کے مال کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا اور جس کے ہاں انتقال ہوا اس کو میت کے ورثہ کا کوئی علم نہیں، تو اس کے مال کے ساتھ کیا کرے؟ اور اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس کا حکم لقطہ کی طرح ہے اگر خود فقیر ہے تو وہ خود استعمال کر لے ورنہ فقراء میں تقسیم کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وفی الحاوی : غریب مات فی بیت إنسان ولم یعرف وارثه فترکته کلقطة ، ما لم یکن کثیراً فلبیت المال بعد الفحص عن ورثته سنین ، فإن لم یجدهم فله لو مصرفاً. وفي رد المحتار: قوله ما لم یکن کثیراً ، ...والظاهر أن المراد بالکثیر ما زاد علی خمسة دراهم لما فی البحر عن الخلاصة والولوالجیة : مات غریب في دار رجل ومعه قدر خمسة دراهم فله أن یتصدق علی نفسه إن کان فقیراً کاللقطة وفی الخانیة : لیس له ذلک لأنه لیس کاللقطة . قال فی البحر : والأول أثبت وصرح به فی المحیط. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤/٢٨٤، سعید).

الاختیار میں ہے:

غریب مات في دار رجل لیس له وارث معروف وخلف مالاً وصاحب المنزل فقیر فله الانتفاع به بمنزلة اللقطة . (الاختیارلتعلیل المختار: ٣/٣٧،کتاب اللقطة ، ط: بیروت).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

غریب مات في بیت رجل و لیس له وارث معروف وخلف مالاً و صاحب الدار فقیر، فله أن یتصدق بها علی نفسه کذا ذکره في فتاویٰ أئمة سمرقند . (الفتاوی السراجیة علی هامش الخانیة: ٢/٤٩، کوئته).

خلاصہ یہ ہے کہ بعض کتبِ فقہ مثلاً: الاختیار، فتاویٰ سراجیہ وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبِ خانہ فقیر ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہے، چاہے مال زیادہ ہو یا کم، لیکن بعض دیگر کتبِ فقہ مثلاً: درمختار، شامی، بحر، جوہرہ، محیط وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قلیل ہو تو استعمال کی اجازت ہے مثلاً پانچ دراہم کے بقدر، البتہ مالِ کثیر ہو تو بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، فی زماننا چونکہ بیت المال کا نظام نہیں ہے اس وجہ سے کل مال کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے۔ لیکن قاضیخانؒ نے مطلقاً استعمال کی اجازت نہیں دی ہے مگر علامہ ابن نجیمؒ نے پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لقطہ فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو کوئی چیز ملی اس نے دوسرے کو بہت سستی قیمت پر فروخت کر دی، مالک ابھی تک نہیں ملا، اب ملتقط کیا کرے حاصل شدہ رقم صدقہ کر دے یا اصلی قیمت صدقہ کرے یا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے عین شئ مالک تک پہنچا دی جائے لیکن اگر مالک دستیاب نہیں ہوا تو برابر اس کی تشہیر کی جائے یہاں تک کہ مالک کی آمد سے مایوسی ہو جائے تو پھر اس کا صدقہ کر دیا جائے اور اگر وہ خود فقیر ہے تو استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن لقطہ کو فروخت نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، اگر فروخت کر دیا تو قیمت صدقہ کر دے اور مالک آجائے تو اس شئ کی اصلی قیمت واپس کرنی ہوگی۔

اعلاء السنن میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أنه قال فى اللقطة : يعرفها صاحبها الذي أخذها سنة، إن جاء لها طالب وإلا تصدق بها ، ثم إن جاء لها طالب بعد ذلک كان صاحبها بالخيار إن شاء ضمنه مثلها وكان الأجر للذي تصدق بها، وإن شاء أمضى الصدقة وكان له الأجر. أخرجه

ابـن خسـر و فـي مسنده للإمام ، وأخرجه الإمام محمد بن الحسن فى الآثار ، فرواه عن أبي حنيـفةؒ ، وقال : وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفةؒ ...قوله : فلتكن وديعة عندك رواه البخارى ومسـلـم ، ودلالتـه عـلى معنى الباب ظاهرة حيث جعل المالك بالخيار بعد ما استنفقها أو تـصـدق بهـا الملتقط، إن شاء ضمنه مثلها وإن شاء تركه وكان له الأجر، فثبت أن اللقطة لا تكون ملكاً للملتقط بعد انقضاء مدة التعريف بل تبقى على ملك صاحبها .

واختـلف الـعـلـماء فيما إذا تصرف فى اللقطة بعد تعريفها سنة ثم جاء صاحبها ، هل يـضـمـنها له أم لا ؟ فالجمهور على وجوب الرد إن كانت العين موجودة أو البدل إن كانت استهلكت . (اعلاء السنن:۱۳/۱۹،باب اللقطة وديعة عندالملتقط يغرمهالمالكهاان تصرف فيها).

وللمزيد انظر : (الهداية:۲/۶۱۵،والدرالمختار۴/،واحسن الفتاویٰ:۶/۳۹۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لقطہ کی تشہیر کا طریقہ:

سوال: لقطہ کی تعریف وتشہیر کس طرح کی جائے اس کا کوئی خاص طریقہ ہے؟

الجواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ عام اجتماعات، مساجد کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلانات کیے جائیں اور اخبارات واشتہارات لگائے جائیں، نیز آج کل مثلاً ریڈیو اسلام وغیرہ نشریاتی آلات کے ذریعہ بھی تشہیر کی جاسکتی ہے، غرض ہر ممکن طریقہ سے اس کی تشہیر کی جائے، اگر مالک مل جائے اور علامات سے یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ یہی شخص اس کا مالک ہے تو وہ شئی اس کے حوالہ کر دی جائے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي بن كعب رضي الله عنه أن رسـول الـلّـه صلى الله عليه وسلم قال فى اللقطة : "عرفها ، فإن جـاء أحـد يـخبـرک بعددها ووعائها ووكائها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها. [أخرجه مسلم فى اللقطة ، رقم: ۱۷۲۳].

فتح باب العنایہ میں ہے:

(وعرفت) ما يبقى ، على سبيل الوجوب ،(في مكان وجدت) بأن نادى أني وجدت لقطة لا أدري مالكها ، فليأت مالكها أو ليصفها لأردها عليه (و) عرف أيضاً (فى المجامع) لأن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها . (شرح النقاية: ٤/١١٦، ط:بيروت).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله أى نادى عليها الخ ، أشار إلى أن المراد بالتعريف الجهر به كما فى الخلاصة لا كما فعله بعضهم حيث دلى رأسه في بئر خارج المصر فنادى عليها فاتفق أن صاحبها كان هناك فسمعه كما حكاه السرخسيؒ...قوله وفى المجامع ، أى محلات الاجتماع كالأسواق وأبواب المساجد بحر، وكبيوت القهوات في زماننا. (رد المحتار : ٤/٢٧٨، سعيد).

واللہ ﷻ اعلم۔

سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کے استعمال کا حکم:

سوال: سیلاب میں اگر کوئی چیز بہہ کر آجائے تو اس کو استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ان اشیاء کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہہ کر آئی ہوئی چیزیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں:

(۱) معمولی قسم کی اشیاء جن کے بارے میں یقین یا ظن غالب ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کریگا، ان اشیاء کا استعمال جائز اور درست ہے ان کی تشہیر کی چنداں حاجت وضرورت نہیں ہے۔

(۲) قیمتی چیزیں جن کے بارے میں اکثر مالک کو تلاش وجستجو رہتی ہے، ان اشیاء کا استعمال درست نہیں، ان کا حکم لقطہ کی طرح ہے یعنی اعلان اور تشہیر ضروری ہے۔

(۳) قیمتی چیز ہو لیکن اس کے جلدی خراب ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً بہت زیادہ پھل وغیرہ تو ان کا استعمال درست ہے، البتہ اگر مالک آکر طلب کرے تو قیمت واپس کرنا لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو مجمع الضمانات میں ہے:

حطب وجد فی الماء : إن لم يكن له قيمة فهو حلال لمن أخذه ، وإن كان له قيمة يكون لقطة ، وحكم اللقطة معلوم .

التفاح والكمثرى إذا كان في نهر جار، قالوا: يجوز أخذه وإن كان كثيراً ؛ لأن هذا مما يفسد لو ترك ، ولو وجد جوزة ثم أخرى حتى بلغ عشراً ، و لها قيمة ، فإن وجد الكل في موضع واحد ، فهو لقطة ؛ لأن لها قيمة ، وإن وجدها في مواضع متفرقة اختلف المشايخ فيه ، والمختار أنها بمنزلة لقطة ، بخلاف النوى إذا وجدت ، متفرقة ، ويكون لها قيمة ، فإنه يجوز أخذها ؛ لأن النواة مما يرمى عادة فتصير بمنزلة المباح ، ولا كذلك الجوز ، حتى لو وجد الجوز تحت الأشجار ويتركها صاحبها فإنها بمنزلة النواة . (مجمع الضمانات : ١/ ٤٦٧، الباب السادس عشر فى مسائل اللقيط واللقطة ،ط: دارالسلام).

درمختار میں مرقوم ہے:

حطب وجد فی الماء ، إن له قيمة فلقطة وإلا فحلال لآخذه كسائر المباحات الأصلية ، درر. وفی الشامية : (قوله إن له قيمة فلقطة) وقيل: إنه كالتفاح الذي يجده فی الماء ، وذكر في شرح الوهبانية ضابطاً ، وهو أن ما لا يسرع إليه الفساد ولا يعتاد رميه كحطب وخشب فهو لقطة إن كانت له قيمة ولو جمعه من أماكن متفرقة فی الصحيح ، كما لو وجد جوزة ثم أخرى وهكذا حتى بلغ ما له قيمة ، بخلاف تفاح أو كمثرى في نهر جار فإنه يجوز أخذه وإن كثر لأنه مما يفسد لو ترك ، وبخلاف النوى إذا وجد متفرقاً وله قيمة فيجوز أخذه لأنه مما يرمى عادة فيصير بمنزلة المباح ولا كذلك الجوز ، حتى لو تركه صاحبه تحت الأشجار فهو بمنزلته. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤/ ٢٨٤،كتاب اللقطة ، سعيد).

(وكذا فی شرح منظومة ابن وهبان: ١/ ٢٢٤، كتاب اللقيط واللقطة،ط: ديوبند).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۴/۱۷۱، جامعہ فاروقیہ، وجدید معاملات کے شرعی احکام:۲/۱۱۵، ودارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجرت پر ٹھیک کرنے کے لیے کوئی چیز دی پھر مالک نہیں آیا:

سوال: خالد اجرت پر اشیاء ٹھیک کرتا ہے، راحل نے اپنی کوئی چیز ٹھیک کرانے کے لیے خالد کو دی، کئی سال گزر گئے لیکن وہ شخص لینے کے لیے نہیں آیا، اب خالد اس کے ساتھ کیا کرے؟ اس کو استعمال کرسکتا ہے یا فروخت کر کے پیسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ مزید رکھنے میں خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر خالد مالک کی آمد سے مایوس ہو جائے اور مزید رکھنے میں خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس چیز کا صدقہ کر دیا جائے، اگر خالد خود فقیر محتاج ہے تو اس کو استعمال کرسکتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں مالک آجائے اور طلب کرے تو قیمت ادا کرنی ہوگی۔

ملاحظہ ہو ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في شرح الوهبانية : وفى البزازية قال الإمام الحلواني: إذا كان عنده وديعة فمات المودع بلا وارث ، له أن يصرف الوديعة إلى نفسه في زماننا هذا ، لأنه لو أعطاها لبيت المال لضاع لأنهم لايصرفون مصارفه فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى المصرف . (فتاوى الشامي: ۲/۳۳٦، باب العشر، سعيد، و كذا فى :٤/١٥٩، سعيد و ٦/٧٣٤، سعيد) .

مسلم شریف میں ہے:

عن أبي بن كعب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى اللقطة : " عرفها ، فإن جاء أحد يخبرك بعددها ووعائها ووكائها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها . (أخرجه مسلم فى اللقطة ، رقم: ۱۷۲۳).

ہدایہ میں ہے:

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها إيصالاً للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذلك بإيصال عينها عند الظفر بصاحبها وإيصال العوض وهو الثواب على اعتبار

إجازته التصدق بها و إن شاء أمسكها رجاء الظفر بصاحبها . (الهداية : ۲/ ۶۱۵، كتاب اللقطة).

نیز مذکور ہے:

وإن كان الملتقط غنياً لم يجزله أن ينتفع بها ... ولنا أنه مال الغير فلا يباح الانتفاع به إلا برضاه لإطلاق النصوص والإباحة للفقير لما رويناه أو بالإجماع فيبقى ما وراءه على الأصل ... وإن كان الملتقط فقيراً فلا بأس بأن ينتفع بها لما فيه من تحقيق النظر من الجانبين ولهذا جاز الدفع إلى فقير غيره . (الهداية :۲/ ۶۱۷، كتاب اللقطة).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۶/ ۳۸۹، وجدید معاملات کے شرعی احکام:۲/ ۱۱۲، دارالاشاعت)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مدرسہ میں طلبہ کی کتاب، کاپی کا حکم:

سوال: سال کے اختتام پر بہت سے ملکی اور غیر ملکی طلبہ اپنی ذاتی کتابیں، کاپیاں درسگاہوں، کمروں اور مدرسہ کی مختلف جگہوں میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اکثر انہیں ان چیزوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ کبھی اپنی کتاب یا کاپی لینے کے لیے واپس نہیں آئیں گے، کیا ایسی کتابیں کسی بھی طالبِ علم کے لیے استعمال کرنا اور اپنے لیے رکھ لینا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر کسی کتاب کا مالک معلوم ہو اور کتاب پر اس کا نام مکتوب ہو تو اس سے رابطہ کر کے پوچھ لیا جائے کہ کتاب کے ساتھ کیا کریں، عام طور پر کتاب پر نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اور اگر نام مکتوب نہ ہو اور مالک معلوم نہ ہو تو یہ کتابیں لقطہ کے حکم میں ہیں مالک کی تحقیق کی جائے اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالک نہیں ملے گا تو کتابیں مالکین کی طرف سے فقیر طلبہ کو دے دی جائیں اگر واجد یعنی اٹھانے والا خود مالکِ نصاب نہیں تو وہ خود بھی لے سکتا ہے۔

لقطہ کے دلائل ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کر لیے جائیں۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن ابن عمرؓ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم
عامل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع .

(متفق علیہ)

عن ابن شهاب قال: فلم يكن للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم
عمال يعملون بها على نخل خيبر و زرعها ،
فدعا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يهود خيبر ،
فدفع إليهم خيبر على أن يعملوها على النصف فيؤدوها
إلى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ، وأصحابه...

(مصنف عبدالرزاق).

باب المزارعة والمساقاة

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :
ما من مسلم يغرس غرساً ، أو يزرع زرعاً ، فيأكل منه طير
أو إنسان ، أو بهيمة ، إلا كان له به صدقة.

(متفق علیہ).

مزارعت اور مساقات کے احکام کا بیان

مزارعت کا شرعی حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی زمین دوسرے کو مزارعت پر دے کہ آدھی فصل آپ کی ہوگی اور آدھی ہماری ہوگی تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہو تو کوئی مدت متعین نہ کرے تو عقد فاسد ہوگا یا نہیں؟ اور کتنی مدت کے بعد مزارع کو مزارعت سے علیحدہ کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ مزارعت ناجائز ہے، لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور مذہبِ احناف میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے لہذا یہ معاملہ جائز اور درست ہے۔ نیز مزارعت بالنصف او بالثلث او بالربع سب جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مدت متعین نہ کی ہو تب بھی مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے، البتہ یہ معاملہ صرف پہلی کٹائی پر ہوگا۔

مزارعت کے جواز کے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

قال فی الموسوعة الفقهية الكويتية: اختلف الفقهاء في حكم المزارعة إلى اتجاهين: فذهب المالكية والحنابلة، وأبويوسفؒ ومحمدؒ، وعليه الفتوىٰ عند الحنفية إلى جواز عقد المزارعة، ومشروعيتها، وممن رأى ذلك سعيد بن المسيبؒ، وطاووسؒ،

وعبـد الـرحمن بن الأسودؒ ، وموسى بن طلحةؒ ، والزهريؒ ، وعبد الرحمن بن أبي ليلىؒ وابنه وابن عباس رضی اللہ عنہ في قول . وقد روى ذلك عن معاذ رضی اللہ عنہ ، والحسنؒ ، وعبد الرحمن بن يزيدؒ ، وسفيان الثوريؒ ، والأوزاعيؒ وابن المنذرؒ وإسحاقؒ ، وآخرين .

واستدلوا على ذلك بالسنة والإجماع و المعقول .

فمن السنة ما روي عن ابن عمر رضی اللہ عنہ " أن رسـول الله صلى الله عليه وسلم عامل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أوزرع " [أخرجه البخارى ومسلم].

أمـا الإجـماع فقد أجمع الصحابة قولاً وعملاً على مشروعية المزارعة ، ولم يخالف في ذلك أحد منهم . [المغنى:٥/٤١٨].

فـالـمـزارعة شـريـعة متـوارثة ، لتـعـامـل السلف والخلف ذلك من غيـر نكيـر . [بدائع:٦/١٧٥، وتبيين الحقائق:٥/٢٧٨].

وأمـا الـمـعـقـول ، فـقـالـوا : أن المزارعة عقد شركة بمال من أحد الشريكين وهو الأرض ، وعـمل من الآخر و هو الزراعة ، فيجوز بالقياس على المضاربة ، والجامع بينهما دفـع الـحاجة في كل منهما ، فإن صاحب المال قد لا يهتدي إلى العمل ، والمهتدى إليه قد لا يـجد المال ، فمست الحاجة إلى انعقاد هذا العقد بينهما. [تبيين الحقائق : ٥/٢٧٨، والمبسوط :١٧/٢٣، والهـداية مـع تكملة الفتح:٩/٤٦٣]. (الـمـوسـوعة الفقهية الكويتية:٣٧/ ٥٠،ط: وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية).

شرح النقایہ میں ہے:

(ولا تـصح عند أبي حنيفةؒ)...(وصحت عندهما) لما أخرجه الجماعة إلا النسائى عن نافعؒ ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ : أن رسـول الـله صلى الله عليه وسلم عامل أهل خيبر بشرط ما يـخـرج مـنهـا مـن ثمر أو زرع ...(و به) أى : بقولهما فى المزارعة (يفتى) لحاجة الناس إليهـا ، و تـعـامـل الـنـاس بهـا ، والـقياس يترك بالتعامل كما فى الاستصناع . وقد أجازها

الخلفاء الراشدون ، وعمدة من الأنصار والمهاجرين .

...والأظهر أن صحة المزارعة رواية عنه والمسائل متفرعة عليها إلا أنه اختار فسادها ، وأخذ أصحابه برواية صحتها. (فتح باب العناية :٣ / ٤٣٦،ط: بيروت).

وللمزيد راجع : (بدائع الصنائع: ١٧٥/٦،كتاب المزارعة ، سعيد ،و اعلاء السنن : ١٧/ ٣٨ـ٥٥،والدرالمختارمع ردالمحتار: ٢٧٥/٦،سعيد ، والتصحيح والترجيح للشيخ قاسم بن قطلوبغا،ص٣١٥) .

بلاتعیین مدت مزارعت کے جواز کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال العلامة أبو بكر الكاسانيؒ : وأما الذي يرجع إلى مدة المزارعة فهو أن تكون المدة معلومة فلا تصح المزارعة إلا بعد بيان المدة لأنها استئجار ببعض الخارج ولا تصح الإجارة مع جهالة المدة و هذا هو القياس فى المعاملة ... إلا أنها جازت فى الاستحسان لتعامل الناس ذلک من غير بيان المدة وتقع على أول جزء يخرج من الثمرة في أول السنة لأن وقت ابتداء المعاملة معلوم . (بدائع الصنائع: ١٨٠/٦،سعيد).

شرح نقایہ میں ہے:

ويشترط فى المدة : أن لا تكون أقل مما يمكن فيه الزراعة ، وأن لاتكون لا يعيش إلى مثلها أحدهما غالباً ، وهو المختار للفتوى ، على ما فى الخزانة . وعند محمد بن سلمةؒ لايشترط بيان المدة ، ويقع ما لم يبين فيه المدة على سنة واحدة ، وبه أخذ الفقيه أبو الليث وفى الفتاوى المنصورية : الفتوى على ما قاله محمد بن سلمة. (فتح باب العناية : ٤٣٦/٣،ط:بيروت).

ممکن ہے کہ پہلی کٹائی ایک سال پر ہوتی ہو اس وجہ سے ایک سال کی مدت فتویٰ کے لیے اختیار کی گئی۔

و للاستزادة انظر : (شرح المجلة : ٣٧٦/٤ ، والدرالمختار مع رد المحتار: ١٩٥/٦و٢٧٥، والموسوعة الفقهية الكويتية : ٦٠/٣٧، والفتاوى السراجية، ص٥٣٥، والفتاوى الهندية:٢٣٦/٥، واللباب فى شرح الكتاب ، وعمدة القارى:٢٣/٩،كتاب المزارعة ، دارالحديث ، ملتان) . **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بلا تعیین مدت مزارعت پر دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے زمین کسی کو بٹائی یعنی مزارعت پر دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ایک سال کے لیے ہے یا دو سال کے لیے، تو مزارعت فاسد ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتنی مدت کے لیے ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مزارعت میں تعیین مدت شرط ہے دیگر شرائط کی طرح، لہذا مدت کی جہالتِ مطلقہ مفسدِ مزارعت ہے، لیکن اگر مدت عرفاً متعین ہو تو ایسی جہالت مفسد نہیں ہے بلکہ مزارعت پہلی فصل کٹنے پر ہوگی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

والثالث (أى شرط الثالث) بيان المدة . (الهداية:٤/٤٢٥).

عنایہ میں ہے:

وبيان المدة يريد به مدة يمكن خروج الزرع فيها. (العناية شرح الهداية:٩/٤٦٤،دارالفكر).

تبیین الحقائق میں ہے:

وأن يبين المدة لأنه عقد على منافع الأرض أو العامل وهي تعرف بالمدة ويشترط أن تكون المدة قدر ما يتمكن فيها من الزراعة . (تبيين الحقائق: ٥/٢٧٩).

شرحِ مجلّہ میں شیخ محمد خالد الاتاسی لکھتے ہیں:

وأما الذى يرجع إلى المدة فيشترط أن تكون المدة معلومة ...حتى أنه لو كان في موضع لا يتفاوت ، يجوز من غير بيان المدة وتقع المزارعة على أول زرع يخرج ... (شرح المجلة :٤/٣٧٦).

الدر المختار میں ہے:

وقيل : في بلادنا تصح بلا بيان مدة ، ويقع على أول زرع واحد وعليه الفتوى مجتبى وبزازية. وفى الشامية: قوله مجتبى وبزازية ، عبارة البزازية : وعن محمد جوازها بلا بيان

المدة و تقع علی أول زرع یخرج واحد ، و به أخذ الفقیه و علیه الفتویٰ . (الدر المختار مع ردالمحتار:۶/۲۷۵و۱۹۵،سعید).

وفی الفتاوی السراجیة : إذا دفع أرضاً مزارعة ولم یبین وقتاً الفتوی علی أنه یجوز في بلادنا في سنة واحدة أی في زرع واحد . (الفتاوی السراجیة،ص:۵۳۵،ط: زمزم).

عالمگیری میں ہے:

...لو کان في موضع لا یتفاوت یجوز من غیر بیان المدة وهو علی أول زرع یخرج.

(الفتاوی الهندیة:۵/۲۳۶، و کذا فی البدائع الصنائع : ۶/۱۸۰، سعید ، وشرح النقایة :۳/۴۳۶).

خلاصہ یہ ہے جہاں تعین مدت کا عرف نہ ہو،لوگ بلاتعیین مدت اپنی زمینیں مزارعت پر دیتے ہوں تو وہاں بلاتعیین مدت بھی جائز ہے اور پہلی فصل کٹنے پر مزارعت ختم ہوگی ۔ ہاں اگر بلاتعیین مدت باعث نزاع ہو تو تعیین مدت ضروری ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مزارعت کی چند صورتیں اور ان کے احکام:

سوال: میں نے ایک رسالہ میں پڑھا ہے کہ مزارعت کی درجِ ذیل صورتیں جائز ہیں باقی جائز نہیں ہیں:۔

(۱) زمین ایک کی ہو اور بقیہ چیزیں مثلاً: بیج ٹریکٹر محنت دوسرے کی ہو یہ جائز ہے۔

(۲) زمین اور تخم ایک کا ہو اور عمل اور ٹریکٹر دوسرے کا ہو یا زمین اور ٹریکٹر ایک کا ہو اور محنت اور تخم دوسرے کا ہو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن آج کل چونکہ زمین پر بہت سارے اخراجات آتے ہیں اس لیے عرف وعادت یہ ہے کہ زمین مالک کی ہوتی ہے اور عمل کاشتکار کا ہوتا ہے اور بیج، ٹریکٹر، کیڑا مار دواؤں میں دونوں شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں کیا شرعاً اس کی اجازت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقہاء مزارعت کو مضاربت کی طرح سمجھتے ہیں اور مضاربت میں راس المال ایک کا اور عمل دوسرے کا ہوتا ہے لہذا اگر مزارعت میں بھی زمین ایک کی ہو اور محنت دوسرے کی ہو اور بقیہ

اخراجات میں دونوں شریک ہوں تو اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر فقہائے احنافؒ نے مزارعت کی صرف چار صورتوں کو جائز قرار دیا ہے لیکن علامہ شامیؒ اور دوسرے حضرات نے ان کے علاوہ جواز کی دوسری صورتیں بھی بیان فرمائی ہے اور علامہ شامیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس مسئلہ میں کوئی ایسا قاعدہ کلیہ نہیں ہے جس میں مزارعت کی تمام جائز صورتیں منحصر ہو جائیں۔

حاصل یہ ہے کہ مزارعت کا اصل مدار عرف اور تعامل پر ہے امام ابو یوسفؒ نے تعامل کی وجہ سے بعض ایسی شرائط کو جائز قرار دیا ہے جو اصل ظاہر الروایہ کے اعتبار سے مفسدِ عقد ہیں۔

بنابریں تعامل اور عرف کی وجہ سے صورتِ مسئولہ کی بھی گنجائش ہونی چاہئے، جب کہ علامہ فتح محمد لکھنوی صاحبؒ نے اس کو صراحۃً جائز فرمایا ہے۔

دلائل حسبِ ذیل درج کیے جاتے ہیں:

وأما الشرائط المفسدة للمزارعة فأنواع ... و منها شرط الحصاد و الرفع إلى البيدر والدياس والتذرية ... و روي عن أبي يوسفؒ أنه أجاز شرط الحصاد و رفع البيدر والدياس والتذرية على المزارع لتعامل الناس و بعض مشايخنا بماوراء النهر يفتون به أيضاً وهو اختيار نصير بن يحيىؒ ومحمد بن سلمةؒ من مشايخ خراسان . (بدائع الصنائع: ١٨٠/٦،فصل فى الشرائط المفسدة للمزارعة ،سعيد).

وللمزيد راجع : (حاشية ابن عابدين :٢٨٢/٦،سعيد، والموسوعة الفقية الكويتية:٦٣/٣٧، وزارة الاوقاف، والفتاوى الهندية:٢٣٧/٥، والمبسوط للإمام السرخسي:٣٦/٢٣، وتبيين الحقائق:٢٨٣/٥، وتكملة البحرالرائق: ١٦٣/٨، و شرح المجلة :٣٧٧/٤).

شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ونفقة الزرع عليهما بالحصص، كاجر الحصاد ونحوه ، فإن شرط على العامل ، صح عند أبي يوسفؒ، وبه يفتى . و هذا اختيار مشايخ بلخ . قال شمس الأئمة : وهو الأصح في ديارنا ، يعني لتعامل الناس بها ، كذا فى الهداية . وفسد في ظاهر الرواية ... و عن نصير بن

يحييٰ ، و محمد بن سلمةؒ أن هذا كله يكون على العامل ، شرط عليه أم لا، بحكم العرف . قال شمس الأئمة السرخسيؒ : هذا هو الصحيح في ديارنا ، كذا في فتاوى قاضيخان، والله أعلم. (فتح باب العناية :۳/۴۳۹، كتاب المزارعت ، ط:بيروت).

(وكذا في التصحيح والترجيح،ص : ۳۱۷).

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہی ہے کہ عامل پر کیا مشروط ہونا چاہئے اور کیا نہیں اس کا اصل مرجع عرف اور تعامل ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی کو صحیح بتلایا ہے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ تلمیذ مولانا عبدالحی لکھنویؒ جو محقق و مدقق مفتی تھے ان کے کلام سے بھی جواز مترشح ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو عطر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

دوم (بٹائی) اور اسی کو مزارعت کہنا چاہئے یعنی جو پیدا ہو اس میں سے ایک مقدار صاحبِ زمین کی اور دوسری مقدار بونے والے کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے یہی معاملہ کیا تھا اس میں زمین محل ہے اور بقر اور رہٹ وغیرہ آلات اور تخم اور جو کچھ آب پاشی وغیرہ میں خرچ ہو وہ مصارف اور عمل سے نظم و نسق مراد ہے اور جو کچھ کام ہاتھ سے کرے یا خاص اپنی طرف سے کرائے وہ بھی داخل عمل ہے پس ضرور ہے کہ محل یعنی زمین کا مقابلہ عمل سے کیا جائے یعنی ایک شخص کی زمین ہو تو دوسرے کی طرف سے عمل رہے، مصارف بحکمِ شرط مشترک رہیں یا مختص۔ (عطر ہدایہ،ص ۱۲۱، ط:،کتبہ عصریہ دیوبند)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی کی زمین میں کاشت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین میں بلا اجازت یا زبردستی کاشت کرے تو فصل کس کی ہوگی؟ نیز کاشت کار کو کیا ملے گا؟

الجواب: (۱) اگر وہ زمین مزارعت (حصہ پر کاشت کرنے) کے لیے مخصوص ہو اور مزارع کا حصہ عرفاً معلوم ہو تو مزارعت ہے۔

(۲) اگر اس کا حصہ معلوم نہیں مختلف ہے تو پھر غصب کے حکم میں ہے۔ چنانچہ اگر زمین میں کوئی نقصان

واقع ہوا ہے تو تاوان واجب ہوگا۔اور اگر کوئی نقصان واقع نہیں ہوا تو غاصب بری ہوگا البتہ مالک مدتِ استعمال کی اجرت طلب کرسکتا ہے۔

(۳) جو اناج وغلہ کاشتکار نے اس زمین میں ڈال کر مزید حاصل کیا ہے تو جتنا اس نے ڈالا تھا اسی کے بقدر استعمال کرنے کی اجازت ہے باقی صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

قال في ردالمحتار : قال في الذخيرة : قالوا : إن كانت الأرض معدة للزراعة ، بأن كانت الأرض في قرية اعتاد أهلها زراعة أرض الغير ، وكان صاحبها ممن لا يزرع بنفسه ، و يدفع أرضه مزارعة فذلك عن المزارعة ، ولصاحب الأرض أن يطالب المزارع بحصة الدهقان على ما هو متعارف أهل القرية النصف أو الربع أو ما أشبه ذلك . (رد المحتار: ۱۹۵/٦، سعيد) .

عالمگیری میں ہے:

قال مولانا وعندي إن كانت الأرض معدة لدفعها مزارعة ونصيب العامل من الخارج معلوم عند أهل ذلك الموضع ولا يختلف فزرعها رجل جاز استحساناً وإن لم تكن الأرض معدة لدفعها مزارعة أو لم يكن نصيب العامل من الخارج واحداً عند أهل ذلك الموضع بل كان مختلفاً فيما بينهم لا يجوز و يكون المزارع غاصباً وإنما ينظر إلى العادة إذا لم يعلم أنه زرعها غصباً فإن علم أنه زرعها غصباً بأن أقر الزارع عند الزرع أنه يزرعها لنفسه لا على المزارعة أو كان الرجل ممن لا يأخذ الأرض مزارعة ويأنف من ذلك يكون غاصباً ويكون الخارج له وعليه نقصان الأرض . (الفتاوى الهندية:۲۷۲/٥).

(و كذا في فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:۱۸۷/۳).

وفي الخانية : رجل زرع أرض الغير لنفسه كان الزرع له ، وعليه لصاحب الأرض نقصان الأرض إن انتقصت بزارعته وطريق معرفة النقصان عند البعض أن ينظر إلى قيمة الأرض قبل الزرع و إلى قيمتها بعد الزرع فيضمن الفضل وعند البعض ينظر بكم تستأجر

الأرض قبل الزرع و بکم تستأجر بعد الزرع فیضمن الفضل . (فتاوی قاضی خان :۳ /۱۸۷).

وفیـه أیـضـاً : وعـلـی الـمـزارع أن یـرفع من الخارج مقدار أجر عمله وثیرانه وبذره ویتصدق بالباقي کما فی الغصب. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۳/۱۸۷). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مساقات کا شرعی حکم:

سوال: زید نے عمر کو اپنے باغ کی نگرانی اور پانی دینے وغیرہ کے لیے تین ہزار رینڈ ماہانہ تنخواہ پر ملازم رکھا لیکن اس نے باغ کی نگہداشت میں غفلت کی اور باغ نے کما حقہ پھل نہیں دئے، کیونکہ اس کو صرف اپنی تنخواہ کی فکر تھی، اب زید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ملازم رکھنے کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہے جس میں ملازم کے فائدہ کے ساتھ میرا بھی فائدہ ہو جائے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تلافی نقصان کا حل شریعتِ مطہرہ میں مساقات ہے۔

مساقات کہتے ہیں اپنے درخت یا باغ کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا تا کہ وہ اس کو سیراب کرے اور اس کی دیکھ بھال کرے اور اس کو اس قابل بنائے کہ اس میں زیادہ پھل لگے، اور شرط یہ ٹھہرائے کہ پیدا ہونے والے پھل کا ایک معین حصہ اجرت میں دیا جائیگا۔

مفتی بہ قول کے مطابق شرعاً یہ معاملہ جائز اور درست ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا تھا۔

بنا بریں بصورتِ مسئولہ مزدور سے یہ کہدے کہ تم باغ کی خدمت کروگے پانی وغیرہ دوگے اور تم کو کل پیداوار میں سے اتنا حصہ ملےگا۔ اس طور پر جانبین سے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

أخرج البخاري و مسلم عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ **أنـه قال : عامل النبي صلی اللہ علیه وسـلـم أهـل خیبـر بشـطـر ما یخرج منها من ثمر أو زرع**. (اخرجه البخاری، رقم:۲۳۲۹، ومسلم، رقم:۱۵۵۱).

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أبو حنيفة رحمه الله: إنها غير مشروعة وقال أبو يوسف رحمه الله ومحمد رحمه الله والشافعي رحمه الله مشروعة واحتجوا بحديث خيبر أنه عليه الصلاة والسلام دفع نخيلهم معاملة . (بدائع الصنائع :٦/١٨٥، كتاب المعاملة ، سعيد).

ہدایہ میں ہے:

و قالا : جائزة إذا ذكر مدة معلومة و سمى جزء من الثمرة مشاعاً و المساقاة هي المعاملة فى الأشجار والكلام فيها كالكلام فى المزارعة . (الهداية:٤/٤٣١،كتاب المساقاة).

الموسوعہ میں ہے:

اختلف الفقهاء في حكم المساقاة على أقوال : القول الأول : إنها جائزة شرعاً ، هو قول المالكية ، والحنابلة ، والشافعية ، ومحمد رحمه الله وأبي يوسف رحمه الله من الحنفية وعليه الفتوى عندهم . واستدلوا بحديث ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطى خيبر اليهود أن يعملوها و يزرعوها و لهم شطر ما يخرج منها. و بالقياس على المضاربة من حيث الشركة فى النماء فقط دون الأصل . (الموسوعة الفقهية الكويتية:٣٧/١١٣،وزارة الاوقاف).

مساقاۃ کی شرائط:

(۱) عمل صرف عامل کے ذمہ ہو باغ کا مالک عمل میں شریک نہ ہوگا، یہی مساقاۃ کا تقاضا ہے۔

(۲) باغ مکمل طور پر عامل کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ باغ کی درستگی وغیرہ یکسوئی کے ساتھ انجام دے سکے۔

(۳) پیداوار کے بعض حصہ کو اجرت ٹھہرایا جائے مثلاً آدھا، یا تہائی، یا چوتھائی۔ وغیرہ۔

(۴) مدت متعین کر لی جائے، ایسی مدت جس میں آسانی کے ساتھ ایک مرتبہ پھل لگ کر تیار ہو جائے اور اس کو اتارا جا سکے، اگر ایسی مدت متعین کی کہ جس میں عام طور پر ایک مرتبہ پھل لگ کر تیار نہیں ہوتا، تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ لیکن اگر سرے سے مدت متعین ہی نہ کی تو عقد صحیح ہوگا اور پہلی کٹائی پر محمول ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل باب المزارعت کے تحت گزر چکی ہے۔

الموسوعہ میں ہے:

قال الحنفية : المساقاة كالمزارعة فى الخلاف والحكم و فى الشروط إلا المدة ، والقياس أن تذكر المدة لما فيها من معنى الإجارة ، وفى الاستحسان : يجوز ، وإن لم يبينها و تقع على أول ثمرة تخرج ، لأن وقت إدراك الثمرة معلوم والتفاوت فيه قليل ويدخل فيه المتيقن . (الموسوعة الفقهية الكويتية:۱۲٦/۳۷،وزارة الاوقاف).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق:۱٦۴/۸،ط:الماجدية، وتكملة فتح القدير: ۴۷۸/۹، دارالفكر، والموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱۳/۳۷. ۱۴۰، واحسن الفتاویٰ:۳۸۰/۷،وجدید معاملات کے شرعی احکام:۲۴۴/۲).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالی: ﴿أحلت لکم بھیمۃ الأنعام﴾

وقال تعالیٰ: ﴿قل أحل لکم الطیات، وماعلمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللّٰہ فکلوا مما أمسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ، واتقوا اللّٰہ﴾

(سورۃ المائدۃ)

کتاب الصید والذبائح

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن اللّٰہ تعالیٰ کتب الإحسان علی کل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلۃ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ولیحد أحدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ. (رواہ مسلم).

عن عدی بن حاتمؓ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا أرسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فإن أمسک علیک فأدرکتہ حیاً فاذبحہ وإن أدرکتہ قد قتل ولم یأکل منہ فکلہ

وإن أکل فلاتأکل، فإنما أمسک علی نفسہ فإن وجدت مع کلبک کلباً غیرہ وقد قتل فلا تأکل فانک لاتدری أیھما قتل،

وإذا رمیت بسھمک فاذکر اسم اللہ فإن غاب عنک یوماً فلم تجد فیہ إلا أثر سھمک فکل إن شئت،

وإن وجدتہ غریقاً فی الماء فلا تأکل. (متفق علیہ).

باب......۱

ذبح کرنے کے احکام کا بیان

جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک گائے کو گولی ماری اس گولی کے نتیجے میں یہ جانور تین چار منٹ میں مرجائے گا، لیکن اس کو فی الفور ذبح کیا گیا، اور ذبح کرنے سے اس کا پورا خون بہہ گیا، کیا شرعاً یہ ذبح معتبر ہے یانہیں؟

الجواب: گائے یا کسی جانور کو جو گولی ماری جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ گولی جو جانور کو بے حس کر کے ذبح کے وقت اس کی تکلیف کو کم کرتی ہے اور کچھ دیر کے بعد یہ جانور ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کا احساس وشعور درست ہو جاتا ہے اور وہ چلنے پھرنے لگتا ہے اس قسم کی بے ہوشی کی گولی مارنے میں تو کوئی حرج نہیں بلکہ آج کل کے اہل تحقیق کے نزدیک جانور کی تکلیف کو کم کرانے کے مترادف ہے۔ نیز اس میں ذبح کے عمل کو تیز کرنے کا پہلو بھی موجود ہے اس سلسلہ کے ایک محقق دکتور علی مصطفیٰ یعقوب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

الصعق: ــ مما يتعلق بعملية الذكاة ما يسمى بالصعق أو stunning و هوعبارة عن عملية فقدان الوعي والشعور من الحيوان المذبوح . والصعق على نوعين : الصعق بالتيار الكهربائي، والصعق بالضرب على رأس المذبوح...أما الصعق الضربي فيعمل به إما قبل

الذبح ، وإما بعد الذبح . وكان الغرض من الصعق أمران :

[۱] إزالة الوعي والشعور من الحيوان الذى سيذبح، حتى إذا ذبح لا يشعر بأى ألم.

[۲] إسراع أعمال الانتاج ، حيث لايحتاج إلى وقت طويل فى الانتاج ، إذا لايستعمل الذابح الصعق، يكون الانتاج قليلاً جداً ، ...وإذا ثبت ذلک ، فالصعق الذى لم يصل إلى درجة القتل، من باب الإحسان للحيوان المذبوح لأنه لا يشعر بأي ألم عند الذبح، والله أعلم. (معاييرالحلال والحرام فى الاطعمة والاشربة والادوية والمستحضرات التجميلة على ضوء الكتاب والسنة للدكتورعلى مصطفى يعقوب،ص۳۱۸).

اور(۲)دوسری قسم وہ گولی ہے کہ جس کے مارنے سے تین یا پانچ منٹ کے بعد جانور مر جاتا ہے۔چونکہ یہ دومرتبہ قتل کرنے کے مترادف ہے،اس لیے یہ مکروہ ہے،تاہم فقہاء کا اتفاق ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور زندہ تھا اورشرعی طور پر ذبح کردیا تو جانور حلال ہوگا۔لیکن اس میں تعذیبِ حیوان ہے۔اورآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حیوان کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ نرمی اوراچھا سلوک کرو۔

چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

عن شداد بن أوس رضي الله عنه قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله تعالىٰ كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته . (رواه مسلم :۱۵۲/۲،باب الامرباحسان الذبح والقتل).

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کرلی ہیں، حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کردیا ہے پس جب تم (کسی کافرکو)قتل کروتو اچھے انداز میں قتل کرو،اور جب تم (کسی جانورکو) ذبح کروتو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اوراپنی چھری تیز کرلو اوراپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

قال الإمام النووي ؒ: قوله صلى الله عليه وسلم: فأحسنوا القتله، عام فى كل قتيل من الذبائح والقتل قصاصاً وفي حد ونحوذلک ، وهذا الحديث من الأحاديث الجامعة لقواعد

الإسلام. والله أعلم. (شرح مسلم:۲/۱۵۲).

مرقات میں ہے:

وقد قال علماؤنا وكره السلخ قبل أن تبرد وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث ولما أخرج الحاكم في المستدرك وقال صحيح على شرط الشيخين عن ابن عباس رضي أن رجلاً أضجع شاة يريد أن يذبحها وهو يحد شفرته فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أتريد أن تميتها موتتين هلا حددت شفرتك قبل أن تضجعها. (مرقاة المفاتيح:۸/۱۱۵،امداديه ،ملتان).

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وهذا لأن في جميع ذلك وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة وهومنهي عنه والحاصل أن مافيه زيادة إيلام لايحتاج إليه في الذكاة مكروه ...إلا أن الكراهة لمعنى زائد وهو زيادة الألم قبل الذبح أو بعده فلا يوجب التحريم . (الهداية:٤/٤٣٩،كتاب الذبائح).

اوراگر جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو وہ مردار کے حکم ہوگا۔ملاحظہ ہو:

وإذا وصل الصعق إلى درجة قتل الحيوان، فلا شك أن المذبوح على هذه الحالة لايؤكل، لأن القتل لم يكن على الشريعة الإسلامية. (معاييرالحلال والحرام،ص۳۱۸).

مجمع الفقه الإسلامي کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

وبعد مناقشة الموضوع ، وتداول الرأى فيه قررالمجمع ما يلي:

أولاً : إذا صعق الحيوان المأكول بالتيارالكهربائي ثم بعد ذلك تم ذبحه أو نحوه وفيه حياة فقد ذكى ذكاه شرعية، وحل أكله لعموم قوله تعالى:﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغيرالله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما ذكيتم﴾ [المائدة:۳].

ثانياً : إذا زهقت روح المصاب بالصعق بالكهربائي قبل ذبحه أونحره فإنه ميتة يحرم أكله ، لعموم قوله تعالى: ﴿حرمت عليكم الميتة﴾.

ثـالثـاً : صـعـق الـحيوان بالتيارالكهربائى ــ عالى الضغط ــ هو تعذيب للحيوان قبل ذبـحـه أو نحره ، والإسلام ينهى عن هذا ويأمر بالرحمة والرأفة به، فقد صح عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: " إن اللّٰه كتب الإحسان على كل شي ...الحديث.

رابـعـاً : إذا كـان التيـارالـكهربائي منخفض الضغط وخفيف المس بحيث لا يعذب الـحيوان، وكان في ذلک مصلحة ، كتخفيف ألم الذبح عنه وتهدئة عنفه ومقاومته فلابأس بذلک شرعاً ومراعاة للمصلحة ، واللّٰه أعلم .

أحكام الذبائح میں مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

أما التدويخ، فيقع بطرق مختلفة، ولعل من أكثرها استعمالاً ، هوالتدويخ بالمسدس، وهـذا المسدس غير مسدس الرصاص، وإنما تخرج منه عند إطلاقه إبرة ، أوقضيب معدنى ويضعـون الـمسـدس فـي وسـط جبهة الحيوان فيطلقونه ، فتخرج هذه الإبرة أو القضيب وتثقب دماغ الحيوان ، فيفقد الحيوان الوعي فوراً ، وبعد ذلک يذبح ....والطريق الرابع لـلتـدويـخ استعمال الصدمة الكهربائية . وتوضع فيها آلة كالملقط على صدغي الحيوان، ويـرسل من خلاله تياركهربائى ينفذ إلى الدماغ ، فيفقد الحيوان الوعي بسبب هذه الصدمة الكهربائية .

والـحـكـم الشـرعـي لهـذا التـدويـخ يـحتـاج إلـى البحث من ناحيتين : الأولى: هل استـخـدام هـذا الـطريق جائز شرعاً، والثانية : هل تكون الذبيحة حلالاً إن ذبحها مسلم أو كتابي بالطريق المشروع بعد هذا التدويخ ؟

أما كون هذه الطرق جائزة شرعاً، فيتوقف الحكم فيه على أن هذا الطريق يخفف من ألـم الـذبـح على الحيوان أم لا، ...أما التدويخ ، ففي بعض الحالات يضر بالحيوان ويؤلمه أكثـر مـمـا يـؤلـمـه الذبح ،...لأن إطلاق المسدس على الجبهة إنما يحصل به وقذ عنيف، والصدمة الكهربائية لا تخلو من ألم ...فإذا تحقق ذلک قطعاً وأنه لايموت به الحيوان جاز

استعمالها، وإلا فلا .

...ولاشک أن هذه الطرق للتدويخ لو كانت مسببة للموت ، أو يخشى منها الموت فلا يجوز استعمالها، ولا القول بحلة الحيوان المذبوح بعد التدويخ. وما دامت هذه الطرق مشكوكة ، فالأسلم أن يبتعدوا عنها، ومن المعروف أن اليهود لايقبلون أي طريق للتدويخ ، والمسلمون أولى منهم بالابتعاد عن الشبهات ، والله سبحانه وتعالى أعلم. (احکام الذبائح، ص٥٥، ٥٧، الذبح الصناعی للانعام،ط: مکتبة جامعة دارالعلوم کراتشی).

خلاصہ یہ ہوا کہ جانور میں بوقتِ ذبح یقینی حیات ہوتو ذبیحہ حلال ہوگا ورنہ حرام، لیکن حیات سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ کا کچھ اختلاف ہے۔ درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

امام صاحبؒ کے نزدیک نفس حیات کافی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نفس حیات کافی نہیں بلکہ حیاتِ مستقرہ یعنی آدھا دن یا اس سے زیادہ زندہ رہنا ضروری ہے اور فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها قيام أصل الحياة فى المستأنس وقت الذبح قلت أو كثر ت في قول أبي حنيفةؒ وعند أبي يوسفؒ ومحمدؒ لايكتفى بقيام أصل الحياة بل تعتبر حياة مقدورة ...ولأبي حنيفةؒ قوله تعالى:﴿حرمت عليكم ....إلا ما ذكيتم﴾ استثنى سبحانه وتعالى المذكى من جملة المحرمة والاستثناء من التحريم إباحة وهذه مذكاة لوجود فري الأوداج مع قيام الحياة فدخلت تحت النص. (بدائع الصنائع:٥/ ٥٠،سعید).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المتردية والمنخنقة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت ينظر إن كان فيها حياة مستقرة حلت بالذبح بالإجماع وإن لم تكن الحياة فيها مستقرة تحل بالذبح سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفةؒ وهو الصحيح وعليه الفتوى كذا في محيط السرخسي . (الفتاوی الهندية:٥/ ٢٨٦،شرائط الذبح).

فتاوی النوازل میں ہے:

شاة مريضة بقي فيها من الحياة مقدارما بقي فى المذبوح بعد الذبح إذا ذبحها تحل عند أبي حنيفةؒ . (فتاوی النوازل،ص۲۳۵،آرام باغ کراچی).

لسان الحکام میں ہے:

وذكر الإمام السرخسي: إذا علم أنها كانت حية حين ذبحت حل أكلها سواء كانت الحياة فيها يتوهم بقاؤها أو لايتوهم بقاؤها. (لسان الحکام،ص۳۸۳،کتاب الذبائح،دارالفکر).

فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے:

الشاة إذا مرضت ، وبقي فيها من الحياة مقدار ما يبقى فى المذبوح بعد الذبح . والثانى: إذا قطع الذئب بطن الشاة وبقي فيها من الحياة مقدار ما ذكرنا ،...واختلف المشايخ على قول أبي حنيفةؒ : قال بعضهم : تقبل الذكاة وعليه الفتوى. (الفتاوى الولوالجية : ۶۸/۳، الفصل الثانى فى الذكاة الاختيارى،ط:بیروت).

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۲/۲۳۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب جانور میں حیات کا ہونا یقینی طور پر معلوم تھا اور پھر اس جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا تو وہ حلال ہوگا، ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریمبو چکن کا حکم:

سوال: ریمبو چکن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے اس مذبح کا مشاہدہ کیا ہو اور ان کا طریقہ کار دیکھا ہو تو اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالیں کیونکہ آج کل عوام وخواص سب اس کے مذبوحات کے کھانے میں ملوث ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بندہ اپنے رفقاء کے ساتھ ریمبو چکن مذبح میں بتاریخ ۵ دسمبر ۲۰۰۸ء بروزِ جمعہ حاضر ہوا، اور وہاں جانے کا مقصد ان کے طریقہ کار کو دیکھنا تھا کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟

ہم نے اس مذبح کے اس حصے کو دیکھا جس میں مرغیوں کولوہے کے ساتھ لٹکایا جاتا ہے، پھر چلتے چلتے ذابحین ان کوذبح کرتے ہیں، ہمیں یہ بتایا گیااور خود ہم نے بھی یہ دیکھا کہ آخر تک احتیاط برتی جاتی ہے کہ کہیں ذبح سے پہلے مرغی مرنہ جائے، مرغی لٹکانے والاسب سے پہلے اس کی حیات کا یقین کر لیتا ہے، پھرذابح ذبح کرتے وقت ملاحظہ کرتا ہے، پھرذبح کرنے کے بعد کچھ فاصلہ پرایک اور صاحب مقرر ہوتا ہے اور جس مرغی کا رنگ بدلا ہوا ہواس کوعلیحدہ کر لیتا ہے اگر چہ ذبح کے وقت خون بہا ہو۔

مذبح میں ذابح چار تھے اور ہر شخص چوتھی مرغی کوذبح کرتا تھا جس میں بآسانی تسمیہ پڑھ سکتا ہے، ذابح کے ذبح کرنے کے ساتھ ساتھ ہم بھی بسم اللہ پڑھتے رہے، اور آرام واطمینان سے پڑھ سکتے تھے، ہاں مشینوں کے شور کی وجہ سے بسم اللہ سنائی نہیں دیتی تھی، لیکن ذابح مسلمان تھے ان پرحسن ظن کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہوں گے۔حدیث شریف میں آتا ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أن قوماً قالوا: يا رسول اللّٰه إن قوماً يأتونا باللحم لاندري أذكر اسم اللّٰه عليه أم لا؟ فقال:" سموا عليه أنتم وكلوه ، قالت: وكانوا حدثي عهد بكفر". (رواه البخاري:۲/ ۸۲۹).

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک قوم نے کہا یارسول اللہ! کچھ لوگ (نومسلم) ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے (بوقتِ ذبح) بسم اللہ پڑھی تھی یانہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ذابحین مسلمان ہوں اور وہ بسم اللہ پڑھنے کا اقرار کرتے ہوں تو ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں اور ان پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کہ انہوں نے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ ہرایک ذابح کو چالیس منٹ کے بعد بیس منٹ کے لیے، یا ایک گھنٹے کے بعد آدھے گھنٹے کے لیے آرام کا وقت دیا جاتا ہے، تاکہ وہ کچھ آرام کرلے، نیز ایک مسلمان نگران کمپنی کی طرف سے اور دوسرا نگران سنہا (SANHA) کی طرف سے مقرر ہے وہ دونوں حضرات ذبیحہ کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔

اس لیے ہمارے خیال میں ہمارے مشاہدہ کے مطابق ذبح شدہ مرغیاں حلال ہیں، مسلمان ان کو کھا سکتے

ہیں۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی تغیر اور تبدل ہوا ہو یا احتیاط نہ برتتے ہوں تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں، ہم نے اپنے مشاہدہ کے موافق لکھا ہے۔

اشکالات اور ان کے جوابات:

بعض علماء کی طرف سے اس ذبیحہ پر کچھ اشکالات کیے جاتے ہیں، ان کا ذکر کرنا اور اشکالات کا دفع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اشکالات اور ان کے جوابات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

(۱) پہلا اشکال یہ ہے کہ مرغیوں کو ذبح کرنے سے قبل لوہے کے ساتھ الٹا لٹکایا جاتا ہے، جو مرغیوں کے لیے باعثِ کلفت وعقوبت ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ میرے خیال میں پرندوں اور مرغیوں کے لیے سر نیچے اور پاؤں اوپر کرنا باعثِ کلفت وعقوبت نہیں ہے۔

دیہاتوں میں ہم مرغیوں اور پرندوں کو رات دن دیکھتے رہتے ہیں کہ دیواروں پر چڑھتے ہیں، جن میں ان کا سر اوپر اور پاؤں نیچے ہوتے ہیں، پھر دیوار اور چھت سے نیچے اترتے وقت سر نیچے اور پاؤں اوپر ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں مرغیاں انسانوں کی طرح نہیں ہیں، انسان کا سر نیچے اور پاؤں اوپر کی طرف ہو تو اس کے لیے باعثِ کلفت اور سببِ مشقت ہے، نیز دیہاتوں میں یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب دیہاتی لوگ بازار سے مرغیاں خریدتے ہیں تو ان کے پاؤں کو پکڑ کر ان کے سروں کو نیچے کرتے ہیں اور مرغیوں کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی، کیونکہ زیادہ پھڑکتی نہیں ہیں، مزید براں مذابح میں الٹا باندھنا اس مصلحت کی وجہ سے ہے کہ ان کی چونچ نیچے پانی میں لگ کر ان پر بے خودی اور بے حسی یا کم شعوری طاری ہو جائے۔ الغرض اس طرح باندھنا مصلحت کی وجہ سے ہے۔

(۲) دوسرا اشکال: بعض حضرات سے یہ سنا کہ ان کی چونچ کو پانی میں ڈبونے سے ان کو بجلی کی کرنٹ لگ جاتی ہے، یہ تعذیب اور عقوبت ہے جو خلافِ شریعت ہے۔ شریعت نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

عن شداد بن أوس رضي الله عنه قال: ثنتان حفظتهما عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: إن اللّٰه تعالىٰ كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته . (رواه مسلم :۲/ ۱۵۲،باب الامر باحسان الذبح والقتل).

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کرلی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کردیا ہے پس جب تم (کسی کافر کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اور اپنی چھری تیز کرلو اور اپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کو راحت پہنچانا چاہئے، جب کہ کرنٹ لگانا اس کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں راحت پہنچانے کے آلات بدلتے رہتے ہیں، مثلاً موجودہ زمانہ میں اگر کسی کا آپریشن کیا جاتا ہے تو اس کو نشہ کا انجکشن لگایا جاتا ہے، جس سے مریض پر بے حسی، بے خودی یا بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور آپریشن کرتے وقت اس پر جراحی کا عمل آسان ہوجاتا ہے۔ اگر کسی کی ڈاڑھ نکالی جاتی ہے اور بغیر آپریشن کے نکالے تو اس کو کتنی تکلیف ہوگی، بلکہ ڈاکٹر آپریشن ہی نہیں کرسکے گا، مریض تڑپتا رہے گا، لیکن انجکشن کی وجہ سے مسوڑھوں کا حصہ بے حس ہوجاتا ہے اور آسانی سے آپریشن کا عمل جاری رہتا ہے جو مریض کے لیے ایک بڑی نعمت سے کم نہیں۔

اسی طرح مرغیوں کے لیے بھی یہ عمل انجکشن کی طرح ہے جس سے ان پر ایک گونہ بے خودی سی طاری ہوجاتی ہے اور ذبح کا عمل آسان ہوجاتا ہے، جیسے انجکشن کی تکلیف اس تکلیف کے مقابلہ میں ہلکی ہے جو تکلیف آپریشن کے وقت بغیر انجکشن کے ہے، اسی طرح کرنٹ والے پانی کی تکلیف ہے۔

پھر عام طور پر اس پانی میں سولہ (۱۶) سے تیس (۳۰) وولٹیج تک کا کرنٹ ہوتا ہے۔ جن اکابر نے اس بے ہوشی کے عمل کے خلاف لکھا ہے، معلوم نہیں ان کے زمانہ میں اس کی کیا نوعیت تھی، بلکہ بعض اکابر کا زمانہ سائنس کی ترقی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے اس عمل کو دیکھا تھا یا نہیں؟ اگر اس طریقہ کار کو اکابر ملاحظہ فرماتے تو غالباً اس کی تائید فرماتے، بہر حال اس عمل میں بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے، ہم نے گائے بیلوں کے

مذابح میں دیکھا کہ ان کو پیشانی پر بے خودی کی گولی مارتے ہیں اس کے بعد ان کو آرام سے ذبح کرتے ہیں، جب کہ دوسری طرف دیہات میں کئی آدمی اس کو پکڑتے ہیں، اس کے پاؤں میں رسیاں ڈالتے ہیں، کبھی ڈر کی وجہ سے وہ اتنے زور سے بھاگتے ہیں کہ مجمع میں کئی آدمیوں کو زخمی کرتے ہیں، ڈر کی وجہ سے جانور کو دست لگ جاتے ہیں، اس کاروائی کے مقابلہ میں گولی لگانے کا معاملہ آسان معلوم ہوتا ہے، جب کہ گولی سے صرف بے خودی طاری ہوتی ہو، اور گولی قاتل یا انتہائی اذیت پہنچانے والی نہ ہو، ہاں عام جگہوں پر چونکہ مشینی آلات میسر نہیں تو ان کے لیے پرانا طریقہ صحیح ہے۔

(۳) تیسرا اشکال یہ سامنے آیا کہ کرنٹ والے پانی کے لگنے سے موت کا خطرہ موجود ہے، اس لیے یہ مرغیاں مشکوک ہوئیں، اور مشکوک چیز سے بچنا چاہئے، مشہور حدیث: " **الحلال بين والحرام بين، وبينهما مشتبهات ، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه** ". أو كما قال.

یعنی حلال وحرام دونوں کھلے ہوئے ہیں ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچتا ہوا اس نے اپنے دین وعزت کو پاک وصاف رکھا۔ پس مشکوک اشیاء سے احتیاط کرنا چاہئے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مرغی کی چونچ میں کرنٹ آلودہ پانی لگنے کے بعد جب مشاہدہ یہ ہے کہ مرغی زندہ ہے، پھر ذابح کے دیکھنے اور ذبح کرنے اور خون بہنے سے بھی مرغی کی زندگی کا یقین ہوا تو اس کا مشتبہ ماننا قابل تسلیم نہیں، اگر پانی لگنے کے بعد مرغی پر نیند طاری ہوتی تو پھر بھی موت کا شبہ ہوتا، لیکن اس پر نیند بھی طاری نہیں ہوتی بلکہ اس کے بال وپر بھی اچھی طرح متحرک ہوتے ہیں۔ بلکہ مزید بات یہ معلوم ہوئی کہ نشہ کے بعد اگر مرغیوں کو چھوڑا جائے تو مرغیاں دو تین منٹ کے بعد چلنے لگتی ہیں۔ جس سے پتہ چلا کہ نشہ کے بعد مرغیاں اچھی طرح زندہ ہیں۔

بوقتِ ذبح جب حیات یقینی ہو تو شبہ غیر معتبر ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ بینات میں ہے:

جس صورت میں بے ہوشی کے بعد جانور کی حیات یقینی ہو تو اس صورت میں ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے لہذا ۷۰ سے ۹۰ وولٹیج کے کرنٹ سے گزر کر بے ہوش ہونے والی مرغیاں جن میں حیات یقینی ہو تو اس حالت میں ذبح کی ہوئی مرغی حلال ہوگی اس کے علاوہ ۱۰۰ سے ۱۲۰ وولٹیج کے کرنٹ سے گزری ہوئی مرغی اس وقت تک حلال

نہ ہوگی جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ ذبح سے قبل اس میں حیات باقی تھی، اگر ذبح کرنے سے قبل حیات یقینی ہو تو اس صورت میں ذبح کے بعد اس کا کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ بینات:۴/۵۵۰،کتاب الذبائح)۔

(۴) چوتھا اشکال: ایک اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مرغی کو بال و پر نکالنے کی غرض سے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے جب کہ مرغی کے پیٹ میں آلائش اور گندگی ہوتی ہے اور اس گندگی کے گوشت کے ساتھ ملنے اور سرایت کرنے کا خطرہ ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ پانی سے مرغی صرف گزرتی ہے، جب مرغیوں کی قطار باہر آتی ہے تو آدمی کو مرغیوں کا اندر رہنا اور ٹھہرنا محسوس بھی نہیں ہوتا اتنے قلیل وقت میں نجاست گوشت کے ساتھ سرایت نہیں کرتی ہے۔ مراقی الفلاح، طحطاوی، شامی اور بحر وغیرہ میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

لو ألقيت الدجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لنتف، أو كرش قبل أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان ومكث فيه بعد ذلك زماناً يقع في مثله التشرب والدخول فى باطن اللحم لاتطهر أبداً إلا عند أبي يوسفؒ كما مر فى اللحم، وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان أولم تترك فيه إلا مقدارما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثاً. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ١٦٠).

فتاویٰ شامی میں ہے:

لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع فى مثله التشرب والدخول فى باطن اللحم ، وكل واحد منهما غير محقق فى السميط. (فتاوى الشامى: ١/٣٣٤، سعيد).

وللمزيد من البحث راجع: (فتح القدير:١/٢١١، دارالفكر، والبحرالرائق:١/٢٣٩، كوئته).

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پانی ابلتا ہوا نہ ہو، یا ابلا ہوا ہے لیکن مرغیاں بہت کم وقت اس میں رکتی ہیں، تو دونوں صورتوں میں مرغیاں پاک ہیں، ہاں اس پانی سے نکالنے کے بعد ان کو تین مرتبہ دھویا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ بینات میں ہے:

اگر مرغیاں شرعی طریقے کے مطابق ذبح ہوتی ہیں کہ مسلمان بسم اللہ پڑھ کر اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبح کرنے کے بعد ان مرغیوں کو گرم پانی میں ڈال کر فوراً ہی نکال لیا جاتا ہے کہ مرغیوں کے اندر جو آلائش اور نجاست ہے وہ مرغیوں کے اندر بذریعہ مسامات سرایت نہیں کرتی تو اس صورت میں ان مرغیوں کا کھانا حلال ہوگا تاہم پکانے سے قبل گوشت کو اچھی طرح دھو کر پاک کرلیا جائے تاکہ غیر شرعی طور پر ذبح کردہ مرغیوں کی نجاست والا پانی دور ہو جائے۔

اور اگر اگرم پانی میں اتنی دیر رکھی جائے کہ گرمی کی وجہ سے اندر کی آلائش ونجاست کے اثرات گوشت کے مسامات میں سرایت کر جاتے ہیں تو اس صورت میں وہ گوشت بھی حرام ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ بینات: ۴/ ۵۹۱، کتاب الذبائح)۔

تنبیہ: بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ پانی ابلا ہوا نہیں ہوتا، کیونکہ پانی ابالنے کے لیے ۸۰ ڈگری سے لے کر ۸۵ ڈگری تک کی حرارت چاہئے، جب کہ اس پانی کی حرارت ۵۲ ڈگری ہوتی ہے، جس سے پانی ابلتا نہیں، ہاں گرم ضرور ہوتا ہے۔ پھر مذبح والے مرغیوں کی کلیجی کو دیکھتے ہیں اگر اس کے رنگ میں تبدیلی آئی ہو تو اس کو الگ کردیتے ہیں، جب کہ کلیجی بہت جلدی پکنے والی چیز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس پانی سے گزرنے والی مرغی میں پانی کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے، سوائے اس کے کہ بال وپر نکلتے ہیں۔

(۵) پانچواں اشکال یہ ہے کہ ان مرغیوں کے بال وپر نکالنے میں ان کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار نہیں کیا جاتا، بلکہ تڑپتی ہوئی مرغیوں کو گرم پانی میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے۔

جواب: اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بعض فقہائے کرام نے مرغی ٹھنڈی ہونے اور مکمل روح نکلنے سے پہلے ان کے بال وپر نکالنے کو مکروہ لکھا ہے۔ محمد بن عبد اللطیف بن عبد العزیز بن ملک نے شرح تحفۃ الملوک میں تحریر فرمایا ہے:

وكل زيادة لايحتاج إليها في الذكاة، مكروهة، كجر المذبوح برجله إلى المذبح و سلخه قبل أن يتم موته، وكذا لومات ولم يبرد أي لم يسكن من الاضطراب يكره سلخه

أیضاً عند البعض لما فیه من زیادة الألم. (شرح تحفة الملوك،ص۱۷۷۲).

یعنی ہر وہ زائد کام جس کی ضرورت ذبح میں نہیں مکروہ ہے، جیسے مذبوح کو محل ذبح تک پاؤں کے ساتھ گھسیٹنا اور موت مکمل ہونے سے پہلے کھال اتارنا، اسی طرح اگر جانور مر گیا اور ٹھنڈا نہیں ہوا اور اس کی حرکت بند نہیں ہوئی تو یہ بھی بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تکلیف دینا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حرکت بند ہونے سے پہلے کھال اتارنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے، اگر تڑپنے کی حالت میں بال و پر یا کھال اتاری جارہی ہو تو گرم پانی کے فاصلے کو ذرا دور کردیں تاہم مذبوح حلال ہے۔ جیسے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

إلا أن الکراهة لمعنی زائد وهو زیادة الألم قبل الذبح أو بعده فلا یوجب التحریم فلهذا قال (الإمام القدوری) توکل ذبیحته. (الهدایة:٤/٤٣٩، کتاب الذبائح).

خلاصہ یہ ہے کہ کراہت لغیرہ ہے اس لیے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا بلکہ امام قدوری کے کہنے کے موافق ذبیحہ کھایا جائیگا۔ ہاں مسلمان کی شان یہ ہے کہ حتی الامکان مکروہ اشیاء سے بھی پرہیز کریں یہ تقویٰ ہے فتویٰ نہیں ہے۔

(٦) چھٹا اشکال: ایک اشکال یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مرغیوں کو قبلہ رو ذبح نہیں کیا جاتا۔ جب کہ درمختار میں ہے: **وکره ترک التوجه إلی القبلة لمخالفة السنة. وقال الشامی: قوله لمخالفة السنة أی الموکدة لأنه توارثه الناس فیکره ترکه بلا عذر.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٢٩٦، کتاب الذبائح، سعید).

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ذابحین رو بہ قبلہ ہوتے ہیں، ہاں ان کو یہ تلقین و ہدایت کی جائے کہ مرغی کے منہ کو رو بہ قبلہ کرلیا کریں، نیز اگر مرغی کو بالفرض رو بہ قبلہ ذبح نہ کریں تو بھی مرغی حلال ہے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی الدر میں ہے:

وتوجیه القبلة سنة مؤکدة وترک السنة لا یوجب الحرمة. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:٤/١٥٢، کوئته).

عالمگیری میں مذکور ہے:

إذا ذبحها بغير توجه القبلة حلت ولكن يكره كذا في جواهر الأخلاطي. (الفتاوى الهندية : ٥/٢٨٨).

محیط برہانی میں ہے:

وإذا ذبحها متوجهة إلى غير القبلة حلت، ولكن يكره. (المحيط البرهاني:٦/٤٦٢،كتاب الذبائح، الفصل الثاني في صفة الذكاة).

بدائع الصنائع میں ہے:

ويستحب أن يكون الذابح حال الذبح متوجهاً إلى القبلة. (بدائع الصنائع:٥/٧٩،سعيد).

مستحب کے بالمقابل خلافِ اولیٰ ہے۔حاصل کلام یہ ہے ذبیحہ حلال ہے۔

(۷) ساتواں اشکال: بعض علماء نے یہ اشکال فرمایا کہ مرغیوں کو مذکورہ بالا طریقہ پر ذبح کرنا سلفِ صالحین سے مروی نہیں ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ سلفِ صالحین سے ذبح کرتے وقت وہ طریقہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا جس پر عام لوگ عمل کرتے ہیں، کیا کسی حدیث میں یہ وارد ہے کہ مرغی کو ذبح کرتے وقت اس کے پروں پر ایک پاؤں رکھو اور اس کے پیروں پر دوسرا پاؤں رکھو اور سر پکڑ کر ذبح کرلو؟

ہاں یہ طریقہ چونکہ عام لوگوں کے ہاں آسان تھا اس لیے اس کو اختیار کیا گیا، مقصود جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرنا ہے، اس کے مقدمات ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں، اور ہر جگہ آسان سے آسان طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ جیسے مقصود علمِ دین کا حصول ہے، لیکن اس کا نصاب بدلتا رہتا ہے، یا مقصود اللہ کا ذکر ہے لیکن اس کے طریقے نقشبندیہ، چشتیہ وغیرہ بدلتے رہتے ہیں یا مقصود قتال فی سبیل اللہ ہے اور اس کے آلات ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں، یا جیسے مقصود بیت اللہ کا حج لیکن اس کے لیے پرانے زمانہ میں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اب سفر کے ذرائع بدل گئے اور کار و ہوائی جہاز سے سفر ہوتا ہے، نیز پرانے قلم و قرطاس کی جگہ بول پین، کلکیو لیٹر اور ٹائپ رائٹر کا استعمال، پرانے چراغوں کی جگہ بجلی کے بلب اور لائٹ کا استعمال، دھوپ گھڑی کی جگہ ہاتھ کی گھڑی کا استعمال نہ

بدعت ہے اور نہ خلافِ شریعت ہے، پھر آدمیوں کے مل کر گائے کو گرانے کی جگہ جدید طریقے پر اس کو بے حس کرنا کیسے بدعت اور خلافِ شریعت ہوگا، اور مرغیوں کے پروں اور پاؤں پر پاؤں رکھنے کی جگہ جدید طریقے پر اس کو قابو کرنا اور ذبح کرنا کیسے بدعت اور خلافِ شریعت ہوگا۔

ہاں بے احتیاطی کی وجہ سے کچھ مکروہات شامل ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا، البتہ مکروہات کی فہرست بنا کر ذبیحہ کو حرام کہنا یہ حکمِ شریعت پر جرأت کرنا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ ذبح استقبالِ قبلہ کا حکم:

سوال: ذابح اور ذبیحہ کے لیے بوقتِ ذبح استقبالِ قبلہ واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ یا مستحب؟ اور دیگر ائمہ کا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے؟ تفصیل کے ساتھ واضح کیجئے؟

الجواب: مذہب احناف میں ذابح اور ذبیحہ کے لیے استقبالِ قبلہ کے سلسلہ میں دو قول ہیں: بعض فقہاء مثلاً علامہ شامی، علامہ سید احمد طحطاوی وغیر حضرات کی تحقیق کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے اور دیگر بعض مثلاً علامہ ابوبکر کاسانی صاحبِ بدائع الصنائع وغیرہ کے نزدیک مستحب ہے۔ اور شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحسن علی السغدیؒ صاحبِ نتف الفتاویٰ کے نزدیک استقبالِ قبلہ آداب میں سے ہے۔

عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

ملاحظہ ہو طحطاوی علی الدر میں ہے:

وتوجيه القبلة سنة مؤكدة وترك السنة لا يوجب الحرمة. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١٥٢/٤، كوئته).

درمختار میں ہے:

وكره ترك التوجه إلى القبلة لمخالفة السنة. وقال الشامي: قوله لمخالفة السنة أي المؤكدة لأنه توارثه الناس فيكره تركه بلا عذر. (الدرالمختار مع ردالمختار: ٢٩٦/٦، كتاب الذبائح، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما ما يستحب من الذكاة وما يكره فيها...منها: أن يكون الذابح مستقبل القبلة والذبيحة موجهة إلى القبلة لمارويناء ولماروى أن الصحابة رضى الله تعالى عنهم كانوا إذا ذبحوا استقبلوا القبلة ، فإنه روى عن الشعبى أنه قال: كانوا يستحبون أن يستقبلوا بالذبيحة القبلة. (بدائع الصنائع:٥ /٦٠،سعيد).

وكذلك إن ذبحها متوجهة لغير القبلة حلت ولكن يكره ذلك ... وهذا لأن أهل الجاهلية ربماكانوا يستقبلون بذبائحهم الأصنام فأمرنا باستقبال القبلة لتعظيم جهة القبلة ، ولكن تركه لايفسد الذبيحة ، بخلاف ترك التسمية لأن فى التسمية تعظيم الله تعالى ، وذلك فرض. فأما استقبال القبلة لتعظيم الجهة وذلك مندوب إليه فى غير الصلاة فلهذا كان تركه موجباً للكراهة غير مفسد للذبيحة. (المبسوط للامام السرخسیؒ: ٣/١٢، ادارةالقرآن، كراتشى).

خلاصة الفتاویٰ میں ہے:

وفى الأصل يستحب توجيهها إلى القبلة في وقت الذبح . (خلاصة الفتاوى:٣٠٨/٤،الفصل الثانى فى التسمية).

وفى الهندية: واستحب الجمهور استقبال القبلة . (الفتاوى الهندية:٢٦٢/١).

وفى لسان الحكام : ويستحب توجيهها فى الذبح إلى القبلة. (لسان الحكام، ص ٣٨١، كتاب الذبائح،دارالفكر).

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن الحسین السغدیؒ نے استقبالِ قبلہ کو آداب میں شمار کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

وآدب الذبح سبعة أشياء: والثالث إقبال وجهها إلى القبلة. (النتف فى الفتاوى، ص١٤٨، آداب الذبح، ط: بيروت).

نیز عام حالات میں بھی نشست رو بہ قبلہ مستحب ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن لكل شيء سيداً

وإن سيد المجالس قبالة القبلة". رواه الطبراني في الأوسط: وإسناده حسن. (مجمع الزوائد: ۵۹/۸، باب الجلوس مستقبل القبلة ، دارالفکر).

میرے خیال میں استحباب والاقول بہتر ہے، کیونکہ ایسر للناس ہے، اوراس میں دیگر مذاہب کے ساتھ موافقت بھی ہے، اورتیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب الجنائز سے پتہ چلتا ہے کہ بوقتِ وفات مسلمان میت کے لیے استقبالِ قبلہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، کیونکہ ترکِ استقبال کومکروہِ تحریمی نہیں کہا بلکہ جائز کہا، تو جب اشرف المخلوقات کے لیے استقبالِ قبلہ مستحب ہے تو حیوان کے لیے سنتِ مؤکدہ ہونا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

يوجه المحتضر أى القبلة على يمينه هو السنة، وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه، إليها...وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح . (الدرالمختار:۲/۱۸۹،سعید).

وقال الطحطاوي: يسن توجيه المحتضر أى للقبلة...وجاز الاستلقاء ...والأول أفضل لأنه السنة .كذا في المضمرات. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص۵۵۸،وكذا فى شرح منية المصلى، ص۵۷۶).

دیگرائمہ کا موقف:

احناف کے علاوہ دوسرے ائمہ مثلاً مالکیہ، شافعیہ اورحنابلہ سب کے ہاں مستحب ہے۔

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو حاشیۃ العدوی میں ہے:

وتوجه الذبيحة فى الأضحية وغيرها عند الذبح إلى القبلة استحباباً إجماعاً على ماحكاه ابن المنذر. (حاشية العدوى على شرح كفاية الطالب الربانى:۱/۷۲۲،باب فى الضحايا، دارالفكر).

وفى الثمر الدانى: وتوجه الذبيحة فى الأضحية وغيرها عند الذبح إلى القبلة استحباباً. (الثمرالدانى،ص۲۶۰،باب فى الضحايا، دارالفكر).

مذہبِ شافعیہ:

قال فی روضة الطالبین: فصل في سنن الذبح وآدابه... الثالثة: استقبال الذابح القبلة وتوجيه الذبيحة إليها، وذلک فی الهدی والأضحية أشد استحباباً؛ لأن الاستقبال مستحب فی القربات. (روضة الطالبین:۳/۲۰۴، المکتب الاسلامی).

وفی المجموع شرح المهذب: والمستحب أن يوجه الذبيحة إلى القبلة لما روت عائشةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:"ضحوا وطيبوا أنفسكم، فإنه مامن مسلم يستقبل بذبيحته القبلة إلا كان دمها وفرثها وصوفها حسنات فی ميزانه يوم القيمة". ولأنها قربة لابد فيها من جهة، فكانت القبلة فيها أولى. (المجموع شرح المهذب:۸/۴۰۷،دارالفکر).

مذہبِ حنابلہ:

قال فی الإقناع (المستحباب)... الثالث : استقبال القبلة بالذبيحة أی بمذبحها فقط على الأصح دون وجهها ليمكنه الاستقبال أيضاً . (الاقناع : ۲/۲۴۳،باب المستحبات).

وفی المغنی: ويستحب توجيه الذبيحة ... وإن اقتصر على التسمية ووجه الذبيحة إلى غير القبلة ترک الأفضل وأجزأه . (المغنی :۲/۴۶۲،باب نحرالهدی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقتِ ذبح فقط "بسم اللہ" کہنے کا حکم:

سوال: ایک مذبح میں بعض ذابحین جانوروں کی قطار میں بہت سارے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، اگر کبھی ذابح کو" **بسم الله ، والله أكبر**" پورا پڑھنے کی مہلت نہیں ملی اور صرف بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کر دیا تو حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ذابح نے بوقت ذبح صرف" **بسم اللّٰہ**" پڑھ کر ذبح کیا تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے کی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ "**بسم اللّٰہ واللّٰہ أكبر**" پورا پڑھے۔ فقہائے احناف میں سے شیخ الاسلام ابوالحسن علی السغدیؒ نے فقط "**بسم الله**" پڑھنے احسن

فرمایا ہے۔ملاحظہ ہوابوداود شریف میں مذکور ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: شهدت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الأضحی بالمصلی فلما قضی خطبته نزل من منبره وأتی بكبش فذبحه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بیده وقال:" بسم اللّٰہ واللّٰہ أكبر"... (رواه ابوداود،رقم: ۲۸۱۲،والترمذی،رقم:۱۵۲۱، والبیهقی فی سننه الکبری:۹/۲۸۶).

الدرالمنثور میں ہے:

وأخرج عبد بن حميد وابن أبي الدنيا فی الأضاحي وابن أبي حاتم والحاكم وصححه والبيهقی في سننه، عن أبي ظبيان قال: سألت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عن قوله ﴿فاذكروا اسم اللّٰہ علیها صواف﴾ قال: إذا أردت أن تنحر البدنة ،...ثم قل:" بسم اللّٰہ واللّٰہ أكبر، اللّٰهم منک ولک". (الدرالمنثور:۶/۵۲،سورة الحج).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

بخلاف قوله" بسم اللّٰہ " فإنه يصح ولو لم تحضره نية ...وماتداولته الألسن عند الذبح وهو" بسم اللّٰہ واللّٰہ أكبر" منقول عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، وعن علی رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ مثله قاله ابن عباس رضی اللہ عنہ في تفسير قوله تعالی: ﴿فاذكروا اسم اللّٰہ علیها صواف﴾ ونقل فی الذخيرة عن البقالي: أنه المستحب. وفی الجوهرة: وإن قال: بسم اللّٰہ الرحمن الرحيم فهو حسن. (فتاوی الشامی:۶/۳۰۱۔۳۰۲،کتاب الذبائح،سعید).

وفی النتف فی الفتاویٰ: قال: والأحسن أن يقول: " بسم اللّٰہ". (النتف فی الفتاوی، ص۱۴۸،کتاب الذبائح والصید، التسمیة، دارالکتب العلمیة).

فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے:

رجل ذبح وقال: بسم اللّٰہ، ولم يظهر الهاء إن قصد ذكر اللّٰہ تعالی تحل، لأنه قصد التسمية . (الفتاوی الولوالجیة:۳/۷۲،کتاب الذبائح ،الفصل الثانی،ط:بیروت).

(و کذا فی خلاصة الفتاوی:٤/٣٠٨،الفصل الثانی فی التسمیة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

متروک التسمیہ عمداً کا حکم:

سوال: مجھے معلوم ہے کہ احناف کے یہاں ذبیحہ پر لساناً تسمیہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے ہاں اس مسئلہ میں تخفیف ہے، ان کے نزدیک ہر مومن کے دل میں بسم اللہ ہے۔ اس بات کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے کسی حنفی کے لیے یہ جائز ہوگا کہ کسی شافعی کے مذبوحہ کو جو بلاتسمیہ ذبح کیا گیا ہو کھالے؟ شریعتِ مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور متروک التسمیہ عمداً میں امام شافعیؒ کا صحیح قول کیا ہے؟

الجواب: جمہور فقہاء کے ہاں تسمیہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے، اگر عمداً ترک کردیا تو جانور میتۃ کے حکم میں ہوگا، اور اگر نسیاناً چھوٹ گیا تو جمہور کے ہاں حلال ہے البتہ امام احمد کے نزدیک تب بھی شکار حلال نہیں ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک تسمیہ سنت ہے واجب اور لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی استخفافاً ترک کردے تو جانور مردار کے حکم میں ہوگا، ہاں ویسے ہی اتفاقاً تسمیہ ترک کردیا بلا استخفاف کے تو جمہور کے نزدیک حرام و امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص عمداً ترک کرنے کا عادی ہو تو یہ استخفاف میں شمار ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی جانور میتۃ کے حکم میں ہوگا۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں مذکور ہے:

قال جمهور الفقهاء غير الشافعية: تشترط التسمية عند التذكية وعند الإرسال في العقر، فلا تحل الذبيحة، سواء أكانت أضحية أم غيرها، في حال ترك التسمية عمداً، وكانت ميتة. فلو تركها سهواً، أو كان الذابح المسلم أخرس أو مستكرهاً، تؤكل لقوله تعالى: ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه، وإنه لفسق﴾ وأضاف الحنابلة: من ترك التسمية على الصيد عامداً أو ساهياً، لم يؤكل ... وقال الشافعية: تسن التسمية ولاتجب وتركها مكروه، لقوله تعالى: ﴿فكلوا مما ذكر اسم الله عليه﴾ فلو ترك التسمية عمداً،

أو سهواً حل الأكل ...الخ. (الفقه الاسلامی و ادلته:۳/۶۵۹،الذبائح،دارالفکر).

أحكام الذبائح میں ہے:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يجب للذكاة الشرعية أن يذكر الذابح اسم اللّٰه تعالى عند الذبح فإن ترك التسمية عمداً فلا تحل ذبيحته عند أبي حنيفةؒ ومالكؒ وأحمدؒ وجمهور الفقهاء ، وأما إذا نسيها فالذكاة معتبرة عند الحنفية والمالكية ، ولافرق عندهم في هذا بين الذبيحة والصيد. أما عند الحنابلة ، فالنسيان معفو عنه فى الذكاة الاختيارية فقط . أما فى الصيد ، فلا تعتبر الذكاة إذا لم يذكر الصائد اسم اللّٰه عند إرسال السهم أو الكلب سواء أتركها عمداً أونسياناً.

أما الإمام الشافعيؒ فالمشهور عنه أن التسمية ليست بواجبة عنده ، وإنما هي سنة ، فتحل الذبيحة وإن تركها الذابح عمداً. ولكن الذي يظهر من مراجعة كتاب الأم للشافعي أنه لم يصرح بحل متروك التسمية عمداً ، وإنما صرح بحل ما نسى الذابح ذكر اللّٰه عليه وعبارته ما يلي :

وإذا أرسل الرجل المسلم كلبه أو طائره المعلمين أحببت له أن يسمى، فإن لم يسم ناسياً ، فقتل أكل، لأنهما إذا كان قتلهما كالذكاة، فهو لو نسى التسمية فى الذبيحة أكل، لأن المسلم يذبح على اسم اللّٰه عز وجل وإن نسى. (کتاب الام :۲/۲۲۷،کتاب الصیدوالذبائح).

ثم إن الإمام الشافعيؒ صرح فيما بعد بأن من يترك التسمية عند الذبح استخفافاً لايحل أكل الذبيحة ، فقد ذكر في معرض ماهومسلم عنده:

إن المسلم إن نسي اسم اللّٰه تعالى أكلت ذبيحته، وإن تركه استخفافاً لم تؤكل ذبيحته. (کتاب الام:۲/۱۳۱،باب ذبائح اهل الکتاب).

وقد صرح بعض العلماء بأن الفقهاء أجمعوا على ذلک، فقد جاء فى التفسير المظهري نقلاً عن شرح المقدمة المالكية :

وكل هذا في غير المتهاون، وأما المتهاون فلا خلاف أنها لاتؤكل ذبيحته تحريماً، قاله ابن الحارث والبشير، والمتهاون هو الذي يتكرر منه ذلك كثيراً ، والله أعلم. (التفسير المظهری:۳/۳۱۸،سورۃ الانعام).

وهذه العبارات تدل على أن مذهب الإمام الشافعيؒ ليس على إطلاق الحل فيما تعمد ترك التسمية عليه، وإنما تحرم الذبيحة عنده إذا ترك عليها التسمية تهاوناً واستخفافاً، وجعله الرجل عادة له. (احكام الذبائح،ص۱۲۔۱۴،للشيخ المفتی محمدتقی مدظله).

حضرت مفتی شفیع صاحب بھی کتاب الام کی مذکورہ بالاعبارات نقل کرنے کے بعدفرماتے ہیں:

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ،ایک یہ کہ بھول کر تسمیہ چھوٹ گیا،تو وہ معاف ہے،دوسرے یہ کہ جان بوجھ کر بھی استخفاف کے طور پر بسم اللہ کہنا چھوڑا ہے،تو اس کا ذبیحہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حرام ہے،اب ایک صورت زیر بحث رہ گئی کہ کسی نے بسم اللہ کہنا چھوڑا،تو قصداً ہے،مگر اتفاقی طور پر ایسا ہوگیا، بے پرواہی یا استخفاف مقصود نہیں،(اس بارے میں امام شافعیؒ سے کوئی روایتِ منقولہ نظر سے نہیں گزری البتہ شافعی فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو)اس کا جواز اس عبارت (کتاب الام کی استخفاف والی عبارت جو مذکور ہوئی) سے مفہوم ہوتا ہے،یہی قول اشہب کا تفسیر قرطبی نے اس طرح نقل کیا ہے:

قال أشهب تؤكل ذبيحة تارك التسمية عمداً إلا أن يكون مستخفاً . (تفسير قرطبی:۷/۷٦).

خلاصہ یہ ہے امام شافعیؒ یا بعض دوسرے علماء جنھوں نے قصداً ترکِ تسمیہ کے باوجود ذبیحہ کو حلال کہا ہے، وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ ترکِ تسمیہ استخفافاً اور تہاوناً نہ ہو،یعنی اس کی عادت نہ ڈال لے، بلکہ اتفاقی طور پر کبھی تسمیہ چھوڑ دیا ہے۔...لیکن پھر بھی اس کا کھانا مکروہ ہے،اور گناہ ہے۔امام ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے:

إن تركها متعمداً كره أكلها ولم تحرم قاله القاضي أبو الحسن والشيخ أبو بكر من أصحابنا وهو ظاهر قول الشافعيؒ. (احكام القرآن لابن العربی:۱/۳۰۹).

علامہ نووی جو شافعی المذہب کے امام ہیں شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وعلی مذهب أصحابنا يكره تركها وقيل لايكره والصحيح الكراهة . (صحيح مسلم :۲/ ۱٤٥، كتاب الصيدوالذبائح).

مذکورہ بالا تصریحات سے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) ذبیحہ پر بسم اللہ کا قصداً چھوڑنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۲) جس ذبیحہ پر بسم اللہ قصداً چھوڑ دی گئی ہو، اس کا کھانا بھی ظاہری قول امام شافعیؒ کے مطابق مکروہ ہے۔

(۳) کراہت والا قول اس وقت ہے جب کہ استخفافاً ترک نہ کی ہو بلکہ ترک اتفاقی ہو ورنہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کی طرف مطلقاً متروک التسمیہ عمداً حلت کو منسوب کر دینا صحیح نہیں۔

پھر چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں:

بہت سے علمائے شافعیہ نے بھی اس مسئلے میں جمہور ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔...ائمہ شافعیہ میں سے محقق حضرات نے امام شافعیؒ کے اس قول کو اختیار نہیں کیا، امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

لأن الآية ظاهرة فى إيجابها والأخبار متواترة فيه فإنه صلى الله عليه وسلم قال لكل من سأله عن الصيد إذا أرسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله فكل ونقل ذلك على التكرار وقد اشتهر الذبح بالبسملة وكل ذلك يقوى دليل الاشتراط. (احياء العلوم :۲/۱۰۳، مصرى) .

ابن کثیرؒ نے ایک شافعی المذہب عالم ابوالفتوح محمد علی الطائی کی کتاب اربعین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود متروک التسمیہ عامداً کو حلال نہیں کہا۔ (ابن کثیر ۲/ ۱۶۹، سورۃ الانعام)۔

(ملخص از جواہر الفقہ، جلد ششم، ص ۱۹۰۔۱۹۹، رسالہ اسلامی ذبیحہ، ط: دارالعلوم کراچی)۔

خلاصہ یہ کہ شافعیہ کے ہاں بھی متروک التسمیہ عمداً مکروہ ہے۔ بلکہ محققین شافعیہ کے ہاں جمہور کا قول راجح ہے لہذا احناف کو اس طرح کے ذبائح سے احتراز واجتناب کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولا تحل ذبيحة تارك التسمية عمداً وإن تركها ناسياً تحل والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء. (الفتاوى الهندية:٥/٢٨٨).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلماً أو كتابياً لنص القرآن ولانعقاد الإجماع ممن قبل الشافعيؒ على ذلك،...ولو قضى القاضي بجوازه لاينفذ، وقوله صلى الله عليه وسلم:" المسلم يذبح على اسم الله سمى أو لم يسم" محمول على حالة النسيان دفعاً للتعارض بينه وبين قوله عليه الصلاة والسلام حين سأله عدي بن حاتمؓ عما إذا وجد مع كلبه كلباً آخر " لا تأكل ، إنما سميت على كلبك ولم تسم على كلب غيرك" علل الحرمة بترك التسمية. (فتاوى الشامي:٦/٢٩٩،سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ذبح بالنار کا حکم:

سوال: فقہاء نے آگ کے ذریعہ ذبح کو تسلیم کیا ہے، کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر آگ کے ذریعہ جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہوگا، اس کا حوالہ مطلوب ہے، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: فقہاء نے فقہ کی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ آگ کے ذریعہ ذبح کرنے سے جانور حلال ہوتا ہے، جب کہ آگ ذبح کا عمل کرے، یعنی رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے، بظاہر نار سے رگوں کا کٹنا عجیب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آگ بظاہر قاطع نہیں محرق ہے، حضرت مفتی محمود پاکستانیؒ فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کند لوہے کو جو کاٹتا نہیں آگ میں سرخ کر کے اس میں کاٹنے کی قوت پیدا کی جائے اور پھر اس سے جانور کی رگوں کو کاٹ دے اور خون بہہ جائے تو ذبح متحقق ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وحل الذبح بكل ما أفرى الأوداج وأنهر الدم أى أساله ولو بنار. وفي رد المحتار: قوله ولو بنار قال: فى الدرالمنتقى: وهل تحل بالنار على المذبح ؟ قولان ،الأشبه لا كما فى القهستاني عن الزاهدي. قلت: لكن صرحوا فى الجنايات بأن النار عمد وبها تحل الذبيحة لكن فى المنح عن الكفاية إن سال بها الدم تحل وإن تجمد لا، فليحفظ وليكن التوفيق.
(الدرالمختار:٦/٢٩٦،سعيد).

مجمع الأنهر میں ہے:

وقال فى الكفاية: ألا ترى أنها تعمل عمل الحديد حتى أنها أى النار إذا وضعت فى المذبح فقطعت ما يجب قطعه فى الذكاة وسال بها الدم حل وإن انجمد ولم يسل لايحل انتهى، ... وفى الخلاصة: ...لا يجعل النار كالسلاح فى حكم الذكاة حتى لو توقدت النار على المذبح وانقطع بها العروق لايحل أكله انتهى، لكن قال فى البزازية : إن النار تعمل فى الحيوان عمل الذكاة حتى لو قذف النار فى المذبح فاحترق العروق يؤكل انتهى ، وهذا موافق لما قدمناه عن الكفاية ويحمل ما إذا سال بها الدم وبه يحصل التوفيق بين كلامي صاحب الخلاصة والبزازية . (مجمع الانهرشرح ملتقى الابحر:٢/٦١٥،كتاب الجنايات).

(وكذا فى الكفاية على الهداية:٩/١٣٩،كتاب الجنايات،مكتبه رشيديه).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

پس مشین سے ذبح کرنے کی مثال بالکل یوں سمجھیں کہ آگ جل رہی ہو آپ نے لوہے کی نلکی لی اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے ذریعہ آگ مذبوح تک پہنچادی یا نلکی کی بجائے اور کوئی ایسی چیز آگ اور مذبوح کی گردن کے درمیان رکھ دی جس کے ذریعہ آگ مذبوح تک پہنچ گئی اور عروق منقطع ہوکر خون بہ گیا تو کیا ایسے جانور کی حلت میں کوئی شبہہ ہوسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۷/۴۷۴)۔

آگ سے ذبح کی اس پر تکلف توجیہ کے مقابلے میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی توجیہ بے تکلف ہے، حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ اس تشریح پر حضرت مفتی محمود صاحبؒ کو داد دیتے تھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطخ ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:

سوال: ایک بطخ فروش نے یہ بات بتلائی کہ بطخ کے حلال ہونے کے لیے بطخ ذبح کرنے سے پہلے اس کے پیروں کے درمیان کی جھلی کا کاٹنا ضروری ہے، نیز جھلی کاٹتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا بھی ضروری ہے، پھر یہ بھی بتلایا کہ تمام جھلی والے جانوروں اور پرندوں میں احناف کے نزدیک یہی حکم ہے چنانچہ ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہم نے جھلی کو کاٹا تو خون بھی نکلا پھر ہم نے ذبح کیا۔ برائے کرم شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں صحیح مسئلہ سے آگاہ کیجئے؟

الجواب: جانور کو ذبح سے پہلے بے فائدہ زخمی کرنا اور اذیت پہنچانا شرعاً مکروہ اور ممنوع ہے، اور جہاں تک حلت کا مدار ہے تو وہ شریعتِ مطہرہ نے اونٹ کے علاوہ میں ذبح اختیاری میں رگوں کے کاٹنے پر رکھا ہے، یعنی بسم اللہ پڑھ جانور کی اکثر رگیں کاٹ دیں تو جانور حلال ہو جائیگا، اس سلسلہ میں جھلی والے جانور اور غیر جھلی والے دونوں برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

کراہت کی وجوہات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) شریعت نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

عن شداد بن أوس رضي الله عنه قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله تعالىٰ كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته. (رواه مسلم :۲/۱۵۲،باب الامر باحسان الذبح والقتل).

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کر لی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کر دیا ہے پس جب تم (کسی کافر کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اور اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کو راحت پہنچانا چاہئے، جب کہ زخمی کرنا اس کے خلاف ہے۔

(۲) قبل الذبح جانور کو کسی قسم کی اذیت دینا مکروہ اور شریعت کے خلاف ہے۔

ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ومن بلغ بالسكين النخاع أو قطع الرأس كره له ذلك...لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن تنخع الشاة إذا ذبحت...وكل ذلك مكروه وهذا لأن فى جميع ذلك زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة وهو منهى عنه والحاصل أن ما فيه زيادة إيلام لايحتاج إليه فى الذكاة مكروه . (الهداية:٤/٤٣٩).

(۳) فقہاء نے تصریح فرمائی کہ ذبح اختیاری میں جانور کو اگر محل ذبح کے علاوہ کسی اور جگہ زخمی کیا جائے اور اس سے موت واقع ہو جائے تو وہ جانور حرام ہوگا۔ اور صورتِ مسئولہ میں بطخ کی حلت کا جھلی کاٹنے پر موقوف ہونا روایت ودرایت کے مخالف ہے۔ نیز اصول وقواعدِ شریعت سے بھی متصادم ہے، بلکہ اگر یہی زخم مفضی الی الہلاک ہو گیا تو جانور حرام ہوگا، لہٰذا اس طریقہ سے مکمل احتراز واجتناب لازم اور ضروری ہے۔

ذبح اختیاری کا شرعی طریقہ ملاحظہ ہو:

قال الإمام القدورى: والذبح فى الحلق واللبة والعروق التي تقطع فى الذكاة أربعة : الحلقوم ، والمرى ، والودجان ، فإذا قطعها حل الأكل ، وإن قطع أكثرها فكذلك عند أبي حنيفةؒ . (مختصر القدورى مع ،ص٤٩٤،مؤسسة الريان).

وفى التصحيح والترجيح : قال فى زادالفقهاء : الصحيح قول أبى حنيفةؒ ، واعتمده الإمام المحبوبى والنسفي وغيرهما. (التصحيح والترجيح على هامش مختصر القدورى مع ،ص٤٩٥، مؤسسة الريان).

ہاں مفسرین نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہود پر ان کی شرارت اور سرکشی کی وجہ سے عارضی طور پر جھلی والے جانور حرام کیے گئے تھے بعد میں یہ منسوخ ہو گیا تھا۔ جیسے شحم اور چربی ان حرام کی گئی تھی۔

ملاحظہ ہو امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر...بين النبي صلى الله عليه وسلم أن حكم

ذلک التحريم إنما كان موقتاً إلى هذا الوقت وإن مضى الوقت أعاده إلى ما كان عليه من حكم الإباحة فلا فرق بينه في هذا الوجه وبين ما لم يحظر قط... كل ذى ظفر قال ابن عباس وسعيد بن جبير وقتادة والسدى ومجاهد هو كل ماليس بمفتوح الأصابع كالإبل والنعام والإوز والبط . (احكام القرآن :۳/۲۲،ط:سهيل،تفسيرابن كثير:۲/۲۰۷).

علامہ آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:

﴿ **وعلى الذين هادوا** ﴾ **أى اليهود خاصة لا على من عداهم من الأولين والآخرين .**

(روح المعانی:۸/٤٧).

مولانا ادریس کاندھلوی صاحب معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

یہ چیزیں فی حدذاتہ حلال وطیب ہیں مگر یہود کی نافرمانی اورشرارت کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں خاص طور پر صرف یہود پر حرام کیں تاکہ ان پر دائرۂ رزق تنگ ہوجائے ورنہ یہ چیزیں فی نفسہ قابل تحریم نہ تھیں صرف عارضی طور پر یہود کے حق میں حرام کی گئیں۔(معارف القرآن :۳/۴۳، ط:مکتبۃ المعارف)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ذبح فوق العقدہ کا حکم:

سوال: بعض حضرات اس جانور کے کھانے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں جو جانور فوق العقدہ ذبح کیا گیا ہو۔اگر اس طریقہ میں سب رگیں یا اکثر رگیں کٹ گئیں ہوں تو پھر ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مفتی اعظم پاک وہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ذبح کا مدار شرعاً اکثر عروق کے قطع ہوجانے پر یعنی من جملہ چار عروق کے حلقوم، مری، ودجین کے تین عروق قطع ہوجائیں تو ذبح متحقق ہوجائے گا، خواہ کسی طریق پر قطع کیا جائے فوق العقدہ یا تحت العقدہ بلکہ حلق کی جانب سے یا گدی کی جانب سے البتہ جس صورت میں جانور کو تکلیف زیادہ ہو اس کا اختیار کرنا دوسری حیثیت سے ممنوع ومکروہ ہے لیکن حلت ذبیحہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اب یہ بات تجربہ کے متعلق رہ گئی کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے عروق ثلاثہ قطع ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ اگر ہوجاتی ہیں تو ذبیحہ درست ہے ورنہ نہیں، لیکن اکثر اہل تجربہ کے بیان سے قطع ہوجانے کی تصدیق

ہوئی ہے۔(امداد المفتین، جلد دوم، ص۷۷۹، دارالاشاعت)۔

فتاوی الشامی میں ہے:

قال فی الهداية : وفی الجامع الصغير : لا بأس بالذبح فی الحلق كله وسطه وأعلاه وأسفله ، والأصل فيه قوله عليه الصلاة والسلام :"الذكاة ما بين اللبة واللحيين" ولأنه مجمع العروق فيحصل بالفعل فيه إنهار الدم على أبلغ الوجوه فكان حكم لكل سواء ، وعبارة المبسوط: الذبح ما بين اللبة واللحيين كالحديث. قال فی النهاية: وبينهما اختلاف من حيث الظاهر لأن رواية المبسوط تقتضی الحل فيما إذا وقع الذبح قبل العقدة لأنه بين اللبة واللحيين، ورواية الجامع تقتضی عدمه لأنه إذا وقع قبلها لم يكن الحلق محل الذبح فكانت رواية الجامع الصغير مقيدة لإطلاق رواية المبسوط.

وقد صرح فی الذخيرة بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم لايحل لأن المذبح هو الحلقوم لكن رواية الإمام الرُسْتُغْفَني (هو علی بن سعيد أبوالحسن ، من رُسْتُغْفَن بضم الراء وسكون السين وضم التاء وسكون الغين وبالنون بعد الفاء : قرية من قرى سمرقند، كان من كبارمشايخ سمرقند، كان من أجل أصحاب أبی منصورالماتريدی) **تخالف هذه، حيث قال: هذا قول العوام وليس بمعتبر ،فتحل سواء بقيت العقدة ممايلی الرأس أوالصدر ، لأن المعتبرعندنا قطع أكثر الأوداج وقد وجد، وكان شيخي يفتي بهذه الرواية ويقول: الرستغفنی إمام معتمد فی القول والعمل ، ولو أخذنا يوم القيامة للعمل بروايته نأخذه كما أخذنا، ما فی النهاية ملخصاً. وذكرفی العناية أن الحديث دليل ظاهر لهذه الرواية ورواية المبسوط تساعدها، وما فی الذخيرة مخالف لظاهر الحديث. أقول: بل رواية الجامع تساعد رواية الرستغفنی أيضاً ، ولا تخالف رواية المبسوط بناء على ما مر عن القهستانی من إطلاق الحلق على العنق ...**

أقول: والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعاً للرستغفنی وإلا فالحق خلافه ، إذ لم يوجد شرط

الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلک بالمشاهدة أوسوال أهل الخبرة ، فاغتنم هذا المقال ودع عنک الجدال. (فتاوى الشامی:٦/٢٩٤،سعید).

(وكذا فی اللباب فی شرح الكتاب:٤/٥٦٣-٥٦٦،کتاب الصیدوالذبائح).

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

مقتضى رواية الجامع أن الذبح لو وقع في أعلى من الحلقوم كان المذبوح حلالاً وكلامه هكذا هذه الرواية تقتضي أن يحل وإن وقع الذبح فوق الحلق قبل العقدة ولو جعل بين بمعنى فی كما فی الكرمانی لم يستقم كما لايخفی وقيل لايجوز فوق العقدة وإنما أتی بصيغة التمريض لمخالفة ظاهر الحديث الذی مر آنفاً. (مجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ٤/١٥٨، كتاب الذبائح،ط: دارالكتب العلمية).

قال الشيخ أسعد الصاغري فی"الفقه الحنفی وأدلته" : وفی حديث أبي أمامة قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: للجارية فی الشاة المعطوبة ، وقد كسرت حجراً من المروة ، فذبحتها بها ، و جائته بأمر سيدها عقبة بن عمر قال لها : "هل أفريت الأوداج ؟" قالت: نعم ، قال: " كل ما فرى الأوداج..." الحديث . [معجم الطبرانی:٨/٢١١] **وعليه فإذا قطع فوق العقدة ، فقد حل ، لأنه قطع ثلاثة من أربعة ، وإن قطع تحت العقدة ، وجعلها تابعة للرأس فقد قطع العروق الأربعة، وهو الأتم إن شاء اللّٰه تعالىٰ.** (الفقه الحنفی وأدلته:٣/١٩٩،كتاب الذبائح،بيروت).

علامہ ملاخسروؒ نے اپنی کتاب "دررالحکام فی شرح غررالاحکام" میں جواز وحلت کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو: (دررالحكام فی شرح غررالاحكام: ١/٢٧٦، كتاب الذبائح)۔

حضرت تھانویؒ نے پہلے حرمت کا فتویٰ دیا تھا پھر مشاہدہ کے بعد رجوع فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

حلت وحرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا مبنیٰ صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں حلقوم اورمری قطع ہوں گے یا نہیں، سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے، مشاہدہ کے بعد اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، اور چونکہ مشاہدہ

قطع کا روایتِ ثقات سے محقق ہو چکا اس لیے حلت کا حکم دیا جاوے گا، مدت ہوئی کہ احقر نے اس کی حرمت کا فتویٰ کتبِ فقہ سے نقل کیا تھا، اب اس سے رجوع کرتا ہوں۔ (امداد الفتاویٰ:۳/۵۳۹، ترجیح خامس)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

بندہ نے اس کو تحقیق کیا ہے اور گائے مذبوح کا سر منگا کر دیکھا ہے لہذا بندہ کی رائے میں اکثر عروق قطع ہو جاتی ہیں اور مذبوح حلال ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ذبح بحکمِ حدیث ”ما بین اللبة و اللحيين“ ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ خلیلیہ، ص۲۸۸، مکتبۃ الشیخ)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

صاحب ردالمحتار معروف شامی نے اس بارہ میں یہ قول فیصل لکھا ہے: اقول: التحریر للمقام...الخ. اور اہل تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عروق ذبح فوق العقدہ ذبح کرنے سے بھی قطع ہو جاتی ہیں لہذا اس کی حلت میں شبہ نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱/۶۷۴، دارالاشاعت)۔

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

عقدہ سے اوپر جانور ذبح کیا، اگر مرئی کٹ گئی تو حلال ہے اور اگر یہ رگ نہیں کٹی تو حرام۔ اسی کو در مختار کے مصنف نے ترجیح دی ہے اور سب روایات جمع کی ہیں، یہ ہی سب سے بہتر ہے۔ (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۳۵)۔

بعض فقہاء نے ذبح فوق العقدہ کو غیر معتبر مانا ہے، ان کے اسماء درجِ ذیل ہیں:

علامہ سید احمد طحطاوی۔ علامہ زیلعی صاحبِ تبیین الحقائق۔ برہان الدین محمود بن احمد البخاری صاحبِ ذخیرہ۔ صدر الشریعہ صاحب النقایہ۔ ملا علی القاری۔ صاحب المواہب۔ علامہ شمنی۔ علامہ شرنبلالی۔ ابن کمال باشا، وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي:٦/٢٩٥، سعيد، وحاشية الطحطاوي على الدرالمختار ٤/١٥٠-١٥١، ط: كوئته، وتبيين الحقائق:٥/٢٩٠، امداديه، وفتح باب العناية:٤/٧٥، ط: بيروت، وحاشية الشرنبلالي:١/٢٧٦).

لیکن ناجائز کہنے والوں کے دلائل پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ منع کرنے کی اصل علت رگوں کا صحیح طور پر نہ کٹنا ہے، بایں وجہ ذبح فوق العقدہ کی حرمت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

ما قاله الرستغفنى مشكل، فإنه لم يوجد فيه قطع الحلقوم ولا المرىء وأصحابنا وإن اشترطوا قطع الأكثر فلا بد من قطع أحدهما عند الكل، وإذا لم يبق شيء من العقدة مما يلي الرأس لم يحصل قطع واحد منهما فلا يؤكل بالإجماع ،الخ. (تبيين الحقائق:٥/٢٩٠،ط: امداديه،ملتان).

علامہ سید احمد طحطاویؒ نے علامہ زیلعی کی تائید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

والذي ظهر لي أن الحق قول الزيلعيؒ ومن معه...وعلى كل فالاحتياط فى المتفق عليه. والله تعالى أعلم بالصواب. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٥١،كوئته).

لكن رده محشيه الشلبى والحموى ، وقال المقدسى : قوله لم يحصل قطع واحد منهما ممنوع بل خلاف الواقع ، لأن المراد بقطعهما فصلهما عن الرأس أو عن الاتصال باللبة . (فتاوى الشامى:٦/٢٩٥،سعيد).

نیز حاشیۃ الدرر میں مولانا ابوسعید محمد بن مصطفیٰ الخادمی نے علامہ زیلعی کے قول کی تردید فرمائی ہے کہ یہ رائے نص کے مقابل ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو: (حاشية الدرر على الغرر،ص ١٣٥، كتاب الذبائح،مطبعه عثمانيه).

حاصل یہ ہے کہ علامہ شامیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ کی مذکورہ بالا تحقیق اور مشاہدہ وتجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام رگیں اچھی طرح کٹ جاتی ہیں لہذا عدمِ حلت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اور مانعین کا قول اس کے بالمقابل مرجوح ثابت ہوتا ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (امدادالاحکام:۲۵۲، وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/۲۴۶، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلاحرکت و بلا سیلانِ دم ذبیحہ کا حکم:

سوال: ہم نے ایک جانور کو ذبح کیا، نہ خون بہا اور نہ جانور نے کوئی حرکت کی، لیکن ذبح کے وقت زندہ تھا کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کی تو کیا ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا ذبیحہ حلال ہے جب کہ بوقتِ ذبح جانور کے زندہ ہونے کا یقین تھا اور اگر بوقتِ ذبح زندہ ہونا موہوم تھا یا معلوم نہیں تھا، تو پھر حرام ہے، اسی طرح اگر آثارِ زندگی محسوس ہوئے مثلاً ہاتھ پاؤں سمیٹے یا منہ بند کیا یا آنکھ بند کی تو بھی ذبیحہ حلال ہے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

ذبح شاة لم تدر حياتها وقت الذبح ولم تتحرك ولم يخرج الدم إن فتحت فاها لا تؤكل وإن ضمته أكلت ، وإن فتحت عينها لاتؤكل وإن ضمتها أكلت ، وإن مدت رجلها لاتؤكل، وإن قبضتها أكلت ، وإن نام شعرها لاتؤكل وإن قام أكلت ، لأن الحيوان يسترخي بالموت ، ففتح فم وعين ومد رجل ونوم شعر علامة الموت لأنها استرخاء ومقابلها حركات تختص بالحي فدل على حياته ، وهذا كله إذا لم تعلم الحياة وإن علمت حياتها وإن قلت وقت الذبح أكلت مطلقاً بكل حال، زيلعي .

وفي حاشية لابن عابدين: قوله ولم تتحرك أي بعد الذبح بحركة اضطرابية كحركة المذبوح وإلا فضم العين وقبض الرجل حركة ...قوله بكل حال ، سواء وجدت تلك العلامات أولا. (الدرالمختارمع حاشية ابن عابدين:٦/٣٠٩،سعيد).

تبيين الحقائق میں ہے:

ولو ذبحت شاة مريضة ولم تتحرك منها إلا فوها قال محمد بن مسلمة: إن فتحت فاها لاتؤكل وإن ضمت عينها أكلت...الخ. (تبيين الحقائق:٥/٢٩٧،ط: امداديه،و فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٦٧).

وللاستزادة انظر: (تکملة البحرالرائق:۸/۱۷۳، کوئٹه،ولسان الحکام ،ص ۳۸۲،ط:دارالفکر،والفتاوی السراجية ، ص ۳۸۰،والفتاوی التاتارخانية:۱۷/۳۹٤،مکتبه زکریا،وفتاویٰ محمودیه:۱۷/۲۸٦،جامعه فاروقیه).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ذبح اختیاری کی جگہ اضطراری استعمال کرنے کا حکم:

سوال: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب ’’جواہرالفقہ‘‘ کی کچھ عبارات درج ہیں جن کا تعلق ذبح کے ساتھ ہے ،اب میرا سوال ان عبارات کی روشنی میں یہ ہے کہ کیا’’ ریمبوچکن‘‘ کے طریقہ ذبح کو ذبح اضطراری کے تحت لا سکتے ہیں، کہ جس کی وجہ سے نہ تمام رگوں کا کاٹنا ضروری ہو اور نہ رو بہ قبلہ کرنا ضروری ہو اور نہ دوسری چیزیں ضروری ہوں؟ بینوا توجروا۔

جواہرالفقہ کی عبارات حسبِ ذیل ہیں:

غیر اختیاری ذکات شکار وغیرہ کے احکام درجِ ذیل ہیں:

اوپر اسلامی ذبیحہ کے متعلق قرآن مجید کی دس آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ایک تو عام ذبائح کا حکم مذکور ہے جو گھریلو اور پالتو جانوروں سے متعلق ہے جن کے حلال ہونے کے لیے تین شرطوں کی تصریح پوری وضاحت کے ساتھ آچکی ہے یعنی ذابح کا مسلمان ہونا ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اور عروق ذبح کو دھاردار چیز سے قطع کرنا۔

دوسرا حکم شکار کا بھی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۴ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تربیت یافتہ کتے وغیرہ کو اگر بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے اور وہ جانور کو زخمی کر کے پکڑ لائے اور خود اس میں سے نہ کھائے تو یہ شکار حلال ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر پھینکنے کا بھی یہی حکم مذکور ہے...الخ. (جواہرالفقہ :۲/۳۸۱،اسلامی ذبیحہ)۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ کے قانون کے مطابق انسان جب تک ذبح اختیاری پر قادر ہو اس وقت تک ذبح اضطراری کی طرف نہیں جاسکتا۔اور اختیاری صورت سے مراد ان جانوروں کا ذبیحہ ہے جو گھروں میں پالے جاتے ہیں، جیسے بکری، گائے ،بیل ،بھینس وغیرہ اور کسی جنگلی جانور جیسے ہرن وغیرہ کو گھر میں پال کر مانوس بنالیا جا

ئے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوجاتا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں اس اختیاری اسلامی ذبیحہ کے لیے درجِ ذیل تین شرائط کا لحاظ رکھنا لازم اور ضروری ہے:۔

(۱) ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔

(۲) بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینا۔

(۳) شرعی طریقہ پر حلقوم اور مرئی اور خون کی رگیں کاٹ دینا۔ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے گی تو وہ اسلامی ذبیحہ نہیں ہوگا۔

بصورتِ مسئولہ مذبح ریمبوچکن میں مرغیاں چونکہ انسانوں کے قابو میں ہیں لہذا ذبح اختیاری ہی متعین ہے،اس کو ذبح غیر اختیاری (اضطراری) میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔

تفصیلی دلائل کے لیے درجِ ذیل کتب ملاحظہ فرمالیں:

(الاختیار لتعلیل المختار:۵/۱۰،الدرالمختار مع ردالمحتار:۶/۳۰۳،سعید،والجوهرة النيرة:۲/۲۷۷،وتکملة البحرالرائق:۸/۱۶۷،وجواهرالفقه:۲/۳۸۱،اسلامی ذبیحہ).

تنبیہ: ریمبوچکن کے بارے میں ہمارے ہاں سے تفصیلی فتویٰ شائع ہوچکا ہے اس کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانور کو منشیات کے ذریعہ قابو میں لانے کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں موزنبیق میں ایک شخص نے جنگل میں ایک شراب سے بھرا ہوا برتن کھلا ہوا رکھدیا،تا کہ شکار اس سے پی لے،چنانچہ شکار نے پی لیا،اور جانور نشہ میں آگیا،اور نشہ کی وجہ سے بھاگ نہ سکا، اس آدمی نے جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کردیا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس جانور کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ گوشت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ،اور اس طرح کا حیلہ استعمال کرنے کی اجازت ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شراب اگر اشربہ اربعہ محرمہ کے علاوہ سے ہے تو معاملہ آسان ہے، اور اگر اشربہ اربعہ محرمہ میں سے ہے تو چونکہ جانور غیر مکلّف ہے اس لیے شراب دور رکھ لے اور جانور خود آ کر پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، پھر جس طرح مردہ کیڑوں کے ذریعہ مچھلی کا شکار کرنا جائز ہے اسی طرح اس قسم کا حیلہ استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہوگی، کیونکہ اس حیلہ کا مقصد جانور کے شکار کو آسان بنانا ہے اس سے جانور کو کوئی ایذا پہنچانا مقصود نہیں ہے، پھر شراب کی وجہ سے گوشت میں کوئی خرابی بھی نہیں آئی لہذا اس کا گوشت کھانا حلال ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ولو لسقى دواب) قال بعض المشايخ: لو قاد الدابة إلى الخمر لا بأس به، ولو نقل إلى الدابة يكره ، وكذا قالوا فيمن أراد تخليل الخمر ينبغي أن يحمل الخل إلى الخمر ولو عكس يكره وهو الصحيح . (فتاوى الشامى:٦/٤٤٩، كتاب الاشربة، سعيد).

قال فى البزازية: ولا يحمل الجيفة إلى الهرة ويحمل الهرة إلى الجيفة. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:٤/٨٢).

فعلم من هذا أن نقل الخمر أو الجيفة إلى الحيوان مكروه ولو قاد الحيوان إلى الخمر أو الجيفة أو أتى إليه بنفسه لا بأس به والحيوان غير مكلف و لهذا يحل له أكل الميتة .

البحر الرائق میں ہے:

ولا بأس برش الماء النجس فى الطريق ولايسقى للبهائم وفى خزانة الفتاوى: لابأس بأن يسقى الماء النجس للبقر والإبل والغنم. (البحرالرائق:١٠/١٢٥،باب التداوى ببول مايؤكل لحمه).

مزید ملاحظہ ہو: (الهداية:٤/٤٩٥،كتاب الاشربة).

تبيين الحقائق میں ہے:

ولو سقى ما يؤكل لحمه خمراً فذبح من ساعته حل أكله ويكره . (تبيين الحقائق: ٦/١٠،ط: امداديه).

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/ ۳۴۱، سعید، وفتاوی اللکنوی، ص۳۷۶).

لیکن مذکورہ بالا عبارت میں کراہت کی علت گوشت میں خرابی کا پیدا ہونا ہے اگر گوشت میں کوئی خرابی نہیں ہے تو بلا کراہت جائز ہوگا۔ ملاحظہ ہو علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

أما الدجاجة التي تخلط بأن تتناول النجاسة والجيف وتتناول غيرها على وجه لايظهر أثر ذلک فی لحمها فلا بأس به ولهذا يحل أكل لحم جدی غذی بلبن الخنزير لأن لحمه لايتغير وما غذی به يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر. (تبيين الحقائق:۶/ ۱۰،امداديه).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

وجازت من الماء المنجس عينه ☆ ولو أرسلت فيه إلى حين يكبر

مسئلة البيت من القنية رقم لعين الأئمة الكرابسی، وقال: أرسلت سمكة فی ماء نجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال.

وظاهر عبارة المصنف أنه سوى بين ذلک وبين ما لو تولدت من ماء نجس العين ولا ينكر ذلک كالحيوان المتولد من المنی، ووجهه المصنف بأنه حلال بالنص وكونه يتغذى بالنجاسة لايمنع حله ، إذا ثبت حله بالدليل ...ونقل عن مقطعات الظهيرية: ولو أن جدياً غذی بلبن الخنزير لابأس بأكله لأن لحمه لايتغير. (شرح منظومة لابن وهبان:۲/ ۱۳۸،كتاب الصيود والذبائح).

خلاصہ یہ ہے کہ اگر گوشت میں کوئی تغیر ہو چکا ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

منکر حدیث کے ذبیحہ کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں ایک قصائی منکر حدیث بن چکا ہے اگر وہ کبھی خود بکری یا دنبہ ذبح کرے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسے قصائی کا ذبیحہ بالکل نہیں کھانا چاہئے، وہ زندیق ہے اپنے کفر کو اسلام

ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔قادیانی کا بھی یہی حکم ہے۔

ملاحظہ ہو شرحِ فقہ اکبر میں ہے:

من رد حديثاً قال بعض مشايخنا يكفر وقال: المتأخرون إن كان متواتراً كفر، أقول: هذا هو الصحيح إلا إذا كان رد حديث الآحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستخفاف الإنكار، نقلاً عن الخلاصة . (شرح فقه الاكبر،ص٢٠٤).

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث مرتد ہے۔

نیز ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں روایت ہے:

عن معديكرب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: ألا أني أوتيت الكتاب ومثله (أى ومثل الكتاب) معه (وهو الحديث ؛ لأنه وحي غيرمتلو...الخ). (سنن ابی داود: ٢٨٤/٢،باب لزوم السنة،امداديه،مع بذل المجهود:١٤/١٣،ط: امداديه).

ابن ماجہ شریف میں ہے:

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يوشك الرجل متكئاً على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول: بيننا و بينكم كتاب اللّٰه عز وجل فما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه حرام حرمناه ألا وإن ما حرم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مثل ما حرم اللّٰه . (رواه ابن ماجه،ص٣،باب تعظيم رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه ،قديمى). (وكذا رواه الترمذى :٩٥/٢).

درمختار میں ہے:

لا تحل ذبيحة غير كتابى من وثني ومجوسي ومرتد . (الدرالمختار: ٢٩٨/٦،سعيد).

وفي تبيين الحقائق: وأما المرتد فلأنه لا ملة له لأنه لا يقر على ما انتقل إليه ولهذا لايجوز نكاحه . (تبيين الحقائق:٢٨٧/٥،امداديه).

وفي البدائع : أن يكون مسلماً كتابياً فلا تؤكل ذبيحة أهل الشرك والمجوسي

والوثنی وذبيحة المرتد...وأما المرتد فلأنه لايقر على الدين الذی انتقل إليه فكان كالوثنی الذی لايقر على دينه . (بدائع الصنائع:٥/٤٥،سعيد).

لسان الحکام میں ہے:

ولا تحل ذبيحة المرتد وإن ارتد إلى دين أهل الكتاب . (لسان الحكام،ص ٣٨١،كتاب الذبائح،دارالفكر).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٦٨،والفتاوى الهندية:٥/٢٨٥).

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

قادیانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے ،اور چیزوں کا لین دین بھی ایک نوع کا تعلق ہے، قادیانی کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا حلال نہیں اس لیے کہ یہ مرتد اور زندیق ہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۵/۴۵۳).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب انکارحدیث کیا تو جن آیات میں اطاعت واتباع رسول ہے ان کا بھی انکار ہو گیا تو پھر قرآن پر ایمان کہاں رہا؟ قرآن کا قرآن ہونا بھی تو رسول کے فرمانے سے معلوم ہوا،انکارِ رسول اور انکارِقرآن کے ساتھ ساتھ ایمان کیسے جمع ہوسکتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۲/۳۴۶،جامعہ فاروقیہ). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیراللہ کی تعظیم میں ذبح شدہ جانور کا حکم:

سوال: بعض کفار کے علاقوں میں یہ دستور ہے کہ خاندان کے خاص اجتماع پر یا کسی کے انتقال کے موقع پر جانور کو غیر اللہ کے نام پر یعنی مردہ باپ دادا کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے،اور کثرت سے لوگ مدعو ہوتے ہیں،ایسے اجتماع کے موقع پر خاندان میں ایک دو مسلمان بھی ہوتے ہیں،ان کی شرکت بھی لازم ہوتی ہے ورنہ قطع تعلق وغیرہ کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمان مخالفت سے بچتے ہوئے شرکت کرلے،اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر نامزد ہوا اس کو بسم اللہ پڑھ کر خود ذبح کرلے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مالک کی نیت کا اعتبار ہوگا اور جانور جو غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا ہے وہ بسم

اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوگا، بلکہ ما اہل لغیر اللہ میں شامل ہو کر حرام ہوگا، بنابریں اگر غیر مسلموں کا اجتماع ہو تو کچھ دیر کے لیے مصلحت کی وجہ سے شرکت کر لے، لیکن مذبوحہ نہ کھائے، اس وقت کھانے سے معذرت کر دے، یا چلا جائے تو اجتماع میں شرکت تبلیغ ودعوت کی نیت سے درست ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى ولو للضيف لا يحرم...والفارق أنه... كان لتعظيم غير الله فتحرم . وفي رد المحتار: قوله والفارق أي بين ما أهل به لغير الله بسبب تعظيم المخلوق وبين غيره . (الدر المختارمع ردالمحتار:٦/٣٠٩،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الاشباه والنظائرمع شرح الحموی:٢/٤٥٩-٤٦٠،كتاب الصيدوالذبائح).

کفایت المفتی میں ہے:

جو جانور کہ نذر لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت سے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ حرام اور مردار ہے کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہوگی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لیے قربان ہو۔ (کفایت المفتی:۸/۲۳، دارالاشاعت)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو لیکن بوقتِ ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یہ صورت بھی بالاتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ بحکمِ میتہ ہے، مگر تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے بعض حضرات مفسرین وفقہاء نے اس کو بھی "ما أهل به لغير الله" کا مدلول صریح قرار دیا ہے جیسا کہ حواشی بیضاوی کی عبارت... نیز درمختار کتاب الذبائح میں ہے... اور بعض حضرات نے اس آیت کو "ما أهل به لغير الله" کا مدلولِ صریح تو نہیں بنایا کیونکہ اس میں بحیثیت عربیت تکلف ہے مگر اشتراکِ علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے اس کو بھی "ما أهل به لغير الله" کے ساتھ ملحق کر کے حرام قرار دیا ہے اور احقر کے نزدیک یہی اسلم واحوط ہے، نیز اس صورت کی حرمت کے لیے ایک دوسری مستقل

آیت بھی شاہد ہے یعنی آیتِ کریمہ ”وما ذبح علی النصب“، کیونکہ عطف کی وجہ سے ظاہر یہی ہے کہ ”ما أهل به لغير الله“ اور ذبح علی النصب دو متغائر صورتیں ہیں، پس ”ما أهل به لغير الله“ تو وہ ہے جس پر غیر اللہ کا نام بوقتِ ذبح پکارا جائے اور ” وما ذبح علی النصب“ وہ ہے جو نصب کی تعظیم وتکریم کے لیے ذبح کیا جائے خواہ وہ اس پر کسی غیر اللہ کا ذکر نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا نام ذکر کریں۔ (امداد المفتین، جلدِ دوم، ص۷۷۴، دارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شیعہ، بریلوی کے ذبیحہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شیعہ یا بریلوی وغیرہ کے عقائد کفر کی حدتک پہونچ گئے ہوں تو ان کا ذبیحہ اہل کتاب پر قیاس کرتے ہوئے حلال ہوگا یا نہیں؟ وہ مشرک کے حکم میں ہیں یا اہل کتاب کے حکم میں ہیں؟

الجواب: کسی شخص کے عقائد کفر کی حدتک پہونچ گئے ہوں اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں شمار کرتا ہو لیکن اس کا شمار اہل سنت والجماعت میں نہیں ہوگا، فقہاء نے ایسے لوگوں کو زندیق ملحد میں شمار کیا ہے، اور بعض فقہاء نے ایسے لوگوں کو باغیوں کی جماعت میں شامل کیا ہے۔

اور آج کل کے شیعہ، بریلوی وغیرہ جن میں سے بعض کے عقائد کفر کی حدتک پہونچ چکے ہیں، لہذا ان کے ذبیحہ کو حلال کہنا جائز اور درست نہیں۔

نیز ایسے لوگوں کا اہل کتاب میں شمار کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ اہل کتاب وہ ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین سماوی کے اصول وقوانین پر باقی ہوں اور کسی وحی منزل کو مانتے ہوں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وكل من يعتقد ديناً سماوياً وله كتاب منزل كصحف إبراهيم عليه السلام وشيث عليه السلام، وزبور داود عليه السلام فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم كذا في التبيين . (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۸۱).

وفيه أيضاً: ولايجوز نكاح المجوسيات ولا الوثنيات ...ويدخل في عبدة الأوثان

عبدة الشمس والنجوم والصور التی استحسنوها والمعطلة والزنادیق ... وکل مذهب یکفر معتقده کذا فی فتح القدیر. (الفتاوی الهندیة:۱/۲۸۱).

خلاصة الفتاویٰ میں ہے:

الرافضی إن کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر. (خلاصة الفتاویٰ:٤/۳۸۱،کتاب الفاظ الکفر).

عالمگیری میں ہے:

ولو قذف عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها بالزنی کفر باللّٰه ... ومن أنکر إمامة الصدیق رضی اللہ عنہ **فهو کافر وعلی قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر والصحیح أنه کافر...ویجب إکفارهم بإکفارعثمان** رضی اللہ عنہ **وعلي** رضی اللہ عنہ **وطلحة** رضی اللہ عنہ **و زبیر** رضی اللہ عنہ **وعائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها... و یجب إکفار الروافض في قولهم برجفة الأموات إلی الدنیا.** (الفتاوی الهندیة:۲/۲٦٤).

وفی الخلاصة : ولا یؤکل ذبیحة المجوسی والمرتد والمرتدة والوثنی. (خلاصة الفتاوی: ٤/۳۰۵،کتاب الصیدوالذبائح).

حضرت مفتی رشید صاحبؒ فرماتے ہیں:

معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہل کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں، اس لیے انھیں اہل کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں، زندیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بمعنی منافق یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو۔ **قال العلامة التفتازانی رحمه اللّٰه تعالیٰ وإن کان مع اعترافه بنبوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وإظهاره شعائر الإسلام یبطن عقائد هي کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق.** (شرح المقاصد:۲/۲٦۹).

وقال الحافظ العیني رحمه الله تعالیٰ: واختلف في تفسیره فقیل هو المبطن للکفر المظهر للإسلام کالمنافق . (عمدة القاری:۱٦/۲۰۰،باب حکم المرتدوالمرتدة، ط: دارالحدیث ، ملتان).

(۲) جو شخص عقائد اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو، ایسا شخص اگرچہ اپنے عقائدِ کفریہ کو پوشیدہ رکھنے کی

کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی اشاعت کرتا ہے اس کے باوجود اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قوله المعروف أى بالزندقة الداعى الذى يدعو الناس إلى زندقته، فإن قلت كيف يكون معروفاً داعياً إلى الضلال وقد اعتبر فى مفهومه الشرعي أن يبطن الكفر، قلت: لا بعد فيه فإن الزنديق يموه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها فى الصورة الصحيحة وهذا معنى إبطان الكفرفلا ينافى إظهاره الدعوى إلى الضلال وكونه معروفاً بالإضلال ، ابن كمال . (ردالمحتار:۳/۳۰۵).

وقال الشاه ولى الله رحمه الله تعالىٰ: إن المخالف للدين الحق إن لم يعترف به ولم يذعن له لا ظاهراً ولا باطناً فهو كافر وإن اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو منافق ، وإن اعترف به ظاهراً لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجتمعت عليه الأمة فهو الزنديق . (المسوى :۲/۱۳۰).

زندیق کے احکام:

(۱) زندیق واجب القتل ہے۔ (لیکن یہ کام اسلامی حکومت کا ہے عام لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں)۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد اس کی توبہ قبول نہیں، گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔

(۳) ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۴) ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ:۱/ ۸۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

شیعہ، قادیانی، آغا خانی، ذکری، پرویزی، انجمن دینداراں اور اس قسم کے دوسرے فرقے جو کافر ہونے کے باوجود خود کو مسلم کہلاتے ہیں، اسلام میں تحریف کر کے اپنے عقائدِ کفریہ کو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ سب زندیق ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۰۲)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۲/ ۲۵، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ فریدیہ:۱/۱۳۳، فتاویٰ حقانیہ:۶/ ۴۴۷).

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے عقائد کفر تک پہونچ چکے ہوں ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائیگا، بلکہ وہ

مشرک کے حکم میں ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قادیانی اور آغا خانی کے ذبیحہ کا حکم:

سوال: اگر کسی قادیانی اور آغا خانی نے بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو کیا یہ اہل کتاب سے بھی خراب اور ادنیٰ ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے اور ان کا حرام، حالانکہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ خدا مانتے ہیں اور اہل کتاب نہیں مانتے، اور اگر جواب اثبات میں ہو تو کیوں؟

الجواب: قادیانی، آغا خانی اور خوجہ سب مرتد اور زندیق ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام اور ناجائز ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

إذ لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الإسلام من حدوث العالم وحشر الأجساد ونفي العلم بالجزئيات وإن كان أهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير. (ردالمحتار: ۱/۵۶۱، سعید).

عمدة القاری میں ہے:

واختلفوا في تفسيره (أى الزنديق) فقيل: هو المبطن للكفر المظهر للإسلام كالمنافق وقيل: من لادين له وقيل: هم طائفة من الروافض تدعى السبائية ...واختلف فى الزنديق هل يستتاب؟ ...وقول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ مختلف فيه، فمرة قالا: بالاستتابة ومرة قالا: لا قلت: روي عن أبي حنيفةؒ أنه قال: إن أتيت بزنديق استتبته فإن تاب وإلا قتلته. (عمدة القارى: ۱۶/۲۰۰، باب حكم المرتد والمرتدة، ط: دارالحديث، ملتان).

البحر الرائق میں ہے:

الزنديق...هو من لايتدين بدين، وأما من يبطن الكفر والعياذ بالله ويظهر الإسلام، فهو المنافق، ويجب أن يكون حكمه فى عدم قبولنا توبته كالزنديق؛ لأن ذلك فى الزنديق

لعـدم الاطـمينـان إلى ما يظهر من التوبة إذا كان قد يخفى كفره الذى هو عدم اعتقاده ديناً .

(البحرالرائق: ۱۲٦/٥،باب احكام المرتدين، كوئته).

حضرت شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ولا ينـجـو من الكفر إلا من أكفر ذلک الملحد (أى غلام أحمد القادياني) **بلا تلعثم وتردد.** (اكفارالملحدين،ص ۱۰،ط: المجلس العلمى).

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا تؤكل ذبيحة المجوسى والمرتد. (الهداية:٤٣٤/٤).

خلاصة الفتاوىٰ میں ہے:

ولا يؤكل ذبيحة المجوسى والمرتد والمرتدة والوثنى. (خلاصة الفتاوى:٣٠٥/٤،كتاب الصيد والذبائح).

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کیے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا، جو شخص بھی اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرے گا اس کا بھی حکم یہی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱۶/۲، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

آغا خانی جماعت بھی قادیانی جماعت کی طرح زندیق و مرتد ہے، چنانچہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک کے تمام اہلِ علم ان کے کفر و ارتداد اور زندقہ والحاد پر متفق ہیں۔ (ادیانِ باطلہ اور صراط مستقیم،ص۸۹،لمفتی محمد نعیم صاحب)۔

آغا خانیوں کا حقیقی کلمہ:

أشهـد أن لا إلـه إلا الـلّـه وأشهـد أن محمداً رسول الله وأشهد أن أمير المومنين على ولى الله . " ياعلى مدد " ہمارا اسلام ہے۔ (مکالمہ بین المذاہب،ص۲۲۹،مکتبہ فاروقیہ، وادیانِ باطلہ،ص۸۸)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر

ہے، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہئے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ علامہ شامیؒ غالی روافض کو کافر مانتے ہیں، اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا؟

والظاهر أن الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لاينفكون عن اعتقادهم الباطل فی حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلاة فهم كفار لامرتدون ولا أهل كتاب. (رسائل ابن عابدين، ص ۳۷۰، ط: سهيل).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں، رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں، ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہوا وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔

(۲) اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی۔

(۳) اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق ہے۔

(۴) مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے اس لیے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں۔ (رسالہ قادیانی ذبیحہ، ص: ۲۴، ۲۵)۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۵۴، مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

حضرت مفتی رشید صاحبؒ فرماتے ہیں:

معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہل کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں، اس لیے انھیں اہل کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۸۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

شیعہ، قادیانی، آغاخانی، ذکری، پرویزی، انجمن دینداراں اور اس قسم کے دوسرے فرقے جو کافر ہونے کے باوجود خود کو مسلم کہلاتے ہیں، اسلام میں تحریف کر کے اپنے عقائدِ کفریہ کو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ سب زندیق ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/ ۴۰۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، ان میں اور اہل کتاب میں فرق یہ ہے کہ اہل کتاب

دین سماوی کو تسلیم کرتے ہیں، جب کہ یہ گمراہ فرقے زنادقہ کے حکم میں ہیں کہ اسلام کی پشت پناہی میں اپنے عقائدِ خبیثہ اور تاویلاتِ فاسدہ کے ذریعہ کفر کو در پردہ رکھتے ہیں، اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہونچتا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ذبائح اہل کتاب کا حکم:

سوال: اگر غیر مسلم (عیسائی) عورت، یا یہودی، نصرانی شخص کسی جانور کو ذبح کرے اور اللہ کا نام بھی نہ لے اور غیر اللہ کا نام بھی نہ لے تو اس ذبیحہ کو کھایا جائیگا یا نہیں؟ یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کتابی صحیح طریقہ پر جانور ذبح کرے یعنی اللہ کا نام لے کر اچھی طرح رگوں کو کاٹ دے، تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ لیکن اگر اللہ کا نام نہ لے اور نہ کسی غیر اللہ کا نام لے، تو اس کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں فقہاء کا حسبِ ذیل اختلاف ہے:

پہلا قول: احناف اور حنابلہ کے ہاں چاہے مسلم ذبح کرے یا کتابی تسمیہ میں دونوں برابر ہے یعنی ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے، پس اگر مسلم یا کتابی نے عمداً تسمیہ ترک کر دیا، یا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔

ملاحظہ ہو شرح اللباب میں ہے:

وإن ترك الذابح التسمية عمداً، مسلماً كان أو كتابياً فذبيحته ميتة لاتؤكل؛ لقوله تعالى: ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ [الأنعام، ١٢١].

وإن تركها ناسياً أكلت؛ لأن في تحريمه حرجاً عظيماً؛ لأن الإنسان قلما يخلو عن النسيان، فكان في اعتباره حرج، والحرج مدفوع، ولأن الناسي غير مخاطب بما نسيه ...الخ. (شرح اللباب فی شرح الکتاب: ٤/ ٥٦٠، کتاب الصید و الذبائح).

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء أو سمع وشهد منه تسمية الله تعالىٰ وحده لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمى الله تبارك وتعالى وجرد التسمية تحسيناً للظن به كما بالمسلم...الخ . (بدائع الصنائع:٥/٤٦،سعيد).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلماً أو كتابياً لنص القرآن. (رد المحتار: ٦/٢٩٩، سعيد).

ہدایہ میں ہے:

والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء . (الهداية :٤/٤٣٥، كتاب الذبائح).

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

فلو ترك الكتابى التسمية عمداً أو ذبح وسمى باسم المسيح لم تحل ذبيحته بإجماع الفقهاء وأكثر أهل العلم. (البناية فى شرح الهداية: ١٠/٦٣٨، ط: رشيدية).

الاختيار لعليل المختار میں ہے:

فلو تركها عامداً لاتحل ، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق﴾ [الانعام:١٢١] **... والكتابى فيه كالمسلم ، ولأن ماذكرنا من النصوص منها أمر بالتسمية ، ومنها جعلها شرطاً لحل الأكل، وذلك يدل على حرمة المتروك عامداً.**

(الاختيار لتعليل المختار: ١٠-١١،كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية ، بيروت).

منية الصيادين میں ہے:

ولا تحل ذبيحة تارك التسمية عمداً، ...والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء. (منية الصيادين،ص ١٥٠،١٥٢).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق:٨/١٦٩،كوئته، والفتاوى الهندية:٥/٢٨٥، احکام الذبائح، ص٣٤،٣٦، جديد فقهى مسائل :٢/٢١٥،وكفايت المفتى:٨/٢٤٦-٢٤٩،دارالاشاعت، وامدادالاحكام:٤/٢٠٢، وامدادالمفتين:٢/٧٧١،دارالاشاعت).

تفسیر مظہری میں ہے:

قلت: والصحیح المختار عندنا هوالقول الأول یعنی ذبائح الکتابي تارکاً للتسمیة عامداً أو علی غیر اسم اللّٰه تعالیٰ لا یؤکل إن علم ذلک یقیناً أو کان غالب حالهم ذاک وهو محمل النهی عن أکل ذبائح نصاری العرب ومحمل قول علي رضي الله عنه: لا تأکلوا من ذبائح نصاری بني تغلب فإنهم لم یتمسکوا من النصرانیة بشيء إلا بشربهم الخمر فلعل علیاً علم من حالهم أنهم لایسمون اللّٰه عند الذبح أو یذبحون علی غیر اسم اللّٰه تعالیٰ .

فکذا حکم نصاری العجم إن کان عادتهم الذبح علی غیراسم اللّٰه تعالیٰ غالباً لایؤکل ذبیحتهم ولاشک أن النصاری في هذا الزمان لایذبحون بل یقتلون بالوقذ غالباً فلا یحل طعامهم. (تفسیرالمظهری:۳۹/۳).

علامہ ابن قدامہ حنبلی ''المغنی'' میں فرماتے ہیں:

فالتسمیة مشترطة في کل ذابح مع العمد سواء کان مسلماً أو کتابیاً فإن ترک الکتابی التسمیة عن عمد أو ذکر اسم غیراللّٰه لم تحل ذبیحته، روی ذلک عن علي رضي الله عنه.

(المغنی : ۵٦/۱۱، ط: دارالکتب العلمیة،بیروت).

دوسرا قول: کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے تسمیہ علی المذبوح ضروری نہیں ہے بلکہ بوقتِ ذبح سکوت اختیار کیا ہو تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا، لیکن اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہوگا۔

الشرح الصغیر میں ہے:

وجب عند التذکیة (ذکراسم اللّٰه) بأی صیغة من تسمیة أو تهلیل أوتسبیح اوتکبیر، لکن (لمسلم)لا کتابی ، فلا یجب عند ذبحه ذکر اللّٰه ، بل الشرط أن لا یذکراسم غیره مما یعتقد الوهیته. (حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر:۱۲۲/٤).

وللاستزادة انظر: (الخلاصة الفقهیة لمحمد العربی القروی المالکی، ص۲۸۲،ط:دارالکتب العلمیة ، الاستذکار:۲۱۷/۱۵، وبدایة المجتهد:۱۲۸/٤).

تیسرا قول: یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام لے تب بھی بعض مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اگر چہ مکروہ ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (منح الجليل شرح على مختصر سيد الخليل:٢/٤١٣، دارالفكر).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

ذبيحة أهل الكتاب حلال سواء ذكروا اسم الله تعالىٰ عليها أم لا لظاهر القرآن العزيز هذا مذهبنا ومذهب الجمهور وحكاه ابن المنذر عن علي رضي الله عنه والنخعيؒ وحماد بن سليمانؒ وأبي حنيفةؒ وأحمدؒ وإسحاقؒ وغيرهم. (المجموع شرح المهذب :٩/٧٨،دارالفكر).

تنبیہ: غالباً نقل مذہب اور جمہور کی طرف نسبت کرنے میں امام نوویؒ سے تسامح ہوا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ عمداً ترکِ تسمیہ میں فعل مسلم کی بنسبت فعل کتابی اہون ہے، عندالجمہور اول حرام ہے اور ثانی حلال۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/ ۴۱۶)۔

اہل کتاب سے کون مراد ہے؟

آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے، جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں، نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی وپیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ محض مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے،...خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔ (وہ دہریہ ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں)۔ (جواہر الفقہ :۶/ ۲۰۳،۲۰۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۲/ ۲۱۷،۲۲۰،اہل کتاب سے مراد اور عصر حاضر کے اہل کتاب، وامداد المفتین: ۲/ ۱۷۷، دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں شروطِ ذبح میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ذابح مسلمان یا کتابی ہو،

بایں وجہ یہودی اورعیسائی اگر اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کی پیروی کے دعوے دار ہوں محض دہریہ قسم کے نہ ہوں اور صحیح طریقہ کے مطابق ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاہم عصر حاضر میں یہود ونصاریٰ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، ان کا ذبیحہ کسی حال میں درست نہیں اگر چہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ سے بھی حتی الامکان احتراز کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والأولى أن لا يأكل ذبيحتهم ولايتزوج منهم إلا للضرورة كما حققه الكمال ابن الهمام. (فتاوى الشامي:٦/٢٩٧،سعيد).

فتاویٰ علماء البلد الحرام میں مرقوم ہے:

... أما في هذه الأزمنة فلم يعودوا يعملون بما في كتبهم فأصبحوا كالمرتدين ؛ فنرى ألا تؤكل ذبائحهم إلا إذا تحقق أنهم يذبحونها ذبحاً شرعياً ...الخ. (فتاوى علماء البلد الحرام،ص:١٠١٧). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کتابی کے لیے بوقتِ ذبح تسمیہ کا حکم:

سوال: ایک مذبح میں اہل کتاب بغیر بسم اللہ کے ذبح کرتے ہیں، ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ اس وقت حلال ہوگا جب کہ بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھے ہاں اگر نسیاناً چھوٹ گئی تو کوئی حرج نہیں البتہ عمداً ترک کردی تو ذبیحہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

البتہ شوافع کے نزدیک اگر بسم اللہ قصداً ترک کردی تب بھی ذبیحہ حلال ہے لیکن مکروہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن ترك الذابح التسمية عمداً ، فالذبيحة ميتة ، لا تؤكل وإن تركها ناسياً أكل،

وقال الشافعیؒ: أكل في الوجهين والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء .
(الهداية:٤/٤٣٥، كتاب الذبائح).

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار: ١٠-١١، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية، بيروت، ومنية الصيادين، ص: ١٥٠، وفتاوى الشامى:٦/٢٩٩، سعيد).

اعانۃ الطالبین میں ہے:

واعلم أنه يكره تعمد ترك التسمية، فلو تركها ولو عمداً حلت ذبيحته . (اعانة الطالبين: ٢/٧٥٦).

لیکن شوافع کے ہاں اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اصلاً ونسلاً اہل کتاب ہوں یعنی نزولِ قرآن کے وقت اہل کتاب تھے یا ان کے آباء واجداد اس وقت اہل کتاب تھے، اور جو نسلیں بعد میں عیسائی یا یہودی مذہب میں منتقل ہوگئیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ محمد زہری الغمراوی فرماتے ہیں:

قال في كتاب النكاح: فمن علم أن قومها دخلوا في دينهم بعد بعثة محمد صلى الله عليه وسلم أو في دين اليهود بعد بعثة عيسى عليه السلام أوشك في ذلك لا تحل وكذا لاتحل ذبائحهم . (السراج الوهاج:٣٧٦، المكتبة التجارية، ومغنى المحتاج:٤/٣١٢، ط:بيروت).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اگر اہل کتاب ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیں تو اکثر لوگوں کا اتفاق ہے کہ ایسا ذبیحہ حرام ہے۔...ظاہر ہے کہ جمہور کی رائے صحیح ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ کہ ﴿ **ما أهل لغير الله** ﴾ حرام ہے، کا تقاضا بھی یہی ہے۔

البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ اہل کتاب کے لیے بسم اللہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کتابی کا ذبیحہ بھی اسی وقت حلال ہے، جب کہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے، اس کے بغیر ذبیحہ حلال نہیں

والمسلم والكتابى فى ترك التسمية سواء . (الهداية مع الفتح:٩/٤٨٩).

امام شافعیؒ کے نزدیک قصداً بسم اللہ ترک کرنے کے باوجود کتابی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ نوویؒ نے اس کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے، اور بہ شمولِ امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے علماء سے اس رائے کی تائید نقل کی ہے، جس کا ثبوت مشکوک ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ذبيحة أهل الكتاب حلال سواء ذكروا اسم الله تعالىٰ أم لا لظاهر القرآن العزيز هذا مذهبنا ومذهب الجمهور وحكاه ابن المنذر عن علي رضي الله عنه والنخعي وحماد بن سليمان وأبي حنيفة رحمه الله وأحمد وإسحاق وغيرهم. (المجموع شرح المهذب: ٩/٧٨،دارالفكر).

حنابلہ کے یہاں بھی کتابی کے لیے بسم اللہ کہنا ضروری ہے،البتہ مالکیہ کے نزدیک کتابی کے لیے بسم اللہ کہنے کی شرط نہیں...۔(جدید فقہی مسائل:۲/۲۱۶،۲۱۷،کتابی کا ذبیحہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مشینی ذبیحہ کا حکم:

سوال: مشینی ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے کی مدد سے انجام دے رہا ہے،چنانچہ بعض ممالک میں اس مشینی ذبیحہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ بہت سارے جانور اس مشین کے نیچے کھڑے کر دیے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں،یہ بجلی کی مشین سارا دن چلتی رہتی ہے اور اس کے نتیجہ میں مرغیاں کٹتی رہتی ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بجلی کے مشین میں گھومنے والی چھری سے گردن کٹنے سے جانور ذبح شدہ سمجھا جائیگا یانہیں؟ نیز بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مشینی ذبیحہ سے متعلق اکابرؒ کی آراء میں اختلاف ہے:(۱) حضرت مفتی شفیع صاحب وغیرہ درجِ ذیل تفصیل کے مطابق مشینی ذبیحہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔

پہلے قول کی وضاحت وتفصیل ملاحظہ ہو:

پہلی بات تو یہ ہے کہ خواہ دستی چھری سے یا مشین کے ذریعہ سے جانور کی گردن بالکل علیحدہ کر دینا شرعی طریقہ ذبح کے خلاف ہے اور مکروہ ہے،البتہ جو جانور اس طریقہ سے ذبح کیا جائے اس کے گوشت کے حلال ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور مسلم یا کتابی نے بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبا دیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کے لیے کافی ہوگئی اور مذبوحہ جانور حلال ہوگیا،اور اگر آگے

پیچھے گردنیں کٹیں تو یہ بسم اللہ پہلے جانور کے لیے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لیے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور یہ جانور مردار کے حکم میں ہوں گے۔

بعض اوقات کسی وجہ سے مرغی کی گردن بالکل نہیں کٹتی اور بعض اوقات اتنی تھوڑی سی کٹتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی تمام رگیں کٹنے میں شک ہوجاتا ہے۔ان دونوں صورتوں میں ذبیحہ شرعی نہیں کہلائے گا بلکہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

من بلغ بالسكين النخاع أوقطع الرأس كره له ذلك وتؤكل ذبيحته... أما الكراهة فلما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن تنخع الشاة إذا ذبحت ... وإن ذبح الشاة من قفاها فبقيت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هوذكاة ويكره. (الهداية: ٤/٤٣٨، كتاب الذبائح).

(وكذا فى الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٢٩٦، سعيد، وبدائع الصنائع:٥/٤٢، سعيد).

الاختيارلتعليل المختار میں ہے:

والذكاة اختيارية ، و هى الذبح فى الحلق واللبة ؛ واضطرارية ، وهى الجرح فى أى موضع اتفق ؛ وشرطهما التسمية ، وكون الذابح مسلماً أوكتابياً ، فإن ترك التسمية ناسياً حل ، و إن أضجع شاة و سمى فذبح غيرها بتلك التسمية لم تؤكل ، و إن ذبح بشفرة أخرى أكل... ويكره أن يبلغ بالسكين النخاع ، أو يقطع الرأس وتؤكل. (الاختيارلتعليل المختار: ١٠ـ١١، ١٣، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية، بيروت).

الفتاوى الهندية میں ہے:

ولو أضجع إحدى الشاتين على الأخرى تكفى تسمية واحدة إذا ذبحهما بإمرار واحد ، ولو جمع العصافير في يده فذبح وسمى وذبح آخرعلى إثره ولم يسم لم يحل الثاني ولو أمر السكين على الكل جاز بتسمية واحدة كذا في خزانة المفتين. (الفتاوى الهندية: ٥/٢٨٩، وكذا فى تحفة الملوك:٢/١٧٠٠).

اس جزئیہ کا یہ مطلب نہیں کہ سارا ن دن مشین چلتی رہے اور پہلی دفعہ بٹن دباتے وقت صرف ایک تسمیہ کافی ہوگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بٹن دباتے وقت مشینی چھری پر بالفعل جو جانور موجود ہوں اور ان پر بیک وقت چھری چلی وہی حلال ہوں گے، بعد میں جو جانور آ کر اس چھری پر کٹیں، بٹن دبانے والے کا تسمیہ ان کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ تسمیہ کے فوراً بعد ذبح کیا جائے اگر معتد بہ فصل واقع ہوا تب بھی ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہوالجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو أضجع شاة وسمى وكلمه إنسان أو استسقى ماء فشرب أو شحذ السكين قليلاً ثم ذبح على تلك التسمية الأولى أجزأه وأما إذا طال الحديث أو أخذ في عمل آخر واشتغل به ثم ذبح بتلك التسمية الأولى لم تؤكل . (الجوهرة النيرة:۲/۲۷۵،ط:امداديه،ملتان).

وفي المحيط البرهاني: وليس في ذلك تقدير بل ينظر فيه الى العادة .

إن استكثر الناس في العادة يكون كثيراً وإن كان يعد قليلاً فهو قليل. (المحيط البرهاني: ٦/٤٦٥، الفصل الرابع فيما يتعلق بالتسمية على الذبيح،مكتبه رشيدية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية:۵/۲۸۸،والمحيط البرهاني:٦/٤٦٥،مكتبه رشيديه).

مشینی ذبیحہ سے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تفصیلی فتوے کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلافِ شرع اور موجبِ گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

(۱) مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان، نصرانی یا یہودی ہو۔

(۲) مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچاتے وقت اس نے خالص اللہ کا نام " **بسم اللہ واللہ**

أکبر“ پڑھا ہو۔(پہلے مذکور ہوا کہ فقط بسم اللہ بھی کافی ہے، بلکہ شیخ الاسلام ابوالحسین علی السغدی کے نزدیک یہ احسن ہے۔)

(۳) یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں،ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔

مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(ماخوذ از جدید معاملات کے شرعی احکام:۳/ ۱۰۷)۔

مشینی ذبیحہ کی مزید تفصیلات کے لیے درجِ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: (احکام الذبائح، وجدید فقہی مسائل، جلدِ دوم، وجدید معاملات کے شرعی احکام، جلدِ سوم، ومنتخباتِ نظام الفتاویٰ:۱/ ۳۶۹و۴۰۴۔۴۰۷، وحلال وحرام، ص ۱۳۷۔۱۴۴)۔

دوسرا قول:

دوسری رائے حضرت مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی ہے، چنانچہ ان کا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

فرماتے ہیں: مہربانِ من! میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دباتے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ وہ مردار ہی ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ بٹن دبانے والے نے صرف اتنا ہی تو کیا کہ برقی طاقت اور مشین کا جو کنکشن (تعلق) کٹ چکا تھا اور ان دونوں کے درمیان جو مانع تھا اس کو دور کر دیا اور پھر سے کنکشن جوڑ دیا اور بس، دراصل مشین کی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر (کرنٹ) ہے نہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ کی قوت محرکہ، اور یہ گلا کاٹنا برقی قوت اور مشین کا فعل ہے نہ کہ اس مسلمان کا۔

اور ذبح اختیاری میں ذابح (ذبح کرنے والے) کا فعل (اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا) اور اس کی تحریک کا موثر ہونا شرط ہے۔یہاں تو بٹن دبانے والے کا فعل سوائے رفع مانع (رکاوٹ کو ہٹا دینے) کے اور کچھ نہیں۔رفع مانع

(رکاوٹ دور کردینے سے) فعل ذبح کی نسبت رافع (ہٹانے والے) کی طرف کس طرح ہوسکتی ہے؟ اوراس کو ذبح کرنے والا کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اس کی مثال اس طرح سمجھیں۔(۱) کہ ایک مجوسی چھری ہاتھ میں لے کر کسی جانور کو ذبح کرنا چاہتا تھا کہ کسی شخص نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور ذبح کرنے سے روک دیا۔اب ایک مسلمان شخص بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اس روکنے والے کا ہاتھ کھینچ لے اور مجوسی کا ہاتھ چھڑادے اوروہ فوراً جانور کی گردن پر چھری پھیردے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوجائے گا؟

دیکھئے اس مثال میں رفع مانع (رکاوٹ ہٹانے) کا فعل تو ایک مسلمان نے کیا ہے اور تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے اور وہ ذبح کا اہل بھی ہے۔لیکن چونکہ اصل ذبح کرنے والا جس کی تحریک موثر ہے وہ مجوسی ہے۔اس لیے لازماً اصل محرک وموثر کو دیکھ کر ہی اس ذبیحہ کو حرام ہونے کا حکم لگایا گیا اور رافع مانع (رکاوٹ دور کرنے والے) کے فعل کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

(۲) اسی طرح اگر ایک تیز دھاردار آلہ مثلاً چھری اوپر کسی رسی سے بندھا ہوا لٹک رہا ہے اوراس کے نیچے بالکل سیدھ میں مرغی یا بکری کا بچہ یا کوئی جانور کھڑا ہے۔اب اگر کوئی مسلمان تسمیہ پڑھ کر رسی کاٹ دے اور وہ آلہ اپنے طبعی ثقل سے نیچے گر کر اس جانور کا گلا کاٹ دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا؟ اور یہ فعل ذبح اس رافع مانع مسلمان کی طرف منسوب ہوگا اوراس کو جانور ذبح کرنے والا اوراس جانور کو مسلمان کا ذبیحہ کہا جائے گا؟

اگر ان دونوں مثالوں میں اس ذبیحہ کا حکم حلت کا نہیں ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو مشینوں کے ذبیحہ پر حلت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے اوران دونوں میں فرق کیا ہے؟

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اگر اس حقیقت کو نظر انداز بھی کردیا جائے اورایک لمحہ کے لیے تسلیم کرلیا جائے کہ بٹن دبانا ایک موثر اوراختیاری عمل ہے تو بٹن دبانے کا فعل تو بٹن دباتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔مشین کے چلنے اور گلے کاٹنے کے وقت تو اس کا فعل موجود نہیں ہوتا۔مشین چلتی رہتی ہے اور گلے کٹتے رہتے ہیں تو گلے کٹنے سے پہلے ہی اپنے عمل سے فارغ ہوجاتا ہے۔

یہ صورت حال ذبح اضطراری (مجبوری کی ذبح) میں تو شرعاً گوارا ہے کہ تیر پھینکتے ہی رامی (پھینکنے

والے) کا عمل ختم ہوجاتا ہے اوراصابتِ سہم (تیرلگنے) کے وقت بظاہراس کافعل باقی نہیں ہوتا۔مگراس صورت میں شریعت نے صرف عذراضطراری (مجبوری کے عذر) کی وجہ سے اصابتِ سہم (تیرلگنے کی نسبت) کورامی (پھنکنے والے) کے ساتھ قائم کردیا ہے اوراس کوذبح کرنے والاقراردیا ہے۔دراصل اس کاعمل صرف ''رمی'' پھینکنا ہے۔اوربس حتی کہ اصابتِ سہم کے وقت اس رامی کااہل رہنا بھی ضروری نہیں جب کہ ''رمی'' کے وقت وہ اہل تھا۔امام ابوبکرالکاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

ولو رمى أو أرسل وهو مسلم ثم ارتد أو كان حلالاً فأحرم قبل الإصابة وأخذ الصيد يحل ولو كان مرتداً ثم أسلم وسمى لايحل لأن المعتبر وقت الرمى والإرسال فتراعى الأهلية عند ذلك . (بدائع الصنائع:۴/۱۷۲،ط:احیاء التراث العربی).

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

ولأن الكلب والبازى آلة والذبح لايحصل بمجرد الآلة إلا بالاستعمال وذلك فيهما بالإرسال فنزل منزلة الرمى وإمرار السكين. (الهداية:۴/۵۰۰).

ذبح اضطراری اورذبح اختیاری کابنیادی فرق یہی ہے کہ اختیاری ذبح میں امرارِسکین (چھری چلانا) ہی عمل ذبح ہے۔اورذبح اضطراری میں رمی (تیرپھینکنا) اورارسال (سدھے ہوئے شکاری جانورکوچھوڑنا) از روئے شرع عمل ذبح کے قائم مقام ہے۔

دیکھئے امام شافعیؒ بھی ذبح اختیاری میں ''فعل انسانی'' کوشرط قراردیتے ہیں۔کتاب الام ج۲ص۱۹۸پر فرماتے ہیں:

والذكاة وجهان وجه فيما قدر عليه الذبح والنحر وفيما لم يقدرعليه ما ناله الإنسان بسلاح بيده أو رميه بيده فهى عمل يده وما أحل الله عز وجل من الجوارح المعلمات التي تأخذ بفعل الإنسان كما يصيب السهم، فأما الحفرة فإنها ليست واحداً من ذا كان فيها سلاح أو لم يكن ولو أن رجلاً نصب سيفاً أو رمحاً ثم اضطر صيداً فأصابه فزكاه لم يحل أكله لأنها ذكاة بغير فعل أحد .

اوراس میں شک نہیں کہ برقی مشین سے جو جانوروں کے گلے کٹتے ہیں، وہ یقیناً نہ انسان کا فعل ہے نہ اس کے ہاتھ کی قوت کو اس میں کوئی دخل ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی اس کو انسان کا فعل نہیں کہہ سکتا۔اس لیے اس کو مشینی ذبیحہ کہتے ہیں۔

اس لیے میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے باادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس فتوے پر نظر ثانی فرما کر اصلاح فرمائیں۔(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم،ص ۵۴۰۔۵۴۵، کتاب الذبائح والاضحیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے نزدیک ذبح شرعی متحقق نہیں ہوتا اور یہی صحیح قول ہے اور ہم اس فتوے سے متفق ہیں۔بنابریں مشینی ذبیحہ سے مکمل احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے۔نیز فتاویٰ مفتی محمود صاحب ملتانیؒ کے مقدمہ (ص ۱۱۴) میں مرقوم ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنے فتوے سے رجوع فرما لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مشینی ذبیحہ کی صحیح اور غیر مشکوک متبادل صورت:

اس مشین سے چھری نکال دی جائے اوراس کی جگہ پر چند مسلمان یا اہل کتاب کھڑے کئے جائیں اور جب مرغیاں ان کے سامنے سے گزریں تو ان میں سے ہر ایک باری باری ہر مرغی پر ’’تسمیہ‘‘ پڑھتے ہوئے ان کو شرعی طریقہ پر ذبح کر دے۔

تنبیہ: مشینی ذبیحہ میں چند اور بھی خرابیاں ہیں، مثلاً بجلی کے کرنٹ سے بے ہوشی کا طاری ہونا، صفائی وغیرہ کے لیے گرم پانی میں ڈالنا وغیرہ لیکن چونکہ ’’ریمبو چکن‘‘ کے مسئلہ کے تحت ان کی تفصیلات ذکر کی جا چکی ہے لہذا تطویل سے دامن بچاتے ہوئے دوبارہ ذکر کرنا نامناسب سمجھا، اگر کوئی ان تفصیلات کا خواہاں ہو تو وہاں رجوع کر سکتا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے فتوے پر اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے فتوے پر یہ اشکال کرتے تھے کہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ: مشین مباشر ہے اور انسان صرف رافعِ مانع (رکاوٹ دور کرنے والا) ہے، لہذا مشین کا ذبیحہ ہے انسان کا

ذبیحہ نہیں ہے اس لیے حرام ہے، تو فقہاء نے ذبح بالنار کو تسلیم کیا ہے اور اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے جب کہ یہاں بھی انسان صرف آگ پہنچانے کا عمل کرتا ہے اور ذبح کا عمل آگ کرتی ہے جو انسان کے عمل کے درمیان حائل ہے اس کے باوجود فقہاء نے کیوں ذبیحہ کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا؟

الجواب: حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے سامنے جب یہ اشکال پیش کیا گیا تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ کسی جانور کو کھڑا کر دیا جائے اور آگ جلا دی جائے اور جانور ذبح ہو جائے اس سے تو جانور جھلس جائے گا، اس کی رگیں ہرگز قطع نہیں ہوں گی۔ اور فقہاء نے جو ذبح بالنار سے جانور کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کسی کند لوہے کو آگ میں سرخ کیا جائے پھر وہ لوہا جانور کے گلے پر پھیر دیا جائے تو اس آگ کی تیزی سے جانور کی تمام رگیں کٹ جائیں گی اور ذبح متحقق ہو جائیگا۔

یہ واقعہ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ نے سنایا تھا، حضرت علامہ بنوریؒ نے بھی اس جواب کو بہت پسند فرمایا۔ واللہ ﷻ اعلم۔

کانٹے سے مچھلی کے شکار کا حکم:

سوال: بعض حضرات فرماتے ہیں مچھلی کے شکار کے لیے دھاگے میں کانٹا لگانا مچھلی کے لیے تعذیب ہے لہذا یہ جائز نہیں ہے؟

الجواب: مچھلی کے شکار کے لیے کانٹے کا لگانا قدیم زمانہ سے متعارف اور جائز ہے، فقہاء نے بغیر انکار ونکیر کے اس کو ذکر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو شرحِ تحفۃ الملوک میں ہے:

ولو نصب شبكة فوقع فيها صيداً أو رمى شصّاً [”حديدة معقوفة مخصصة لصيد السمك“ وهو بالفتح والكسر شيء يصادبه السمك] فتعلقت به سمكة، فاضطربا أى تحركا حتى انقطعت الشبكة، وخيط الشص فخلصا أى وصل أحدهما إلى الآخر

فصادهما آخر فهما له. (شرح تحفة الملوك مع التعليقات:۲/ ۱۷۳۲).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے شکار کے لیے جال یا کانٹا لگادیا اور اس میں ایک مچھلی پھنس گئی پھر دوسری مچھلی آئی اور پہلی کے ساتھ لٹک گئی اور دونوں چھوٹ گئیں پھر دوسرے شخص نے دونوں مچھلیوں کا شکار کیا تو دونوں مچھلیاں دوسرے آدمی کی ہوگئیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں کانٹے سے شکار کرنے کی تصریح اور جواز مرقوم ہے۔

منیۃ الصیادین کی عبارت سے بھی جواز مترشح ہوتا ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

وفي الخلاصة : الشص (وهو حديدة عقفاء يصاد بهاالسمک) إذا رمی به الرجل فی الماء ، فتعلق به السمک: إن رمی به خارج الماء فی موضع يقدر علی أخذه، فاضطرب فوقع فی الماء ، ملكه ، فليس لرجل آخر أخذه بالاصطياد ، وإن انقطع الحبل قبل أن يخرجه من الماء ، لايملكه .

ولو لدغت سمكةً حيةٌ فی الماء وقتلتها، أو أصابتها حديدة ، أو أكلت شيئاً ألقاه فی الماء ، أو قتلها شيء من طير الماء أو غيره ، تؤكل ، لأنها ماتت بسبب. (منية الصيادين، ص۱۳۷، ۱۳۸،الفصل الثالث فی بيان صيدالبحرواحكامه).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: ایک کیڑے کو جس کا نام گھینسا ہے اس کو توڑ توڑ کر اور کانٹے میں لگا کر شکار ماہی کا کرتے ہیں پس ایسا شکار کرنا اور اس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: اول اس کو مار کر پھر ٹکڑے کر کے کانٹے میں لگانا درست ہے اور زندہ کو لگانا منع ہے کہ اذیت ذی روح کی مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ،ص:۵۸۱،ط: کراچی)۔

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مچھلی کے شکار کے لیے کانٹے کا استعمال درست ہے۔اس میں تعذیبِ حیوان نہیں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر ماکول اللحم جانور کے شکار کا حکم:

سوال: بعض لوگ شکار کے لیے جاتے ہیں اور شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ کا بھی شکار کر لیتے ہیں جب کہ یہ حرام جانوروں میں سے ہیں، لیکن ان کی کھال یا اجزاءِ جسم کی اور کوئی چیز مقصود ہوتی ہے تو کیا ان جانوروں کا شکار کرنے کی شرعاً گنجائش ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شکار کرنا جائز اور درست ہے خواہ ماکول اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو، جب کہ اس شکار سے شکاری کی کوئی مشروع اور جائز غرض وابستہ ہو، مثلاً ماکول اللحم کا گوشت کھانا مقصود ہو اور غیر ماکول اللحم جانور کے پر، بال، کھال، سینگ یا ہڈی وغیرہ مقصود ومطلوب ہو یا فقط دفعِ اذیت مقصود ہو تو شکار کرنے کی گنجائش ہے البتہ محض لہو ولعب اور تضییع اوقات ہی مقصود ہو تو ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

قال ويجوز اصطياد ما يؤكل لحمه من الحيوان وما لا يؤكل لإطلاق ما تلونا (أى : وإذا حللتم فاصطادوا) ، و الصيد لايختص بماكول اللحم ، قال قائلهم:

صيد الملوك أرانب وثعالب ☆ وإذا ركبت فصيدى الأبطال

ولأن صيده سبب للانتفاع بجلده أوشعره أو ريشه أو لاستدفاع شره وكل ذلك مشروع . (الهداية:٤/٥١٥،كتاب الصيد).

وفي رد المحتار:قوله لنفع ما أى ولوقليلاً ، والهرة لومؤذية لاتضرب ولاتفرك أذنها بل تذبح. (ردالمحتار:٦/٤٧٤،سعيد).

وللاستزادة انظر: (البحرالرائق:٨/٢٣١، وكوئته، والجوهرة النيرة:٢، امداديه، واللباب فى شرح الكتاب:٤/٥٥٨، وتبيين الحقائق:٥/، وفتح القدير:٩/١٣٤،دارالفكر، ومجمع الانهرفى شرح ملتقى الابحر). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

چوری کا جانور ذبح کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص چوری کا جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: چوری کا جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا بلکہ حلال ہے، ہاں سارق پر تاوان واجب ہوگا کہ مالک کو اس کی قیمت ادا کردے اس کے بعد اس ذبیحہ کا کھانا کھلانا سب جائز اور درست ہے۔ تاوان ادا کرنے سے قبل اس کا کھانا، کھلانا جائز اور درست نہیں ہے۔ یا مالک نے قیمت کی ادائیگی مؤجل کردی یا قیمت سے بری کردیا تب بھی کھانے، کھلانے کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

و لو أن رجلاً أخذ شاة لرجل بغير إذنه فذبحها وطبخها أو شواها كان لصاحبها أن يضمنه القيمة فإن كان صاحبها غائباً أو حاضراً لا يرضى أن يضمنه لم يسع للذى ذبحها أو شواهاأن يأكلها ولا يطعم منها أحداً ولايسع أحداً أن يأخذها منه حتى يضمن الذي صنع بها ذلك قيمتها لصاحبها فإن ضمنه صاحبها قيمتها بقضاء قاض أو بغير قضاء قاض وسعه أن يأكل منها وأن يطعم من أحب إذا أدى القيمة أو كانت ديناً عليه وإن لم يضمن القيمة فليتصدق بها . (الفتاوى الهندية:٥/ ١٤٠،الباب الثامن فى تملك الغاصب المغصوب والانتفاع به).

خلاصہ یہ ہے کہ مالک جب تک قیمت نہ لے اس وقت تک اس بکری سے کسی قسم کا انتفاع جائز اور درست نہیں ہے، ہاں جب تاوان ادا کردیا اور مالک نے بخوشی قبول کرلیا تو اب اس کا کھانا اور دوسروں کھلانا سب جائز اور درست ہے۔

محیط برہانی میں مذکور ہے:

وروي عن أبي حنيفةؒ فى الشاة المغصوبة : إذا ذبحها وشواها، لم يسع له أن يأكلها، ولايطعم أحداً حتى يضمن، وإن كان صاحبها غائباً ، أو حاضراً، لا يرضى بالضمان لايسع له

الأكـل ، وإذا دفـع الـغـاصـب قيـمتهـا حـل له الأكل ، لأن حق المالک صار موفى بالبدل، وكـذلک إذا أبرأه أصلاً ، لأن حقه سقط بالبراء ة وكذلک إذا ضمنه المالک القيمة ، أو ضـمـنـه الحاكم ؛ لأن الحاكم لايضمنه إلا بعد طلبه فكان راضياً به. (المحيط البرهانی:۶/۲۷۲، الفصل التاسع فی تملك الغاصب المغصوب ، والانتفاع به). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دوسرے کی زمین میں شکار کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی زمین میں ہرن یا کبوتر رہتا ہے یا آتا جاتا ہے،تو شکاری اس شخص کی زمین سے اس کا شکار کرسکتا ہے یانہیں؟یعنی اگر کسی دوسرے شخص نے مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر شکار کرلیا تو وہ اس شکار کا مالک بنے گا یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر صاحبِ زمین نے اپنی زمین اسی لیے تیار کی تھی کہ ہرن یا کبوتر وغیرہ آکر رہے۔یامالکِ زمین سے اتنے قریب ہوکہ وہ ہاتھ پھیلا کران کو پکڑسکتا ہے تواس صورت میں شکاری اس شکار کا مالک نہیں بنے گا۔ورنہ مالک بن جائیگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ولـو فـرخ طيـر أو باض في أرض رجل أو تكسر فيها ظبي) أی انكسر رجله بنفسه فـلـو كسـرهـا رجل كان للكاسر لا للآخذ (فهو للآخذ) لسبق يده لمباح (إلا إذا هيأ أرضه لـذلک) فهـو لـه (أوكـان صاحب الأرض قريباً من الصيد بحيث يقدر على أخذه لومد يده فهـو لـصـاحـب الأرض) لتـمـكـنـه مـنـه فـلـو أخذه غيره لم يملكه . وفي رد المحتار: قوله أوتـكسر، وقع فی الكنز تكنس ...قوله إلا إذا هيأ أرضه لذلک، الخ. أی بأن حفر فيها بئراً ليسقط فيها أو أعد مكاناً للفراخ ليأخذها فتح ، لأن الحكم لايضاف إلى السبب الصالح إلا بـالـقصد بحر، قوله أوكان صاحب الأرض قريباً، الخ ؛ ظاهره أن سبب الملک أحد شيئين

إما التهيئة أو القرب ومقتضاه أنه لو خرج الصيد من أرضه المهيأة قبل قربه منه يبقى على ملكه فليس لغيره أخذه ...الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲۳۳/۵، باب المتفرقات، سعيد).

وكذا في (البحرالرائق:۲۳۷/۲، باب العشر، ط:كوئته، والمبسوط للامام السرخسي:۴۵۴/۱۱، بيروت، والمحيط البرهاني: ۶۲۵/۵، ط:التراث العربي، والفتاوى الهندية:۴۱۸/۵).

شرح تحفة الملوک میں ہے:

ومن أخذ صيداً ، أو فراخه ، أو بيضة من دار رجل ، أو أرضه ، فهو له ، أي للآخذ؛ لأنه مباح سبقت إليه يده فهو أولىٰ به لقوله صلى الله عليه وسلم:" الصيد لمن أخذه "... إلا أن يغلق الباب لإحرازه ، فحينئذٍ يملكه لأن الحكم عند القصد يضاف إلى السبب وعلى هذا لو حفر رجل في أرضه حفيرة فوقع فيها صيد فجاء رجل وأخذه فهو له إلا أن يتخذ صاحب الأرض تلك الحفيرة لأجل الصيد ، ذكره محمدؒ . (شرح تحفة الملوك لمحمد بن عبداللطيف ابن ملك ، ۱۷۳۲/۲).

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ زمین نے شکار کی حفاظت کے لیے انتظام کیا ہے تو وہ اس کا مالک ہے دوسرا نہیں لے سکتا اور اگر حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا تو شکاری مالک بن جائیگا۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقطوع الرأس پرندہ کوذبح کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے پرندہ کو بندوق سے گولی ماری بسم اللہ نہیں پڑھی، پرندے کی گردن کٹ گئی، تھوڑی سی باقی تھی اس پر بسم اللہ پڑھ کر چھری چلادی اس ذبح کا شرعاً اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ذبح کا محل یعنی حلق کی چار رگیں باقی تھیں اور بسم اللہ پڑھ کر چاروں کو کاٹ دیا تو ذبیحہ حلال ہوگا، ورنہ اس ذبح کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ذبیحہ حرام ہوگا۔

فتاوی الشامی میں ہے:

شاة قطع الذئب أوداجها وهي حية لاتذكى لفوات محل الذبح ، ولو انتزع رأسها و

هي حية تحل بالذبح بين اللبة واللحيين. (فتاوى الشامى:٦/٣٠٨،سعيد).

(وكذا فى الفتاوى البزازيةعلى هامش الهندية:٦/٣٠٨،والفتاوى الهندية:٥/٢٩١).

وفي فتاوى قاضيخان : قوله عليه الصلاة والسلام: الذكاة ما بين اللبة واللحيين"، والذكاة الكاملة فرى الأوداج الأربعة وهى الحلقوم والمرى والعرقان اللذان بينهما الحلقوم والمرى ...وإن علم حياتها وقت الذبح أكلت على كل حال. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٦٦).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: چڑیا کو گولی کی ضرب ایسی پڑی کہ گردن ہی اُڑ گئی، سر کا نام ونشان نہیں رہا، گردن کے حصہ میں ذبح کیا، اس سے کچھ خون برآمد ہوا۔ شرعاً یہ ذبح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر رگہائے مذکورہ بالا باقی تھیں یعنی گردن کا اتنا حصہ باقی تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں اور پھر ذبح کر دیا گیا تو درست ہو گیا اگر چہ سر باقی نہیں رہا تھا۔ اگر یہ رگیں باقی نہیں رہی تھیں، یعنی گردن کا اتنا حصہ بھی نہیں رہا تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں تو ذبح درست نہیں ہوا۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۲۸۴، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر مرغی زندہ ہے اور گردن کا اتنا حصہ باقی ہے کہ ذبح کر سکے تو ذبح کر کے کھانا درست ہے، لیکن توڑا ہوا سر کھانا درست نہیں ہے۔ اور جب سر کے ساتھ پوری گردن بھی توڑ دی ہو اور ذبح کرنے کی مقدار کا حصہ نہ بچا ہو تو ذبح کرنے کا کوئی راستہ نہیں اس کا کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۳۶۶، مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تسمیہ واحدہ سے چند مرغیاں ذبح کرنے کا حکم:

سوال: قریبی زمانے میں مجھے ایک مرغی کے مذبح میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں پر ایک منٹ میں تقریباً ۱۴۰ مرغیوں کو ذبح کیا جاتا تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ مرغیان زنجیر میں بندھی ہوئیں مسلمان ذابحین کے پاس ترتیب سے آتی تھیں، تقریباً ۵ مسلمان افراد تیزی سے بسم اللہ پڑھ کر مرغیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے

تھے،لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عجلت کی وجہ سے دو یا زیادہ مرغیوں کو ایک ہی تسمیہ سے ذبح کردیتے تھے،اب سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں ایک تسمیہ سے دو یا زیادہ مرغیاں حلال ہوں گی یا نہیں ؟ کیا ایک تسمیہ چند مرغیوں کے لیے کافی ہوجائیگا یا نہیں؟ یہ بھی مدِنظر رہے کہ یہ نادرالوقوع ہے،کمپنی کے مالک کا کہنا ہے کہ اس تیزی کو کم نہیں کرسکتے ورنہ تجارت میں نقصان ہوگا کیونکہ یہ مذبح کثیر مقدار میں مرغیاں تیار کر کے برآمد کرتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہر ایک مرغی پر علیحدہ بسم اللہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے، اگر عجلت کی وجہ سے پوری تسمیہ ''بسم اللہ واللہ اکبر'' نہ پڑھ سکے تو فقط بسم اللہ پڑھنا بھی کافی ہوگا،لیکن اگر کسی مرغی کو بلا بسم اللہ ذبح کردی تو وہ مردار کے حکم میں ہوگی،اگر تیزی میں کمی نہیں کرسکتے تو ذابحین کی تعداد میں اضافہ کردیا جائے تاکہ ذبیحہ موافق شریعت ہوجائے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط ركن الذكاة فأنواع...ومنها التسمية حالة الذكر عندنا...ومنها أن يريد بها التسمية على الذبيحة . أما وقت التسمية فوقتها في الذكاة الاختيارية وقت الذبح .

(بدائع الصنائع: ٥/٤٦،٤٨،سعيد).

النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

والأحسن أن يقول : بسم الله . (النتف فی الفتاویٰ،ص:١٤٨،كتاب الذبائح،دارالكتب العلمية).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل أراد أن يذبح عدداً من الذبائح لاتجزيه تسمية واحدة على واحدة لما بعدها.

(فتاوی قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٦٨).

درمختار میں ہے:

والمعتبر الذبح عقب التسمية قبل تبدل المجلس حتى لو أضجع شاتين إحداهما فوق الأخرى فذبحهما ذبحة واحدة بتسمية واحدة حلا ، بخلاف ما لو ذبحهما على

التعـاقـب لأن الفعل يتعدد فتعدد التسمية ذكره الزيلعي فى الصيد . وفي ردالمحتار : قوله لأن الفعل يتعدد، فيتبدل المجلس حكماً . (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٠٢،سعيد). **واللہ ﷻ اعلم۔**

شوقیہ شکار کا حکم:

سوال: جنوبی افریقہ میں عام طور پر لوگ چھٹیوں میں مچھلی کے شکار کے لیے جاتے ہیں، ہمارے علاقے میں بعض علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ ایک کھیل کی طرح ہے اصل مچھلی حاصل کرنا مقصود نہیں ہے اس وجہ سے یہ درست نہیں۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب: شکار محض لہولعب اور تضییع اوقات کے لیے نہ ہو تو جائز اور درست ہے، پھر اگر مچھلی استعمال کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اس کو ہدیہ کر دینی چاہئے۔ شکار کر کے اس کا کھانا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

الـصيد مباح إلا للتلهى كما هو ظاهر... وفى الشامية: استدل فى الهداية على إباحة الاصـطيـاد بـعـد استـدلالـه عـليـه بـالكتـاب والسنة والإجمـاع ، وأقره الشراح... وفى التـاتـرخانية قال أبويوسف : إذا طلب الصيد لهواً ولعباً فلا خير فيه وأكرهه ، وإن طلب منه ما يحتاج إليه من بيع أو إدام أوحاجة أخرى فلا بأس به. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٤٦٢،سعيد).

وفى البحر: ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو لاستدفاء شره وكل ذلك مشروع . (البحرالرائق: ٨/٤٦٢، كوئته).

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

كـل لهـو بـاطـل إذا شـغـلـه أى شـغل اللاهي عن طاعة الله أى كمن التهى بشيء من الأشيـاء مـطلقاً سواء كان مأذوناً فى فعله أو منهياً عنه ،كمن اشتغل بصلاة نافلة أو بتلاوة أو ذكـر أو تـفـكـر في معانى القرآن مثلاً حتى خرج وقت الصلاة المفروضة عمداً فإنه يدخل

تحت هذا الضابط ، وإذا كان هذا فى الأشياء المرغب فيها المطلوب فعلها فكيف حال ما دونها. (فتح الباری: ۹۱/۱۱).

وقال أيضاً: وفيه إباحة الاصطياد للانتفاع بالصيد للأكل والبيع وكذا اللهو بشرط قصدالتذكية والانتفاع . (فتح الباری:۶۰۲/۹).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قتل الزنبور والحشرات هل يباح فى الشرع ابتداء من غير إيذاء وهل يثاب على قتلهم قال: لايثاب على ذلک وإن لم يوجد منه الإيذاء فالأولى أن لايتعرض بقتل شيء منه كذا في جواهرالفتاوى. (الفتاوی الهندية:۳۶۱/۵).

مفتی تقی عثمانی صاحب تکملۃ فتح الملہم میں فرماتے ہیں:

فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة فى نفسها ما لم تشتمل على معصية أخرى وما لم يؤد الانهماک فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان فى دينه ودنياه. (تکملة فتح الملهم:۴۳۵/۴،قبيل الرؤيا).

خلاصہ یہ ہے مچھلی یا اور جانوروں کا شوقیہ شکار مباح خلافِ اولیٰ ہے ناجائز اور حرام نہیں ہے جب تک اس میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو، نیز انسان کے دینی ودنیوی امورِ ضروریہ میں مخل نہ ہو، نیز شکار فقط تلہی [یعنی تضیع اوقات اور محض لہولعب] کے لیے نہ ہو، نیز جانوروں کو زخمی کرنے کے بعد پانی میں نہ چھوڑ دے کہ اس میں بے جا اذیت ہے۔

اور جو فارم کا مالک یا لائسنس یافتہ آدمی اس کام سے کمائی کرے گا وہ کمائی حلال ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فارم میں شکار کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسلمان شخص فارم کا مالک ہے یا گورنمنٹ نے اس کو سرکاری فارم کا لائسنس دیا ہے، یہ آدمی شکار کی اجازت دیتا ہے اور ان کے لیے شکار کا انتظام کرتا ہے، شکاری کبھی ماکول اللحم جانور اور کبھی غیر

ماکول اللحم جانور مثلاً شیر، چیتا وغیرہ کا شکار کرتا ہے اور ایک ایک شکار کی قیمت مالک یالائسنس یافتہ شخص وصول کرتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ فارم کا مالک ان جانوروں کا مالک بنایانہیں؟اوراگر مالک ہے توبغیر قبضہ کے ان کی بیع کیسے جائز ہوگی؟اوراگرشکار کے بعدفروخت کرتا ہے توہرن وغیرہ میں ذبح کے بعد یابسم اللہ پڑھنے کے بعدمذبوح جانورکافروخت کرناجائز ہوگالیکن شیروغیرہ غیرماکول اللحم جانوروں کافروخت کرناکیسے جائز ہوگا؟ کیونکہ وہ مردار کے حکم میں ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر یہ فارم جانوروں کے جمع کرنے کے لیے بنایا گیا ہے یا گورنمنٹ نے یہ جانوروہاں رکھے ہیں یاان کے آنے جانے کاراستہ بندکردیا ہوتوان صورتوں میں فارم کا مالک یالائسنس یافتہ شخص جانوروں کا مالک بن جائیگا۔یا گورنمنٹ مالک ہوتو یہ شخص مالک کا وکیل بن گیا۔

ملاحظہ ہوعنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وصاحب الأرض لم يعد أرضه لذلک إشارة إلى أنه لو أعدها لذلک بأن حفرها ليقع فيها أو بغير ذلک مما يصاد به كان له. (العناية فی شرح الهداية:٦/٢٥٧،مسائل منثورة ،مكتبة رشيدية).

فتح القدیر میں ہے:

وإن علم به أی الصيد وأغلق الباب عليه أو سد الكوة كان لصاحب الدار. (فتح القدير:٦/٢٥٧،مسائل منثورة ،مكتبة رشيدية).

شرح تحفۃ الملوک میں ہے:

... إلا أن يغلق الباب لإحرازه ، فحينئذٍ يملكه لأن الحكم عند القصد يضاف إلى السبب وعلى هذا لو حفر رجل في أرضه حفيرة فوقع فيها صيد فجاء رجل وأخذه فهو له إلا أن يتخذ صاحب الأرض تلک الحفيرة لأجل الصيد ، ذكره محمدؒ . (شرح تحفة الملوك لمحمد بن عبداللطيف ابن ملك ، ٢/١٧٣٢).

حضرت مولاناظفراحمدعثانی مچھلیوں کی فروخت کے بارے میں درمختار کی طویل عبارت نقل کرنے کے

بعد تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لیے مقرر کر لی گئی ہو تو مچھلیاں صاحبِ زمین کی مملوک ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں، اسی طرح اگر زمین اس لیے تیار تو نہ کی گئی ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی مملوک ہیں۔ (امداد الاحکام:۳/۴۱۷)۔

درج کردہ عبارات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ فارم کا مالک اور گورنمنٹ ان جانوروں کے مالک ہیں، لیکن چونکہ مقدورالتسلیم نہیں ہیں اس لیے زندہ بھاگنے والے جانوروں کی خرید وفروخت جائز نہیں پھر جب شکاری نے ان کو شکار کیا اور جانور ذبح کیا گیا یا شکار کرتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی تو حلال جانور کی فروخت جائز ہے۔ ہاں شکار کرنے سے قبل بیع کا وعدہ کیا جائے اور شکار کرنے کے بعد وعدہ کا ایفا کر کے مشتری کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس وقت قیمت میں نزاع اس لیے نہیں ہوگا کہ ہر جانور کی قیمت پہلے سے متعین ہوتی ہے اور چونکہ ماکول جانور کا گوشت بھی مطلوب ومرغوب ہے اس لیے مشتری اس کو خرید لیتا ہے۔

اور غیر ماکول اللحم جانور کا گوشت شرعاً وعرفاً نہیں کھایا جاتا اس میں بھی وعدہ کام آئے گا چونکہ مشتری شکاری کو اس کی کھال مطلوب ہے اس لیے فارم کے مالک کی طرف سے وعدہ کیا جائے کہ کھال اتارنے کے بعد آپ ہی کے ہاتھ فروخت کروں گا اور پھر مطلوبہ قیمت سے کھال کو فروخت کر لیں، شیر وغیرہ کو جب بندوق کی گولی سے مارے اور خون بہہ جائے تو دمِ مسفوح نکلنے سے اس کی کھال مدبوغ کھال کی طرح قابل فروخت ہوگی۔

قال فی الدرالمختار: وهل يشترط لطهارة جلده كون ذكاته شرعية بأن تكون من الأهل فی المحل بالتسمية، قيل: نعم، وقيل لا، والأول أظهر؛ لأن ذبح المجوسی وتارك التسمية عمداً كلا ذبح، وإن صحح الثاني، صححه الزاهدی فی القنية والمجتبی وأقره فی البحر. (الدرالمختار:۱/۲۰۵،سعید).

ذكر أنه فی المعراج نقل عن المجتبی والقنية تصحيح الثانی ثم قال: وصاحب القنية هو صاحب المجتبی وهو الإمام الزاهدی المشهور علمه وفقهه، ويدل على أن هذا هو

الأصح أن صاحب النهاية ذكر هذا الشرط أى كون الذكاة شرعية بصيغة قيل معزياً إلى الخانية . (البحرالرائق: ١/ ١٠٦، كوئته،قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:١/ ٢٠).

یعنی غیر شرعی ذبح سے کھال کا پاک ہونا اصح قول ہےاور ذبح شرعی کی شرط قیل سے مذکور ہے۔

شامی (۱/ ۲۰۵،سعید) کی ذکر کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ ذبح اختیاری اگر غیر شرعی ہوتو بھی کھال پاک ہوجاتی ہے،اسی طرح ذبح غیر اختیاری یعنی تیر کا مارنا یا گولی کا مارنا غیر اختیاری ہے،تو اگر یہ غیر شرعی ہو یعنی اس کو غیر مسلم نے بغیر بسم اللہ کے یا مسلمان نے بغیر بسم اللہ کے مارا ہوتو اس کی کھال پاک ہوجائے گی اور مذبوح کے حکم میں ہوکر اس کی بیع جائز ہوگی۔

نیز اس مسئلہ کی تفصیل جلدِ پنجم میں کتاب البیوع کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فارم میں داخلہ کی فیس وصول کرنے کا حکم:

سوال: شکار کرنے والے شکار کے فارم میں جاتے ہیں اس میں شکار کرنے کی جگہ اور دوسرے مناظر ہیں، فارم کا مالک اس میں داخلہ کی فیس وصول کرتا ہے تو کیا یہ فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فارم میں لوگ شکار اور دوسرے مناظر سے متمتع ہوتے ہیں اور عرف بھی یہی ہے ،لہذا صورتِ مسئولہ میں دو وجوہات کی وجہ سے داخلہ فیس لینے کی اجازت ہے۔

پہلی وجہ: مدت اور کرایہ معلوم ہوتو اس کو اجارہ میں شامل کریں گے۔

ملاحظہ ہو شرح مجلّہ میں ہے:

يشترط فى الإجارة أن تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعاً للمنازعة. (شرح المجلة: ٢/ ٥٣٢، للشيخ محمد خالد الاتاسى).

خلاصة الفتاویٰ میں ہے:

عقد الإجارة لا يجوز إلا أن يبين البدل من الجانبين جميعاً أما بيان المنفعة فبإحدى

معان ثلاثة بیان الوقت وهو الأجل وبیان العمل وبیان المکان . (خلاصة الفتاوی :۳/۱۰۳).

جواز کی دوسری وجہ: اگر اجارہ تسلیم نہ کریں تو پھر تبرعِ مشروط میں داخل ہو کر فیس لینا جائز ہوگا۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے داخلہ فیس کو تبرعِ مشروط اور چندہ میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مدرسہ میں داخلہ فیس سے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں فرمایا: جائز ہے کیونکہ یہ اجرت نہیں چندہ ہے اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس جبر لازم نہیں آتا جس کو شرط منظور نہ ہوگی اس کو عدمِ داخلہ کا اختیار ہوگا۔

ودلیله أنه صلی الله علیه وسلم قال لمن أضافه وعائشة رضی الله تعالیٰ عنها قال: لا قال: فلا إذن ،حتی قال فی الثالثة : وعائشة ، قال: فنعم .(امدادالاحکام:۳/۶۰۶)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ پنجم ، باب الاجارة ، وباب الھبة ، تبرعِ مشروط)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شکار کے لیے زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا:

سوال: اکثر لوگ مچھلیاں پکڑنے کے لیے زندہ کیڑوں کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے مچھلی بہت جلد آسانی سے پکڑی جاسکتی ہے کیا محض مچھلی پکڑنے کی غرض سے زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا درست نہیں ہے بلکہ ان کو مار کر استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس میں جاندار کو اذیت پہنچانا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویکره تعلیم البازی بالطیر الحی لتعذیبه . (الدرالمختار:۶/۴۷۴،باب الصید،سعید).

عالمگیری میں ہے:

ویکره تعلیم البازی بالطیر یأخذه ویعذبه ولا بأس بأن یعلم بالمذبوح. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۶۲).

تکملہ فتح الملهم میں ہے:

وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو في النهي ومأمور بالاجتناب عنه. (تكملة فتح الملهم:٣/ ٥٤٠،باب الامرباحسان الذبح).

قال الحافظ في الفتح في باب ما يكره من المثلة والمصبورة ... وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره. (فتح الباري:٩/ ٦٤٥،ط: لاهور).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: ایک کیڑے کوجس کا نام گھینسا ہے اس کوتوڑ توڑ کراور کانٹے میں لگا کر شکار ماہی کا کرتے ہیں پس ایسا شکار کرنا اور اس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: اول اس کو مار کر پھر ٹکڑے کر کے کانٹے میں لگانا درست اور زندہ کو لگانا منع ہے کہ اذیت ذی روح کی مکروہ تحریمہ ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۳۵،ط:لاہور)۔

امدادالفتاویٰ میں ہے:

اگر کیچوے کو اول مار دیا جائے پھر اس سے شکار کیا جائے جائز ہے،اس وقت ایک شکاری نے بیان کیا کہ مردہ کیچوے سے بھی ویسی ہی مچھلی آتی ہے۔(امدادالفتاویٰ:۳/ ۵۵۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کیچوا اگر مار کر کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے تو یہ فعل درست ہے۔زندہ جانور کو کانٹے میں لگا کر شکار کرنا ممنوع ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۲۱۸،۲۱۹،جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نابالغ بچہ کے شکار کا حکم:

سوال: اگر کسی نابالغ بچہ نے شکار کیا تو والدین وغیرہ اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بچہ نے بسم اللہ پڑھی اور ہوشیار ہے تو والدین اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مچھلی کا شکار کیا جس میں تسمیہ کی ضرورت نہیں تو اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر نابالغ بچہ تسمیہ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا ہے تو شکار حلال نہیں ہوگا اور کسی کے لیے کھانے کی گنجائش نہیں ہوگی، البتہ اگر نابالغ بچہ ہوشیار اور سمجھدار ہو، تسمیہ بھی اچھی طرح جانتا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے یا شکار کرے تو اس کا ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا، اور مچھلی کے شکار میں تسمیہ کی ضرورت وحاجت نہیں۔ پھر عرف کی وجہ سے والدین کے لیے کھانے کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ينبغي أن يكون الصياد من أهل الذكاة وذلک بأن يعقل الذبح والتسمية حتى لايؤكل صيد الصبى والمجنون إذا كانا لايعقلان الذبح والتسمية . (الفتاوى الهندية:٥/٤٢١).

ہدایہ میں ہے:

إذا كان يعقل التسمية والذبحة يضبط وإن كان صبياً أو مجنوناً أو امرأة أما إذا كان لايضبط ولايعقل التسمية فالذبحة لاتحل لأن التسمية على الذبيحة شرط بالنص وذلک بالقصد وبما ذكرنا. (الهداية:٤/٤٣٤).

تحفة الملوک میں ہے:

والصبى والمجنون، والسكران، إن كان يقدر على الذبح، ويعقل التسمية، حل وإلا فلا. (تحفة الملوك، ص٢١٦، دارالبشائرالاسلامية).

الدرالمختار میں ہے:

ويباح لوالديه أن يأكلا من مأكول وهب له وقيل لا، فأفاد أن غير المأكول لايباح لهما إلا لحاجة . وفى ردالمحتار: قال فى التاترخانية: روى عن محمد نصاً أنه يباح .

(الدرالمختار مع فتاوى الشامى:٥/٦٩٦، سعيد).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلدِ پنجم، ابواب الہبۃ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إبراز الدقائق

فی

حکم صید

البنادق

”إبراز الدقائق في حكم صيد البنادق“

بندوق سے شکار کا حکم

سوال: شکار والی بندوق سے شکار کیا جائے اور مارتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے تو شکار حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل ۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا میں علماء کا اختلاف ہے کہ شکار والی بندوق سے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر شکار کیا جائے اور جانور مرجائے، ذبح اختیاری کا موقع نہ ملے تو جانور حلال ہوگا یا نہیں؟ احادیث ،شروحات و فقہائے کرام کی عبارات اور بعض مفتیانِ کرام کے فتاویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ حلال ہونا چاہئے۔اس وجہ سے کہ ذبح اضطراری میں جرح، انہار الدم اور تسمیہ عند الرمی، یہ چیزیں ضروری ہیں یہ چیزیں پائی جائیں تو شکار حلال ہو جاتا ہے اور شکار والی بندوق میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں، اس میں جرح بھی ہے اور انہار الدم بھی ہوتا ہے، اوران چیزوں کی تفصیلات عنقریب سپردِ قرطاس کردی جائیں گی ۔

بطورِ استیناس واستشہاد آیات اوراحادیث ملاحظہ فرمائیں:

قال اللّٰہ تعالی : ﴿ فكلوا مما ذكر اسم اللّٰه عليه إن كنتم بآيته مؤمنين﴾[الانعام:۱۱۸].

وقال أيضاً: ﴿ ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم اللّٰه عليه وإنه لفسق ﴾ [الانعام:۱۲۱].

عن عدي بن حاتم رضي اللّٰه تعالى عنه قال: قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أرسلت كلبک فاذكر اسم اللّٰه... وإذا رميت بسهمک فاذكر اسم اللّٰه... الخ. متفق

علیه.

وعنه قال: قلت يا رسول الله! إنا نرسل الكلاب المعلمة قال: كل ما أمسكن عليك قلت: وإن قتلن قال: وإن قتلن، قلت: إنا نرمي بالمعراض قال: كل ما خزق وما أصاب بعرضه فقتل فإنه وقيذ فلا تأكل. (متفق عليه۔مشکوة المصابيح:۲/۳۷۵).

حدیثِ پاک کی تشریح:

احادیث میں شکار سے متعلق چند الفاظ وارد ہوئے ہیں مثلاً سہم، معراض، خزق، وقیذ وغیرہ، چونکہ حلت و حرمت کا مدار انھیں الفاظ پر موقوف ہے لہذا بطورِ تمہید ان الفاظ کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

معراض کی تعریف اور اسکی اقسام:

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

"قلت: إنا نرمي بالمعراض" هو السهم الثقيل الذي لا ريش له ولا نصل ذكره ابن الملك وهو كذا في النهايه وفي المغرب سهم لا ريش عليه يمضي عرضاً فيصيب بعرض العود لا بحده وفي القاموس كمحراب سهم بلا ريش رقيق الطرفين غليظ الوسط يصيب بعرضه دون حده وقال النووي: خشبة ثقيلة أوعصا في طرفها حديدة وقد تكون بغير حديدة هذا هو الصحيح في تفسيره و قال الهروي: هو سهم لا ريش فيه ولا نصل و قيل: سهم طويل له أربع قدد رقاق فإذا رمى به اعترض و قيل: هو رقيق الطرفين غليظ الوسط إذا رمى به ذهب مستوياً ويصح إرادة الكل كما لا يخفى ويدل عليه الجواب . (مرقاة:۸/۱۰۹)

خزق اور نفذ کی تشریح:

قال: "كل ما خزق" أي نفذ ذكره السيوطي وفي النهاية خزق السهم أصاب الرمية ونفذ فيها وقال النووي: خزق معناه نفذ وقال بعض الشراح من علمائنا: الخزق الطعن وهو الظاهر ويؤيده ما في القاموس: خزقه طعنه والخازق السنان ومن السهام المقرطس وفيه

رمی فقرطس أی أصاب القرطاس فالمعنی کل ما جرح وقتل وهو ما أصاب بحده .(مرقاۃ).

مولانا وحید الزمان کیرانویؒ ''لغات الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

''**خزق**'' کونچنا، مارنا، گھس جانا، پار نکل جانا۔''**کل ما خزق...**'' **الخ** ۔عدی بن حاتمؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم بے گانسی کا تیر جس میں لوہے کی نوک نہیں ہوتی (عربی میں اس کو معراض کہتے ہیں) اس سے شکار کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ جانور میں نوک کی طرف سے گھس جائے تو اس کو کھا اور اگر عرض کی طرف سے پڑے اور جانور اس کی چوٹ سے مر جائے تو اس کو مت کھا۔

عرب لوگ کہتے ہیں: ''**سهم خازق**'' ، تیر گھس جانے والا۔

''**لا تأکل من المعراض إلا أن یخزق**'' معراض کا شکار مت کھا مگر جب وہ جانور میں نوک کی طرف سے گھس جائے۔(لغات الحدیث، جلد اول، کتاب خ، ص۴۱)۔

موقوذہ کی وضاحت اور اس کا حکم:

''فإنه وقیذ'' أی موقوذ مضروب ضرباً شدیداً بعصا أوحجرحتی مات قال السیوطي: ما قتل بعصا أوحجر أو ما لا حد له قال النووی: الوقیذ والموقوذ هو الذی یقتل بغیر محدد من عصا أوحجرأو غیرهما واتفقو علی أنه إذا اصطاد بالمعراض فقتل الصید بحده حل وإن قتله بعرضه لم یحل وقالوا: لا یحل ما قتله بالبندقة مطلقاً لحدیث المعراض وقال مکحول والأوزاعی وغیرهما من فقهاء الشام یحل ما قتل بالمعراض والبندقة .

وفی الشمنی: روی أصحاب الکتب الستة عن عدی ابن حاتم قال: قلت یا رسول اللّٰه إني أرمي بالمعراض الصید فأصید قال: إذا أصاب بحده فکل وإذا أصاب بعرضه فقتل فلا تأکل فإنه وقیذ قال: ولأنه لا بد من الجرح لیتحقق معنی الزکاة وعرض المعراض لا یجرح ولذا لو قتله ببندقة ثقیلة ذات حدة حرم الصید لأن البندقة تکسر ولا تجرح فکانت کالمعراض أما لو کانت خفیفة ذات حدة لم یحرم لیتقن الموت بالجرح فلو رمی صیداً بسکین أو بسیف إن أصابه بحده أکل وإلا لا ولو رماه بحجر إن کان ثقیلاً لا یؤکل وإن

جرح لا حتمال أنه قتل بثقله وإن كان خفيفاً وبه حدة وجرح يؤكل ليتيقن الموت بالجرح والأصل هنا أن الموت إن حصل بالجرح بيقين يؤكل وإن حصل بالثقل أو شك فيه لا يؤكل حتماً أواحتياطاً. انتهى. (المرقاة شرح المشكاة للعلامة القاري:۸/ ۱۰۹،ط:امدادیه ،ملتان).

ذبح اضطراری کا رکن اور اسکی شرائط:

قال الإمام محمدؒ فی " الزيادات" (۲۱۱۸/٦،ط:المجلس العلمی) **: الذكاة نوعان... واضطراري وهو الجرح مع التسمية ممن هو أهل الذكاة في أى موضع كان .**

ثم التسمية فی الصيد تشترط عند الإرسال والرمي وهوعلى الآلة لأن المقدور هو الرمي والإرسال دون الإصابة فيشترط عند فعل يقدر عليه. (الهداية : ٤/٤٣٦).

وأما الاضطرارية فركنها العقر وهو الجرح فی أی موضع كان وذلک فی الصيد وما هو فی معنى الصيد وإنما كان كذلک لأن الذبح إذا لم يكن مقدوراً ولا بد من إخراج الدم لإزالة المحرم وتطييب اللحم وهو الدم المسفوح على ما بينا فيقام سبب الذبح مقامه وهو الجرح على الأصل المعهود فی الشرع من إقامة السبب مقام المسبب عند العذر والضرورة ... الخ. (بدائع الصنائع:٥/ ٤٣ ،سعيد).

أما الذكاة الاضطرارية فوقتها(أی التسمية) وقت الرمی والإرسال لا وقت الإصابة لقول النبي صلى الله عليه وسلم لعدی بن حاتم رضی الله عنه حين سأله عن صيد المعراض والكلب إذا رميت بالمعراض وذكرت اسم الله فكل إلى قوله ولا تقع التسمية على السهم والكلب إلا عند الرمي والإرسال فكان وقت التسمية فيها هو وقت الرمی والإرسال والمعنى هكذا يقتضي وهو أن التسمية شرط والشرائط يعتبر وجودها حال وجود الركن لأن عند وجودها يصير الركن علة كما في سائر الأركان مع شرائطها هو المذهب الصحيح على ما عرف في أصول الفقه.

والركن فی الذكاة الاختيارية هو الذبح وفی الاضطرارية هو الجرح وذلک مضاف

إلى الرامي والمرسل وإنما السهم والكلب آلة الجرح والفعل يضاف إلى مستعمل الآلة لا إلى الآلة لذلك اعتبر وجود التسمية وقت الذبح والجرح وهو وقت الرمى والإرسال ولا يعتبر وقت الإصابة فى الذكاة الاضطرارية لأن الإصابة ليست من صنع العبد لا مباشرة ولا سبباً بل محض صنع الله عزوجل يعنى به مصنوعه هو مذهب أهل السنة والجماعة... الخ .

(بدائع الصنائع فى الترتيب الشرائع:۴۹/۵، سعید).

إن شرط ذكاة الصيد: الجراحة وإسالة الدم. (احکام القران للامام الجصاص:۲/ ۳۰۴).

مذکورہ بالاعبارات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ تیر چلاتے وقت تسمیہ پڑھ لیا تو شکار حلال ہو جائیگا، لیکن اصل بات یہ ہے کہ شکار والی بندوق سے کیا ہوا شکار حلال ہوگا یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن احادیث کی شروحات اور عباراتِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال ہونا چاہیئے اس وجہ سے کہ ذبح اضطراری میں صرف جرح اور انہار الدم اور تسمیہ عند الرمی یہ چیزیں ضروری ہیں یہ چیزیں پائی جائیں تو شکار حلال ہو جاتا ہے اور بندوق میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں اس میں جرح بھی ہے اور انہار الدم بھی ہوتا ہے، پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے ایک جزئیہ میں بھی بندوق کا حکم شامل ہوسکتا ہے:

فرمایا: **لو قتل ببندقة خفيفة ذات حدة لم يحرم لتيقن الموت بالجرح .** اور جو گولی خاص شکار کیلئے ہوتی ہے اس گولی کی بھی تیز نوک ہوتی ہے اور جرح کرتی ہے، جیسا کہ شکار کرنے والوں کا کہنا ہے اور جس بندوق پر فقہاء نے بحث فرمائی ہے وہ اُس زمانہ کا بندوق تھا اِس زمانہ کا بندوق مراد نہیں ہے، جس کی تفصیل بھی عنقریب ذکر کی جائیگی۔

بندوق سے شکار کی حلت فقہاء کی عبارات اور مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں:

(۱) علامہ شیخ محمد عابد سندی صاحبِ طوالع الانوار حاشیۃ علی الدر المختار کا مستقل رسالہ "**حلة المصيد بالبندقة الرصاصية**" کے نام سے شائع ہوا ہے، علامہ نے جواز کے فتاویٰ نقل کرنے کے ساتھ علامہ ابن نجیم کے فتوے کا جواب بھی نقل فرمایا ہے۔ فائدہ کی خاطر سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ شیخ فرماتے ہیں:

...فهى مسألة سئل عنها ابن نجيم صاحب البحر فأجاب فى فتاويه بالحرمة ، بناء

علی أنها موقوذة .

واقتدى به علامة السند الشيخ محمد هاشم السندی فعلی هذا لو أدركها وفيها حياة خفيفة و عجز عن التذكية بأن لم يجد آلة وضاق الوقت فماتت ففی متن الوقاية والتنوير إشارة إلى عدم حل أكلها كما نقله فی الدرالمختار عن المنح ، وهو المروی عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ كما فی جامع الرموز والدرر .

وصرحا بأن ذلک خلاف ظاهرالرواية ، لكن الذی يفهم من عبارة التنوير وغيره حل المجروحة بالبندق الرصاصي مطلقاً ماتت قبل إدراک الصائد أو بعده إن وجدت فيها حياة المذبوح ، وذلک أنهم فرقوا بين البندقة الثقيلة والخفيفة فقالوا : ولو كانت خفيفة بها حدة حل لقتلها بالجرح حينئذٍ ، ولو لم يجرحه لا تؤكل مطلقاً ، كذا فی الدرر .

وكذلک قال الشيخ المحقق عثمان الشامی مدرس المدينة المشرفة وعلامتها المرجع إليه فی الفتيا ومقتدى المشايخ في وقته (م١٢١٤هـ) فی مؤلفاته سماه قوت القلوب فی الفقه شرحاً ومتناً فی آخر كتاب الصيد ما لفظه :

واعلم أن مدار حل الصيد حصول الجرح بأی شيء حصل الجرح كما أن شرط حل الذبيحة قطع أكثر العروق بأی شيء حصل القطع ، ولو بنار ، كما فی الحصكفی أو بليطة أو مروة كما فی المتون ، فعلی هذا فما يقتل بالرصاصة يحل لأنه مقتول بالجرح كما لا يخفی علی أهل الدراية لأن الرصاصة تقتل الفيل وينفذ من جانب إلى جانب ومعلوم أن ذلک إنما يحصله بسبب الجرح الحاصل بحدة الرصاص الحاصلة من مس النار .

فإن النار من المحدد بقرينة أن من قتل شخصاً بالنار يقتص منه لأن النار تفرق البدن وهو المراد بقولهم المحدد فإذا كانت مفرقة كانت جارحاً لأن الجرح أثرالتفريق ، فثبت أن المقتول بالرصاصة مقتول بالجرح بالمحدد .

غاية ما فی الباب أن الحدة فی الرصاصة إنما حصلت بمجاورة النار في نفسها ولا

تأثير لذلک لا أن القتل بالثقل، كما كنت أقول به أولاً ، ويقول به بعض قاصرى الأذهان ألا ترى أن الرصاصة لو خرت من السماء ووقعت على حيوان ما قتلته بثقلها لأن المراد بالقتل بالمثقل : القتل الحاصل بالدق إذا كانت البُنْيَةُ لا تحتمل الثقل والقتل بالرصاصة لايحصل بالدق بلا مرية وإنما اشتبه على بعض القاصرين من اشتراک المحدد فى اسم البندقة بما قاله الفقهاء من أن الصيد بالبندقة لايحل مرادهم بها الطين المدور الذى يرمى بالقوس فلا يفرق الأجزاء فيقتل الصيد بثقله حتى قالوا أيضاً لو كان للبندقة حدة وعلم أنه قتل بحدتها يحل وليس مرادهم بها الرصاصة أو أعم منها لما علمت أن العاقل لا يقول أن البندقة الرصاصية هى تقتل بثقلها لا بحدتها .

فمن يدعى أن الصيد مقتول بعمل الرصاصة لا يلتفت إليه، لأنه إنكار المحسوس وخروج عن دائرة المعقول والمنقول .

فإن قلت: لِمَ لَمْ يتكلم الفقهاء على الرصاصة صريحاً ؟

قلت: لأنها لم تكن فى زمانهم وإنما هو شيء محدث بعد انقطاع عصرهم وقد صرحوا بحكمها في قولهم ذكاة الاضطرار جرح فى أى موضع وقع بأى جارح كان والرصاصة جارحة بسبب النار كما قد علمته وقد كنت قررت ذلک ولم أره ثم وجدته مكتوباً بهامش كتاب بعض الإخوان نقلاً عن بعض علماء مكة المشرفة فحمدت اللّٰه تعالىٰ حيث لم انفرد بحل هذه المسألة، انتهى .

ونقل الشيخ أحمد حماد الحنفى علامة عصره من علماء جدة والعلامة خيرالدين إلياس فى فتاويه وهو من علماء المدينة المشرفة كلاهما عن العفيف الكازرونى أنه قال فى فتاويه في جواب من سأله عن المقتول ببندقة الرصاص فقال: أفتى العلامة ابن نجيم فى فتاويه بحرمة صيد بندقة الرصاص .

وفى شرح الهداية للعلامة العينى ما يفيد حله فتأمل ، وعليه الفتوىٰ انتهى.

ثم إنی لما اطلعت علی هذا المنقول راجعت البناية علی الهداية للعلامة العينی فوجدت فيها ما لفظه : ولاخلاف فی سائر آلات الجراحة أنها إن قتلته بعرضها ولم تجرح لاتحل، وإن جرحت تحل، لأنها إذا لم تجرح فإنها تقتل بثقلها فأشبه ما أصاب بعرض المعراض انتهی .

ولعل هذا مأخذ العفيف. وقد سئل العلامة حسين بن علی الطوری [وهو محمد بن الحسين بن علی الطوری الحنفی م ۱۱۳۸ھ، وله " الفواكه الطورية فی الحوادث المصرية"] **عن الصيد: ان قتل بالبندقة الرصاصية هل يحل ذلک الصيد أم لا ؟ فأجاب بما حاصله أنه ذكر فی الكنز وما قتله المعراض أو البندقة حرم .**

وفی الينابيع وإن رماه بالمعراض فجرحه أكل كيف ما أصابه وكذلک البندقة والحجر و العودة ، ثم قال بعد هذين النقلين ، فعلی هذا يحمل كلام صاحب الكنز علی البندقة من الطين وكلام الينابيع علی البندقة من الرصاص ونقل عن المختار أنه قال: ولايؤكل ما قتله البندقة والحجر والعصا والمعراض بعرضه فإن خرق الجلد بحده أكل .

ثم قال فهو موافق لمافی الينابيع ثم قال أيضاً : أقول: فی شرح الهداية للعلامة العينی ما يفيد حل مصيدة بندقة الرصاص فليراجع ، انتهی ملخصاً .

وقد ذكر العلامة أبوالسعود في طلاق فتح المعين حاشية المسكين أن الفتاوی الزينية لايوثق بها إلا إذا تأيدت بنقل ذلک عن مستقل شيخه علي .

حلية مصيدة الرصاص عولت فی طوالع الأنوار شرحی علی الدرالمختار واللّٰہ تعالیٰ أعلم .

یادرہے کہ علامہ عابد انصاری سندھیؒ بڑے محقق عالم ہیں اورفقہ اورحدیث کے ماہر ہیں اور ہمارے شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے شیخ واستاذ ہیں اورعلامہ شامیؒ کے معاصر ہیں، شیخ سائد بکداش نے ان کے حالات پر ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ایک مستقل کتاب **" الإمام الفقيه المحدث الشيخ محمد عابد السندی الأنصاری رئيس علماء المدينة المنورة فی عصره "** کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔

(۲) مفتی دمشق ،شام علامہ شیخ محمود بن محمد الحمز اوی الحنفی الحسینیؒ کا تفصیلی فتویٰ جو رسالہ کی شکل میں ”فتوی الخواص فی حل ما صید بالرصاص“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔افادہ کی خاطر سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے،اس رسالہ میں تمام اشکالات کو بھی حل کیا ہے اور بندوق کے شکار پر بڑی اچھی تحقیق فرمائی ہے،اللہ تعالیٰ انکو تمام مسلمانوں کے طرف سے بہترین جزاو بدلہ عنایت فرمادیں۔آمین۔ملاحظہ ہو فرمائیں:

قال: وقد سئلت عن مأكول اللحم من الطير وغيره إذا سمى الصياد ورماه بالرصاص ، أو ما يسمونه : الخُرْدُق [كلمة أصلها من التركية عن الفارسية :خرده، وأصل معناه: الصغير من القطع المعدنية وغيرها، ثم استعمل لدى اختراع السلاح النارى فى حب الرصاص الصغير، والواحدة : خُرْدُقَة] **فوقع ميتاً، ولم يتأخر الصياد عن طلبه ، فهل يقوم الجرح مقام ذكاته كالسهم أم لا ؟ أفيدونا مأجورين .**

فأجبت : الحمد للّٰه وحده ، نعم يقوم الجرح مقام ذكاته ، ولا فرق بين ما رمى بالرصاص أو الخردق ، وما رمى بالسهم ،كما أفتى بذلك مفتى السلطنة على أفندى، والمسألة في فتاويه من كتاب الصيد. وفي فتاوى المولى أبى السعود العمادى [هذا ليس هو ابوالسعود العمادى المصرى صاحب فتح المعين شرح منلا مسكين م١١٧٢هـ] **ما نصه :**

” هل يؤكل لحم الصيد الذى رمي ببندق الرصاص بعد التسمية ؟

الجواب: ” إذا جرحه يؤكل “.

ونص أبوالسعود على هذا فى موضع آخر من فتاواه .

و فى”الفواكه“ سئلت عن الصيد إذا قتل ببندقة الرصاص، هل يحل أم لا ؟

أجبت : يحل ، وإن قتله ببندقة الطين لا يحل .

وفى الكازرونية ما نصه: وفى شرح الهداية للعينىؒ ما يفيد حل الصيد ببندقة الرصاص، واللّٰه تعالىٰ أعلم .

ورأيته أيضاً في رسالة مستقلة لمنلا على التركمانى، ونصه: بسم اللّٰه الرحمن

الرحيم. الحمد لله رب العالمين ، وصلى الله على سيدنا محمد و آله وأصحابه أجمعين .

فاعلم أن مدار حل الصيد حصول الموت بالجرح بأى شيء حصل الجرح ،كأن شرط حل الذبيحة قطع أكثر العروق باى شيء حصل القطع ، ولو بنار كما فى الحصكفى أو بليطة [نرکل، بانس وغیرہ کا چھکا جو چمٹا رہتا ہے] أو مروة [ایک سخت قسم کا پتھر]، كما فى المتون .

فعلى هذا فما يقتل بالرصاصة يحل، لأنه مقتول بالجرح ،كما لايخفى على أهل الدراية ، لأن الرصاصة تقتل الفيل ، وتنفذ من جانب إلى جانب، ومعلوم أن ذلك إنما يحصل بسبب الجرح الحاصل بحدة الرصاصة الحاصلة من مساس النار، فإن النار من المحدد ، بقرينة أن من قتل شخصاً بالنار يقتص منه ، لأن النار تفرق البدن ، وهو المراد بقولهم: [المحدد] فإن كانت مفرقة كانت جارحة ، لأن الجرح أثر التفريق .

فثبت أن المقتول بالرصاصة مقتول بالجرح ، غاية ما فى الباب أن الحدة فى الرصاصة إنما حصلت بمجاورة النار، لا فى نفسها ، ولا تأثير لذلك بالثقل ،كما يقول به بعض قاصرى الأذهان .

ألا يُرى أن الرصاصة لو خرت من السماء ، ووقعت على حيوان ما قتلته بثقلها، لأن المراد بالقتل بالثقل : القتل الحاصل بالدق إذاكانت البُنْيةُ [ڈھانچہ،شکل]لا تحمل الثقل .

والقتل بالرصاصة لا يحصل بالدق بلا مرية ، وإنما اشتبه على بعض القاصرين بين اشتراك المحدد فى اسم البندقة ، فما قال الفقهاء: إن صيد البندقة لا يحل، مرادهم بها: الطين المدور الذى يرمى بقوس ، فيقتل الصيد بثقله .

حتى قالوا : لو كان للبندقة حدة ، وعلم أنه قتل بحدتها: يحل، وليس مرادهم بها الرصاصة أو أعم منها ، لما علمت أن العاقل لا يقول : إن البندقة الرصاصة يقتل بثقلها لابحدها، فمن يدعي أن الصيد مقتول بثقل الرصاصة ، لا يلتفت إليه ، لأنه إنكار للمحسوس ، وخروج عن دائرة المعقول .

وإنما لم يتكلم الفقهاء على الرصاصة ، لأنها لم تكن فى زمانهم ، وإنما هي شيء محدث بعد انقطاع عصرهم وتدخل تحت قولهم: ذكاة الاضطرار جرح في أى موضع وقع بأى جارح كان. والبندقة (الرصاصة) جارحة بسبب النار، [وليس الأمر كذلك كما سيأتى] كما أعلمناك، والله أعلم .

الحمد لله الذى هدانا لهذا ، وما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله، ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور، انتهى كلامه .

وفي فتاوى شيخ الإسلام على أفندى من كتاب الصيد ما نصه: الصياد (زيد) إذا رمى حيواناً من الحيوانات التى يؤكل لحمها بالبندق مع التسمية وجرحه ، لكنه لما وصل إلى هذا الصيد مات من الجرح قبل أن يذبحه . هل يجوز أكله ؟

الجواب: نعم .

قال فى الهداية فى فصل الرمي:

” والأصل في هذه المسائل أن الموت إذا كان مضافاً إلى الجرح بيقين ، كان الصيد حلالاً ، وإن كان مضافاً إلى الثقل بيقين ، كان حراماً ، وإن وقع الشک ، ولا يدرى مات بالجرح أو الثقل؟ كان حراماً احتياطاً “. انتهى كلامه .

أقول: وإن يكن حكمه [أى حكم الشيخ على التركمانى] مسلَّماً ، لكن ينظر فى تعليله وقولِه : (إن الرصاص قاتل بناريته) . أى فيه نظر .

فليس كذلک ، والرصاص إنما هو قاتل مفرق الأجزاء بالقوة القاذفة بواسطة الهواء المنقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود، والبارودة والبارود كلاهما آلة لحصول القوة القاذفة ، وانحصارها بواسطة البارودة أوالمِدفَع أوغير ذلک من الآلات .

و لا يشكل عليک حرارة الرصاص ، أو الكُلَّة [كرة من حديد يلعب بها و يقذف بها] أو إحراقها في وقت ما ، لما تنفذ فيه ،فإن هاتيک الحرارة إنما هي من مصادمتها للأجزاء

الهوائية بحسب سرعة حركتها ، و بعد مسافتها لا غير .

وهـذا مـن الأمور البديهية عند أهل ذلك الشأن ، والدليل على ذلك أننا لو فرضنا وضـع حبة مـن الـجـمـد الـذى هو بعيد عن النارية فى بارودة محل الرصاص، وأثرنا تلك البارودة إلى حيوان، لنفذت تلك الفُندُقَة من الجَمْد فى ذلك الحيوان، وفرقت أجزاء ه.

أفيقول أحد: إنها فرقت أجزاءَ ه بناريتها؟ .

لا ، بل إنما هو بسبب القوة القاذفة ، كما قلنا .

والـمـطـلـوب لأجـل حـل الـصـيـد إنما هو الجرح قصداً عند عدم إمكان الذكاة بما يخزق ويفرق الأجزاء ، ويمكن فيه إنهار الدم .

وأما احترازهم عن صيد البندقة ــ وهي ما عمل من الطين ، ورمى به بقوس أونَفْسٍ ــ والحجر والمعراض والعصا، وما أشبه ذلك ، وإن جرح فلعدم الخزق .

قال قاضيخانؒ : ولا يحل صيد البندقة والحجر والمعراض والعصا، وما أشبه ذلك ، وإن جرح لأنه لا يخزق . (فتاوى قاضيخان:۳/ ۳٦۰).

فـالـمطلوب الخزق وإنهار الدم بأى شيء كان ، وهو المراد بقولهم: (المحدد)، أى ما يفرق الأجزاء ، ويخزق ويريق الدم ، وهذه الأوصاف فى الرصاصة والخردق على أكمل وجـه، فـلا شبهة أن مـا صيـد بهـما، ولم يدرك حياً ، حل أكله بشروطه، والله أعلم. (فتوى الخواص فى حل ماصيدبالرصاص،المندرجة فى آخرمنية الصيادين،ص۱۹۲ـ۱۹۸،ط:دارالبشائرالاسلامية).

(۳) علامہ عینیؒ کا میلان بھی جواز کی طرف ہے جیسا کہ بحوالہ علامہ سندھی مذکور ہوا مزید ملاحظہ ہو بحوالہ فخرالاسلام فرماتے ہیں:

(قـال ولا يـؤكـل مـا أصـابه البندقة فمات بها) أى قال (الإمام) القدورى، والبندقة طيـنة مـدورـة يرمى بها ، ويقال لها: الجلاهق ...ولاخلاف فى سائرآلات الجراحة أنها ... وإن جـرحـت تـحل ...وذكر فخر الإسلام في شرح الزيادات فى باب الصيد : ويحل أكله

إذا رمى فأصاب غيره، لأن الحجر والبندقة إذا جرح حل. (البناية فی شرح الهداية: ۱۱/۵۲۲، فصل فی الرمی ، مكتبة رشيدية).

(۴) علامہ مولانا ابوسعید محمد بن مصطفیٰ بن عثمان الخادمی حاشیۃ الدرر میں جواز تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

واما الرصاص الذى يرمى بآلة معتبرة عنهابالتركية بتوفنك فيحل ماقتل به ...الخ .

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے عدمِ جواز تحریر فرمایا ہے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

و بما ذكره يظهر وجه ماذكرفى فتاوى ابن نجيم أنه لايحل صيد بندقة الرصاصى انتهى، وهو أنه لاحدة لها فلا يحصل بها الجرح بالمعنى المعتبر في حل الصيد على ما مر ومنعه سفسطة للحس كيف لا والرصاص لو اتخذ منه سكين لايتصور به القطع انتهى، وقد علمت مما ذكر أن تعلق الحل بما قتل بالرصاص إنما هو لكون مقتولة مقتولاً بالنار [وليس الأمر كذلك والرصاص إنما هو قاتل ومفرِّق الأجزاءِ بالقوة القاذفة] **والبندقة فى الحديث ليس كذلك ويمكن أن ما نقل عن ابن نجيم يجوز أن لايكون ما يرمى بالآلة المعروفة المعهودة بأن يرمى بآلة لا تكون فيها عمل النار.** (حاشية الدررعلى الغرر، ص۱۳٤، كتاب الصيد، مطبعة عثمانية).

(۵) علامہ رافعیؒ نے بحوالہ خادمی اور علامہ سندھی جواز تحریر فرمایا ہے۔ علامہ رافعی کی عبارت ملاحظہ ہو:

نقل الخادمى فى حواشى الدرر عن فتاوى على أفندى الحل معللاً بأن النار تعمل عمل الذكاة فى الحيوان حتى لو قذف النار فى المذبح فاحترقت العروق يؤكل لكن ينبغي أن يحمل على ما إذا سال الدم حتى إذا انجمد ولم يسل لا يحل إلى آخر ما ذكره فانظره وسيأتى للمحشى فى الجنايات أن القتل بالبندقة الرصاص عمد لأنها من جنس الحديد وتجرح فيقتص به لكن إذا لم تجرح لا يقتص به على رواية الطحاوى انتهى، ومقتضاه حل الصيد بها تأمل، وماذكره السندى هنا مؤيد للحل وأنه لاشبهة فيه. (التحرير المختار: ۳۱۵/٦، سعيد).

(٦) **قال الشيخ أسعد محمد الصاغرجي فى ”الفقه الحنفى وأدلته“** (۱۹٦/۳، كتاب

الصید): **والصید بالبندقیة مثل الصید بالسهم. انتهى .**

(۷) علامہ شیخ محمد بن عبداللطیف ابن ملک شرح تحفۃ الملوک میں فرماتے ہیں:

ولا یحل الصید بالبندقة وهي: طينة مدورة يرمى بها؛ لأنها لا تجرح بل يدق و يكسر...قال: فى الكنز وما قتله المعراض بعرضه أوالبندقة حرم .

وقال فى الينابيع: وإن رماه بمعراض فجرحه أكل كيف ما أصابه، وكذلك البندقة والحجر، والعودة ، فيحمل كلام صاحب الكنزعلى البندقة من الطين ، وكلام الينابيع على البندقة من الرصاص. انتهى . وقال الشيخ عبدالمجيد الدرويش فى تعليقات شرح التحفة: قوله البندقة من الرصاص ، وهومحدد يجرح . (شرح تحفة الملوك مع التعليقات :۲/۱۷۱۸).

(۸) فتاویٰ زینیہ میں علامہ ابن نجیم نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن تعلیق میں محشی شیخ سعید بن سالم بن مساعد الغامدی فرماتے ہیں راجح قول جواز کا ہے۔ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

سئل (أى العلامة ابن نجيمؒ) عمن اصطاد طيوراً بالبندق الرصاص والطين هل يحل أكلها أم لا ؟

فأجاب : لا يحل أكلها. قال المحقق: والراجح القول بحله لأن البندقية في معنى المحدد و يحمل قول الجمهور على أن البندقية التي كانت في عهدهم كانت تختلف فى القوة و السرعة عن البندقية الموجودة فلم تكن فى معنى المحدد كالبندقية اليوم فقالوا : بعدم حله . (الفتاوى الزينية، مع التعليقات،ص٤٦٣،ط: دار كنوز اشبيليا).

[**أقول: و قد تقدم أن " الفتاوى الزينية " لايوثق بها ما لم تأيدت بنقل آخر كما قاله ابوالسعود العمادى المصرى فى فتح المعين على منلا مسكين** (۱۳٦/۲، قبيل باب تفويض الطلاق،ط:سعيد)].

(۹) **قال فى " الجوهرة النيرة "**(۲۷٤/۲): **ثم البندقة إذا كان لها حدة تجرح به أكل .**

(۱۰) وہبی سلیمان غاوجی "**الکافی فی الفقه الحنفی**" میں بحوالہ " **فتوی الخواص**" تین فتاویٰ (۱) فتوی منلا علی الترکمانی (۲) فتوی ابی السعود العمادی (۳) فتوی الطّوری الحنفی نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں:

قلت: والفرق واضح بين الطين والرصاص. (الكافی فی الفقه الحنفی :۱۲۹۷/۲،ط: مؤسسة الرسالة).

(۱۱) محمد بیرم بن مصطفیٰ نے مستقل رسالہ بنامِ "**تحفة الخواص فی حل صيد بندق الرصاص**" تحریر فرمایا ہے، اور بندوق کے شکار پرحلت کے دلائل ذکرفرمائے ہیں۔ یہ رسالہ مصر سے شائع ہوا ہے۔اس رسالہ پرتبصرہ کرتے ہوئے ابن بدران دمشقی" **درة الغواص** "میں فرماتے ہیں:

ألف المؤرخ محمد بيرم بن مصطفى أحد علماء تونس (م ۱۳۰۷ھ) **رسالة "تحفة الخواص فی حل بندق الرصاص" ذكر فيها الأدلة على حله ونقل عن علماء الحنفية ذلك ...الخ.** (درة الغواص فی حكم الذكاة بالرصاص،ص ٤١).

(۱۲) مولانا خالدسیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

بندوق کے شکارکوعام طور پرفقہاءحرام قرار دیتے ہیں اوراس طرح کی جزئیات فقہاءمتقدمین ومتأخرین کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن فقہاء کی ان تحریرات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مٹی کے معمولی ڈھیلے بندوق کے ذریعہ پھینکے جاتے تھے،اس لیےفقہاء کی یہ رائے اپنی جگہ درست ہے۔

موجودہ زمانہ میں جوبارودی گولیاں تیارہوئی ہیں وہ کسی دھاردار سے بھی بہتر طریقہ پرجسم کے خون کو بہادیتی ہیں اور پارہ پارہ کردیتی ہیں اورشریعت کااصل مقصودیہی ہے کہ خون اچھی طرح بہہ جائے،...اس اعتبار سےکوئی شبہ نہیں کہ بندوق کا شکارشریعت کے مقصد کی تکمیل کرتاہےاس لیےاسے حلال ہی ہونا چاہیئے۔واللہ اعلم بالصواب۔ (حلال وحرام،ص۱۶۱،۱۶۲)۔

علمائے مالکیہ کے فتاویٰ حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قال الشيخ عبد الرحمن المالكی البغدادي في "إرشاد السالک" في فصل الصيد (ص:۱۰۲) **: وأما البندق فهونوعان بندق الطين وكان معروفاً قديماً يضرب به الحيوان من بعد فقده يقتله وقد لايقتله ولما كان البندق غير محدد فقد منع العلماء جواز**

أكـل الصيد الذى رمى به إلا إذا وجدت به حياة مستقرة وذكى فيجوز أكله كصيد الشبكة والـحبـالة ، والـنوع الآخر: بندق الرصاص المعروف لنا الآن وقد حدث الرمى به بحدوث البارود فى وسط المائة الثامنة وليس فيه نص للمتقدمين واختلف فيه المتأخرون فمنهم من قال بالمنع قياساً على بندق الطين ومنهم من قال بالجواز كأبى عبد اللّٰه القروى وابن غازى وسيـدى عبـد الـرحـمن الفاسيي لما فيه من إنهار الدم والإجهاز بسرعة وهذا الذى شرعت الذكاة لأجله ، انتهى كلامه .

(۲) قـال الشيـخ مـحمد العربى المالكى القروي فى ’’الخلاصة الفقهية على مذهب السادة المالكية‘‘ (ص:۲۷۹):

وأن يـكـون الـعـقـر بأحد شيئين إما بمحدد سواء كان سلاحاً أو غيره كحجر له سن ويـدخـل فيـه الـرصـاص فيـؤكـل الصيد به لأنه أقوى من السلاح وإما بحيوان معلم. انتهى كلامه .

(۳) قـال الشيـخ مـحـمـدعـليـش الـمالكى فى ’’منح الجليل شرح مختصر الخليل‘‘ (۴۲۱/۲): وأمـا الـصيـد بـالبندق ومن الرصاص فلم يوجد فيه نص للمتقدمين ، واختلف فيه المتأخرون من الفاسين لحدوث الرمى به بحدوث البارود واستخرجه حكيم كان يستعمل الـكيـمياء ففرقع له فأعاده فأعجبه ، فاستخرج منه هذا البارود فى وسط المائة الثامنة وأفتى فيـه بـجـواز الأكـل ، أبوعبد اللّٰه القورى ، وابن غازى وعلى بن هارون والمنجور والعارف بـاللّٰه تعالىٰ عبد الرحمن الفاسى ، واختاره شيخ الشيوخ عبد القادرالفاسى لإنهاره وإجهازه بسـرعة الـذيـن شـرعـت الـذكـاة مـن أجله ، قال بل الإنهار به أبلغ وأسهل من كل آلة يقع الـجـرح بها، ... وقياسه على البندقة الطينية غير صحيح لوجود الفارق بينهما، وهو وجود الخرق والنفوذ فى الرصاص تحقيقاً وعدم ذلک فى البندقة الطينية ...الخ.

(۴) قال العلامة الدردير المالكى فى’’ الشرح الكبير‘‘ (۱۶۳/۲،ط:دارالفکر): واحترز به

عن نحو العصا والبندق أی البرام (بٹی ہوئی رسی) الذی یرمی بالقوس، وأما الرصاص فیؤ کل به لأنه أقوی من السلاح کذا اعتمده بعضهم .

(۵) قال العلامة شمس الدين الدسوقي في حاشيته على الشرح الكبير (۱٦٣/٢، ط: دارالفكر) : قوله كذا اعتمده بعضهم ؛ الحاصل أن الصيد ببندقة الرصاص لم يوجد فيه نص للمتقدمين لحدوث الرمي به بحدوث البارود في وسط المائة الثامنة، واختلف فيه المتأخرون فمنهم من قال بالمنع قياسا على بندق الطين، ومنهم من قال بالجواز كأبي عبد اللّٰه القوري وابن غازي والشيخ المنجور وسيدى عبد الرحمن الفاسي والشيخ عبد القادر الفاسي فيه من الإنهار والإجهاز بسرعة الذى شرعت الذكوة لأجله،

وقياسه على بندق الطين فاسد لوجود الفارق وهو وجود الخرق والنفوذ فى الرصاص تحقيقاً وعدم ذلک في بندق الطين، وإنما شأنه الرض والكسر، وما كان شأنه لا يستعمل لأنه من الوقذ المحرم بنص القران .

و للاستزادة انظر: (حاشية الصاوى على الشرح الصغير:١٠٨/٤، وبلغة السالك لأقرب المسالك:٢/ ١٠٤، ط: دارالكتب العلمية ،بيروت).

علمائے حنابلہ نے بھی جواز کا قول اختیار فرمایا ہے۔ چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

(١) قال الشيخ صالح بن فوزان فی " الملخص الفقهی" (٤٧٢/٢،احكام الصيد) : الشرط الثانی، الآلة ، وهی نوعان : الأول: المحدد...الرصاص الذي يطلق من البنادق اليوم ، فيحل ما قتل به من الصيد ، لأن فيه قوة الدفع التي تخرق وتنهرالدم كالمحدد وأشد .

(٢) قال الشيخ ابن ضويان الحنبلی (م١٣٥٣هـ) في" منارالسبيل فی شرح الدليل" (٤٢٨/٢): وأما بندق الرصاص فهي أقوى من كل محدد، فيحل بها الصيد. قال الشيخ عبد القادر الفاسي :

وما ببندق الرصاص صيدا ☆ جواز أكله قد استفيدا

أفتـى بـه والـدنـا الأواه ☆ وانعقـد الإجماع من فتواه

(۳) قال الشيخ محمد بن صالح العثيمين فى " شرح الممتع على زاد المستنقع " (۱۰٤/۱٥) وقد اختلف العلماء أول ما ظهر بندق الرصاص... ولكنهم فى آخر الأمر أجمعوا على حل صيده .

(۴) قال العلامة الشوكانى فى " الدرارى المضية " (۳۲۱/۲-۳۲۲، باب ماجاء فى الصيد، ط: بيروت) وقد نزل صلى اللّٰه عليه و سلم المعراض إذا أصاب فخزق منزلة الجارح واعتبر مجرد الخزق كما فى حديث عدى المذكور وفى لفظ لأحمد من حديث عدى قال: " قلت يا رسول اللّٰه إنا قوم نرمي فما يحل لنا ؟ قال: يحل لكم ما زكيتم وما ذكرتم اسم اللّٰه عليه فخزقتم فكلو" فدل على أن المعتبر مجرد الخزق و إن كان القتل بمثقل ، فيحل ما صاده من يرمى بهذه البنادق الجديدة التى يرمى بها بالبارود والرصاص؛ لأن الرصاص تخزق خزقاً زائداً على خزق السلاح ؛ فلها حكمه وإن لم يدرك الصائد بها زكاة الصيد إذا ذكر اسم اللّٰه على ذلک .

(۵) علامہ شیخ عبدالقادر بن احمد بن بدران الدمشقی نے ایک استفتاء کے جواب میں تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا ہے جو بنامِ " درة الغواص فى حكم الذكاة بالرصاص " شائع ہوا ہے، اگرچہ اس رسالہ کا مقصدِ اصلی مذہبِ حنابلہ کے مطابق بندقۃ الرصاص سے ذبح کو ثابت کرنا تھا لیکن ضمن میں بندقۃ الرصاص کے ذریعہ شکار پر بھی بحث کرتے ہوئے حلت کا قول اختیار فرمایا ہے۔

نیز رسالہ کے آخر میں مفتی دمشق شیخ حمزاوی کے رسالہ "فتوی الخواص..." سے منلا علی الترکمانی کی عبارات نقل کرنے کے بعد بعض مالکی اور حنبلی علماء کے فتاویٰ بھی نقل فرمائے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : (درة الغواص فى حكم الذكاة بالرصاص، و تتمة فى حكم الصيد بالرصاص المندرجة فى آخر درة الغواص فى حكم الذكاة بالرصاص، ص ٤٠-٤٤).

بندوق کے شکار پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

علامہ شامیؒ کا اعتراض:

علامہ شامی نے عدمِ حلت کو ترجیح دی ہے اور اسکی علت بھی ذکر فرمائی ہے، عبارت حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف إذ ليس له حد فلا يحل وبه أفتى ابن نجيم. (فتاوى الشامى:٦/٤٧١ ،سعيد).

الجواب: اولاً بندوق کے شکار میں احراق بالنار غیر مسلم ہے۔ جس کی تفصیل بحوالہ فتوی الخواص مذکور ہوئی۔ ثانیاً علی سبیل الفرض والتسلیم احراق بالنار ہو تب بھی علامہ رافعیؒ نے بحوالہ خادمی اور علامہ سندھی جواز تحریر فرمایا ہے۔ علامہ رافعی کی عبارت ملاحظہ ہو:

نقل الخادمى فى حواشى الدرر عن فتاوى على أفندى الحل معللاً بأن النار تعمل عمل الزكاة فى الحيوان حتى لو قذف النار فى المذبح فاحترقت العروق يؤكل لكن ينبغى أن يحمل على ما إذا سال الدم حتى إذا انجمد ولم يسل لا يحل إلى آخر ما ذكره فانظره وسيأتى للمحشى فى الجنايات أن القتل بالبندقة الرصاص عمد لأنها من جنس الحديد وتجرح فيقتص به لكن إذا لم تجرح لا يقتص به على رواية الطحاوى انتهى، ومقتضاه حل الصيد بها تأمل، وماذكره السندى هنا مؤيد للحل وأنه لاشبهة فيه. (التحرير المختار:٦/٣١٥،سعيد).

بندوق کی گولی سے احراق ہوتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات تجربہ اور تحقیق کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے احراق غیر مسلم ہے۔ ملاحظہ ہو مفتی دمشق علامہ شیخ محمود الحمزاوی فرماتے ہیں:

أقول: ... فليس كذلک ، والرصاص إنما هو قاتل مفرق الأجزاء بالقوة القاذفة بواسطة الهواء المنقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود، والبارودة والبارود كلاهما آلة لحصول القوة القاذفة ، وانحصارها بواسطة البارودة أوالمِدفَع أوغير ذلک من الآلات .

و لا يشكل عليك حرارة الرصاص ، أو الكُلَّة [كرة من حديد يلعب بها و يقذف بها] **أو إحراقها في وقت ما ، لما تنفذ فيه ،فإن هاتيك الحرارة إنما هي من مصادمتها للأجزاء الهوائية بحسب سرعة حركتها ، و بعد مسافتها لا غير .**

وهذا من الأمور البديهية عند أهل ذلك الشأن ، والدليل على ذلك أننا لو فرضنا وضع حبة من الجمد الذى هو بعيد عن النارية فى بارودة محل الرصاص، وأثرنا تلك البارودة إلى حيوان، لنفذت تلك الفُندُقَة من الجَمْد فى ذلك الحيوان، وفرقت أجزاء ه.

أفيقول أحد: إنها فرقت أجزاءَ ه بناريتها؟ .

لا ، بل إنما هو بسبب القوة القاذفة ، كما قلنا . (فتوى الخواص فى حل ماصيد بالرصاص،المندرجة فى آخرمنية الصيادين،ص۱۹۲-۱۹۸،ط:دارالبشائرالاسلامية).

وأيضا رده شيخ مشايخنا الگنگوهیؒ بأن الرصاص غير محرق وذلك لما جرب هو بنفسه بإطلاق الرصاص على مجموعة من القطن فنفذ الرصاص ولم يحترق القطن . (تذكرة الرشيد ،ص۱۳۹).

حدیث سے بندقہ کے شکار کی ممانعت اوراس کا جواب:

سوال: بعض مفتیانِ کرام بندوق کے شکارکوحرام کہتے ہیں اوردلیل میں درجِ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

عن عدي بن حاتم قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أرسلت كلبك وسميت فخالط كلاباً أخرى فأخذته جميعاً فلا تأكل فإنك لا تدري أيهما أخذه وإذا رميت فسميت فخزقت فكل فإن لم تخزق فلا تأكل ولا تأكل من المعراض إلا ما ذكيت ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت ۔ اس حدیث شریف کا کیا جواب ہے؟

الجواب: أخرجه الإمام أحمد في مسنده (۱۹۳۹۲/۱۳٦/۳۲) **بسنده عن إبراهيم عن عدي بن حاتم ...الخ. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقه على مسند الإمام أحمد:**

حدیث صحیح دون قوله " ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت" وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه ما بين إبراهيم النخعي وعدى بن حاتم . (راجع: السير للامام الذهبى:٤/٥٢٠،ترجمة:٢١٣)

والبندقة معروفة تتخذ من طين و تيبس فيرمى بها .انتهى .

شیخ شعیب صاحب نے اس حدیث شریف کے دو جوابات دئے ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے انقطاع کی وجہ سے کہ ابراہیم نخعیؒ کا سماع حضرت عدی بن حاتمؓ سے ثابت نہیں۔

(۲) بندقہ سے مراد پرانے زمانہ کا مٹی کا غلہ ہے۔اور ہمارا کلام بارودی بندوق کے بارے میں ہے۔ فافترقا۔

شیخ علامہ عبدالقادر الدمشقی نے اپنے رسالہ " درة الغواص فى حكم الذكاة بالرصاص " (٢٤-٢٦) میں اس حدیث پر کلام کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

والثاني: عدم قبوله،...وأياً ما كان فلا يصح قياس الرمى بالرصاص على الرمى بالبندقة ؛ ... والجامع بين الرصاص والبندقة والخذف والمعراض غير موجود لوجوهٍ :

أولها: أن البندقة المذكورة فى الحديث لا تخزق ...وأما الرصاص فإنه يخزق و ينهر الدم ويسيله، فقياسه عليهما قياس مع الفارق .

وثانيهما: أن البندقة مخالفة للرصاص فى المادة والشكل والهيئة والاستعمال، ... وهذا النوع لم يكن عند العرب...الخ.

ثالثها: أن النبي صلى الله عليه وسلم علل النهى عن الخذف بقوله:" إنها لا تصيد صيداً ولا تنكأ عدواً ". وبندق الرصاص ما أشد نكايته للأعداء ، وهواليوم من آلات الحرب التي أبطلت السيف والرمح إلا نادراً ، وأبطلت آلات الرمي بالسهام ، وهوالذى يردي أعظم الطيور من نقطة أوج طيرانه إلى حضيض الأرض .

والبندقة التي جاء النهى عن الرمى بها، إنما غاية أمرها أن تكسر السن وتفقأ العين كما ذكره النبي صلى الله عليه وسلم ، ومثل هذا كاف فى عدم صحة قياس بندق الرصاص

على بندق الطين ، وعلى الحجر والحصى وأشباه ذلک .

مشارق الأنوار میں قاضی عیاض فرماتے ہیں:

البندقة وهي غالباً تصنع من فخار مطبوخ. (مشارق الانوار:۱/۹۱،المكتبة العتيقة).

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

والبندقة طينة مدورة مجففة يرمى بها عن الجلاهق و هو اسم لقوس البندقة. (عمدة القاری: ٤١/١٤٨١،باب الخذف والبندقة،ط:دارالحديث ،ملتان).

فتح البارى میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والبندقة معروفة تتخذ من الطين وتيبس فيرمى بها. (فتح الباری:٩/٦٠٧).

الروضة الندية میں شیخ محمد صدیق خان حسن القنوجی فرماتے ہیں:

وما روي من النهي عن أكل ما رمي بالبندقة كما في رواية من حديث عدي بن حاتم عند أحمد... فالمراد بالبندقة هنا هي التي تتخذ من طين فيرمى بها بعد أن تيبس . (الروضة الندية:٢/١٨٨،دارالمعرفة).

حدیث کی شرح میں شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں موجودہ دور کی بندوق مراد نہیں ہے بلکہ زمانہ ماضی کا بندقہ مراد ہے۔علامہ مصطفیٰ الخادمی نے حاشیۃ الدرر میں بھی یہی توجیہ ذکر فرمائی ہے۔نیز آئندہ فقہاء کرام کی عبارات بھی ذکر کی جائیں گی۔

بعض اکابر اور مفتیانِ کرام کے شبہات پر ایک نظر:

قابلِ اشکال بات یہ ہے کہ ہمارے بعض اکابر اور مفتیان کرامؒ مثلاً:

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

ان تمام حضرات کے فتاویٰ اور تفاسیر میں بندوق کے شکار کو مردار کے حکم میں قرار دیا ہے لہذا ضروری ہے کہ انکی عبارات کو نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ ممانعت کی اصل وجہ پر غور کر کے مناسب توجیہ بیان کی جائے۔

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت:

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القران (۲۹/۳) میں موقوذۃ کے تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں:

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اسکو بھی فقہاء نے موقوذہ میں داخل اور حرام قرار دیا ہے۔ امام جصاصؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: " **المقتولة بالبندقة تلك الوقوذة** " یعنی بندوق کے ذریعہ جو جانور قتل کیا گیا ہے وہی موقوذہ ہے اس لئے حرام ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ و امام شافعی و امام مالک وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۲۹/۳)۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے امام جصاصؒ و امام قرطبیؒ کے حوالہ سے بندقہ کے شکار کی حرمت کو بیان فرمایا ہے لہذا ہم اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ واضح ہو جائے کہ بندقہ سے مراد کیا ہے اور اسکے شکار کی حرمت کی علت کیا ہے؟ چنانچہ دونوں تفسیروں سے عبارات حسب ذیل درج کی جاتی ہیں۔

امام جصاصؒ احکام القرآن فرماتے ہیں:

قد روى أبو عامر العقدى عن زهير بن محمد عن زيد بن أسلم عن ابن عمرؓ أنه كان يقول فى المقتولة بالبندقة تلك الموقوذة إلى قوله.. أن النبى صلى الله عليه و سلم نهى عن الخذف وقال: إنها لا تنكأ العدو ولا تصيد الصيد ولكنها تكسر السن وتفقأ العين ... إلى قوله عن عدى بن حاتم قال سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن صيد المعراض فقال: ما أصاب بحده فخزق فكل وما أصاب بعرضه فقتل فإنه وقيذ فلا تأكل فجعل ما أصاب بعرضه من غير جراحة موقوذة وإن لم يكن مقدوراً على ذكاته وفى ذلك دليل على

أن شرط ذكاة الصيد الجراحة وإسالة الدم . (احکام القران للامام الجصاصؒ: ۲/۳۰٤،ط: سهيل).

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الثالثة : قوله تعالى: ﴿ الموقوذة ﴾...ومنه المقتولة بقوس البندق...وفي صحيح مسلم عن عدي بن حاتمؓ قال:...الخ ، قال أبو عمر: اختلف العلماء قديماً وحديثاً في الصيد بالبندق والحجر والمعراض، فمن ذهب إلى أنه وقيذ لم يجزه إلا ما أدرك ذكاته على ما روي عن ابن عمرؓ وهو وقول مالكؒ وأبي حنيفةؒ وأصحابهؒ و الثوريؒ والشافعيؒ وخالفهم الشاميون في ذلك...والأصل في هذا الباب والذى عليه العمل وفيه الحجة لمن جاء إليه حديث عدى بن حاتم وفيه وما أصاب بعرضه فلا تأكله فإنما هو وقيذ . (الجامع لاحكام القرآن: ٦/٣٤،دارالكتب العلمية).

دونوں تفاسیر کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جس بندقہ سے شکار کی ممانعت منقول ہے وہ پرانے زمانہ کا بندقہ مراد ہے جس میں جرح اور انہارِ دم متحقق نہیں ہوتا، جیسا کہ حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت سے عیاں ہے۔ لیکن ہم جس بندوق سے بحث کرتے ہیں وہ عصر حاضر کی جدید بندوق مراد ہے جس میں جرح وانہارِ دم متحقق ہو جا تا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اسی وجہ سے امام جصاصؒ نے فرمایا کہ شکار کے حلال ہونے میں اصل جرح اور انہار دم ہے، یہ حاصل ہو تو شکار حلال ہے، نیز امام قرطبیؒ کی تفسیر سے بھی یہی مترشح ہے، لہذا دونوں بندوقوں کے مابین فرق واضح ہے۔

زمانہ ماضی کے ’’بندقہ‘‘ کی حقیقت:

ملاحظہ ہو امام ناصر الدین المطرزی ’’المغرب‘‘ میں فرماتے ہیں:

بندق (البندقة) طينة مدورة يرمى بها، ويقال لها: الجلاهق. (المغرب: ۸۷/۱).

لغات کشوری میں مسطور ہے:

بندق مٹی کا غلہ جو غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں۔ (لغاتِ کشوری، ص۴۷)۔

البنایہ شرح الہدایہ میں درج ہے:

قال: ولا يؤكل ما أصابه البندقة فمات بها لأنها تدق وتكسر ولا يجرح فصار كالمعراض إذا لم يخزق (ش) أي قال القدوري والبندقة طينة مدورة يرمى بها ويقال لها الجلاهق [فارسی، البندق الذی يرمی به الطين المدور جلاهقة واحد]. (البناية: ٤/٣٧٤).

اللباب فی شرح الکتاب میں مرقوم ہے:

البندقة طينة مدورة يرمى بها . (اللباب :٤/٥٥٤،دارالبشائرالاسلامية).

وللمزيد راجع : (فتاوى الشامي:٦/٤٧١،سعيد،والعناية فی شرح الهداية:١٠/١٣٠،دارالفكر،ومجمع الانهرشرح ملتقى الابحر:٤/٢٦٣،كتاب الصيد).

خلاصہ یہ ہے کہ پرانے زمانے کے بندقہ کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی کا غلہ ہوتا تھا جس کو منجنیق (گوپھن) میں رکھ کر پھینکا جاتا تھا جس کے ثقل سے جانور مر جاتا تھا اس میں جرح اور انہارِ دم کا تصور نہیں ہوتا تھا، آج کل بھی دیہاتوں میں یہ طریقہ رائج ہے، اپنی کاشت کی حفاظت کے لیے اکثر یہی بندقہ استعمال کرتے ہیں۔

خود حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں حلت و جواز تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

بندوق سے شکار کا حکم:

سوال: ایک آلہ لوہے کا باریک نوکدار ہے یہ ہوائی بندوق میں رکھ کر چھوڑا جاتا ہے اس سے اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکار مارا جائے اور شکار مر جائے یا اتفاقاً ذبح نہ کیا جائے تو شکار حلال سمجھا جائیگا؟

الجواب: آلہ مذکورہ کی شکل دیکھنے سے نیز اس حال سے جو سوال میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ تیر کی طرح زخم کھولتا ہے بندوق کی عام گولی اور چھروں کی طرح جسم کو کوٹتا نہیں لہذا اس کا حکم تیر ہی کا حکم ہے یعنی اگر بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے اور جانور اسکے ذریعہ مر جائے تو حلال ہوگا۔

كما هو حكم السهم فی عامة كتب الفقه ۔لیکن یہ مسئلہ چونکہ محض قواعد سے لکھا گیا ہے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا اس لئے دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲/۹۴۳)۔

نیز فتاوی دارالعلوم میں تین جگہوں پر اسکو ناجائز اور حرام لکھا ہے۔

(۱) ذبح کا تحقق نہیں ہوتا۔ یہی مذہب مفتی بہ ہے۔ (۲/۹۴۳)۔

(۲) بندوق کا شکار بدون ذبح حلال نہیں، بحوالہ شامی۔ فلا یحل و به أفتی ابن نجیم.(۲/۹۵۵)۔

(۳)۔ اسی طرح ص ۹۵۶ پر فرماتے ہیں: بندوق کے شکار کے متعلق ہمارے نزدیک علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم وغیرہم کی تحقیق صحیح ہے کہ شکار بدون ذبح کے حلال نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ وعلامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا جواب مفصل مذکور ہوا اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۲) فتاوی محمودیہ میں بھی بندوق کے شکار کو مردار کے حکم میں داخل فرمایا ہے۔ (۱۷/۲۲۳، جامعہ فاروقیہ)۔

اور دلیل میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کی عبارت مذکور ہے۔ (۱۷/۲۲۳، جامعہ فاروقیہ)۔

نیز فتاوی محمودیہ میں (۱۷/۲۲۰، جامعہ فاروقیہ) مذکور ہے:

بندوق میں گولی ہوتی ہے وہ چاقو یا تیر کی طرح دھار دار نہیں ہوتی وہ تیر کے حکم میں نہیں وہ جانور حلال نہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ اُسوقت تیز دھار دار گولی نہ ہوتی ہو لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور میں تیز دھار دار خاص شکار کے لئے گولیاں بنائی جاتی ہیں۔

(۳) تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے۔ (سوال کا ماحصل حسب ذیل درج ہے):

سوال: بندوق سے جو شکار کیا جائے اکثر مالکیہ نے حلال کا فتویٰ دیا ہے بظاہر تیر کے مثل معلوم ہوتا ہے۔

جواب: لوگوں کو اسکی حالت کا اس وجہ سے شبہ ہوا کہ فقہ میں احراق بالنار کو قاطع لکھا ہے اور اسی بنا پر بندوق کے گولی کو بھی محرق اور قاطع سمجھ کر بعض علماء نے حلت کا فتویٰ دیدیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے، مولانا مملوک علی صاحبؒ سے ہم نے اسکو دریافت کیا تھا، فرمایا کہ روئی پر نشانہ لگاؤ معلوم ہو جائیگا چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا گولی پار ہوگئی اور روئی کچھ نہ جلی سو گولی توڑنے والی ہے محرق نہیں ہے، جب تک ذبح نہ یا جائے شکار حلال نہیں۔

اسکا جواب بھی دیگر محققین اور حضرت گنگوہی کے شیخ الشیخ حضرت مولانا عابد سندھی کی عبارات میں گزر چکا کہ بندوق میں احراق بالنار نہیں ہے۔ ہاں ذبح اضطراری کی جو شرط ہے جرح اور انہار الدم وہ گولی میں حاصل ہے اور گولی تو تیر کی طرح تیز ہوتی ہے آگ کی مجاورت سے اور تیزی سے جرح کرتی ہے اور خون بھی بہاتی ہے۔

(۴) احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ مفتی صاحب کے سامنے جب حلت کے دلائل پیش کئے گئے تو

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر جوابات تحریر کئے ہیں اور اپنا رجحان بلکہ شدت کے ساتھ عدمِ جواز تحریر فرمایا ہے اور دلیل میں شامی کی عبارت بحوالہ علامہ ابن نجیم پیش کی ہے اور اسی عبارت کو عدمِ جواز کی بنیاد قرار دی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے جوابات جو حلت پر اعتراضات کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ انکا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

اعتراض (۱): بندوق کے شکار کی حلت کی بنا یہ قرار دی گئی ہے کہ ذبح اضطراری میں خصوصیت آلہ شرط نہیں یہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہے۔

اعتراض (۲): اگر آلہ غیر محدده کا ایسا زخم جس سے موت مضاف الی الثقل نہ ہو بلکہ مضاف الی الجرح وانہار الدم موجبِ حلت ہوتا تو مصاب بالعرض و بالبندقہ پر مطلقاً حکمِ حرمت نہ لگایا جاتا۔

اعتراض (۳): دھار سے مراد چھری یا چاقو جیسی دھار سمجھی ہے حالانکہ جمہور کی مراد محدد ہے اگر چہ نوکدار ہو۔ فتح الباری۔ **السهم و ما في معناه**۔ سے ظاہر ہے۔

اعتراض (۴): گولی نشانہ تک پہنچنے سے پہلے نوکدار بن جاتی ہے اگر یہ دعویٰ مشاہدہ سے ثابت ہو جائے تو انکار کی مجال نہیں ورنہ محض تخیل سے کسی امر کا اثبات ناممکن ہے۔ **إن الظن لا يغني من الحق شيئاً** .

اعتراض (۵): جرح اور انہار دم منسوب ہیں احراق وضرب غیر محدد کی طرف پس جب تک موت اور جرح کا مضاف الی الاحراق ہونا قطعی طور پر معلوم نہ ہو حلت کا حکم نہ لگایا جائے گا۔

اعتراض (۶): حتی الامکان تسہیل الامر اور رخصت سے کام لینا بہتر ہے مگر جمہور کی مخالفت خصوصاً حلت وحرمت کے معاملہ میں اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ کوئی قوی اور موجبِ اطمنان دلیل معلوم نہ ہو۔

اعتراض (۷): نوکدار گولی کی نوک تو معراض کی نوک سے کم نہیں ایسی گولی کے شکار کی حلت میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہے۔

امداد المفتین میں بھی ایسے شکار کی حلت کا فتویٰ درج ہے لیکن اگر گولی کے ثقل سے جانور مر جائے جیسے چھوٹا جانور تحمل نہ کر سکے تو یہ جانور حلال نہ ہوگا۔ بحوالہ شامی۔ (احسن الفتاوی: ۴۳۱۔۴۳۸/ ۷، رسالہ حرمۃ المقعاص برمیۃ

الرصاص)۔

ان اعتراضات کے جوابات ذکرکردہ احادیث کی تشریح اور عباراتِ فقہیہ اور رسالہ جوحلت کی تحقیق میں لکھا گیاہےاس سے خود بخود واضح ہیں۔تاہم انھیں عبارات کی روشنی میں مختصر جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔

اعتراضات کے جوابات:

اعتراض (۱) کا جواب: حلت کی بناخصوصیتِ آلہ شرط نہ ہونے پرنہیں رکھی گئی، بلکہ خصوصیت کے ساتھ آلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، جیسا کہ معراض کی تشریح میں گزر چکا کہ کونسا آلہ جرح کرتا ہےاور کونسا ثقل سے قتل کرتا ہےاورفقہاء نے بھی اسی پراصول قائم کئے ہیں:

”**حتی قالوا لو کان للبندقة حدة وعلم أنه قتل بحدتها یحل**“ اورآلہ محدد سےفقہاء کا مقصد بھی خزق اورانہاردم ہے، چنانچہ مذکور ہے:۔

فالمطلوب الخزق وإنهار الدم بأی شیء کان وهو المراد بقولهم (المحدد) أی ما یفرق الأجزاء ویخزق ویریق الدم وهذه الأوصاف فی الرصاصة علی أکمل وجه. لہذا یہ فقہاء کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

اعتراض (۲) کا جواب:۔معراض اور بندقہ کے شکار پرحرمت کاحکم اس وجہ سے لگایا گیا کہ دونوں جانورکوثقل سے مارتے ہیں جو چوٹ کےحکم میں ہےاور بندقہ اُس زمانہ میں وہی معروف ومشہورتھا جیسے حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ کی روایت میں ہےجسکوامام جصاص وقرطبی نے بیان فرمایا ہےاس میں بھی چوٹ لگتی ہے،جبکہ اِس زمانہ کے بندوق میں یہ معاملہ نہیں۔

اعتراض (۳) کا جواب: اول کے جواب میں گزر چکا ہے۔

اعتراض (۴) کا جواب: بندوق کی گولی نوکدار تیر کی طرح کام کرتی ہے یہ تو مشاہدہ سے ثابت ہےتخیل اورظن نہیں ہے۔چنانچہ فتوی الخواص میں مذکورہے: **والرصاص إنما قاتل ومفرق الأجزاء بالقوة القاذفة بواسطة الهواء المنقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود.**

مجاورتِ نار کی بنا پر حدت اور تیزی پیدا ہوتی ہے اور تیر کا سا کام کرتی ہے۔ جنھوں نے تجربہ کیا ہے انھوں نے اسی طرح لکھا ہے۔ لہذا جو چیز تجربہ سے ثابت ہو اس پر ظن اور تخیل کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟

اعتراض (۵) کا جواب: حدیث میں مذکور ہے: "**قلت: إنا نرمی بالمعراض قال كل ما خزق**" اور خزق کی تشریح میں فرماتے ہیں: **أی نفذ خزق السهم أصاب الرمية ونفذ فيها وقال النووی: معناه نفذ الخ.** اور بندوق کی گولی کے بارے میں مذکور ہے: **إن الرصاص تنفذ من جانب إلى جانب ومعلوم أن ذلک إنما يحصل بسبب الجرح الحاصل بحدة الرصاصة الحاصلة من مسامر النار** ۔لہذا اب یہ کہنا کہ "موت اور جرح قطعی طور پر معلوم ہو کہ احراق سے حاصل ہوئیں" ضروری نہیں ہے جبکہ شکار حلال ہونے کے سب شرائط موجود ہیں،

جو احادیث اور شروح وغیرہ میں مرقوم ہیں، نیز بدائع میں تو صرف جرح اور انہار الدم شرط ہے اسکے علاوہ کوئی اور شرط مذکور نہیں، لہذا عبارتِ بدائع کے مطابق چاہے کسی بھی چیز سے جرح حاصل ہو شکار حلال ہوجائیگا۔

اعتراض (۶) کا جواب: اس جگہ جمہور کی مخالفت نہیں بلکہ فقہاء کے وضع کردہ اصولوں کے تحت اور احادیث کے اصولوں کے تحت جدید آلات کی تحقیق کر کے حکم کو واضح کرنا ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء نے جہاں بھی بندقہ کا حکم بیان فرمایا اسی جگہ استثناء بھی فرمایا اسی طرح احادیث میں جہاں کہیں معراض کا حکم آیا اسی جگہ استثناء بھی آیا ہے فقہاء کی عبارت "**حتى قالو: لو كان للبندقة حدة وعلم أنه قتل بحدتها يحل**".
اسی طرح ہدایہ بحر وغیرہ میں بھی موجود ہے اور شرح مجلّہ نے تو صراحۃً بندقہ کے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور آلہ جارحہ میں شمار کیا ہے اور حدیث میں بھی جب معراض کا حکم دریافت کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا: "**كل ما خزق**" ۔جواب میں عموم ہے بلا کسی تخصیص آلہ کے، تاکہ آلاتِ جدیدہ بھی حکم میں شامل ہوسکے۔

اس کے برخلاف فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے تحت کسی مسئلہ پر غور نہ کرنا بھی قابل ملامت ہوگا۔ نیز جدید آلات اور ضروریاتِ زمانہ پر غور وفکر نہ کرنا اور بندوق کی گولی کو بندقہ طین پر قیاس کر کے سبکدوش ہوجانا علماء کے شایانِ شاں نہیں۔

نیز اس میں جمہور کی مخالفت بھی نہیں کیونکہ بندق کے شکار کی حلت پر بہت سارے مفتی حضرات نے حلت

کا فتوی دیا ہے جن کے فتاوی مذکور ہوئے اور خود حضرت مفتی صاحب کا رجحان اس گولی کے بارے میں جونوکدار ہو حلت کا ہے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ے میں بحوالہ امداد المفتیین مذکور ہے۔

اعتراض (۷) کا جواب: تجربہ اور مشاہدہ سے واضح ہو چکا کہ گولی ثقل سے نہیں مارتی، نیز فتوی الخواص میں مذکور ہے: **ولا تأثير لذلك بالثقل كما يقول به بعض...**

(۵) تفسیر عثمانی (۳۲) میں آیت ﴿**إنما حرم عليكم الميتة**﴾ کی تفسیر کے تحت مذکور ہے:

مردار وہ ہے کہ جو خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلافِ طریقہ شرعیہ اسکو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے۔

(۶) آپ کے مسائل اور انکا حل میں اسی تفسیر سے استدلال کرتے ہوئے مردار قرار دیا ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ غلیل اور بندوق کا حکم لاٹھی کا سا ہے تیز دھار والے آلہ کا نہیں اس سے شکار کیا ہوا جانور اگر مر جائے تو حلال نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۴۱۔۲۴۲/۴، وکفایت المفتی: ۸/ ۲۳۷، دار الاشاعت)۔

ان دونوں عبارتوں کا جواب یہ ہے کہ جب ذبح اضطراری کے شرائط پائے جائیں تو پھر کس وجہ سے اس جانور کو مردار قرار دیا جائے؟ جیسا کہ مفتی دمشق فرماتے ہیں:

فالمطلوب الخزق وإنهار الدم بأى شيء كان، وهذه الأوصاف فى الرصاصة على أكمل وجه فلا شبهة أن ما صيد بها ولم يدرك حياً حل أكله بشروطه.

حاصل یہ ہے کہ اکابرؒ نے ان بعض فقہاء کے کلام سے استدلال فرمایا ہے جنھوں نے پرانے زمانے کے بندقہ کو سامنے رکھ کر عدمِ جواز کا حکم تحریر فرمایا تھا۔ یا علامہ شامی اور علامہ ابن نجیمؒ کے کلام سے استدلال فرمایا ہے اس سے متعلق عرض کیا جا چکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

بعض مفتی حضرات نے اپنی تحریرات میں فرمایا ہے کہ علامہ شامیؒ نے بندوق کے شکار کی حلت پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

وذکر بعض المعاصرين أن ابن عابدينؒ ألف رسالة في جواز الاصطياد ببندقة الرصاص (راجع : الذبائح فی الشريعة الاسلامية ، للدكتورعبدالله عبدالرحيم العمادی ،ص:۱۲۳،طبع بيروت) **ولكني لم أجد هذه الرسالة ، وقد رأيت أنه جزم فی رد المحتار بعدم الجواز.** (تكملة فتح الملهم:۳/۴۹۱،ط:دارالعلوم كراتشی).

مولانا خالدسیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ڈاکٹرعبداللہ عبدالرحیم العمادی نے نقل کیا ہے کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کے حلال ہونے پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔(حلال وحرام،ص۱۶۲، بندوق کا شکار)۔

جب کہ علامہ شامیؒ نے فتاوی الشامی میں بحوالہ ابن نجیمؒ صراحۃً بندوق کے شکار کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ پھر حلت پر رسالہ کیسے تصنیف فرمایا؟ اگر کوئی رسالہ ہوتا تو فتاویٰ میں یا رسائل ابن عابدین میں اس کا ذکر موجود ہوتا؟

اس شبہہ کا حل یہ ہے کہ بظاہر جن حضرات نے علامہ شامیؒ کی طرف نسبت دیکھ ابن عابدین مراد لیا ان کو لفظِ علامہ شامی سے اشتباہ ہوگیا، کیونکہ دراصل علامہ شامی مفتی دمشق محمود بن محمد الحمزاوی نے بندوق کے شکار کی حلت پر رسالہ بنام "**فتوی الخواص فی حل ما صید بالرصاص**" تصنیف فرمایا ہے۔ جو پہلے مفصل مذکور ہوا۔ ورنہ ابن عابدین شامی کا کوئی رسالہ اس بارے میں ہمارے علم میں موجود نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بندوق کی ایجاد کونسی صدی میں ہوئی؟

مذکورہ بالا ابحاث کے جاننے کے بعد یہ بھی جاننا چاہئے کہ بندوق کی ایجاد کونسے زمانہ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ **حاشية الدسوقی** میں مذکور ہے۔

الحاصل أن الصيد ببندقة الرصاص لم يوجد فيه نص للمتقدمين لحدوث الرص به بحدوث البارود فی وسط المائدة الثامنة . (حاشية الدسوقی: ۴/۱۰۴).

مؤرخ محمد بیرم بن مصطفیٰ (م۱۳۰۷ھ) تحفۃ الخواص میں فرماتے ہیں:

اعلم أن البارود حدث سنة سبعمائة وسبع وثلاثين وذلك قبل حدوث المدافع

بعشر سنين ولايعرف محدثه كذا فى بعض كتب المتأخرين والحق أنه كان معروفاً فى الصين قبل تاريخ المسيح عليه السلام بأحقاب كثيرة إلا أن استعمالهم له كان للإصلاح لا للتدمير...وإن كان قد ظهر من أدوات سلاحهم ما يتحقق أنهم جعلوه له لكن لم ينقل عنهم استعماله فى حرب قط ثم نقلته عنهم العرب... (نقلاً عن درة الغواص ،ص۱٤ ـ ٤٢).

Encyclopedia (انسائکلو پیڈیا)

Brittanica (برطانکہ)

The invetion of gunpowder in the 14th century and the perfection of the MATCHLOCK - RIFLE in the 15th century dramatically changed the method of hunting.

ترجمہ: چودھوی صدی میں بارود کی ایجاد اور پھر پندرھویں صدی میں میچلوک رائفل کے تمام نے شکار کے طریقہ کو بالکل ہی بدل دیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بعض مفتیانِ کرام کے مزید شبہات اوران کے جوابات:

شبہہ (۱): علامہ شامی کی عبارت: **ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف إذ ليس له حد.** (فتاوى الشامي: ٦/٤٧١،سعيد).

أقول: ۔احراق نہیں ہے یہ تو مسلم ہے۔جیسا کہ قطب الاقطاب حضرت شیخ گنگوہیؒ نے بذاتِ خود تجربہ فرمایا ہے۔(تذکرہ الرشید: ۱/۱۳۹)۔نیز شیخ حمزاوی مفتی دمشق نے بھی تحقیق فرمائی ہے۔

رہا مسئلہ ثقل کا تو سوال یہ ہے کہ کیا گولی ثقل کی وجہ سے سرایت کرتی ہے؟ ثقل تو چیز کو گراتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ گولی کا ثقل بداہت کے خلاف ہے بلکہ یہ تیزی سے اپنا کام کرتی ہے۔گولی کی نوک

اور بارود کی طاقت دونوں ملکر اس میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں۔

قولہ: **إذ ليس له حد فلا يحل۔** حد: طرف کے معنی میں ہے اور طرف کنارہ، انتہا اور نوک سب کو کہتے ہیں۔

علامہ شامیؒ نے دراصل اپنے زمانہ کی بندوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ محدد نہیں ہے اس کی وجہ سے انہار الدم حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت شکار کے لیے خاص گولیاں موجود نہ ہوں، لیکن علامہ شامیؒ اگر موجودہ دور کی بندوق کی گولیوں کا مشاہدہ فرماتے ''جو خاص شکار کے لیے بنائی جاتی ہیں اور محدد ہوتی ہیں اور ان سے جرح وانہار الدم بھی حاصل ہوتا ہے'' تو ہرگز عدمِ جواز تحریر نہ فرماتے، بلکہ خود انھوں نے تصریح فرمادی کہ اگر محدد ہو اور انہار الدم حاصل ہو جائے تو شکار حلال ہے۔

ملاحظہ ہو قاضیخانؒ سے نقل فرماتے ہیں: **قال قاضيخان: لايحل صيد البندقة والحجر والمعراض... لأنه لا يخزق إلا أن يكون شيء من ذلک قد حدده وطوله كالسهم وأمكن أن يرمى به؛ فإن كان كذلک وخزقه بحده حل أكله، وأما الجرح الذي يدق فى الباطن ولايخزق فى الظاهر لايحل لأنه لايحصل به إنهار الدم ...الخ.** (فتاوى الشامي:٦/٤٧١، سعيد).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خزق یعنی نفوذ سے جرح حاصل ہو اور خون بہہ جائے تو شکار حلال ہے، اور جرح ثقل کی طرف منسوب ہو جس میں نفوذ نہ ہو تو وہ دق یعنی کوٹنا ہے اس سے خون نہیں بہتا، لہذا شکار حلال نہیں ہوگا۔

موجودہ دور کی گولیوں کا مشاہدہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جرح دق کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ جرح نفوذ سے متحقق ہوتی ہے اور خون بھی بہہ جاتا ہے۔ لہذا علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق بھی شکار حلال ہوگا۔

مذکورہ بالا تشریح اور شکار کی گولیوں کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کی عبارت سے بندوق کا شکار بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

مندرجہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ جب گولی نوکدار نہ ہو لیکن اگر گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں وہ جانور بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ (تقریر ترمذی:۲/۱۳۳، بندوق سے شکار کیے ہوئے جانور کا حکم)۔

تصاویر سے بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ شکار کی خاص گولیاں نوکدار ہیں۔

تجربہ اور مشاہدہ:

بعض شکار کرنے والوں نے تجربہ کیا اس طور پر کہ ایک کوکا کولا کے ڈبہ (coke can) کو زمین پر رکھ کر اس پر نشانہ لگایا تو گولی پار ہوگئی لیکن ڈبہ نہیں گرا، اگر گولی میں ثقل ہوتا تو ڈبہ گر جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں ثقل نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابوالسعود مصری حنفی نے فتح المعین میں فرمایا ہے کہ اگر جرح خفت سے ہو تو حلال ہے۔ ملاحظہ ہو:

وأما إذا كان القتل بالجرح للخفة بأن كان لها حدة فيحل. (فتح المعين: ٢/ ٤٣١، كتاب الصيد، ط: سعيد).

نیز علامہ شامیؒ کتاب الجنایات میں قصاص واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: وعلى كل فالقتل بالبندقة الرصاص عمد لأنها من جنس الحديد وتجرح فيقتص به. (فتاوى الشامي: ٦/ ٥٢٨، كتاب الجنايات، سعيد).

وفي حاشية الطحطاوى على الرد المختار: قلت فعلى ظاهر الروايه لا شك في وجوب القصاص بالقتل بالبندقة لأنها من جنس الحديد وعلى الأصح يقتص أيضاً لجرحها. (حاشية الطحطاوى: ٤/ ٢٥٢).

وفي شرح منظومة ابن وهبان: والحاصل: إن كل ما تتعلق به الذكاة فى البهائم يتعلق به وجوب القصاص وما لا، فلا، كذا ذكره الناطفيؒ فى الأجناس. (شرح منظومة ابن وهبان: ٢/ ٢٠٠، وهكذا فى الفتاوى البزازية: ٦/ ٣٨١، على هامش الفتاوى الهندية).

(احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آلہ غیر محدد سے قصاص واجب نہیں)۔

یہاں پر مفتیانِ کرام سے ایک سوال ہے کہ اگر گولی چلا کر کسی کو قتل کیا تو آپ قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ قتل بالمثقل ہے؟

اور یہ جو کہا جاتا ہے تیر ہلکا اور گولی ثقیل ہے یہ بھی بداہت اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ تیر یقیناً اثقل ہوتا

ہے۔(آج کل کے تیر پر قیاس نہ کیا جائے، بلکہ آج کل کا تیر بھی گولی سے ثقیل ہوتا ہے)۔

شبہہ (۲): تیر تنہا بھی بلا کمان کے بطور ہتھیار استعمال ہوسکتا ہے۔جب کہ گولی میں یہ صلاحیت نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کٹا ہوا ناخن یا ٹوٹا ہوا دانت یہ بھی اسلحہ نہیں ہیں رگوں کو عرفاً نہیں کاٹ سکتے ہیں لیکن اگر کاٹ لیں تو حلال ہے۔اسی طرح نوکدار گولی اگر خون بہائے اور خوب بہاتی ہے تو حلال ہونا چاہئے ذبح اختیاری اور اضطراری میں تو انہار دم مشترک ہے جب خون بہائے اور حد والی چیز ہو تو کافی ہے ۔تنہا بطورِ ہتھیار استعمال ہونے کی شرط تو کہیں نظر سے نہیں گزری۔

شبہہ (۳): اس میں شبہہ رہتا ہے کہ شاید ثقل کی وجہ سے مرا ہو؟

أقول : اگر ثقل سے قتل کا شبہ مفقود ہو اور اچھی طرح خون بھی بہہ جائے جو ذبح اضطراری میں رکن ہے۔تو پھر کیوں حلال نہیں؟

نیز اس خلجان کا جواب شارح تحفۃ الملوک شیخ محمد بن عبداللطیف ابن ملک نے شرح تحفۃ الملوک میں یہ دیا ہے کہ اگر گارے کی گولی سے شکار کو مارا جائے تو شکار حرام ہے اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں ،اورٹن یا تانبے وغیرہ کی گولی یا چھرے سے بسم اللہ پڑھ کر مارا جائے اور اس میں خون بہانے کی صلاحیت ہو تو بلا شبہہ کیا ہوا شکار حلال ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

ولا يحل الصيد بالبندقة وهي: طينة مدورة يرمى بها؛ لأنها لا تجرح بل يدق و يكسر...قال: فی الکنز وما قتله المعراض بعرضه أوالبندقة حرم .

وقال فی الینابیع: وإن رماه بمعراض فجرحه أكل كيف ما أصابه، وكذلک البندقة والحجر، والعودة ، فيحمل كلام صاحب الكنز على البندقة من الطين ، وكلام الينابيع على البندقة من الرصاص. انتهی. وقال الشيخ عبد المجيد الدرويش فی تعليقات شرح التحفة: قوله البندقة من الرصاص ، وهومحدد يجرح . (شرح تحفة الملوك مع التعليقات :۱۷۱۸/۲).

پھر حلال چیز کو حرام کہنا بھی زیادتی ہے۔

﴿قل من حرم زينة الله التى أخرج لعباده والطيبات من الرزق﴾ طیب اور حلال رزق کو حرام کہنا بھی کہاں درست ہے؟ حلال وحرام جمع ہوں تو حرام کو ترجیح ہے۔اسکی مثال تو یہ ہے کہ مجوسی اور مسلمان کا کتا شکار میں شریک ہوں تو وہاں قوی شبہ ہے اور حرمت غالب ہے اور یہاں یہ صورت نہیں، فتأمل۔

شبہہ (۴): جمہور علماء احناف عدمِ حل کی طرف ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مفتی شام جو حنفی تھے انہوں نے حلت پر رسالہ لکھا ہے جو " **فتوى الخواص فى حل ما صيد بالرصاص**" کے نام سے معروف ہے اور **منية الصيادين** میں از ص۱۹۲ تا ۱۹۸، مذکور ہے اسی طرح **الفقه الحنفى وادلته** کے مصنف بھی جواز کے قائل ہے۔علامہ شیخ محمد عابد الانصاری السندیؒ نے بھی شکار کی حلت پر رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس کے علاوہ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی عبارات مذکور ہوئیں اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جمہور حلت کے قائل ہیں۔

باقی موجودہ دور کے مفتیانِ کرام نے جو عدمِ جواز تحریر فرمایا ہے تو ان کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دو گروہ ہیں:

(۱) بعض حضرات نے علامہ شامی کی عبارت کو اساس بنایا ہے اور اسکا جواب اور اس پر کچھ مختصر کلام گزر گیا۔

(۲) اور دوسرے بعض حضرات نے موجودہ دور کی بندوق کو فقہاء کے زمانہ کے بندقہ پر قیاس فرمایا ہے اور دونوں میں کیا فرق ہے وہ پہلے مفصل لکھا جا چکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موجودہ زمانے کی بندوق میں استعمال ہونے والی گولیاں نوکدار ہیں، جرح اور انہارِ دم اچھی طرح حاصل ہوتا ہے۔

ملحقہ تصاویر میں اس کا مشاہدہ کیجئے:
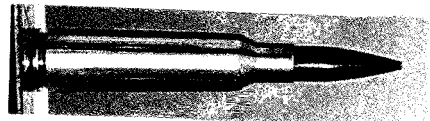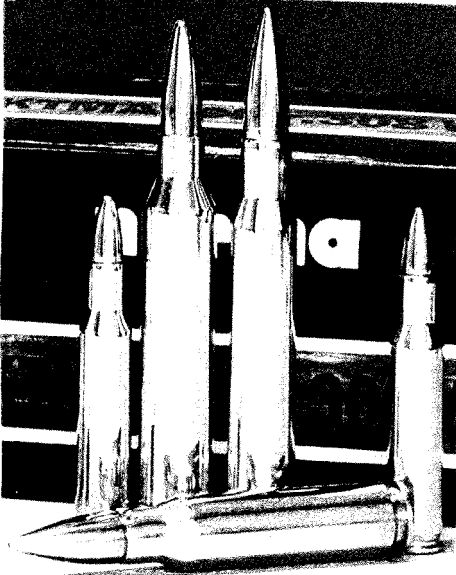
شکار کے مسئلہ پر مقالہ تحریر کرنے کے اسباب

دراصل اس مسئلہ پر زیادہ تحقیق کرنے کے تین اسباب ہیں:

(۱) جنوبی افریقہ میں ملک کے اکثر دارالافتاء کے مفتیانِ کرام نے ایک اکیڈمی ''جمعیۃ المفتین'' کے نام سے منعقد کی ہے جس میں حالاتِ حاضرہ اور جدید مسائل پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے، اسی مناسبت سے بتاریخ ۷/مئی ۲۰۰۳ء مطابق: ٦/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ بروزِ سنیچر بمقامِ آزاول شکار کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ ہوا اور مفتیانِ کرام نے اپنی اپنی تحقیق ومقالات پیش فرمائے، اسی مجلس کے لیے یہ اس مقالہ کا ایک حصہ تیار کیا گیا اور شرکاء سیمینار کی خدمت میں پیش بھی کیا گیا۔ بعد میں مزید اضافے کیے گئے پھر بعد میں علامہ محمد عابد انصاری سندھی کا رسالہ بھی بندہ عاجز کو اسلام آباد کے ایک کتب خانہ سے مل گیا، شیخ محمد عابد سندھی حضرت مولانا عبدالغنی مجددی کے شیخ ہیں، مولانا عبدالغنی مجددی سنن ابن ماجہ کے حاشیہ ''انجاح الحاجۃ'' میں توسل کے مسئلہ میں فرماتے ہیں: **ذكر شيخنا عابد السندي في رسالته**، (ص۹۸).

پھر ص۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں: **وقد كتب شيخنا المذكور رسالة مستقلة فيها التفصيل.** (ص۹۹) اور حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت گنگوہی دونوں کے شیخ ہیں۔

(۲) دوسری اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں شکار کا زیادہ دستور ہے عام طور پر لوگ ایامِ تعطیلات میں شکار کے لیے جاتے ہیں اور شکار کرتے ہیں، اور جانور کافی مہنگے ہوتے ہیں مثلاً چار، پانچ ہزار کا ایک جانور ہوتا ہے، پھر گولی لگنے کے بعد شکار تک پہنچنا کبھی مشکل ہوتا ہے زیادہ مسافت کی وجہ سے، اس لیے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گولی لگنے کے بعد جانور شکاری کے پہنچنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے، جس کی وجہ سے کافی نقصان ہوتا ہے، بنابریں شکار کرنے والوں نے خصوصی توجہ دلائی کہ اس مسئلہ پر غور وفکر کرکے شریعت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کی جائے۔

(۳) چونکہ ہر زمانہ میں آلات بدلتے رہتے ہیں چنانچہ فقہاء کے زمانہ میں بندوق کی نوعیت مختلف تھی جس کی وجہ سے اکثر فقہاء محدثین نے مٹی کے غلہ کو بندوق کہا ہے، اور ہمارے زمانہ میں بندوق کی نوعیت بالکل ہی جداگانہ اور مختلف ہے، لہذا ضرورت اس بات کی تھی کہ دونوں کے درمیان فرق واضح کیا جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بدلتے ہوئے آلات سے احکام بھی بدلتے ہیں، جو حکم مٹی کے غلہ کا ہے وہ حکم نوکدار گولی کا یقیناً نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

A deer shot behind the shoulder with a Vulkan bullet in .308 Win. The animal is skinned and lungs removed to check the effect of the shot.
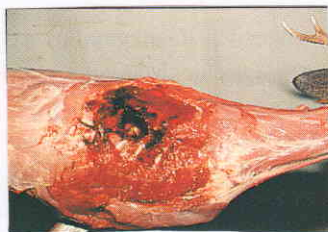
A roe deer has been shot with a heavy but high velocity calibre. The animal is skinned and the effect of the impact is analysed.
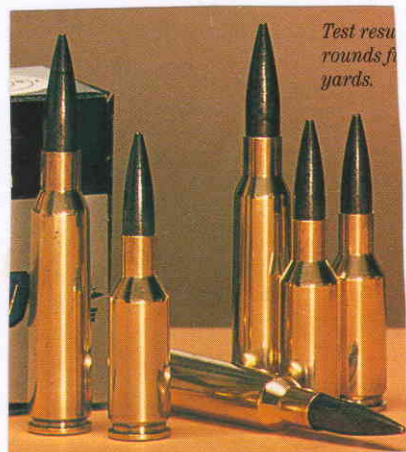
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿ویحل لهم الطیبٰت ویحرم علیهم الخبٰئث﴾ (الاعراف:۱۵۷).

عن أبي ثعلبةؓ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن أكل كل ذی ناب من السباع.

(رواه البخاری).

وعن ابن عباسؓ قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن كل ذی ناب من السباع وعن كل ذی مخلب من الطیر.

(رواه مسلم).

باب ...... ﴿۲﴾

ما یؤكل لحمه من الحیوانات وما لا یؤكل

وعن أبی قتادةؓ، فی قصة الحمار الوحشی، فاكل منه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. (متفق علیه).

وعن ابن أبی أوفی قال: غزونا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم سبع غزوات ناكل الجراد. (متفق علیه).

وعن أنسؓ، فی قصة الأرنب، قال: فذبحها فبعث بوركها إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقبله. (متفق علیه).

باب ......﴿۲﴾

ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے احکام

ہاتھی کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: ہاتھی کا گوشت کھانا کیوں ناجائز ہے جب کہ وہ گھاس کھاتا ہے؟ کیا ہاتھی کا شمار ذو ناب میں ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے ہاتھی کو ذو ناب جانوروں میں شمار کیا ہے اس لیے اس کا کھانا ناجائز ہے، ذو ناب کا مطلب چیرنے اور پھاڑنے والے دانت چاہے وہ رباعی ہوں یا اضراس ہوں اور ہاتھی ان باہر والے دانتوں کو چیر پھاڑ کے لیے استعمال کرتا ہے اس لیے اس کا کھانا ناجائز ہے، اور یہ سینگ نہیں ہیں کیونکہ سینگ سر پر ہوتے ہیں اور یہ دانتوں کی جگہ پر سامنے ہوتے ہیں، گویا کہ یہ دانتوں کا ایک حصہ ہے جس کو صرف چیر پھاڑ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور گھاس کھانا حلال ہونے کی دلیل نہیں ہے گدھا اور خچر بھی گھاس کھاتے ہیں پھر بھی حرام ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن کل ذی ناب من السباع وعن کل ذي مخلب من الطیر. (مسلم شریف :۲/۱٤۷).

البحر الرائق میں ہے:

ولا يؤكل ذوناب ولا مخلب من سبع وطير يعني لايحل أكل ذو ناب من سباع البهائم وذى مخلب من سباع الطير لما روى ابن عباس رضي الله عنه...ويدخل فيه الفيل أيضاً لأنه ذو ناب . (البحرالرائق:۸/۱۷۱،کوئٹه). (وكذا فى بذل المجهود :۱۱/۵۲۵، دارالبشائرالاسلامية).

وقال فى الهداية : والفيل ذوناب . (الهداية:٤/٤٤٠).

وقال فى المحيط البرهاني : والمراد من الناب والمخلب الناب الذى هو سلاح والمخلب الذى هو سلاح ... وكرهوا أيضاً الفيل والدب والقرد والضب . (المحيط البرهانى:٦/٤٣١،مكتبه رشيديه).

وقال فى منية الصيادين : ولا يؤكل كل ذى ناب من السباع وكل ذى مخلب من الطير والمراد من الناب والمخلب : الناب الذى هو سلاح وكرهوا لحم الفيل . (منية الصيادين ،ص۲۰۵).

وفيه أيضاً: وكل ذى ناب من السباع وذى مخلب من الطير حرام كالأسد والفهد ...والفيل والقرد . (منية الصيادين،ص۲۰٦).

وفى الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: مالايحل اكله ...فيل .(الفقه الحنفى :٥/٢٥٩).

اعلاء السنن میں ہے:

الفيل محرم ، قال أحمد : ليس هو من أطعمة المسلمين ، وقال الحسن : هو مسخ ، وكرهه أبوحنيفةؒ ، والشافعي، ورخص فى أكله الشعبى، ولنا نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن أكل كل ذى ناب من السباع، وهو من أعظمها ناباً ، ولأنه مستخبث ، فيدخل فى عموم الآية المحرمة .

أغرب ابن حزمؒ حيث قال: و أما الفيل فليس سبعاً ، ولا جاء في تحريمه نص فهو حلال ، قلنا :كونه من السبع أظهر من أن يخفى على عاقل ، ولعله رأى الفيلة المستأنسة ،

ولـم يـر المتوحشة فى الجبال والصحارى ، ولوكان الاستئناس دليل انعدام السبعية لم يكن الدب ، والفهد أيضاً من السباع ، فان كلها تستأنس ، وتنقاد للانسان ، واى نص اصرح فى تحريمه من قوله صلى الله عليه وسلم : ”كل ذى ناب من السباع فاكله حرام“والفيل من اعظمها ناباً ، كمالايخفى .

والعجب ممن يقول: بأن الكلب ذو ناب من السباع ، وكذلك الهر والثعلب ، فكل ذلك حرام ، ويخفى عليه ناب الفيل ، فإن كان كذلك ، فقد خفى عليه مالم يخف على أحد غيره . (اعلاء السنن : ١٧/ ١٥٤).

فتح القدیر میں ہے:

والفيل كالخنزير نجس العين عند محمدؒ فيكون حكمه حكمه وعند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ هوكسائر السباع نجس السور واللحم لا العين فيجوز بيع عظمه والانتفاع به فى الحمل والمقاتلة والركوب فكان كالكلب يجوز الانتفاع به.(فتح القدير:٦/٤٢٧، دارالفكر).

مجمع الانہر میں ہے:

ويحرم أكل ذى أى صاحب ناب ...والفيل لأنه ذوناب . (مجمع الانهر٢/٥١٣).

لسان الحكام میں ہے:

[نوع فيما يؤكل وفيما لايؤكل] وفي شرح الطحاوي: لا يؤكل ذو ناب من السباع. بيانه الأسد والذئب والنمر والفهد والثعلب والضبع والكلب والسنور الأهلى والبرى والفيل . (لسان الحكام ،ص ٣٨٠،الفصل الثانى والعشرون،دارالفكر).

بدائع الصنائع میں ہے:

وعن الزهرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:” كل ذى ناب من السباع حرام“ ، فذو الناب من سباع الوحش مثل الأسد والذئب والضبع والنمر والفهد...والفيل ونحوها فلا خلاف في هذه الجملة أنها محرمة إلا الضبع فإنه حلال عند الإمام الشافعى .

(بدائع الصنائع:۵/۳۹،سعید).

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفیل ذو ناب فیکره فإن قلت: إن لم یکن من السباع فلا یکره قلت: الناس لایعدونه من السباع ولکن فیه معنی السبعیة وإلحاقه بالسباع یکون بنوع من الاجتهاد فهذا استعمل لفظ الکراهة کذا قال تاج الشریعة قلت: المراد من الکراهة التحریم فأکله حرام وبه قال: أکثر أهل العلم إلا الشعبی فإنه أرخص في أکله لعموم قوله سبحانه وتعالیٰ: ﴿قل لا أجد فیما أوحی إلي محرماً﴾، الآیة: وبه قال أصحاب الظاهر وللعامة أنه ذو ناب فیدخل في عموم الحدیث لأنه مستخبث فیدخل فی الخبائث . (البنایة شرح الهدایة: ۱۰/۶۹۸،رشیدیه).

ہاتھی کے دانت کے بارے میں ملاحظہ ہوانسائیکلو پیڈیا وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے:

انگریزی عبارات کا خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

عام طور پر انیاب وہ دانت ہوتے ہیں جسے جانور چیر پھاڑتا ہے مگر ہاتھی ایک ایسا جانور ہے کہ اس کے دانت لمبے تو ہیں مگر جدید معلومات کے مطابق یہ انیاب نہیں رباعی ہیں۔

ہاتھی کے بڑے دانت جو کہ اس کے کاسۂ سر میں سے ہیں یہ اصلاً بڑے انیاب کی بجائے بڑے رباعی ہیں۔

ہاتھی اپنے ان دونوں دانتوں کو زمین کھودنے کے لیے استعمال کرتا ہے تاکہ اس سے کھانا نکلے اور جب وہ آپس میں لڑتے ہیں تب ان دانتوں کو اپنے دفاع کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسی سے وہ ایک ٹن بوجھ اٹھانے پر قادر ہوتے ہیں۔ (ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھی کے دانت چاہے وہ رباعی ہوں یا اضراس ہوں ہاتھی ان کو چیر پھاڑنے کے لیے استعمال کرتا ہے، اس لیے وہ ذوناب میں شامل ہوا اور اس کا کھانا ممنوع ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زرافہ کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: زرافہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس کے دانت ہوتے ہیں لیکن ان دانتوں سے

کسی جانور پر حملہ آور نہیں ہوتا، اونٹ کی طرح ہوتا ہے؟

الجواب: زرافہ کی خوراک اکثر درختوں کے پتے اور نرم ٹہنیاں ہیں، اور یہ شکاری جانوروں میں سے نہیں ہے، اور شافعی علماء میں سے امام سبکیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ ذوناب میں سے نہیں ہے، بنابریں حرمت کی کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی، اس کا گوشت کھانا درست ہے۔

ملاحظہ ہوالاشباہ والنظائر میں ہے:

منها: مسألة الزرافة ؛ فمذهب الشافعیؒ القائل بالإباحة والحل فی الکل وأما مسألة الزرافة فالمختارعندهم حل أکلها وقال السیوطی ولم یذکرها أحد من المالکیة والحنفیة وقواعدهم تقتضي حلها والله تعالیٰ أعلم. (الاشباه والنظائر:۱/۶۶،تحت القاعدة الثالثة: الیقین لایزول بالشك).

امام سیوطی الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

ومنها: مسألة الزرافة ؛ قال السبکی: المختار حل أکلها: لأن الأصل الإباحة ، ولیس لها ناب کاسر، فلا تشملها أدلة التحریم وأکثر الأصحاب لم یتعرضوا لها أصلاً لا بحل ولا بحرمة ، وصرح بحلها في فتاوی القاضی الحسین والغزالی ، وتتمة القول وفروع القطان وهو المنقول عن نص الإمام أحمد...ولم یذکرها أحد من المالکیة والحنفیة وقواعدهم تقتضي حلها. (الاشباه والنظائرللامام السیوطی:۱/۱۳۳،ط:بیروت).

درمختار میں ہے:

(ولا یحل ذو ناب یصید بنابه) فخرج نحوالبعیر (أو مخلب یصید بمخلبه) أی ظفره ، فخرج نحو الحمامة (من سبع) بیان لذی ناب . (الدرالمختار:۶/۳۰۴،کتاب الذبائح ، سعید).

وقال فی ”الفقه علی المذاهب الأربعة: ویحرم أکل کل ذی ناب من سباع البهائم یسطو به علی غیره...فخرج ما له ناب لایسطو علی غیره کالجمل فإنه حلال . (الفقه علی

المذاهب الاربعة:۲/۵،کتاب الحظر والاباحة ، مبحث مایمنع اکله ومایباح اومایحل ومالایحل ، مکتبة الثقافة الدینیة).

مزید ملاحظہ ہو: (حلال وحرام چوپائے اوران کے طبی فوائد،ص:۹۰)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

زیبرے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: حمارالزرد(زیبرا)کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زیبرا حمارالزرد وحمارالوحش جنگلی گدھوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے،اورجس طرح جنگلی گدھے کا گوشت کھانا جائز ہے اسی طرح زیبرے اور گورخر کا گوشت کھانا جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

وعن أبي قتادة رضي الله عنه أنه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كان ببعض طريق مكة تخلف مع أصحاب له محرمين وهوغير محرم فرأى حماراً وحشياً... سألوه عن ذلك قال: إنما هي طعمة أطعمكموها الله . (رواه البخاری،رقم:۲۹۱۴، باب ماقیل فی الرماح ،ومسلم ،رقم:۱۱۹۶).

ملاحظہ ہوالمعجم الوسیط میں ہے:

وحمار الزرد أو الوحش : جنس حيوان من ذوات الحوافر وفصيلة الخيل معروف بألوانه المخطط. (المعجم الوسیط،ص۱۹۶،کتب خانه حسینیه دیوبند).

المنجد میں ہے:

الحمار؛ گدھا، یہ اہلی (پالتو) بھی ہوتا ہے اور وحشی جنگلی بھی،اسی لیے جنگلی کوحماروحش اورحمارالوحش اورالحمارالوحشی کہتے ہیں ، ...حمارالزرد۔جنگلی سفید رنگ سفید دھاریوں والا گدھا۔ (المنجد،ص۲۳۷،دارالاشاعت ، کراچی)۔

المورد (قاموس انکلیزی، عربی) میں ہے:

العتابی ؛ حمار الزرد ؛ حمار وحشی ۔ (ZEBRA)۔(المورد،ص:۱۳۸۰)۔

عالمگیری میں ہے:

وما له دم سائل نوعان : مستأنس و متوحش ، أما المستأنس من البهائم فنحو الإبل والبقر والغنم يحل بالإجماع ، وأما المتوحش نحو الظباء وبقر الوحش وحمر الوحش وإبل الوحش فحلال بإجماع المسلمين . (الفتاوى الهندية:٥/٢٨٩،باب بيان مايؤكل من الحيوان وما لايؤكل).

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ ،ص١٤٩،اصناف الحيوان ومايحل اكله ومايحرم).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع : كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات : وذلك كالظباء ، و بقر الحش ، و حمر الوحش، وإبل الوحش، وهذا النوع حلال بإجماع المسلمين ، لأنه من الطيبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية:٥/١٣٤،ط:وزارة الاوقاف). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کنگرو کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: سائنس دانوں کے بقول کنگرو ہرن کی طرح ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا شریعت میں بھی ہرن کی طرح ہوگا اوراس کا گوشت کھانا ہرن کے گوشت کی طرح جائز ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہرن کے گوشت کی طرح کنگرو کا گوشت کھانا بھی جائز اور درست ہے۔ بعض ماہرین سے تحقیق کرائی گئی تو معلوم ہوا کہ کنگرو بالکل گوشت نہیں کھاتا بلکہ ہرن وغیرہ کی طرح صرف گھاس چارہ کھاتا ہے اور ذوناب بھی نہیں ہے کہ اپنے دانتوں اور داڑھوں سے شکار کرتا ہو اس لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وأما المتوحش نحو الظباء و بقر الوحش وحمر الوحش وإبل الوحش فحلال

بإجماع المسلمین . (الفتاوی الهندیة:۵/۲۸۹).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع : کل وحش لیس له ناب یفترس به ولیس من الحشرات : وذلک کالظباء، و بقر الحش ، و حمر الوحش، وإبل الوحش، وهذا النوع حلال بإجماع المسلمین ، لأنه من الطیبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية:۵/۱۳٤،ط:وزارة الاوقاف).

☆ کنگرو (kangaroo) آسٹریلیا کا ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی ہوتی ہیں، اس کے پیٹ میں ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بچے کو بٹھالیتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۳۶، وقاموس انگریزی، عربی، ص۶۲۸)۔

انسائیکلوپیڈیا میں یہ بھی مذکور ہے:

اس کی غذا میں عام طور پر درختوں کے پتے، گھاس اور نباتات وغیرہ ہوتے ہیں، اور اس کے دانتوں میں انیاب بھی نہیں ہوتے۔ (انکاٹا انسائیکلوپیڈیا)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کوے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا کوا حلال ہے یا حرام؟ اور کوے کی کتنی قسمیں ہیں؟ احادیث سے کوّے کی حرمت مترشح ہوتی ہے ان کی کیا تاویل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کوے کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) کھیتی کا کوا، جو اناج غلہ وغیرہ کھاتا ہے اور گندگی بالکل نہیں کھاتا یہ بالاتفاق حلال ہے۔

(۲) الابقع، جو ہمیشہ گندگی کھاتا ہے۔ اس کا گوشت کھانا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۳) عقعق، قاق، جو اناج غلہ اور گندگی دونوں کھاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔

اللباب فی شرح الکتاب میں ہے:

(ولا بأس بغراب الزرع) ، وهو المعروف بـ : الزاغ؛ لأنه يأكل الحب ، وليس من سباع الطير. وكذا الذى يخلط بين أكل الحب ، والجيف ، كالعقعق ، وهو المعروف بـ : القاق ، على الأصح كما فى "العناية" وغيرها .

وفى الهداية : لا بأس بأكل العقعق ؛ لأنه يخلط ، فأشبه الدجاجة ، وعن أبي يوسفؒ : أنه يكره ؛ لأن غالب أكله الجيف . (ولايؤكل) الغراب (الأبقع الذى يأكل الجيف) ... قال القهستانى : أى لا يأكل إلا الجيفة ، وجثة الميت .

وفيه إشعار بأنه لو أكل من الثلاثة : الجيفة ، والجثة ، والحب جميعاً : حل ، ولم يكره . و قالا: يكره ، والأول أصح .

وفى " العناية " والغراب ثلاثة أنواع :

☆ نوع يلتقط الحب ، ولا يأكل الجيف ، وليس بمكروه .

☆ ونوع لا يأكل إلا الجيف ، وهو الذى سماه المصنف : الأبقع ، وإنه مكروه .

☆ ونوع يخلط : يأكل الحب مرة ، والجيف أخرى ، ولم يذكره فى " الكتاب "، وهو غير مكروه عند أبي حنيفةؒ ، مكروه عند أبي يوسفؒ . (اللباب فى شرح الكتاب:٤/٥٧٤،باب مايحل اكله ، ومالايحل،ط: دارالبشائرالاسلامية).

مبسوط میں ہے:

وعن هشام بن عروة عن أبيه أنه سئل عن أكل الغراب فقال: ومن يأكله بعد ما سماه رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فاسقاً يريد به الحديث المعروف خمس فواسق يقتلهم المحرم فى الحل والحرم وذكر الغراب من جملتها والمراد به ما يأكل الجيف وأما الغراب الزرعى الذى يلتقط الحب فهو طيب مباح لأنه غير مستخبث طبعاً وقد يألف الآدمى كالحمام فهو والعقعق سواء ولا بأس بأكل العقعق فإن كان الغراب بحيث يخلط فيأكل

الجيف تارة والحب تارة فقد روى عن أبي يوسف أنه يكره ...وعن أبي حنيفةؒ أنه لا بأس بأكله وهو الصحيح على قياس الدجاجة فإنه لا بأس بأكلها وقد أكلها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و هي قد تخلط أيضاً . (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۲۲۶/۱۱، کتاب الصید).

وللاستزادة انظر: (الاختيارلتعليل المختار:۱۶/۵، كتاب الذبائح، والفقه الحنفى فى ثوبه الجديد:۲۵۶/۵-۲۵۸، مايحل اكله ومايحرم، و۳۰۸/۶، سعيد، وشرح تحفة الملوك:۱۷۳۷/۲، لابن ملك).

جن احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے ان میں سے چند ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: خمس من الدواب ليس على المحرم في قتلهن جناح الغراب والحدأة ...الخ. (متفق عليه).

وعن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :" خمس من الدواب كلها فاسق يقتلن فى الحرم الغراب والحدأة...الخ. (متفق عليه).

لیکن فقہاء اور محدثین نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ مذکور فی الحدیث غراب سے مراد وہ ہے جو گندگی کھاتا ہو جیسا کہ بحوالہ مبسوط مذکور ہوا مزید ملاحظہ ہو:

مرقات میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

وخرج الزاغ وهو أسود...و يسمى غراب الزرع لأنه يأكله. (مرقاة المفاتيح:۳۸۸/۵).

عمدۃ القاری میں ہے:

الوجه الثاني: في حكم الغراب: فقال صاحب الهداية : المراد بالغراب آكل الجيف وهو الأبقع ، روى ذلک عن أبي يوسفؒ ، واحتج في ذلک بما رواه مسلم من حديث سعيد بن المسيب عن عائشةؓ عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: " خمس فواسق يقتلن فى الحل والحرم : الحية والغراب الأبقع ...". وقال القرطبیؒ : هذا تقييد لمطلق الروايات التي ليس فيها الأبقع ، وبذلک قالت طائفة ،فلا يجيزون إلا قتل الأبقع خاصة ...قلت: الروايات المطلقة محمولة على هذه الرواية المقيدة التى رواها مسلم ، وذلک لأن

الغراب إنما أبيح قتله لكونه يبتدئ بالأذى ، ولا يبتدئ بالأذى إلا الغراب الأبقع ، وأما الغراب الغير الأبقع فلا يبتدئ بالأذى ، فلا يباح قتله: كالعقعق وغراب الزرع ، ويقال له الزاغ ، وأفتوا بجواز أكله . (عمدالقاری:۷/ ۵۰۱،باب مایقتل المحرم من الدواب،دارالحدیث ،ملتان).

وفيه أيضاً : الغراب الأبقع هو الذى في صدره بياض . و فى المحكم : غراب أبقع يخالط سواده بياض ، وهو أخبثهما وبه يضرب المثل لكل خبيث ، وقال أبوعمر: هو الذى في بطنه وظهره بياض . (عمدة القاری،ص۴۹۹).

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أبويوسف الغراب المذكور فى الحديث هوالغراب الذى يأكل الجيف أو يخلط مع الجيف إذ هذا النوع هو الذى يبتدئ بالأذى والعقعق ليس في معناه لأنه لا يأكل الجيف ولا يبتدئ بالأذى . (بدائع الصنائع:۲/ ۱۹۷،سعید).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(فتاویٰ محمودیہ:۱۸/ ۲۲۰و۲۲۵و۲۲۷،جامعہ فاروقیہ،وکفایت المفتی:۹/ ۱۴۱، دار الاشاعت، وتذکرۃ الرشید،ص۱۷۸، وامدادالاحکام:۴/ ۳۰۹،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/ ،وفقہی مقالات:۲/ ۳۲۰،واحسن الفتاویٰ:۷/ ۴۴۱)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جدید تحقیق کے اعتبار سے کوے کی اقسام:

جدید تحقیق کے مطابق کوے کی کل چھ قسمیں ہیں:

(۱) nutcracker ، یہ شمالی امریکہ،ایشیا اور یورپ میں پایا جاتا ہے،اس کی اصل غذا غلہ ہے، نیز چھوٹے چھوٹے جانور بھی کھاتا ہے۔

(۲)magpie ، یہ کیڑے مکوڑے، پرندوں کے انڈے، پتے، پھل وغیرہ مخلوط غذا کھاتا ہے۔

(۳)scrub jay ، یہ صرف پودے اور پتے کھاتا ہے۔

(۴)jackdaw ، یہ یورپ اور مشرقی ایشیا میں پایا جاتا ہے اور مخلوط غذا کھاتا ہے۔

(۵) raven ، یہ کینیڈا اور شمالی افریقہ میں پایا جاتا ہے، اس کی غذا درخت کے پتے، پھل اور چھوٹے پرندے وغیرہ ہیں۔

(۶) rook ، یہ یورپ میں دستیاب ہوتا ہے۔(مستفاد از انکاٹا)۔

مذکورہ بالا اقسام میں سے جن کی غذا پتے، پودے، پھل وغیرہ ہیں تو ان کا کھانا حلال ہوگا، اور جو مخلوط غذا کھاتے ہیں ان کا کھانا مکروہ ہوگا، دجاجۂ مخلاۃ کی طرح، ان میں سے ایک قسم jay میں شامل ہے وہ صرف مردار کھاتا ہے اور شکاری جانوروں کے ساتھ رہ کر شکار کا گوشت کھاتا ہے لہذا اس کا کھانا بالکل حرام ہے۔

فائدہ: فقہاء جس کو عقعق کہتے ہیں وہ magpie ہے۔

الغداف : raven ، **و هو المعروف عند أهل اللغة بالأبقع** ،جس کے پیٹ یا سینہ اور پشت پر سفیدی ہوتی ہے۔

jay : **طائر كالغراب أبو زريق ۔**

rook : **الغداف، غراب القيظ،** rookery **موضع تتولد فيه الغدفان أو جماعة من الغدفان۔**

jackdaw : **الزاغ الزرعي . غراب الزيتون.**

راجع : (رد المحتار: ۲/ ۵۷۰،سعيد،واعلاء السنن: ۱۷/ ۱۷۴،وقاضيخان على هامش الهندية:۳/ ۳۵۷).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گدھے کا گوشت حرام ہونے کی حکمت:

سوال: گدھا گھاس کھاتا ہے پھر اس کی حرمت کی کیا حکمت ہے؟ حدیث شریف سے اس کی حرمت واضح ہے، لیکن گھاس کھانے کی وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام کا دستور ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ فاضلہ کی تعلیم دیتا ہے اور ہر قسم کی بداخلاقی بدتمیزی اور صفاتِ خسیسہ ودنیہ سے روکتا ہے، یہ بات مسلم ہے کہ ان صفات کا صدور اندرونی غذا کے اثرات سے ہوتا ہے، بنابریں شریعتِ مطہرہ نے اچھے جانوروں کے گوشت کو حلال کیا اور بری اور قبیح

صفات والے جانوروں کوحرام قرار دیا،اور گدھے کا شمار بری عادات والے جانوروں میں ہوتا ہے،اس لیے اس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تا کہ اس کی قبیح عادات انسانی جوہر کو فاسد نہ کردے۔

گدھے کی چند قبیح عادات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) حمار میں حماقت معروف ومشہور ہے۔حتی کہ بے وقوفی میں ضرب المثل ہے۔

(۲) حمار گھاس کھاتا ہے لیکن اگر گندگی مل جاتی ہے تو وہ بھی کھاتا ہے۔

(۳) اس کا گوشت انسانی طبیعت کے موافق نہیں اس کے کھانے سے انسان میں حمار جیسی خصلتیں پیدا ہوں گی،اس لیے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اعلم أنه لما كانت سعادة الإنسان فى الأخلاق الأربعة التي ذكرناها وشقاوته فى أضدادها أوجب حفظ الصحة النفسانية وطرد المرض النفساني أن يفحص عن أسباب تغير مزاجه إلى إحدى الوجهتين .

فمنها : أفعال تتلبس بها النفس وتدخل في جذر جوهرها ، وقد بحثنا عن جملة صالحة من هذا الباب .

ومنها: أمور تولد فى النفس هيئات دنية توجب مشابهة الشياطين والتعبد من الملائكة وتحقق أضداد الأخلاق الصالحة من حيث يشعرون ومن حيث لايشعرون ، فتلقت النفوس اللاحقة بالملأ الأعلى التاركة للالوات البهيمية من حظيرة القدس بشاعة تلك الأموركما تلقى الطبيعة كراهية المر و البشع، و أوجب لطف الله ورحمته بالناس أن يكلفهم برؤوس تلك الأمور، والذي هو منضبط منها وأثرها جلي غير خاف فيهم .

ولما كان أقوى أسباب تغير البدن والأخلاق المأكول وجب أن يكون رؤوسها من هذا الباب ، فمن أشد ذلك أثراً تناول الحيوان الذي مسخ قوم بصورته ...

ومنها : الحمار فإنه يضرب به المثل فى الحمق والهوان وكان كثير من أهل الطبائع

السليمة من العرب يحرمونه و يشبه الشياطين، وهوقوله صلى الله عليه وسلم: " إذا سمعتم نهيق الحمار فتعوذوا بالله من الشيطان فإنه رأى شيطاناً ".

وأيضاً قد اتفق الأطباء أن هذه الحيوانات كلها مخالفة لمزاج نوع الإنسان لا يسوغ تناولها طباً. (حجة الله البالغة:۲/۳۱۶-۳۱۸،ط:قديمی).

مزید کے لیے ملاحظہ ہو: (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں،ص۲۱۳،ط: مکتبہ عمر فاروق)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گھوڑے کے گوشت کا شرعی حکم:

سوال: گھوڑے کا گوشت کھانا مذہبِ احناف میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ قرآن حدیث کی روشنی میں حکم تحریر فرمایئے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: گھوڑے کے گوشت کے بارے میں مذہبِ احناف میں اختلاف ہے،صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کراہت سے مراد تحریمی ہے یا تنزیہی،سومتون میں کراہتِ تحریمی کو اختیار کیا گیا ہے اور علامہ شامیؒ اور دیگر حضرات نے کراہتِ تنزیہی کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو" التصحيح والترجيح " میں مرقوم ہے:

(ويكره أكل لحم الفرس عند أبي حنيفةؒ)، قال القاضي الإمام الاسبيجابيؒ: الصحيح أنه كراهة التنزيه . وقال في الهداية ، وشرح الزاهدی : ثم قيل : الكراهة عنده كراهة تحريم ، وقيل : كراهة تنزيه ، والأول أصح .

وقالا: لا بأس بأكله . ورجحوا دليل الإمام ، واختار قوله المحبوبی والنسفی والموصلی ، و صدر الشريعة . (التصحيح والترجيح،ص۴۱۶،بيروت، لبنان،وكذافي اللباب فی شرح الكتاب:۴/۵۷۷،دارالبشائرالاسلامية).

وفي هامش التصحيح : قال المصنف [أى العلامة قاسم بن قطلوبغا] في رسالته فى "حكم الإسلام في لحوم الخيل" (٧٦،٧٧) : **قال سيف الحق: والرواية الظاهرة عن أبي حنيفةؒ أنه يكره أكلها ـ أى الخيل ـ ولا يطلق التحريم ، لاختلاف الأحاديث المروية ، واختلاف السلف ، والاحتياط ، قلت: وبهذا أقول، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم.** (حاشية التصحيح والترجيح،ص٤١٦).

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے وفات سے تین دن پہلے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔

ملاحظہ ہو علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

...بل صح رجوعه عن القول بحرمته قبل موته بثلاثة أيام وعليه الفتوى وذكر شيخ الإسلام وغيره أن أكل لحمه مكروه تنزيهاً فى ظاهر الرواية وهو الصحيح كما فى مجمع الأنهر. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص٢٩ ،قديمى).

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار: ٣٠٥/٦، سعيد، وقاضيخان على هامش الفتاوى الهندية :٣٥٨/٣) .

امام صاحبؒ کے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

قرآنِ کریم اور بعض احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ لحوم الخیل ممنوع ہوں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿**والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون**﴾ . [النحل:٥]

منہا کا تقاضا یہ ہے کہ صرف انعام کھانے کی چیز ہے اور انعام اونٹ ،گائے ،بیل ،اور بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں گھوڑا ان میں شامل نہیں ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿**ومن الأنعام حمولة وفرشاً كلوا مما رزقكم الله ولا تتبعوا خطوات الشيطان، إنه لكم عدو مبين**﴾ . [الانعام:١٤٢].

تیسری جگہ ہے: ﴿ **ثمانية أزواج ... ومن الإبل اثنين ...**﴾ [الانعام:١٤٣] ان آٹھ اقسام میں اونٹ، بقر، بھیڑ، بکریوں کا ذکر ہے فرس کا ذکر نہیں۔

چوتھی جگہ ہے: ﴿ **والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة** ﴾. [النحل:٨] گھوڑوں

کو غیر ماکولات کی فہرست میں رکھا گیا ہے اور کھانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ان آیات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ممنوع ہے اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ گھوڑا ماکول ہے احناف اکثر تطبیق کی راہ اختیار کرتے ہیں۔اس لیے اس میں تطبیق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احیاناً بوقتِ ضرورت بھوک کی وجہ سے کھایا گیا اور ضرورت کی وجہ سے اس کی کراہت رفع ہوگئی تھی،اور عام حالات میں کراہت باقی رہتی ہے لیکن اس زمانہ میں نہ کھایا گیا اور نہ اب کھانا چاہئے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وتمام هذا الاستدلال أن الله تبارک وتعالىٰ ذكر الأنعام فيما تقدم ومنافعها وبالغ فی ذلک...وكذا ذكر فيما بعد هذه الآية الشريفة متصلاً بها منافع الماء المنزل من السماء والمنافع المتعلقة بالليل والنهار والشمس والقمر والنجوم والمنافع المتعلقة بالبحر على سبيل المبالغة بيان شفاء لا بيان كفاية وذكر في هذه الآية أنه سبحانه وتعالىٰ خلق الخيل ... ذكر منفعة الركوب والزينة ولم يذكر سبحانه وتعالىٰ منفعة الأكل فدل أنه ليس فيها منفعة أخرى سوى ما ذكرناه . (بدائع الصنائع:۵/۳۸،سعید).

بعض احادیث ملاحظہ فرمائیے:

ثنا يوسف عن أبيه عن أبي حنيفةؒ عن الهيثم عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه كان يكره لحم الخيل و يقرأ هذه الآية : ﴿والخيل والبغال والحمير لتركبوها﴾. (كتاب الآثار لابی یوسفؒ،ص۲۳۷،دارالکتب العلمیة بیروت).

ونحوه فی مصنف لابن ابی شیبة (۱۲/۳٤٦).

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن خالد بن الوليد رضی اللہ عنہ قال : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لحوم الخيل والبغال والحمير. قال البشار عواد : إسناده ضعيف ، بقية بن الوليد ضعيف ومدلس، صالح بن يحيى بن المقدام لين الحديث وأبوه يحيى مجهول. (سنن ابن ماجه مع التعلیقات :٤/٥٩٨، دارالجیل).

ورواه أبوداود فی سننه وقال : وهذا منسوخ. (سنن ابی داود،،رقم:۳۷۹۰).

وفي رواية الطبراني بسنده عن خالد بن الوليد رضی اللہ عنہ أنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يقول: لا يحل أكل لحوم الخيل والبغال والحمير. (المعجم الکبیرللطبرانی:۳/۹۵۸،مؤسسة الريان).

سنن دارقطنی میں ہے:

عن خالد بن الوليد رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى يوم خيبر عن أكل لحوم الخيل والبغال والحمير و كل ذی ناب من السبع أو مخلب من الطير .

وفي رواية له عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أكل الحمار الإنسى وعن خيلها و بغالها، و هذا إسناد مضطرب. (سنن الدارقطنی:۵/۵۱۷).

وكذا رواه أحمد في مسنده (رقم:۱٦۸۱۷)، **والنسائی فی الكبرى** (٤/٤۸۳) **وقال: هذا الحديث أصح منه ويشبه أن يكون هذا إن كان صحيحاً أن يكون منسوخاً لأن قوله أذن فی أكل لحوم الخيل دليل على ذلک . وكذا رواه البيهقی فی الكبرى.** (۹/۳۲۸،نشرالکتب الاسلامية) .

ذکرکردہ روایت پردرجِ ذیل اعتراضات واردہوتے ہیں:

اعتراض (۱): اس کی سندمیں اضطراب ہے، بعض میں صالح عن ابیہ اوربعض میں عن جدہ ہے۔اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب اعلاءالسنن میں حضرت مولانا ظفراحمد صاحبؒ نے یوں دیا ہے:

والجواب عنه أن لا اضطراب فی السند، لأن الصحيح هو ما رواه بقية والواقدی وسليمان بن سليم فی رواية علی بن بحر و ما رواه محمد بن حمير أنه سمع جده فوهم ومنشأه أن صالحاً أو ثوراً اختصر فی الرواية فقال عن جده فتوهم منه ابن حمير أنه سمع جده فرواه على التوهم ومع ذلک فمحمد بن حميرمتكلم فيه وما رواه عمربن هارون البلخی فهو إما اختصار فی الرواية أو خطأ منه لأنه ضعيف جداً .

والدليل على ما قلناه إن محمد بن حرب يرويه عنه أحمد بن عبد الملك فيقول في رواية عن صالح عن جده ويرويه عنه علي بن بحر فيقول في رواية عن صالح عن أبيه عن جده ويدل هذا على أن هذا الاختلاف ليس من قبيل الاضطراب بل من قبيل الإرسال على وجه الاختصار والإسناد على وجه الإتمام فاندفع طعن اضطراب السند. (اعلاء السنن: ١٧/ ١٤٣، ادارة القرآن).

علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں اس کا جواب یوں دیا ہے:

وعمربن هارون لينظرفيه على ان عمربن هارون متروك ومحمدبن حميرذكره ابن الجوزي في كتاب الضعفاء وقال : قال يعقوب بن سفيان ليس بالقوي فكيف توجب رواية مثل هذين اضطراباً لمارواه اسحاق الحنظلي وغيره عن بقية. (الجوهرالنقي: ٩/٣٢٨، ط: نشرالكتب).

ابن جوزی کا کلام ملاحظہ ہو: (كتاب الضعفاء،ترجمة:٣٦٥،و٤٧٥،و٣٥١٤).

اگرچہ محمد بن حمیر کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (تهذيب الكمال:٢٥/١١٩،مؤسسة الرسالة).

لہٰذا بہتر جواب وہ ہے جو بحوالہ اعلاء السنن مذکور ہوا۔

اعتراض (۲): اس کی سند میں بقیہ بن الولید راوی ہے جو کہ ضعیف اور مدلس ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب بقیہ تحدیث کی تصریح کردے تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اہل شام سے روایت کرے۔

ملاحظہ ہو: (الجوهرالنقي:٩/٣٢٨،وتهذيب الكمال:٤/١٩٢،مؤسسة الرسالة).

اعتراض (۳): اس روایت کی سند میں صالح بن یحییٰ ضعیف ہے؟ امام بیہقی فرماتے ہیں:

أخبرنا محمد بن إبراهيم الفارسي...ثنا محمد بن إسماعيل البخاري قال: صالح بن يحيى...فيه نظر. (السنن الكبرى:٩/٣٢٨).

الجواب: اس کا جواب الجوہر النقی میں یوں دیا گیا ہے۔

وصالح ذكره ابن حبان فى الثقات. (الجوهرالنقی :۹/۳۲۸).

(وكذا فى تهذيب الكمال ۱۲/۱۰۹).

اعتراض (۴): یحییٰ بن المقدام بن معدیکرب مجہول ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کی توثیق نقل فرمائی ہے۔

قال: وأبوه يحيى ذكره الذهبى فى الكاشف وقال وثق وأبوه مقدام بن المعديكرب صحابى. (الكاشف:۲/۳۷۷،ط: علوم القرآن).

وذكره ابن حبان فى الثقات(۵/۵۲٤).

مزید براں ابوداود شریف میں اس روایت کو منسوخ کہا گیا ہے اگر یہ روایت صحیح نہ ہوتی تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

اعتراض (۵): اس کے متن میں اضطراب ہے؟

الجواب: اعلاء السنن میں اس کا جواب مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

فالجواب عنه أن الروايات كلها متفقة على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لحوم الخيل، وأما الاختلاف فى أنهم جعلوا الرمكة أو البرذونة أو أنهم كانوا مضطرين إلى الأكل أو قارمين إلى اللحم، فذلك اختلاف فى أمر خارج ولا يضرنا فاندفع طعن اضطراب المتن أيضاً. (اعلاء السنن :۱۷/۱٤۳).

اعتراض (۶): حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: "**أمرلى يوم خيبر**" اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے؟

الجواب: حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے۔

ملاحظہ ہو الاستیعاب میں ہے:

واختلف فى وقت إسلامه وهجرته فقيل هاجر خالد بعد الحديبية وقيل بل كان إسلامه بين الحديبية وخيبر وقيل:بل كان إسلامه سنة خمس بعد فراغ رسول الله صلى

اللّٰہ علیه وسلم من بنی قریظة وقیل بل کان إسلامه سنة ثمان مع عمروبن العاص وعثمان بن طلحة . (الاستیعاب لابن عبدالبر:۲/۴۲۷،دارالجیل).

نیز جن روایات میں خیبر کا ذکر ہے یہ راوی کا وہم ہے اور راوی کا وہم روایت میں اثر انداز نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ وہم امر خارج میں ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

لأنه صرح هذا القائل بنفسه فی ترجمة خالد أنه اختلف فی شهوده خیبرفکیف یقول ههنا أنه أسلم بعد خیبر بلا خلاف فإذا وقع الاختلاف فکیف یدفع الروایة بهذا العذر ولو سلم فغایته أن ذکرخیبر وهم من الرواة ولا یقدح هذا الوهم فی الروایة لأنه وهم فی أمر خارج عن المقصود لأن المقصود هو أنه صلی اللّٰه علیه وسلم حرم لحوم الخیل لا أنه متی حرم وکیف حرم ؟ (اعلاء السنن:۱۷/ ۱۴۴،ادارة القرآن).

علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:

ولم یقع ذکر خیبر إلا في إحدی الروایتین عند أبی داود، وروایات أحمد والنسائی وابن ماجه خلو من ذلک ، فلا مانع من أن یکون مرسلاً ، حیث وهم أحد الثقات فی ذکر خیبر، والثقة قد یهم ، و مخالفة الأکثر من إمارات الوهم ، ومرسل الصحابی حجة عند الجمیع . (النکت الطریفة،ص۶۵،اکل لحم الخیل،ادارة القرآن).

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رخصت علی الاطلاق ثابت ہے اور مقید جس میں خیبر کا ذکر ہے وہ خطا فی الفہم کا نتیجہ ہے۔ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

وثانیاً أن الذی ثبت عن جابر وصح عنه هوالرخصة علی الإطلاق لا المقیدة بیوم خیبر... ثم لما تأملنا فی منشأ هذه الزیادة علمنا أن منشأها هو الخطأ فی الفهم لأنه لما سمع من جابر رضی اللہ عنہ **أنه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی یوم خیبرعن لحوم الحمرالأهلیة و رخص فی لحوم الخیل توهم أن الرخصة أیضاً کانت یوم خیبر.** (اعلاء السنن:۱۷/ ۱۴۵،ادارة القرآن).

اعتراض (۷): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ناسخ ہے اس لیے کہ اس میں **أذن** اور **رخص** کے الفاظ ہیں؟

الجواب: علامہ عینیؒ نے درجِ ذیل الفاظ میں اس کا جواب دیا ہے:

قلت: لا يصح الاستدلال على النسخ بقوله أذن أو رخص لأنه يحتمل أن يكون إذنه فى حالة المخمصة إذ هى أغلب أحوال الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم وفى الصحيح أنهم ما وصلوا إلى خيبر إلا وهم جياع. (السنن الكبرى للنسائى: ۱۲/۲۲۸) **فلا يدل على الإطلاق.** (عمدة القارى: ۱۲/۲۲۸).

والإذن في خيبر لعله كان لضرورة المجاعة... (النكت الطريفة، ص ٦٥، ادارة القرآن).

وفى المرقاة: ولعل حديث الإباحة محمول على الضرورة. (مرقاة المفاتيح: ۸/۱۳۰).

وفى بذل المجهود: ثنا أبو أسامة عن هشام عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكلون لحوم الخيل فى مغازيهم (مصنف ابن ابى شيبة، رقم: ۲٤۷۹٥) **فهذا يدل على أنهم كانوا يأكلونها حال الضرورة كما قال الزهرى.** (بذل المجهود: ۱۱/٥۱۳).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی روایت حسن ہے اور یہ محرم ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مبیح ہے اور محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے البتہ چونکہ اباحت کی روایت اصح ہے اور تعداد میں زیادہ ہے اس لیے امام صاحبؒ نے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کراہتِ تنزیہی کا قول اختیار فرمایا اور صاحبینؒ نے اباحت کی روایت سے استدلال فرما کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی روایت کو نہیں لیا لیکن مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی روایت بھی حسن سے کم نہیں ہے بنابریں دلائل کی روشنی میں امام صاحبؒ کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:

فيرجح حديث خالد رضی اللہ عنہ لكونه حاظراً، لكن لم يبتوا بالمنع ولا بالإباحة لكون حديث جابر أصح مع وجود أحاديث أخرى تعارضه، بل راعوا الجانبين وقالوا بالكراهة

بمعنی کراهة التنزيهة. (النکت الطریفة ،ص ٦٥).

اعلاء السنن میں ہے:

ولله در أبي حنيفةؒ ما أدق نظره في الجمع بين الأحاديث وتنزيلها منازلها...وكره لحم الفرس ولم يقل إنه حرام لما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه رخص في لحوم الخيل وجاء عنه أنه نهى عنها، وقد عرفت أنه لم ينفرد بذلك بل له سلف فيه عن ابن عباس رضي الله عنه وبه قال الحكم بن عتيبةؒ ومالك بن أنسؒ . (اعلاء السنن :١٥١/١٧).

وفي "النكت" قال: وخالفهم أبوحنيفة ومالك والأوزاعي وأبوعبيد وقالوا: لايؤكل لحم الخيل. (النکت الطریقة،ص ٦٤).

نیز امام صاحبؒ کے مذہب کی تائید دلیل خارجی سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لحم الفرس کھانے سے آلہ جہاد میں کمی واقع ہوگی، لہذا نہ کھانے میں آلہ جہاد کی حفاظت ہے۔ ملاحظہ ہوالنکت میں ہے:

والحاصل أن القول بالكراهة فيه الاحتفاظ بالخيول التي تشتد الحاجة إليها في الجهاد، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم. (النکت،ص ٦٥).

سائد بکداش شرح لباب کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

والتحريم ليس لنجاستها، بل احتراماً لها، حيث هي آلة الجهاد ، وبها يقع إرهاب العدو ، و يضرب لها بسهم . ينظر: الجوهرة :٢٨٠/٢،وابن عابدين:٣٠٥/٦.(تعليقات الشيخ سائدبكداش على شرح اللباب:٥٧٧/٤).

اگرچہ صحیح قول کراہتِ تنزیہی کا ہے، جیسے ماقبل میں مذکور ہوا، اور مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ القاری:۵۲۴/۱۴، دارالحدیث، ملتان، وفیض الباری:۳۴۲/۴).

گھوڑے کا گوشت مباح ہونے کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن أسماء قالت: نحرنا فرساً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فأكلناه .

(رواه البخاری ٨٢٩/٢،ومسلم :١٥٠/٢،وابن ماجه،رقم : ٣١٩٠).

عن جابر بن عبد اللهؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر عن لحوم

الحمر و رخص في لحوم الخيل. (رواه البخاری :۲/۸۲۹،و ومسلم :۲/ ۱۵۰). **واللہ ﷻ اعلم۔**

خرگوش کھانے کا شرعی حکم:

سوال: خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خرگوش کا گوشت کھانا جائز اور درست ہے۔حدیث میں آتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خرگوش کو ذبح کیا اور کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطورِ ہدیہ بھیجا آپ نے قبول فرمایا۔بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کا حکم فرمایا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: أنفجنا أرنباً و نحن بمر الظهران فسعى القوم فلغبوا فأخذ تها فجئت بها إلى أبي طلحة فذبحها فبعث بوركها أو قال: بفخذها إلى النبى صلى الله عليه و سلم فقبلها. (رواه البخاری ،رقم: ۵۵۳۵،باب الارنب،ومسلم ،رقم: ۱۹۵۳،باب اباحة الارنب).

ترمذی شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن رجلاً من قومه صاد أرنباً أو اثنين فذبحهما بمروة فتعلقهما حتى لقى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله فأمره بأكلها. قال أبوعيسى : وقد رخص أهل العلم أن يذكى بمروة ولم يرو بأكل الأرنب بأساً وهو قول أكثر أهل العلم . (ترمذی شریف،رقم: ۱۴۷۲).

ہدایہ میں ہے:

ولا بأس بأكل الأرنب لأن النبي صلى الله عليه وسلم أكل منه حين أهدى إليه مشوياً وأمر أصحابه بالأكل منه ولأنه ليس من السباع ولا من أكلة الجيف فأشبه الظبى.
(الهداية: ۴/ ۴۴۱).

وللمزيد راجع: (البحرالرائق:۸/ ۱۷۲،واللباب فی شرح الکتاب: ۴/ ۵۷۸،دارالبشائر،والمبسوط للامام

السرخسی:۱۱/۴۱۶، والمحیط البرهانی:۶/،وبدائع الصنائع:۵/۳۹،سعید،وتبیین الحقائق:۵/۲۹۵،امدادیه،و حلال وحرام چوپائے اوران کے طبی فوائد،ص:۲۵)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

بارہ سنگھا کھانے کا شرعی حکم:

سوال: بارہ سنگھا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بارہ سنگھا جنگلی گائے کے مشابہ جانور ہے،اورجس طرح جنگلی گائے کا کھانا جائز ہے اسی طرح اس کا کھانا بھی شرعاً جائزاور درست ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وأما المتوحش نحو الظباء و بقر الوحش وحمر الوحش وإبل الوحش فحلال بإجماع المسلمين . (الفتاوى الهندية:۵/۲۸۹).

(و كذا فى النتف فى الفتاوىٰ ، ص۱۴۹، اصناف الحيوان و ما يحل اكله و ما يحرم، و بدائع الصنائع : ۵/۳۹، سعيد).

وفى الطحطاوى على الدر: وحل الايل فى المغرب ...الذكر من الأوعال ، وفى القاموس ...تيس الجبل . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار:۴/۱۵۷).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع :كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات : وذلك كالظباء ، و بقر الحش ، و حمرالوحش، وإبل الوحش، وهذا النوع حلال بإجماع المسلمين ، لأنه من الطيبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية:۵/۱۳۴،ط:وزارة الاوقاف).

مزید ملاحظہ ہو: (حلال وحرام چوپائے اوران کے طبی فوائد،ص:۱۱)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

ہدہد کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا ہدہد کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء میں سے بعض حضرات مثلاً علامہ شامیؒ وغیرہ نے مکروہ قرار دیا ہے لیکن علامہ طحطاویؒ نے حلال لکھا ہے نیز لسان الحکام، عالمگیری، فتاویٰ ولوالجی وغیرہ میں بھی لا باس بہ مرقوم ہے، لہٰذا حلت اصل ہے اور کراہت کو تنزیہی پر محمول کر سکتے ہیں اس کی شرافت اور عزت کی وجہ سے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی غرر الأفكار: عندنا يؤكل الخطاف والبوم ويكره الصرد والهدهد.

(ردالمحتار:٦/٣٠٦، سعيد).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

ويؤكل القمری والسوادين والزرزور والصلصل والهدهد والبوم والطاووس .

(حاشية الطحطاوی على الدرالمختار:٤/١٥٧، كوئته).

لسان الحکام میں ہے:

وفی فتاوى الولوالجی: أكل الهدهد لا بأس به لأنه ليس بذی مخلب من الطيور.

(لسان الحكام، ص ٣٨١، دارالفكر).

عالمگیری میں ہے:

أكل الخطاف والصلصل والهدهد لابأس به لأنها ليست من الطيور التی هی ذوات مخلب كذا فی الظهيرية. (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٠).

ملا علی قاریؒ نے درجِ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حرام قرار دیا ہے۔

نهى عن قتل أربع من الدواب النملة والنحلة والهدهد والصرد. (المرقاة:٨/).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

حاشیۃ الطحطاوی اور عالمگیری کی عبارات حلت ہدہد میں صریح ہیں اس لیے اسی کو ترجیح ہوگی، ملاعلی قاریؒ کا حدیث سے استدلال محل نظر ہے، اس لیے کہ قتل ہدہد سے نہی کی علت احترام بھی ہوسکتی ہے، اور نصوص فقہیہ کی موجودگی میں یہی قرین قیاس بھی ہے، اس کے احترام کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور یہ ایک قوم کے ایمان لانے کا سبب بنا، اس لیے تمام پرندوں میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

نیز ملاعلی قاریؒ نے قول حلت بھی ذکر کیا ہے، ونصہ: **وقيل يحل أكله لأنه يحكى عن الشافعي وجوب الفدية فيه وعنده لايفتدى إلا المأكول.** (المرقاة:۸/۱۵۱).

علامہ ابن عابدینؒ نے غرر الافکار سے جو کراہت نقل کی ہے اس کو بھی اسی احترام کی وجہ سے کراہتِ تنزیہیہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔(احسن الفتاویٰ:۷/۴۰۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہدہد کا کھانا مکروہ ہے البتہ کھانے والے پر نکیر نہ کی جائے اور نہ کھانا احترام کی وجہ سے ہو اس لیے کہ حدیث میں قتل کا لفظ استعمال کرنا اور غیر ماکولات میں ذکر کرنا اس کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ابابیل کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا ابابیل کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے ابابیل کے کھانے کی تصریح فرمائی ہے بنابریں اس کا کھانا حلال ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی غرر الأفكار: عندنا يؤكل الخطاف . (ردالمحتار:۶/۳۰۶،سعید).

لسان الحکام میں ہے:

ولا بأس بالخطاف والقمری والسودانية والزرزور والعصافير والفاختة والجراد

و کل مالیس له مخلب یخطف بمخلبه. (لسان الحکام،ص ۳۸۱،و کذا فی الفتاوی الولوالجیة:۵/۵۵).

عالمگیری میں ہے:

أکل الخطاف والصلصل والهدهد لابأس به لأنها لیست من الطیور التی هی ذوات مخلب کذا فی الظهیریة. (الفتاوی الهندیة:۵/۲۹۰). وکذا فی المحیط البرهانی:۶/۴۳۲).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دلدل کھانے کا شرعی حکم:

سوال: دلدل کا گوشت کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر اہل لغت نے اس کو قنفذ کی قسم میں شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو: **قال فی الصحاح : الدلدل عظیم القنافذ.** (۱۶۹۹/٤)، اور فقہاء نے قنفذ کو حرام جانوروں میں شمار کیا ہے، اب آپ حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بڑی سیہی جس کو ہم پشتو میں شکونڑ کہتے ہیں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے حرام لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی :۹/۱۴۱، دارالاشاعت، طبع قدیم)، اور بعض لغت کی کتابوں میں بھی دلدل جو بڑا ہوتا ہے اور اس کو شکونڑ کہتے ہیں اور چھوٹا جس کو قنفذ اور ہم پشتو میں شیشکے کہتے ہیں دونوں کو ایک نوع شمار کیا ہے اور صرف چھوٹے اور بڑے کا فرق بتایا ہے دمیری نے جاحظ کا قول نقل کیا ہے کہ قنفذ اور دلدل میں ایسا فرق ہے جیسے بھینس اور گائے میں یا عربی اور خراسانی اونٹ میں چنانچہ علامہ دمیری لکھتے ہیں:

الفرق بین الدلدل والقنفذ کالفرق بین البقر والجوامیس والبخاتی والعراب والجرد والفار، وهو کثیر ببلاد الشام والعراق وبلاد المغرب فی قدر الثعلب القلطی وقال الإمام الرافعی : الدلدل علی حد السخلة...

وفی الوسیط: أنه کان یعده من الخبائث، وقال ابن الصلاح : هذا غیر مرضی وکأنه لم یعرف ما الدلدل ...(حیوة الحیوان:۱/۴۸۱).

اور لغت کی عام کتابوں میں بھی دونوں کو ایک نوع شمار کیا ہے مثلاً: المعجم الوسیط، الصحاح، لسان العرب

وغیرہ میں بھی دلدل اور قنفذ کے مابین فرق کے قائل نہیں، لہذا ان حضرات کی تحریر کے مطابق احناف کے نزدیک دونوں حرام ہیں۔

لیکن قدیم افغانی علماء اور آج کل کے جدید اہل تحقیق دونوں کو الگ نوع سمجھتے ہوئے قنفذ کو حشرات الارض میں سے شمار کر کے حرام قرار دیتے ہیں اور دلدل کو گھاس کھانے والا حیوان سمجھ کر حلال کہتے ہیں۔

ہاں مصباح اللغات میں دلدل کا ترجمہ سیہی سے کیا ہے اور قنفذ کو چوہے کی قسم قرار دیا ہے۔

افغانی علماء کہتے ہیں کہ قنفذ اور دلدل کے درمیان درجِ ذیل فروق ہیں:

(۱) قنفذ گندگی اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے، اور دلدل گھاس کھاتا ہے۔

(۲) قنفذ ہوام الارض میں سے ہے اور دلدل ایسا نہیں ہے۔

(۳) قنفذ ذوناب شکاری ہے اور دلدل اس سے مختلف ہے۔

(۴) قنفذ کے پانچ انیاب ہیں اور دلدل کے چار دانت ہیں (اہل تجربہ افغانی علماء کے نزدیک اور جدید اہل تحقیق کے نزدیک دلدل کے دو دانت ہیں [Encarta])۔

(۵) قنفذ کتے کی طرح پانی پیتا ہے اور دلدل بکری کی طرح۔

ان فروق سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قنفذ میں حرام جانوروں کی صفات پائی جاتی ہیں اس کے برعکس دلدل میں حلال جانوروں والے خصائل موجود ہیں۔

جن حضرات نے دلدل کو قنفذ کی بڑی قسم قرار دیا ہے تو ممکن ہے کہ دلدل دو قسم کے ہوں ایک قنفذ کی بڑی قسم جس کو عام اہل لغات بیان کرتے ہیں۔ (۲) دوسری قسم وہ ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں۔

حضرت مفتی فرید صاحبؒ بھی دلدل کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔

شیخ بن باز کے ایک فتوے میں دلدل کے بارے میں مذکور ہے:

قد اختلف العلماء في حكمه فمنهم من أحله ومنهم من حرمه ، وأصح القولين أنه حلال، ... وهو يتغذى بالنبات كالأرنب والغزال وليس من ذوات الناب المفترسة. (فتاوى الشيخ عبدالعزيز بن باز: ۲۳/۳۵).

جدید اہل تحقیق کی عبارات کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

دلدل خشکی میں رہنے والا جانور، جس کی خوراک نباتات کی جڑیں، گٹھلی، درخت کی چھال اور چھلکا ہے۔ (جانوروں کا انسائیکلوپیڈیا)۔

انکاٹا میں مرقوم ہے:

نباتات کھانے والا جانور، اس کا شماران جانوروں میں ہوتا ہے جن کے آگے دو بڑے دانت ہوتے ہیں، ان دو لمبے دانتوں سے پودوں کو کاٹتا ہے، انیاب نہیں ہوتے۔ (انکاٹا انسائیکلوپیڈیا).

بریطانیکا میں مرقوم ہے:

اکثر رات کے وقت نکلتا ہے۔ نباتات کھانے والا جانور ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قنفذ (سیہہ) کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا قنفذ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مذہب احناف میں قنفذ (سیہہ) کھانا شرعاً ناجائز ہے۔ پشتو میں ہم اس کو شیشکے کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ذكر القنفذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: "هو خبيث من الخبائث". (رواه ابوداود ۳۷۹۹، واحمد فی مسنده، ۸۹۵٤).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا يحل ذو ناب ...ولا الحشرات ... كالفارة والوزغة وسام أبرص والقنفذ والحية والضفدع والزنبور والبرغوث والقمل والذباب والقراد. (الدرالمختارمع رد المحتار: ٦/٣٠٤، سعيد).

النتف فی الفتاوی میں ہے:

وأما حشرات الأرض فإنها محرمة في قول أبي حنيفةؒ وأصحابهؒ ... مثل الحية الضب

والیربوع والقنفذ والسلحفاۃ والفارۃ وابن عرس وأشباھھا. (النتف فی الفتاوی، ص ۱۵۰).

حیوۃ الحیوان میں ہے:

قال الشافعیؒ: یحل أکل القنفذ لأن العرب تستطیبه وقد أفتی ابن عمرؓ بإباحته وقال أبو حنیفةؒ والإمام أحمد لا یحل لما روی أبو داود...الخ. (حیوۃ الحیوان:۲/۲۳۳).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جھینگا کھانے کا شرعی حکم:

سوال: جھینگے کے بارے میں مختلف علماء سے مختلف باتیں سننے میں آئی ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور بعض فرماتے ہیں بالکل حلال طیب ہے اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ جھینگا مکروہ ہے۔ اب آپ سے مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ آپ کوئی درمیانی عافیت والا راستہ بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: دورِ حاضر کے مفتیانِ کرام کے مابین اختلاف ہے، اور اصل اختلاف کی بنیاد اس کے سمک ہونے نہ ہونے پر ہے جن حضرات نے اقسامِ سمک میں سے شمار کیا انہوں نے حلت کا فتویٰ دیا اور جن حضرات نے اقسامِ سمک میں سے شمار نہیں کیا ان حضرات نے عدمِ حل کا فتویٰ دیا پھر سمک کی اقسام میں ہونے نہ ہونے کا مدار مختلف ہے: اہل لغت اقسامِ سمک میں شمار کرتے ہیں جب کہ جدید سائنس داں مچھلی کی تعریف سے خارج کرتے ہیں۔ کیونکہ ماہرین حیوانات نے مچھلی کی تعریف میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) ریڑھ کی ہڈی۔ (۲) سانس لینے کے گلپھڑے۔ (۳) تیرنے کے پنکھے۔

اور جھینگے میں یہ چیزیں موجود نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

لکن خبراء علم الحیوان الیوم لایعتبرونه سمکاً ویذکرونه کنوع مستقل، ویقولون أنه من أسرۃ السرطان دون السمک، وتعریف السمک عند علماء الحیوان، علی ما

ذكر في دائرة المعارف البريطانية (۹/۳۰۵،ط:۱۹۵۰م) : **هو حيوان ذوعمود فقري، يعيش في الماء ويسبح بعواماته ، ويتنفس بغلصمته**''. (تكملة فتح الملهم:۳/۵۱۳،مسألة الروبيان).

اسی تعریف کے پیش نظر مفتی رشید احمد لدھیانویؒ صاحب نے عدمِ حلت پر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۳۹۱۔۳۹۹)۔

اور اہل لغات کے اقوال اور عرفِ عام کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحبؒ نے جھینگے کی حلت اور جواز پر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: (جواہر الفتاویٰ:۳/۴۶۲۔۵۰۳،ط:اسلامی کتب خانہ،کراچی)۔

ان دونوں حضرات کے علاوہ ساحلی علاقہ کے مفتی حضرات نے جواز تحریر فرمایا ہے،اور غیر ساحلی علاقہ والے مفتی حضرات نے عدمِ جواز یا کراہت کا قول تحریر فرمایا ہے۔ان تمام کی عبارات کو تطویل کے اندیشہ کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ '' **خير الأمور أوسطها** ''و''ترکِ شبہات''و'' **دع ما يريبک إلى ما لا يريبک**'' اور مفتی حضرات کے اختلاف کے پیش نظر علماء طلبہ کو جھینگا کھانے سے احتراز کرنا چاہئے،اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے بے شمار چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ کھالیا کریں۔اور عوام یا خواص میں سے جو کھاتے ہیں ان پر نکیر نہیں کرنی چاہئے اور ان کو حرام خور نہیں کہنا چاہئے۔

عربی میں اس کو ربیان کے علاوہ سرطان البحر اور جراد البحر کہتے ہیں جس سے سمک ہونے کی نفی ہوتی ہے، المورد(۹۰۳) میں برغوث البحر،الاربیان، prawn کہا گیا ہے، نیز جھینگا شروع سے بحر میں موجود تھا اور اس کی شکل مچھلی کی نہیں ہے اگر متفقہ طور پر حلال ہوتا تو جیسے فقہاء نے جریث اور مار ماہی کی حلت کی تصریح فرمائی ہے تاکہ حرمت کا شبہ دفع ہوجائے اور کوئی اس کو حرام نہ سمجھے تو روبیان کی تصریح بھی کرتے تاکہ اس کی حرمت کا شبہ دفع ہوجائے،لیکن ایسا نہیں کیا،لہٰذا اس کے کھانے سے بچنے میں عافیت اور سلامتی ہے۔

جھینگے سے متعلق حضراتِ اکابرؒ کا معمول:

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو سفر میں کسی اسٹیشن پر کسی نے تلے ہوئے جھینگے پیش کیے،حضرت نے دریافت فرمایا بھائی یہ کیا ہے؟ لانے والے نے کہا یہ جھینگا مچھلی ہے حضرت مدنیؒ نے فرمایا: بھائی مچھلی کے بھی پیر

ہوتے ہیں اس کے تو پیر ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ جھینگا خشکی کے حشرات میں سے ہے اور دریائی غیر ماہی ہے، سوائے ماہی کے سب دریائی جانور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۳۷)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: میرے خیال میں وہ مچھلی کے اقسام میں داخل نہیں ہے، تاہم علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس میں سختی کرنے کو میں پسند نہیں کرتا۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۳۸، دارالاشاعت)۔

حضرت تھانویؒ نے دمیری شافعی کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: احقر کو اس وقت تو اس کے سمک ہونے میں بالکل اطمینان ہے، **ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک أمراً**۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/ ۱۰۴)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرمایا ہے کہ: جھینگا مچھلی کے متعلق بھی آپ کی رائے یہ تھی کہ مچھلی نام پڑ گیا حقیقت میں وہ مچھلی نہیں کہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے لہذا آپ اس کو دریائی جانور سمجھتے اور حلت کا فتویٰ نہ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الخلیل، ص ۲۹۳، کتب خانہ اشاعت العلوم)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے کھانے سے اجتناب کیا جائے لیکن جو حضرات اس کو کھاتے ہیں ان پر سختی اور تشدد نہ کیا جائے اور نہ ان پر نکیر کی جائے کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حرام نہیں ہے اس کے کھانے کی بھی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

فمن أخذ بحقيقة الإربيان حسب علم الحيوان قال بمنع أكله عند الحنفية، ومن أخذ بعرف أهل العرب قال بجوازه، وربما يرجح هذا القول بأن المعهود من الشريعة في أمثال هذه المسائل الرجوع إلى العرف المتفاهم بين الناس، دون التدقيق فى الأبحاث النظرية، فلا ينبغي التشديد في مسألة الاربيان عند الإفتاء، وإن اختلاف الفقهاء يورث التخفيف كما تقرر في محله، غير أن الاجتناب عن أكله أحوط وأولى وأحرى، والله سبحانه وتعالى أعلم. (تكملة فتح الملهم: ۳/ ۵۱٤، مسألة الروبيان، وفقهی مقالات، جلد: ۳)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وہیل مچھلی کھانے کا شرعی حکم:

سوال: وہیل جو بہت بڑا سمندری دابہ یا مچھلی ہے اس کا کھانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: وہیل مچھلی کے بارے میں واضح طور پر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے اور عام مچھلیوں کی طرح ہے، صحابہ کرامؓ نے بھی کھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بذاتِ خود تناول فرمائی لہذا اس کے حلال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عمرو أنه سمع جابراً رضي الله عنه يقول: غزونا جيش الخبط وأمر أبوعبيدة فجعنا جوعاً شديداً فألقى البحر حوتاً ميتاً لم نر مثله يقول له العنبر فأكلنا منه نصف شهر... فلما قدمنا المدينة ذكرنا ذلک للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: كلوا رزقاً أخرجه الله، أطعمونا إن كان معكم فأتاه بعضهم أكله. (رواه البخاری، برقم: ٤٣٦٢، باب غزوة سيف البحر).

حضرت مفتی کفایت اللہ نے ایک استفتاء کے جواب میں مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے، کچھ اقتباس درجِ ذیل ہے:

جس جانور کو موجودہ زمانے کی انگریزی میں وہیل (whale) کہا جاتا ہے قدیم انگریزی میں اس کو وھال (whal) کہتے تھے اور جرمنی زبان میں اس کا نام وال (wal) ہے۔

البال الحوت العظيم من حيتان البحر و ليس بعربي كما فى الصحاح يدعى جمل البحر وهو معرب وال كما فى العُباب قال شيخنا وهى سمكة طولها خمسون ذراعاً. (تاج العروس ۲۳۷/۷)۔

یعنی بال سمندر کی مچھلیوں میں سے ایک بڑی مچھلی ہے... اس کو جمل البحر بھی کہا جاتا ہے... ہمارے شیخ نے کہا کہ بال ایک مچھلی ہے جو پچاس ذراع (۷۵ فٹ) لمبی ہوتی ہے۔...

حیوۃ الحیوان اور فتح الباری شرح صحیح بخاری اور فرائد الدریہ میں بال کا دوسرا نام عنبر بھی بتایا ہے اور لسان العرب اور تاج العروس میں اس کا تیسرا نام جمل البحر بھی ذکر کیا ہے۔...

اس تمام تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ بال اور عنبر اور جمل البحر ایک بڑی مچھلی ہے جس کو انگریزی میں وہیل کہا جاتا ہے پس مچھلی ثابت ہوجانے کے بعد حنفی مذہب میں بھی اس کو حلال سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مچھلی (باوجود ہزارہا صورتوں اور شکلوں پر مشتمل ہونے کے) حلال ہے ...اس کے علاوہ بال اور عنبر یعنی وہیل کی حلت کی مخصوص اور صریح دلیل بھی موجود ہے اور وہ ایک صریح اور صحیح حدیث ہے جو حدیث کی مستند کتابوں اور خصوصاً صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے۔...الخ۔(کفایت المفتی:۹/۱۳۴۔۱۳۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہیل، بال، عنبر، وال یہ سب ایک ہی مچھلی کے مختلف نام ہیں، اور یہ مچھلی عام مچھلیوں کی شکل کی طرح ہے اس لیے اس کی تعریف وتحقیق کی چندہ ضرورت نہیں مچھلی کی تعریف کی ضرورت تب پڑتی ہے جب مچھلی ہونے میں اشتباہ ہو جیسے خنثیٰ مشکل میں اشتباہ تب ہوگا جب اس کی ڈاڑھی مونچھ نہ نکلے اگر ڈاڑھی مونچھ اور مردوں کا حلیہ ہو تو اشتباہ ختم ہوجاتا ہے، مصر کی تعریف کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اشتباہ ہو لیکن کلکتہ، بمبئی، ڈربن، کیپ ٹاؤن جیسے شہروں کے لیے مصر کی تعریف تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

کیٹ فیش کھانے کا شرعی حکم:

سوال: یہاں امریکہ میں ایک قسم کی مچھلی دستیاب ہوتی ہے جسے لوگ (cat fish) کہتے ہیں اور اس کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ زمین کی تہہ میں سے گندگی وغیرہ کھاتی ہے اور نیچے ہی رہتی ہے تو کیا اس مچھلی کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ خراب اور گندی غذا کھانے والی مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے، خراب غذا کا کھانا موجبِ حرمت نہیں ہے۔ بنابریں (cat fish) کا کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة ولو متولداً في ماء نجس . وفي رد المحتار : قوله ولو متولداً في ماء نجس فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص ، وكونه يتغذى

بالنجاسة لا يمنع حله. (الدرالمختار مع ردالمحتار:٦/٣٠٦،سعيد).

حاشية الطحطاوی میں ہے:

وفی البزازية لو أرسلت السمكة فی الماء النجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال .

(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/١٥٧).

لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ نجاست کے اثرات اس مچھلی میں ظاہر نہ ہوئے ہوں اگر مچھلی میں نجاست کے اثرات مثلاً بدبو وغیرہ ظاہر ہو چکے ہوں پھر اس کو نہیں کھانا چاہئے۔اور ویسے بھی طبائع سلیمہ گندے اور بدبو دار کھانوں سے گِھن اور نفرت محسوس کرتی ہیں۔

ملاحظہ ہو''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید''میں ہے:

وكونه يتغذی بالنجاسة لا يمنع حله ، وهذا إذا لم تنتن ، فإنها حينئذٍ لا يحل أكلها.

(الفقه الحنفی فی ثوبه الجديد:٥/٢٦٠،حكم اكل الحيوانات المائية).

کٹ فیش کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: (ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا:۳/۲۲۳،وانسائیکلو پیڈیا برطانیکا:۲/ ٦۳۸)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شارک مچھلی کھانے کا شرعی حکم:

سوال: شارک مچھلی جو کہ انسانوں اور دیگر سمندری جانوروں کو کھاتی ہے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ آدم خور ہے۔

الجواب: مذہب احناف میں سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا حلال ہے،مچھلی کے علاوہ کسی اور سمندری جانور کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے،پھر مچھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے،اب تحقیق اس بات کی درکار ہے کہ کیا شارک مچھلی کے اقسام میں شمار کی جاتی ہے یا نہیں؟

چنانچہ ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں اس کو مچھلی بتایا ہے عبارت انگریزی میں ہے اس کا خلاصہ بزبان اردو ملاحظہ ہو:

شارک گوشت کھانے والی مچھلی ہے اور پورے سمندر میں سب سے زیادہ خوف ناک جانور ہے، سائنسدانوں نے بتلایا کہ شارک کی تقریباً ۲۵۰ اقسام ہیں،اور یہ عامۃً گرم پانی میں رہتی ہے،شارک کی تمام

اقسام گوشت خور ہیں ،ان میں سے اکثر مچھلیوں کو کھاتی ہیں ،شارک مچھلی آدم خوری میں مشہور ہے لیکن ایسے واقعات بہت کم رونما ہوئے ہیں، پوری دنیا میں ان ۲۵۰ اقسام میں سے فقط ۲۵ اقسام انسانوں پر حملہ آور ہوئیں، شارک مچھلی دیگر مچھلیوں سے مختلف ہے۔(ملخص از ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا:۱۷/۳۰۰)۔

مزید دیکھئے: (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا:۹/۱۱۶)۔

احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:

سوال: ایک سمندری مچھلی جس کو عربی میں قرش کہتے ہیں اور المنجد میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے:

نوع من السمک یعرف بکلب البحر یقطع الحیوان بأسنانه کما یقطع السیف تخافه جمیع دوات البحر.

اس کے علاوہ سمندری حالات سے واقف لوگوں کا قول ہے کہ اس مچھلی کو حیض آتا ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عام مچھلیوں کے برعکس انڈے دینے کے بجائے بچے دیتی ہے، یہ مچھلی حلال ہے یا حرام؟

حضرت مولانا عبدالحیؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی حرمت کا قول نقل فرمایا ہے امید ہے کہ رہنمائی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

الجواب: اس قسم کی تحقیقات میں شرعاً وعقلاً ماہرین فن کا قول فیصل ہونا چاہئے ،دورِ جدید کے ماہرین حیوانات مچھلی کی چار علامات بیان کرتے ہیں:

(۱) ریڑھ کی ہڈی۔

(۲) سانس لینے کے گلپھڑے۔

(۳) تیرنے کے پنکھے۔

(۴) ماحول کے مطابق جسم کے درجہ حرارت کا کم وبیش ہونا۔

یہ علامات قرش میں موجود ہیں ،اس کی صورت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے اس لیے یہ حلال ہے ،معہذا بنابر اختلاف احتیاط اولیٰ ہے۔(احسن الفتاویٰ:۷/۳۹۱)۔

المورد(قاموس انکلیزی،عربی) میں مذکور ہے:

(shark)القرش : **سمک مفترس** ۔(المورد،ص:۱۰۶۵)۔

فقہاء نے سمک کو اپنی جمیع اقسام کے حلال قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہوفتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولا بأس بسائر أنواع السمک نحو الجريث والمارماهي ولا يؤكل ما فى البحر سوى السمک وطير الماء عندنا. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندية:۳/۳۵۷).

بدائع الصنائع میں ہے:

ويستوى في حل الأكل جميع أنواع السمک من الجريث والمارماهي وغيرهما لأن ما ذكرنا من الدلائل في إباحة السمک لا يفصل بين سمک وسمک إلا ما خص بدليل وقد روي عن سيدنا عليؓ وابن عباسؓ إباحة الجريث والسمک الذكر ولم ينقل عن غيرهما خلاف ذلک فيكون إجماعاً . (بدائع الصنائع:۵/۳۶،سعید).

النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

وأما دواب البحر فإنها محرمة سوى السمک بأجناسها في قول الفقهاء. (النتف فى الفتاوى ،ص ۱۵۰،حکم دواب البحر،ط:بيروت).

وفی " الفقه الحنفی فی ثوبه الجديد" (۵/۲۶۱): **قال ابن حجرؒ : ولا خلاف بين العلماء فی حل السمک علی اختلاف أنواعه . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

چند قسم کی مچھلیوں کے شرعی احکام:

سوال: مندرجہ ذیل مچھلیوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) کیکڑا:۔(crab)۔

(۲) الدلفين۔(dolphin)۔

(۳) الحوت۔(whale)[وہیل]۔

(۴) الاخطبوط:۔(octopus)۔

(۵) القرش:۔(shark)۔

(۶) جھینگا:۔(prawns)۔

(۷) کلماری:۔(calamari)۔

الجواب: سب سے پہلے جاننا چاہئے کہ ماہرین حیوانات نے مچھلی کی پہچان کے لیے چار علامتیں لکھی ہیں: (۱) ریڑھ کی ہڈی۔(۲) سانس لینے کے لیے گلپھڑے۔(۳) تیرنے کے پنکھے۔(۴) ماحول کے مطابق جسم کے درجہ حرارت کا کم وبیش ہونا۔

یہ علامتیں جس میں ہوگی وہ مچھلی کہلائیگی، اور مذہبِ احناف میں سمندری جانوروں میں سے فقط مچھلی کے کھانے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہوگا کہ سمندری جانوروں میں فقط مچھلی حلال ہے اور مچھلی وہ ہے جس میں مذکورالصدر چار علامتیں پائی جائیں۔

اب ترتیب وار حکم ملاحظہ کیجئے:

(۱) کیکڑا:۔(crab): احناف کے یہاں اس کا کھانا ناجائز ہے، یہ مچھلی کی تعریف میں داخل نہیں ہے، نیز شکل وصورت میں بھی مچھلی سے بالکل مختلف ہے۔

(۲) الدلفین:۔(dolphin)۔اس کا کھانا جائز اور درست ہے اس میں مچھلی تمام علامتیں موجود ہیں۔

(۳) الحوت ۔(whale) حدیث شریف میں عنبر مچھلی کو حوت کہا گیا ہے اور پہلے مذکور ہوا کہ یہ حلال اور طیب ہے۔

(۴) الاخطبوط:(octopus) یہ سمندری جانور ہے اس کو مچھلی کی اقسام میں شمار نہیں کیا گیا اور اس میں مچھلی کی علامات بھی موجود نہیں ہیں۔لہذا اس کا کھانا ناجائز ہے۔

(۵) القرش ۔(shark) یہ بھی مچھلی کے اقسام میں سے ہے اس میں تمام علامات بھی موجود ہیں اور پہلے مذکور ہوا کہ اس کا کھانا بھی جائز اور درست ہے۔

(۶) جھینگا۔(prawns) یہ کیکڑے کے ساتھ مشابہ ہے۔مختلف فیہ ہےاور احتیاط نہ کھانے میں ہے۔

(۷) کلماری:(calamari) یہ بھی اخطبوط کی طرح ایک سمندری جانور ہے مچھلی کی علامات اس میں موجود نہیں اس لیے اس کا کھانا بھی ناجائز ہے۔

انکاٹا انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے:

calamari is not permissible to eat because it is not a fish.

یعنی کلماری کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مچھلی نہیں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خاص طریقہ پر مچھلی کو مار کر کھانے کا حکم:

سوال: یہاں لوگ تازہ مچھلی کو ایک قسم کے برتن میں ڈال کر بند کردیتے ہیں اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس کو بجلی کے جھٹکے سے مار کر کھاتے ہیں، آیا یہ مچھلی حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: مچھلی جب اپنی طبعی موت مر کر الٹی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس کے سوا چاہے کسی بھی طریقہ سے ماری جائے یا کسی حادثے کی وجہ سے مر جائے یا کوئی دوائی وغیرہ کھا کر مر جائے اس کا کھانا جائز اور درست ہے، بنابریں اس طرح مچھلی کو مار کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وما مات بحر الماء أو برده بربطه فيه أو إلقاء شيء فيه فموته بآفة . (الدرالمختار: ۳۰۷/۶،سعید).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله أو بإلقاء شيء و كان يعلم أنها تموت منه قال فى المنح: أو أكلت شيئاً ألقاه فى الماء لتأكله فماتت منه ذلک معلوم ، قوله فموته بآفة أى جميع ما ذكر وهو الأصل فى الحل كما مر . (ردالمحتار:۳۰۷/۶،سعید).

وإنما قال العلامة عبد البر: الأصل في إباحة السمک أن ما مات بآفة يؤكل ومات

بغير آفة لا يؤكل . (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار:٤/١٥٧).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

زندہ مچھلی کے پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی ،اس کا کھانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۲۱۲،جامعہ فاروقیہ)۔

ہاں جو مچھلی پانی ہی میں مر کر الٹی تیرنے لگے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے،اس کو سمک ِطافی کہا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لاٹھی سے مار کر مچھلی کھانے کا حکم:

سوال: پانی میں مچھلی کو لاٹھی سے مارا جائے اور وہ پانی ہی میں مرجائے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسی مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولا يحل حيوان مائي إلا السمك الذى مات بآفة ...وما مات بحر الماء أو برده وبربطه فيه أو إلقاء شيء فموته بآفة وهبانية . وفى ردالمحتار: قوله وبربطه فيه أى فى الماء لأنه مات بآفة ،اتقاني،وكذا إذا مات فى شبكة لايقدر على التخلص منها كفاية، قوله أوإلقاء شيء وكان يعلم أنها تموت منه ، قال فى المنح : أو أكلت شيئاً ألقاه فى الماء لتأكله فماتت منه وذلك معلوم ، قوله فموته بآفة أى جميع ماذكروهو الأصل فى الحل . (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٠٦،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

والأصل أن السمك متى مات بسبب حادث حل أكله وإن مات حتف أنفه لا بسبب ظاهر لا يحل أكله. (الفتاوى الهندية:٥/٤٢٨).

وفى الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: والأصل في إباحة السمك أن ما مات بآفة

یؤکل، وما مات بغیر آفة لا یؤکل ...ویؤکل ما مات بحر الماء أو برده ، وبربطه فی الماء ، لأنه مات بآفة ، وكذا إذا مات بشبكة لايقدر على التخلص منها، أو مات بإلقاء شيء في الماء ، وكان يعلم أنه تموت منه، فماتت منه . (الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید:۵/ ۲٦٠،بیروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: مچھلی کا شکار پانی میں لاٹھی سے کیا لاٹھی لگ کر مچھلی مرگئی، پھر مچھلی پکڑی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زندہ مچھلی کے پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی ، اس کا کھانا درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۲۱۲،جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

چھوٹی مچھلی بلا صفائی کے کھانے کا حکم:

سوال: احسن الفتاویٰ میں چھوٹی مچھلی مع آلائش حرام قرار دیا گیا ہے۔عبارت ملاحظہ ہو۔علامہ شامیؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس پر بندہ کو مدت سے اشکال تھا کہ مچھلی کا رجیع کیونکر حلال قرار دیا گیا؟ جواہر الاخلاطی کی نص کراہۃ تحریمیہ سے اطمینان ہوا۔جواہر الاخلاطی کے حوالے عالمگیریہ میں بکثرت موجود ہیں،اس سے ثابت ہوا کہ یہ معتبر کتاب ہے۔حرمتِ سمک صغار کی علت یہ ہے کہ آلائش صاف کیے بغیر کھائی جاتی ہے اس سے مراد متعین ہوگئی۔ (احسن الفتاویٰ:۷/۳۹۰)۔کیا یہ صحیح ہے یا دوسرا قول بھی موجود ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احسن الفتاویٰ کے علاوہ کسی اور معتبر کتاب میں مکروہِ تحریمی کا قول بندہ کو نہیں ملا، جب کہ متعدد علماء نے سمک صغار کو مع آلائش حلال قرار دیا ہے۔چند عبارات حسبِ ذیل درج ہیں:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قلت : وفي معراج الدراية : لو وجدت سمكة في حوصلة الطائر تؤكل وعند الشافعيؒ : لا تؤكل لأنه كالرجيع و رجيع الطائر عنده نجس وقلنا إنما يعتبر رجيعاً إذا تغير

وفی السمک التي تقلی من غیر أن یشق جوفه فقال أصحابه: لایحل أکله لأن رجیعه نجس وعند سائر الأئمة یحل. (فتاوی الشامی: ٦/٣٠٩،سعید).

امدادالاحکام میں ہے:

بہت چھوٹی مچھلی کا کھانا بدونِ چاک کیے اور آلائش صاف کیے بھی حلال ہے کما فی الشامی ۔(امدادالاحکام: ۳۱۳/۴)۔

یہ جواب لکھنے کے بعد سائل نے حاشیہ مالا بدمنہ کی عبارت ذیل سے اس پر شبہ کیا، (ص۱۱۴، حاشیہ مالا بدمنہ)

والعبارة هذه : لکن ماہی نہایت کوچک مکروہ تحریمی است **وهو الأصح هکذا في جواهر الأخلاطي۔**

مگر اس کے بعد بھی حلت ہی راجح معلوم ہوتی ہے۔

لما في غایته الحواشي وأنواع السمک سواء کان السمک صغیراً لایمکن إخراج المرة عنها أو کبیراً کما فی السراج الوهاج ، حیث قال: کل أنواع السمک الغیر الطافي حلال صغیراً کان أو کبیراً وفي مختصر الوقایة والهدایة وحل أنواع السمک وکذا في غیرها ولم یستثن فی المتون الصغیر إلا الطافي ومقرر المتون یفتی علیه کما فی جواهر الأخلاطي وفی المحرر إن وقع التعارض بین المتون والفتاویٰ فالترجیح للمتون فالروایة التي في بعض الفتاوی أن السمک الصغار التي لایخرج المرة عنها حرام لا عبرة فإنها مرجوحة ، کما في إمداد المسائل . (٤٣/٣).

پس جس چھوٹی مچھلی میں سے پتا وغیرہ نکالنا ممکن نہ ہو وہ تو بدون چاک کیے اور آلائش صاف کیے حلال ہے۔(امدادالاحکام:۳۱۳/۴)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سمک متعفن وبدبودار متغیر کے اکل کی ممانعت میں کوئی کلام نہیں بوجہ ضرر کے کلام اس میں ہے کہ جو اجزاء حیوان دموی میں حرام ومکروہ ہیں وہ سمک میں بھی حرام ومکروہ ہیں یا نہیں ۔پس جب تک میتہ ہونا مچھلی کا سببِ حرمت وکراہت نہیں ہے تو یہ مقتضی اس کو ہے کہ اس کے اجزاء مثانہ وغیرہ بھی حرام ونجس نہیں ہیں ۔ **ولینظر ما**

في رد المحتار عن معراج الدراية ۔ (عزیز الفتاویٰ، جلدِ اول، ص۲۰۷، دارالاشاعت)۔

بہشتی زیور میں ہے:

بہت چھوٹی مچھلی کو مع آلائش کھانا جائز ہے بالاتفاق سوائے اصحابِ شافعی کے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص۱۰۴)۔

شافعیہ کے ہاں بھی ایک قول کے مطابق چھوٹی مچھلیاں آلائش کے ساتھ حلال ہیں، بعض علمائے شافعیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

هل يحل أكل السمک الصغار إذا شويت ولم يشق ما في جوفها ويخرج ما فيه ؟ فيه وجهان ، وجه الجواز عسر تتبعها، وعلى المسامحة جرى الأولون فإن الروياني بهذا أفتى ورجيعها طاهر عندي انتهى، وهذه غير المسألة لأنه فرضها فى الصغار وعلل الجواز بعسر التتبع و هو مفقود فى الكبار. (الحاوی للفتاوی: ۱/ ۲۹۰،ط: قاروقی کتب خانه).

وقال فى الأشباه والنظائر: ويلحق به مافي جوف السمک الصغار على القول بالعفو عنه لعسر تتبعها وهو الراجح . (الاشباه والنظائر: ۲/ ۳٤۰، اقسام مايعفى من النجاسة، دارالكتب العلمية).

تحفۃ المحتاج میں ہے:

ولا يجب تنقية ما في جوف الجراد وصغار السمک لعسره . (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج: ۳۹۹/٤۰، كتاب الصيد).

مغنی المحتاج میں ہے:

وأنه يحل قلي صغار السمک من غير أن يشق جوفه ويعفى عما فيه . (مغنى المحتاج: ٤/ ۲۹۷، دارالفكر).

علمائے شافعیہ کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ سمکِ صغار کو آلائش کے ساتھ کھانے کی علت عسر ہے یعنی صفائی میں مشقت وحرج ہونے کی وجہ سے معاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر چھوٹی مچھلی مع آلائش کھانے کی اجازت ہے:

(۱) فقہاء کی عبارات سے جواز واضح ہے، اور عدمِ جواز کا قول صرف احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے۔

(۲) شوافع کے ہاں بھی ایک قول جواز کا ہے بلکہ امام سیوطیؒ نے اس کو ترجیح دی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ائمہ جواز پر متفق ہیں۔

(۳) مچھلی اتنی چھوٹی ہو کہ اس کی صفائی موجبِ حرج ومشقت ہو۔

(۴) پکانے کے بعد چھوٹی مچھلیوں میں بدبو نہیں رہتی۔

(۵) پکانے سے قبل جب مچھلی کو پانی میں ڈالتے ہیں، پانی اگر گرم ہے تو اس سے مچھلی کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر ٹھنڈا پانی ہے تو بھی صفائی کا امکان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مذاہبِ اربعہ میں کیکڑا کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا اسلام میں کیکڑا (crab) کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احناف کے نزدیک کیکڑا کھانا ناجائز ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، اور شافعیہ میں سے امام نوویؒ نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ نیز متأخرین میں بھی اختلاف ہے لہذا کیکڑے کے کھانے سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولا يؤكل من حيوان الماء إلا السمك . (الهداية: ٤/٤٤٢).

المغنی میں ہے:

كل ما يعيش فى البر من دواب البحر لايحل بغير ذكاة ...إلا ما لا دم فيه كالسرطان فإنه يباح بغير ذكاة قال أحمد : السرطان لا بأس به قيل له يذبح قال : لا. (المغنى: ١١/٨٣، دار الكتب العلمية بيروت).

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

باب المباح حال الاختيار أكلاً أو شرباً طعام طاهر والبحرى بأنواعه ولو آدمية و خنزيره وإن ميتاً قوله حال الاختيار أى المباح تناوله حال الاختيار من جهة الأكل أو

الشرب. (حاشية الدسوقی علی الشرح الکبیر:۲/۱۸۱،دارالفکر).

شرح المہذب میں ہے:

الثاني ما يعيش فی الماء وفی البر أيضاً...وعد الشيخ أبو حامد و إمام الحرمين من هذا الضرب الضفدع والسرطان وهو محرمان على المذهب الصحيح المنصوص وبه قطع الجمهور وفيها قول ضعيف أنهما حلال ...

قلت: الصحيح المعتمد أن جميع ما فی البحر تحل ميتته إلا الضفدع. (شرح المهذب :۹/۳۲، دارالفکر).

(وكذا فی مغنی المحتاج : ۶/۱۵۱، مكتبة توقيفية ، وروضة الطالبين وعمدة المتقين : ۳/۲۷۵، ونهاية المحتاج : ۸/۱۵۱، دارالفکر).

الحيوان الذي لا يعيش إلا فی البحر يحل منه السمک بلا خلاف ، ويحل منه غير السمک على الأصح ، أما الحيوان البحری الذی يعيش فی البر أيضاً فقد اختلف فيه كلام النووی ؒ، فرجح فی الروضة والمنهاج التحريم ، وتبعه الرملی فی النهاية ، واعتمد فی المجموع إطلاق الحل إلا الضفدع ، و زاد شيخ الإسلام (زكريا الأنصاری) استثناء ذوات السموم وهذا ما اعتمده ابن حجر فی التحفة والخطيب فی المغنی .

الحاصل : أن الضفدع حرام لدليل خاص ورد فيه ، وأن الحيوان البحری الذی يعيش فی البر أيضاً كالسرطان والسلحفاة البحريين حلال عند ابن حجر ؒ والخطيب ؒ تبعاً للمجموع ، حرام عند الرملی تبعاً للروضة والمنهاج ؛ ومحل الخلاف إذا لم يكن من ذوات السموم ، وإلا حرم عند الجميع . (ملخص من تحفة المحتاج:۹/۴۴،دارالفکر، والغرر البهية: ۱۰/۴۴، دارالكتب العلمية ، والمجموع شرح المهذب:۹/۳۲، دارالفکر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عجل البحر کھانے کا شرعی حکم:

سوال: سیل(seal ، فقمة ، عجل البحر) ایک سمندری جانور ہے جو اپنی زندگی پانی میں گزارتا ہے لیکن بچہ جنتے وقت خشکی پر آجاتا ہے، احناف اور شوافع کے یہاں اس کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احناف کے نزدیک سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے مچھلی کے علاوہ کسی اور سمندری جانور کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے۔

النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

وأما دواب البحر فإنها محرمة سوى السمک بأجناسها في قول الفقهاء. (النتف فی الفتاوی ،ص ۱۵۰،حکم دواب البحر،ط:بیروت).

مذہبِ شافعیہ کے حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

علامہ ماوردی الحاوی الکبیر میں لکھتے ہیں:

وأما النوع الثالث من الحيوان وهو ما يجمع في عيشه بين البر البحر من الحيوانات فينقسم ثلاثة أقسام أحدها ما يكون مستقره فی البر ومرعاه من البحر مثل طير الماء فهذا من حيوان البر و يجرى عليه حكمه . والقسم الثانی: ما يكون مستقره فی البحر ومرعاه فی البر كالسلحفاة فهذا من حيوان البحر و يجرى عليه حكمه. والقسم الثالث : ما يستقر فی البر و البحر و يرعى فی البر والبحر فيراعى أغلب حاله فإن كان أغلبهما البر فی مستقره و مرعاه أجرى عليه حكم الحيوان البرى وإن كان أغلبهما البحر في مستقره ومرعاه أجرى عليه حكم حيوان البحر وإن استوى فيه الأمران ولم يغلب أحدهما على الآخر ففيه وجهان أحدهما أنه يجرى عليه حكم حيوان البر تغليباً للحظر لأنه مستغن عن البحر والوجه الثانی أنه يجرى عليه حكم حيوان البحر تغليباً للإباحة لأنه مستغن عن البر. (الحاوی الکبیرللماوردی ۶۳/۱۵:).

اسنی المطالب شرح روض الطالب میں ہے:

وما لا يعيش من الحيوان إلا فى الماء حلال كيفما مات أى حتف أنفه أو بضغطه أو صدمه أو انحسار ماء أو ضرب من الصياد أو غيره ولو لم يشبه السمک المشهور ككلب وحمار و خنزير... (اسنى المطالب:٣/٤٠٦، وكذا فى مغنى المحتاج:٦/١٤٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حلال جانوروں میں اعضائے محرمہ ومکروہہ کی وضاحت:

سوال: حلال جانوروں میں کن کن اعضاء کا کھانا ناجائز ہے؟ نیز ان اعضا میں کونسے مکروہ ہیں اور کونسے حرام ہیں اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے؟ بينوا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب: حلال جانوروں میں درجِ ذیل سات اعضا کا کھانا ناجائز ہے۔

(۱) دمِ مسفوح۔ (۲) شرمگاہ۔ (۳) خصیتین۔ (۴) غدود۔ (۵) مثانہ [پیشاب کی تھیلی]۔ (۶) مرارہ [پتا] (۷) آلۂ تناسل۔ نیز لحمِ جلالہ بھی مکروہ ہے۔

ان اعضائے سبعہ کو ہمارے فقہاءؒ نے ناجائز بتلایا ہے۔ نیز یاد رکھنے میں سہولت کی خاطر بعض علماء نے اس کو درجِ ذیل کلمہ میں جمع فرمایا ہے۔

"**فخذ مدغم**"۔ف: سے مراد فرج ہے۔خ: سے مراد خصیتین ہیں۔ذ: سے مراد ذکر۔م: سے مراد مرارہ۔د: سے مراد دمِ مسفوح۔غ: سے مراد غدود۔اور م: سے مراد مثانہ ہے۔

مذکورہ بالا سات اعضا میں سے دمِ مسفوح حرام ہے اور اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے، اس لیے اس کا حرام ہونا قطعی ہے۔

اور باقی چھ چیزوں کی ممانعت خبر واحد سے ثابت ہے اس لیے یہ چھ چیزیں مکروہِ تحریمی ہیں۔

ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير...**﴾ [المائدة:٣].

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ **إنما حرم عليكم الميتة والدم** ﴾ [النحل:١١٥].

ایک اور جگہ مذکور ہے:

﴿ **قل لا أجد في ما أوحي إلي محرماً على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دماً مسفوحاً.** [الانعام:١٤٥].

حدیث شریف میں ہے:

كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعاً : المرارة ، والمثانة ، و الغدة ، والحياء ، والذكر ، والانثيين ، والدم. (كتاب الآثارللامام ابى حنيفة ،باب مايكره من الشاة،ص١٣٨،ط: كتب خانه مجيديه، ملتان).

(وكذا رواه البيهقى فى الكبرى : ٧/١٠،وعبدالرزاق :٨٧٧١/٥٣٥/٤،والطبرانى: ٩٤٨٠/١٨١/٩، عن ابن عمر مرفوعاً).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة : الدم المسفوح والذكر والانثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة، لقوله عزشانه :﴿ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ﴾ وهذه الأشياء السبعة مما يستخبثه الطبائع السليمة فكانت محرمة وروى عن مجاهد أنه قال : كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة الذكر والانثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الأشياء الستة و بين الدم فى الكراهة والدم المسفوح محرم والمروى عن أبي حنيفةؒ أنه قال : الدم حرام وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح وسمى ما سواه مكروهاً لأن الحرام المطلق ما تثبت حرمته بدليل مقطوع به وحرمة الدم المسفوح قد ثبتت بدليل مقطوع به وهو النص المفسر من الكتاب العزيز قال الله تعالىٰ عز شأنه : ﴿قل لا أجد في ما أوحي إلي محرماً ﴾ إلى قوله عز شأنه ﴿ أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير﴾

وانعقاد الإجماع أيضاً على حرمته فأما حرمة ما سواه من الأشياء الستة فما ثبتت بدليل مقطوع به بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب العزيز المحتمل للتأويل أو الحديث لذلك فصل بينهما في الاسم فسمى ذلک حراماً وذا مكروهاً والله عز اسمه أعلم. (بدائع الصنائع: ٦١/٥، سعيد).

وفي رد المحتار: قوله من الشاة ، ذكر الشاة اتفاقي لأن الحكم لا يختلف في غيرها من المأكولات . قوله الحياء ، هو الفرج من ذوات الخف والظلف والسباع . (ردالمحتار: ٧٤٩/٦، مسائل شتى ،سعيد).

تنقيح الفتاوى الحامديه میں ہے:

والمكروه تحريماً من الشاة سبع: الفرج والخصية والغدة والدم المسفوح والمرارة والذكر وقد نظمها بعضهم بقوله:

إذا ما ذكيت شاة فكلها ☆ سوى سبع ففيهن الوبال

فقاء ثم خاء ثم عين ☆ ودال ثم ميمان ودال

أقول: وقد كنت نظمتها بقولي :

إن الذى من الشياه يحرم ☆ يجمعه حروف فخذ مدغم

(تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢٣٢/٢،كتاب الذبائح).

(ومثله فى الدرالمختارمع ردالمحتار: ٧٤٩/٦، ٧٥٠،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٧٤٩/٦،سعيد،وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٣٦٠/٤،والفتاوى الهندية: ٢٩٠/٥،فى المتفرقات من الذبائح ،والفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ٣٠٣/٦،والنتف فى الفتاوى،ص: ١٥١ مايكره من الشاة المذبوحة،ط: بيروت).

وفى النتف فى الفتاوى : قال: وتكره الجلالة من الأنعام ويستحب إذا أراد ذبحها أن يحسبها أياماً و يعلفها حتى تنظف أجوافها ثم يذبحها. (النتف فى الفتاوى،ص ١٥١،ط: بيروت).

اعلاء السنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها، رواه الخمسة إلا النسائي .

أقول: النهي عن أكل لحم الجلالة وشرب لبنها والركوب عليها إنما هو إذا ظهر أثر النجاسة في لحمها ولبنها وعرقها بأن يظهر فيها طعمها أو ريحها أو لونها وإلا فلا، ثم لما كانت هذه الكراهة عارضة يرتفع بارتفاع العارض بأن تحبس أياماً وتعلف حتى يغلب أثر العلف على أثر العذرة ويفني وليس له مدة معينة ، قال السرخسي : الأصح عدم التقدير وتحبس حتى تزول الرائحة المنتنة كذا في "ردالمحتار". (اعلاء السنن:۱۷/۱۹۴).

وللمزيد انظر: (اعلاء السنن:۱۷/۱۹۴-۱۹۷).

خلاصہ یہ ہے ان اشیائے سبعہ کا کھانا ناجائز ہے اور دم مسفوح تو مطلقاً حرام ہے، اگر کوئی شخص کھاتا ہے تو یہ اس کا فعل حلت کی دلیل نہیں ہے، نیز طبائع سلیمہ ان چیزوں سے نفرت کرتی ہیں لہذا اگر کوئی کہے کہ اس کے کھانے میں بڑی لذت ملتی ہے تو اس کا یہ قول خلافِ فطرت ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرام مغز کھانے کا شرعی حکم:

سوال: حرام مغز جو لوگوں میں مشہور ہے اس کا کھانا کیسا ہے حرام یا مکروہ یا مباح یا خلافِ اولیٰ ہے، نیز چھوٹے جانوروں یا مرغیوں سے نکالنا بھی باعثِ کلفت ہے۔ آپ حکمِ شرعی کی طرف رہنمائی فرمائیے؟

الجواب: حرام مغز کا کھانا مکروہ ہے اور راجح قول یہ ہے کہ اس میں کراہتِ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

كره من الشاة الحياء والخصية والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذكر و نخاع الصلب كذا في الكنز. (الفتاوى الهندية:۶/۴۴۵).

کنز الدقائق میں ہے:

كـره مـن الشـاة : الحياء [الفرج] والخصية ، والغدة ، المثانة ، والمرارة ، والدم المسفوح ، والذكر .

وفـى تـعـليـقـات الـكنز للشيخ سائد بكداش : قال : لورود الأثر فى النهى عن هذه الأشياء ، ولاستخباث النفوس السليمة لها ، وأما الدم : فقال أبوحنيفةؒ بحرمته لثبوت النص فى تحريمه .

تـنبيه : جاء ت فى ص ٢١٧ مـن نسـخة الـكنز المطبوعة فى الهند سنة ١٢٩٤هـ زيادة جملة على هذه السبع ، و هى : " ونخاع الصلب" ، وهوحكم تفردت به هذه النسخة دون غيـرهـا مـن الـنسـخ الخطية والمطبوعة ، ولم يذكرهذا الفرع أيضاً فى الكنز مع تتمة الطورى ٨/٥٥٣ ، ولا فـي تـفـريـعـات الطورى ، وكذلک فى بقية الشروح ، ينظر: تبيين الحقائق ٦/٢٢٦، فتح المعين لأبى السعود ٣/٥٦٠، كشف الحقائق ٢/٣٣٨ ، وكذلک لم يذكر فى الدر المختار، ولا في فروع ابن عابدين عليه ٦/٧٤٩ .

فـي حيـن أن عـلماء الهند فى الفتاوى الهندية (العالمكيرية) ٦/٤٤٥ اعتماداً منهم على هذه المطبوعة الهندية من الكنز قرروا حكماً شرعياً و هو: كراهة أكل نخاع الصلب ، حيـث كتبوا فى الفتاوىٰ : " والنخاع الصلب ، وكذا فى الهندية ". وكتب مصحح الفتاوى الهـنـدية معلقاً فى الحاشية : قوله : والنخاع الصلب ، ولم أجد ذلک في عبارة الكنز، ولا في شرحه التبيين . (تعليقات الشيخ سائدبكداش على الكنز،ص٦٩٤،مسائل شتى،ط: دارالبشائرالاسلامية).

کنز مطبوعہ امدادیہ ملتان میں (ص۴۹۶) پر نخاع الصلب کا ذکر موجود ہے،لیکن اس کے محشی مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

قوله ونخاع الصلب المراد به ما يقال فى الهندية " حرام مغز" واعلم أن قوله ونخاع الصـلـب لـم يـوجـد في جميع الشروح من المتن وإنما هو فى النسخ المطبوعة ولم يذكر صـاحب الدر المختار أيضاً فيما عدوه من الأشياء المكروهة ولم يأخذه فى نظم الذى ذكر

نقلته من ملا مسكين أيضاً بل اكتفى فيه على سبعة فافهم ." حبيب الرحمن ". (حاشية كنزالدقائق،ص٤٩٦،ط: امداديه ملتان ، پاكستان).

خلاصہ یہ ہے کہ کنزالدقائق کے ہندوستانی نسخوں میں نخاع الصلب کا ذکر موجود ہے لیکن دیگر مخطوطہ ومطبوعہ کسی بھی نسخہ میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے نیز عالمگیری میں بحوالہ کنز مذکور ہے، لیکن حاشیہ میں وضاحت کردی ہے کہ یہ لفظ کنز اوراس کی شرح تبیین میں موجود نہیں ہے، لہذا کنز کی عبارت مشکوک ہوگئی اورسائد بکداش کی تحقیق کے مطابق کالعدم ہوئی ،لہذا نخاع الصلب کا مکروہ ہونا مشکوک ہوگیا۔البتہ اگر مذہب کی دیگر کتب میں مکروہ لکھا ہوتو کراہت ثابت ہوگی لیکن تحریمی کا اثبات پھربھی مشکل ہے فقط تنزیہی ثابت ہوسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

(قوله والدم المسفوح) أى السائل من العروق أماالدم الباقى فى العروق بعد الذبح لايكره كما فى المفتاح و زيد نخاع الصلب. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/٣٦٠،ط:كوئته).

لہذا اگرنخاع الصلب بآسانی نکال سکتے ہیں تو نکالنا چاہئے لیکن اگرچھوٹے جانوروں میں اس کا نکالنا مشکل ہوتو پھراس کا نکالنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوعلامہ عبدالحی لکھنویؒ مجموعۃ الفتاویٰ میں تحریرفرماتے ہیں:

سوال: حرام مغز مکروہِ تحریمی ہے یا مکروہِ تنزیہی اگرمکروہِ تحریمی ہےتو ہرچھوٹے بڑے جانور کا حرام مغز نکالنا واجب ہے جیسے بکری مرغ چڑیا کبوتر وغیرہ یا صرف بڑے جانوروں کا؟

جواب: نصاب الاحتساب اورمطالب المومنین وغیرہ میں اس کومکروہ لکھا ہے اورظواہر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے پس جن جانوروں کے حرام مغز کے نکالنے میں دشواری ہوان کا حرام مغز نکالنا ضروری نہیں ہے۔(معلم الفقہ ترجمہ اردو مجموعۃ الفتاویٰ،جلدِدوم،ص۳۲۱،ط:آرام باغ کراچی)۔

نصاب الاحتساب کی عبارت ملاحظہ ہو:

وأما ما يكره فهو عشرة : الغدة ، والقبل، والدبر، والذكر، والخصيان، والمرارة ، والمثانة ، ونخاع الصلب...الخ. (نصاب الاحتساب ،الباب الثامن والخمسون فى الاحتساب على الطباخ،

ص ۳۷۵).

حضراتِ اکابرؒ کی عبارات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ چند فتاویٰ کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

کپورے کھانا مکروہ ہے گردے جائز ہیں حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ یونہی بے چارہ بدنام ہوگیا۔ (کفایت المفتی: ۲۶۲/۸، دار الاشاعت)۔

صاحبِ بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

نخاع کی حرمت فقہ کی کتب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ (فتاویٰ مظاہر علوم، ص ۲۹۹)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

بر حرمتِ حرام مغز ہیچ دلیل قائم نہ شد و اجزاء سبعہ از شاۃ مکروہ داشتہ اند دران ہم مغز حرام داخل نیست پس خوردنِ آں حلال ست۔ (امداد الاحکام: ۳۱۲/۴)۔

ایک اور استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں:

حرام مغز کی حرمت کا مصرح ہونا ہم کو کتبِ فقہ میں نہیں ملا اگر آپ نے تصریح دیکھی ہو تو عبارت کتاب مع حوالہ صفحہ و جلد و باب لکھ کر مطلع فرمائیں۔ (امداد الاحکام: ۳۱۲/۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بحوالہ طحطاوی منع لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال: حرام مغز کھانا کیسا ہے؟

الجواب: منع ہے، طحطاوی: ۳۶۰/۴۔

اس کی تعلیقات میں کنز الدقائق کی عبارت بھی دلیل میں پیش کی گئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۸/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں منع لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں ذکر، فرجِ مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز۔ پشت کے مہرے میں ہوتا ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۵۸۷، ط: لاہور)۔

امداد المفتین میں ہے:

سوال: حلال جانور کا حرام مغز کھانا درست ہے یا نہیں، فقہ حنفیہ کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں ان میں حرام مغز کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ ندارد اس لیے حضراتِ علماء سے برائے اطمینانِ قلب حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب: احقر کو بھی باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں ملا...الخ.

حاشیہ میں مرقوم ہے: بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپورؒ نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انہوں نے بتلایا وہ بعینہٖ درجِ ذیل ہے: **صرح به الطحطاوي على الدر حيث قال : وزيد نخاع الصلب** ۔(امداد المفتین مع الحاشیہ از مؤلف:۲/۸۰۵،ط: دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف طحطاوی کی عبارت اس بارے میں صریح ہے لیکن اس کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ حرام مغز بعد میں مکروہات میں شامل کیا گیا ہے، کیونکہ عام کتبِ فقہ میں اس کے بارے میں کوئی تصریح مذکور نہیں ہے صرف سات چیزوں کو مکروہات میں شمار کیا گیا ہے۔ بہر حال طحطاوی کی عبارت کی وجہ سے کراہتِ تنزیہی کا قول درست ہے کراہتِ تحریمی کا قول محلِ نظر ہے۔

چونکہ حرام مغز کے معنی پوشیدہ ہیں لہذا لغت کی کتابوں سے اس کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

نخع : بالفتح والكسر والضم عرق أبيض في داخل العنق ، ينقاد في فقار الصلب حتى يبلغ عجب الذنب وهو يسقى العظام . (لسان العرب:۸/۳٤۸،وتاج العروس :٥/٥۲۰).

وفى المغرب : نخع : النخاع ؛ خيط أبيض في جوف عظم الرقبة يمتد إلى الصلب . (المغرب:۲/۲۹۳).

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ نخاع سفید رگ ہے جو گردن کے اندر سے ہو کر پشت میں سے گزر کر دم کی جڑ تک پہنچتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غدود کا شرعی حکم:

سوال: غدود جس کو عربی میں " **الغدة** " کہتے ہیں اور حرام مغز جس کو "**نخاع الصلب**" کہتے ہیں ان

دونوں کا کیا حکم ہے؟ اگر سالن میں پکادے تو اس سالن کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: غدود" الغدة " کے متعلق فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کا کھانا اصح قول کے مطابق مکروہِ تحریمی ہے اور ایک قول کے مطابق مکروہِ تنزیہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال جانور میں سے: آلہ تناسل، خصیتین، شرمگاہ، [فرج]، غدود، پتا (تلخی کڑواہٹ، جگر سے ملی ہوئی صفرا کی تھیلی جو چکناہٹ کے ہضم میں مددگار ہوتی ہے۔)، مثانہ، اور خون کو ناپسند فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خون تو حرام ہے کیونکہ اس میں آیتِ کریمہ وارد ہوئی ہے اور باقی چیزیں مکروہ ہیں، کیونکہ طبعیتِ سلیمہ ان سے نفرت کرتی ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

كره تحريماً وقيل تنزيهاً والأول أوجه من الشاة سبع ...للأثر الوارد في كراهة ذلک. وفي ردالمحتار: قوله كره تحريماً لماروى الأوزاعي عن واصل بن أبى جميلة عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة : الذكر والانثيين والقبل والغدة و المرارة والمثانة والدم ، قال أبوحنيفةؒ : الدم حرام وأكره الستة... لأنه مما تستخبثه الأنفس ، و تكرهه و هذا المعنى سبب الكراهية لقوله تعالىٰ : ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾...الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٧٤٩/٦،مسائل شتى ـ سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق: ٤٨/٨،ط: كوئته،وبدائع الصنائع: ٦١/٥،سعيد،والفتاوى الهندية:٢٩٠/٥).

غدود سے مراد ہڈیوں کا گودا نہیں جس کو عام لوگ کھاتے ہیں اور احادیث میں بھی اس کے کھانے کی تصریح موجود ہے بلکہ اس سے مراد پٹھے ہیں جس کو انگریزی میں gland کہتے ہیں۔ اور گودا جو کھایا جاتا ہے اس کو انگریزی میں marrow کہتے ہیں۔

غدود، **الغدة**، اور **الغددة**، یہ اشیائے سبعہ میں سے ہے اور مکروہِ تحریمی ہے، اس کے بارے میں اہل لغت لکھتے: جسم میں پیدا ہونے والی گرہ جس کے گرد چربی ہو۔ نیز گوشت کی گرہ جو کسی بیماری کی وجہ سے ابھر آتی ہے۔

اور ہڈیوں کے اندر کا مغز جو کھایا جاتا ہے اس کو عربی میں "مخ"، "لب"، کہتے ہیں اور اردو میں گودا، مغز

استخواں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (فیروز اللغات، القاموس الوحید وغیرہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: ...آپ واضح فرمائیں کہ غدود کیا ہے؟ عام طور پر غدود نلی میں سے یا پاؤں میں سے نکلتا ہے، اسے کہتے ہیں، عام طور پر لوگ اس کو بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب: خون جم کر گھٹلی کی صورت ہو جاتی ہے، اس کو ''غدہ'' کہتے ہیں، وہی اردو میں ''غدود'' کہلاتا ہے۔ پائے اور دوسری ہڈی سے جو چیز نکلتی ہے اس کو ''گلی'' اور ''گودہ'' اور ''گود'' کہتے ہیں، اس کا کھانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۲۹۷، جامعہ فاروقیہ)۔

حرام مغز کے بارے میں پیچھے تفصیل سے مذکور ہوا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ علامہ سید احمد طحطاویؒ کی عبارت کی وجہ سے کراہتِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ کا قول درست ہے۔

جن اشیاء کا کھانا مکروہِ تحریمی ہے یا حرام ہے ان کو سالن میں پکانے سے سالن حرام نہیں ہوگا بلکہ سالن کا کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں مرقوم ہے:

ذكر [أى صاحب القنية] أن الذكر أو الغدة لو طبخ فى المرقة لا تكره المرقة .

(فتاوى الشامى: ٦/ ٧٤٩، سعيد).

علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:

قوله إنه لا يكره أكل المرقة واللحم ، أى المطبوخ مع الذكر أو الغدة وعبارة القنية على ما ذكره فى شرح الوهبانية: ذكر الشاة وغُدَدُها طبخا فى اللحم لا تكره المرقة.

(التحرير المختار: ٦/ ٣٥٧، سعيد).

نفع المفتی والسائل میں ہے: **الاستفسار: ذكر الشاة إذا طبخ فى المرقة ، هل يكره أكلها ؟**

الاستبشار: نعم ؛ ولا كراهة فى المرقة . كذا فى السراج المنير. (فتاوى اللكنوى، ص ٣٧٣، كتاب الحظر والاباحة، ما يتعلق بالاكل والشرب) .

(وكذا فى شرح منظومة ابن وهبان : ٢/ ١٥٥، ط: ديوبند). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اوجھڑی اور آنتوں کا حکم:

سوال: اگر کسی جگہ قربانی کی اوجھڑی اور آنتیں نہیں کھائی جاتیں تو ان کو دفن کیا جائے یا بلیوں کو اور کتوں اور پرندوں کے کھانے کی جگہ رکھ لیں تا کہ وہ کھالیں؟

الجواب: اوجھڑی اور آنتوں کو صاف کر کے کھانا جائز اور درست ہے، لیکن اگر کسی جگہ ان کو نہیں کھاتے تو مذکورہ بالا جانوروں کے سامنے ڈالنا بہتر ہے، حدیث میں آتا ہے: " **وفي كل ذات كبد رطبة أجر**"۔ ہر زندہ جانور کو کھلانے میں اجر ایک عورت کی مغفرت اس لیے ہوئی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا، (بخاری) اور ایک عورت اس وجہ سے معذب ہوئی کہ اس نے بلی کو محبوس رکھا تھا اس کو نہ کھلاتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ از خود کھالے، البتہ اگر کسی جگہ جانور نہ آتے ہوں اور تعفن کا اندیشہ ہو تو پھر دفن کر دینا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح ، والذكر، والأنثيان ، والقبل، والغدة ، والمثانة ، والمرارة ،لقوله عزشأنه: ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث وهذه الأشياء السبعة تستخبثه الطباع السليمة فكانت محرمة . (بدائع الصنائع:٥/٦١ ، سعيد).

تنقيح الفتاوى الحامديه میں ہے:

والمكروه تحريماً من الشاة سبع: الفرج والخصية والغدة والدم المسفوح والمرارة والذكر وقد نظمها بعضهم بقوله:

إذا ما ذكيت شاة فكلها ☆ سوى سبع ففيهن الوبال

ففاء ثم خاء ثم عين ☆ ودال ثم ميمان ودال

أقول: وقدكنت نظمتها بقولي :

إن الــذی مــن الشیـــاه یـحــرم ☆ یـجـمـعـه حــروف فـخذ مدغم

(تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/ ۲۳۲، کتاب الذبائح).

(ومثله فی الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/ ۷۴۹، ۷۵۰، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الـدرالـمختـارمـع ردالـمـحتـار: ۶/ ۷۴۹، سـعـيـد، وحـاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۴/ ۳۶۰).

فتاویٰ محمود یہ میں ہے:

سوال: انتڑی اوراوجھڑی کھانا شرعاً درست ہے،خوب پاک صاف کر کے کھائیں۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۲۹۴، جامعہ فاروقیہ)۔ مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۵۱۱، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۳۷۸).

أخـرج البـخاري بسنده عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسـول الـلّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: ”بيـنـمـا رجـل بـطـريق فاشتد عليه العطش فوجد بئراً فنزل فيها فشرب ثم خرج فإذا كلب يـلهـث يأكل الثرى من العطش فقال: الرجل لقد بلغ هذا الكلب من العطش مثل الذی كان بـلـغ مني فنزل البئرفملأ خفه ماء ، فسقى الكلب فشكر اللّٰه له فغفر له قالوا : يا رسول اللّٰه ! وإن لـنا فی البهائم لأجراً فقال : في كل ذات كبد رطبة أجر“. (رواه البخاری برقم: ۲٤٦٦، ومسلم: ۲۲٤٤، وابوداود: ۲۵۵۰).

وأخرج أيضاً عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: غفر لامرأة مـومسة مـرت بـكـلـب على رأس ركی يلهث ، قال: كاد يقتله العطش فنزعت خفها فأوثقته بـخـمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذلک. (صحيح البخاری، رقم: ۳۳۲۱، واخرج مسلم فی باب فضل سقی البهائم).

مذکورہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جانور کو کھلانے میں اجر ہے،لہذا یہ دفن کرنے سے بہتر ہے۔البتہ جانور موجود نہ ہو یا تعفن کا اندیشہ ہو تو دفن کر دینا بہتر ہوگا۔

ملاحظہ ہو باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: ...اور جو کوئی (گوشت) کھانے، لینے والا نہیں تو دفن کرنا ضروری ہے تاکہ تعفن سے خلق کو اذیت نہ ہووے۔(باقیاتِ فتاویٰ رشدیہ، ص ۲۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرے فیش (Cray fish) کھانے کا حکم:

سوال: کرے فیش (Cray fish) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کرے فیش (Cray fish) کے مچھلی نہ ہونے کی وجہ سے اس کھانا مذہبِ احناف کے مطابق جائز اور درست نہیں۔ اس جانور سے متعلق کچھ وضاحت ملاحظہ کیجئے:

اس جانور کو عربی میں جراد البحر و جراد النہر کہتے ہیں۔ (المورد: ۲۸۸)۔

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں مرقومہ عبارت کا خلاصہ درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

یہ سرطان کیکڑے (lobster) کی طرح ہوتا ہے اس کو (spiny lobster) بھی کہتے ہیں۔ اردو میں اس کو دریائی ٹڈی کہتے ہیں۔ یہ تازہ پانی میں رہنے والا ایک خول دار جانور ہے۔ افریقہ اور انٹرٹیکا کے علاوہ ہر براعظم میں دستیاب ہے۔ اس کے بدن کا اگلا حصہ بے حس و حرکت ہوتا ہے اور پچھلا حصہ متحرک ہوتا ہے۔ اس کے چھ پیر ہوتے ہیں، آگے کے دو پیر سے پکڑنے کا کام کرتا ہے اور باقی چار پیر کو چلنے کیلئے استعمال کرتا ہے، رات کے شروع میں یہ جانور جب اپنے سوراخ سے سمندر کے ساحل پر نکلتا ہے تو اس وقت بہت چست ہوتا ہے، اس جانور کو سوراخ کرنے کی عادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی دریا یا ندی میں سیلاب روک پشتہ ختم ہوتا ہے۔ یورپ میں اس کو اچھے کھانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (ملخص از ورلڈ بک انسائکلو پیڈیا: ۴/۹۰۱)۔

مذہبِ احناف میں بحری جانوروں میں سے فقط مچھلی حلال ہے۔ قرآنِ کریم کی آیت: ﴿وأحل لک صید البحر وطعامه﴾ کے تحت امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں: **أنه أراد السمک خاصة دون ما سواه.** (احکام القرآن: ۴/۱۴۷، احیاء التراث)۔

تحفۃ الملوک میں مذکور ہے:

ولا يحل من حيوان الماء، إلا أنواع السمک كلها. (تحفة الملوک، ص ۲۱۴، فصل مایحرم اکله من الحیوانات، ط: دار البشائر الاسلامیة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

”حلال جانوروں کی فہرست“

(بری اور بحری چوپائے اور پرندے، جن کا کھانا جائز اور درست ہے)

اردونام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
ابابیل	الخطاف	Swallow	حلال	حرام	حلال	خلاف
اونٹ	الابل	Camel	حلال	حلال	حلال	حلال
بکری، بکرا	المعز	Goat	حلال	حلال	حلال	حلال
بھیڑ، مینڈھا	الضان	Sheep	حلال	حلال	حلال	حلال
بھینس، بھینسا	الجاموس	Buffalo	حلال	حلال	حلال	حلال
بارہ سنگھا	الایل ، مثل الوعل	Deer	حلال	حلال	حلال	حلال
بٹیر	السمانی	Quail	حلال	حلال	حلال	حلال
بلبل	بلبل العندلیب	Nightingale	حلال	حلال	حلال	حلال
بگلا	طیرالماء البلشون	Heron	حلال	حلال	حلال	حلال
بطخ	بط،الإوزة	duck,Goose	حلال	حلال	حلال	حلال
پانی مرغ	دیک الماء		حلال	حلال	حلال	حلال
پانی مرغی	دجاج الماء		حلال	حلال	حلال	حلال
تیتر	الدراج	Francolin, Black Partridge	حلال	حلال	حلال	حلال

تلیر	التلیر		حلال	حلال	حلال	حلال
ٹڈی	الجراد	Locust	حلال	حلال	حلال	حلال
چڑیا	العصفور	Sparrow	حلال	حلال	حلال	حلال
چکاوک	القبرة	Lark	حلال	حلال	حلال	حلال
چکور	الحجل	Partridge, Bobwhite	حلال	حلال	حلال	حلال
خرگوش	الارنب	Rabbit	حلال	حلال	حلال	حلال
دنبہ	الکبش	Sheep	حلال	حلال	حلال	حلال
دھنیر	دھنیر		حلال	حلال	حلال	حلال
زرافہ	الزرافة	Giraffe	حلال	حلال	حلال	حلال
سراگائے	البقرالجبلی		حلال	حلال	حلال	حلال
سرخاب	الحباریٰ	Bustard	حلال	حلال	حلال	حلال
شترمرغ	النعامة	Ostrich	حلال	حلال	حلال	حلال
طوطا	الدرة،الببغاء	Parrot	حلال	حرام	حلال	حلال
فاختہ	الفاختة الیمامة	Dove	حلال	حلال	حلال	حلال
قمری	القمری	Turtle dove	حلال	حلال	حلال	حلال
کبوتر	الحمامة	Pigeon	حلال	حلال	حلال	حلال
کبوتر کے مشابہ	الحریل		حلال	حلال	حلال	حلال
کھیت کا کوا	الزاغ	Crow	حلال	حلال	حلال	حلال

کنٹھ پھوڑ	الهدهد	Hoopoe	حلال	حرام	حلال	خلاف
کلنگ	الكركي الغرنوق	Crane	حلال	حلال	حلال	حلال
گورخر	الحمار الوحشي	zebra, Wildass	حلال	حلال	حلال	حلال
گائے، بیل	البقر	Cow,Ox	حلال	حلال	حلال	حلال
گھوڑا	الخيل	Horse	خلاف	حلال	مکروہ	حلال
لکلک	اللقلق	Stork	حلال	حرام	حلال	حرام
مرغ	الديك	Rooster	حلال	حلال	حلال	حلال
مرغی	الدجاجة	Chicken	حلال	حلال	حلال	حلال
مرغابی	الطائرالسابح	Waterfowl	حلال	حلال	حلال	حلال
مینا	الزرزور	Starling	حلال	حلال	حلال	حلال
مور	الطاووس	Peacock	حلال	حرام	حلال	خلاف
ممولا	الصعو	Wren	حلال	حلال	حلال	حلال
مچھلی	السمک	Fish	حلال	حلال	حلال	حلال
نیل گائے	بقرةالوحش عين	Antelope, wild cow	حلال	حلال	حلال	حلال
ہرن	الظبی،غزال	Deer, Gazelle, buck, Antelope	حلال	حلال	حلال	حلال
ہنس	من اقسام البط	Goose	حلال	حلال	حلال	حلال

”حرام جانوروں کی فہرست“

(بری اور بحری چوپائے اور پرندے، جن کا کھانا ناجائز اور حرام ہے)

اردو نام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
اود بلاؤ (بلی کے مشابہ جانور)	کلب الماء ثعلب الماء	Otter	حرام	حلال	حلال	حلال
بن مانس	النسناس	Guenon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بھیڑیا	ذئب	Wolf	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بھڑ	الزنبور	Hornet/Wasp	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بجو	الضبع	Hyena	حرام	حلال	حلال ومکروہ	حلال
بلی	السنور، الهرة	Cat/wild cat	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بندر	القرد	Monkey	حرام	حرام	مکروہ	حرام
باز	البازی	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
باشہ	الباشق	Sparrow hawk	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بچھو	العقرب	Scorpion	حرام	حرام	حرام	حرام
تیندوا	الفهد	Cheetah	حرام	حرام	مکروہ	حرام

جوں	القمل	Louse	حرام	حرام	مکروہ	حرام
جرہ	الصقر	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چیتا	النمر	Leopard/ Panther/ Tiger	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چمگادڑ	الخفاش	Bat	حرام	حرام	حرام	حرام
چوہا	الفأر	Mouse/rat	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چوہا جنگلی	اليربوع	Jerboa	حرام	حلال	حلال	خلاف
چیل	الحدأة	Kite	حرام	حرام	مکروہ	حرام
خچر	البغل	Mule	حرام	حرام	مکروہ	حرام
دیمک	الارضة	Termite	حرام	حرام	مکروہ	حرام
ریچھ	الدب	Bear	حرام	حرام	مکروہ	حرام
سور	الخنزير	pig/swine/hog	حرام	حرام	حرام	حرام
سانپ	الحية	Snake	حرام	حرام	حلال	حرام
سیہہ	القنفذ	Hedgehog	حرام	حلال	حلال	حرام
شاہین	الشاهين	Peregrine Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شہد کی مکھی	النحل	Bee	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شیر	الاسد	Lion	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شکرا	الصقر	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
کچھوا	السلحفاة	Turtle	حرام	حرام	حلال	حرام
کیکڑا	السرطان	Crab/Lobster	حرام	حلال	حلال	حلال

کتا	الکلب	Dog	حرام	حرام	حلال	حرام
کوا	الابقع	Spotted crow	حرام	حرام	حلال	حرام
گلہری	السنجاب	Squirrel	حرام	حلال	خلاف	خلاف
گیدڑ	ابن آوی	Jackal	حرام	حرام	حلال	حرام
گدھ	النسر	Vulture	حرام	حرام	مکروہ	حرام
گدھا	الحمار	Donkey	حرام	حرام	حرام	حرام
گوہ	الضب	Spiny-tailed lizzard	حرام	حلال	حلال	حلال
گرگٹ	الحرباء	Chameleon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
گینڈا	الکرکدن	Rhino	حرام	حلال	مکروہ	حلال
لومڑی	الثعلب	Fox	حرام	حلال	حلال	خلاف
مگرمچھ	التمساح	Crocodile	حرام	حرام	مکروہ	حرام
مچھر	البعوض	Mosquito	حرام	حرام	مکروہ	حرام
مکھی	الذباب	Fly	حرام	حرام	مکروہ	حرام
مینڈک	الضفدع	Frog/Toad	حرام	حرام	مکروہ	حرام
مکڑی	العنکبوت	Spider	حرام	حرام	مکروہ	حرام
نیولا	ابن عرس	Weasel	حرام	حلال	حلال	حرام
ہاتھی	الفیل	Elephant	حرام	حرام	مکروہ	حرام

حلال وحرام جانوروں کے نقشہ کے لیے درجِ ذیل کتب ورسائل سے استفادہ کیا گیا ہے:۔

(۱) رسالہ مفتی دمشق شیخ محمود حمزاوی۔

(۲) اعلاء السنن جلد:۱۷۔

(۳) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، جلد:۵۔

(۴) فتاوی الشامی، جلد:۶۔

(۵) النتف فی الفتاویٰ۔

(۶) منح الجلیل شرح مختصر الخلیل، جلد۲۔

(۷) المغنی لابن قدامہ الحنبلی، جلد:۱۱۔

(۸) الفقہ المنہجی، جلد:۱۔

(۹) الفقہ المیسر۔

(۱۰) شرح المہذب، جلد۹۔ اور بعض جدید رسائل۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اقسام السمک

(مچھلیوں کی چند اقسام نقشہ میں ملاحظہ ہو)

اردو نام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
چکنی مچھلی	شبوط	Carp	حلال	حلال	حلال	حلال
چھوٹی مچھلی	زامور	Pilot fish	حلال	حلال	حلال	حلال
ڈوبتے کو بچانے والی مچھلی	دلفین/دخس	Dolphin	حلال	حلال	حلال	حلال
حیض سے نفرت کرنے والی مچھلی	حوت الحیض (۱)		حلال	حلال	حلال	حلال
اونٹ کے مشابہ مچھلی	جمل البحر		حلال	حلال	حلال	حلال
عنبر	عنبر	Sperm whale	حلال	حلال	حلال	حلال
	الشابل	Shad	حلال	حلال	حلال	حلال
مضبوط ہڈیوں والی مچھلی	قطا		حلال	حلال	حلال	حلال
	قوقی		حلال	حلال	حلال	حلال
	کوسج	Sail fish	حلال	حلال	حلال	حلال
منارہ کے مشابہ مچھلی	مینارة		حلال	حلال	حلال	حلال

آرے والی مچھلی	منشار	Saw fish	حلال	حلال	حلال	حلال
حوتِ یونسؑ	نون	Whale	حلال	حلال	حلال	حلال
انسان کے مشابہ مچھلی	ابومزينة		حلال	حلال	حلال	حلال
شارک فیش	القرش	Shark	حلال	حلال	حلال	حلال
کٹ فیش	جرى	cat fish	حلال	حلال	حلال	حلال
	الاسقمرى	Mackerel	حلال	حلال	حلال	حلال
	الاسقلبين	Sculpin	حلال	حلال	حلال	حلال
	السلمون	Salmon	حلال	حلال	حلال	حلال
	المنوة	Minnow	حلال	حلال	حلال	حلال
	البلايس	Plaice	حلال	حلال	حلال	حلال
	الهلبوت	Halibut	حلال	حلال	حلال	حلال
	التيمالوس	Grayling	حلال	حلال	حلال	حلال
	الرنكة	Herring	حلال	حلال	حلال	حلال
	البركودة	Barracuda	حلال	حلال	حلال	حلال
	الحفش	Sturgeon	حلال	حلال	حلال	حلال
	القلقباس	Calico bass	حلال	حلال	حلال	حلال
	الفرخ المخطط	Striped bass	حلال	حلال	حلال	حلال
	الغرمبس	Grampus	حلال	حلال	حلال	حلال
	الرض	Rudd	حلال	حلال	حلال	حلال

	اللشک	Remora	حلال	حلال	حلال	حلال
	البینیت	Bonito	حلال	حلال	حلال	حلال
چھوٹی مچھلی	تن	Tuna	حلال	حلال	حلال	حلال
	کراکی	Pike	حلال	حلال	حلال	حلال
	زجر		حلال	حلال	حلال	حلال
	بوری	Mullet	حلال	حلال	حلال	حلال
	سیف	Cutlass fish	حلال	حلال	حلال	حلال
	سردین	sardine	حلال	حلال	حلال	حلال
	اللتش	Loach	حلال	حلال	حلال	حلال
	ابو الشص	Angler fish	حلال	حلال	حلال	حلال
	ابو منقار	Gar /Halfbeak	حلال	حلال	حلال	حلال
	القیصان	Moon fish	حلال	حلال	حلال	حلال
	سنمورة	Anchovy	حلال	حلال	حلال	حلال
گونچ مچھلی			حلال	حلال	حلال	حلال
	القوبیون	Gudgeon				
	السمک الذھبی	Gold fish				
	التروتة	Rainbow trout	حلال	حلال	حلال	حلال

((۱) یہ مچھلی بڑی بڑی کشتیوں کو سمندر میں چلنے سے روک دیتی ہے، اس وجہ سے کشتی والے حیض کے خون میں آلودہ کپڑے اس کی طرف پھینکتے ہیں تو یہ مچھلی بھاگ جاتی ہے اور کشتی کے قریب نہیں آتی، گویا حیض اس سے بچنے کا سامان ہے، اسی وجہ سے اس کو حوت الحیض کہتے ہیں)۔

اقسام سمک کے نقشہ میں درجِ ذیل کتبِ لغات سے استفادہ کیا گیا ہے:۔

(۱) المورد قاموس انگریزی وعربی۔
(۲) المورد قاموس عربی وانگریزی۔
(۳) فیروز اللغات۔
(۴) المنجد فی اللغۃ۔
(۵) القاموس الجدید اردو عربی۔
(۶) انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔
(۷) ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿والبدن جعلنٰها لکم من شعائر اللّٰه لکم فیها خیر، فاذکروا اسم اللّٰه علیها صواف، فإذا وجبت جنوبها فکلوا منها وأطعموا القانع والمعتر، کذلک سخرنٰها لکم لعلکم تشکرون، لن ینال اللّٰه لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقویٰ منکم.

(سورة الحج:۳۶،۳۷).

باب......(۳)

أحکام الأضحیة

عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ أنهم قالوا: لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ما هذه الأضاحي؟ قال: "سنة أبیکم إبراهیم علیه السلام"، قالوا: ما لنا فیها من الأجر؟ قال: "بکل قطرة حسنة".

(بیهقی،احمد،حاکم).

فصل اول

وجوب اور ادائیگی وجوب سے متعلق احکام

آیتِ کریمہ: ﴿وانحر﴾ سے قربانی کے فرض ہونے کا شبہ:

سوال: قربانی فرض ہے یا واجب؟ آیتِ کریمہ: ﴿فصل لربک وانحر﴾ کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی فرض ہو، کیونکہ ﴿وانحر﴾ صیغہ امر ہے جو فرضیت کا تقاضہ کرتا ہے، پھر کیوں واجب ہے؟

الجواب: آیتِ کریمہ اگر قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ہو تو اس سے فرض ثابت ہوتا ہے، جیسے ﴿أقیموا الصلاۃ﴾، لیکن اگر آیتِ کریمہ مؤولہ ہو یعنی قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ہو تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، اور آیتِ کریمہ: ﴿فصل لربک وانحر﴾ مؤولہ ہے، بعض حضرات نے ﴿وانحر﴾ سے نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد لیا ہے، اگرچہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، یہ اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں اس روایت کی تضعیف فرمائی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند میں روح بن المسیب ہے، ابن حبان کہتے ہیں: **یروی الموضوعات** اور ساعاتی نے مسند احمد کی تبویب میں لکھا ہے:

نسبة هذا التفسير إلى علي رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ لا تصح . (الفتح الربانی).

لہذا اس آیتِ کریمہ کی دلالت قربانی پر ظنی ہوگئی، اس وجہ سے فرضیت ثابت نہ ہوگی۔ مذہبِ احناف کے مشہور اور مفتیٰ بہ قول کے اعتبار سے قربانی واجب ہے۔

ملاحظہ ہو نور الانوار میں ہے:

والثاني واجب وهو ما ثبت بدليل فيه شبهة كالعام المخصوص البعض والمجمل وخبر الواحد كصدقة الفطر والأضحية فإنهما ثبتا بخبر الواحد الذى فيه شبهة فيكونان واجبين . (نورالانوار،ص١٦٦،ط:سعيد).

وفي هامش نور الأنوار: فإن قلت: إن الأضحية ثابتة بالنص القرآني كما قال الله تعالىٰ: ﴿فصل لربک وانحر﴾ فيكون فرضاً ؟ قلت: إن الآية مؤولة ولذا قال الشافعيؒ: إن معنى النحر: وضع اليد فى الصلاة على المنحر، فيكون الآية ظني الدلالة وإن كانت قطعية الثبوت . (حاشية نورالانوار،ص: ١٦٦، رقم الحاشية١٩).

اصول الشاسی میں ہے:

والوجوب : وفى الشرع هو ما ثبت بدليل فيه شبهة كالآية المؤولة والصحيح من الآحاد. (أصول الشاسى، ص:٣٧٩،ط:دارالكتب العلمية،بيروت).

فتاویٰ بینات میں ہے:

قرآنِ پاک میں بعض آیات قربانی کے سلسلہ میں **قطعی الدلالۃ** تو نہیں ہیں، البتہ **قطعی الثبوت** ہیں، اس سے وجوب ثابت ہے۔(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم،ص:۵۵۷)۔

امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں چند آثار نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

عن علىؓ ﴿فصل لربک وانحر﴾ قال: هو وضع يمينک على شمالک فى الصلاة ، كذا قال شيخنا عاصم الجحدرى عن عقبة بن صهبان ، عن ابن عباسؓ في قول الله عز وجل ﴿فصل لربک وانحر﴾ قال: وضع اليمين على الشمال فى الصلاة عند النحر . (السنن الكبرى : ٣١،٢٩/٢،كتاب الصلاة،بيروت).

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر "الدرالمنثورفی التفسیرالماثور"(٨/ ٦٥٠-٦٥١) پر مختلف آثار نقل فرمائے ہیں، ان کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

شرحِ نقایہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن الأضحية واجبة عندنا على كل حر مسلم، مقيم، موسر، فجر يوم النحر وتلويه، وقالا: سنة في رواية، كمالك والشافعي،... ولنا إطلاق قوله تعالىٰ: ﴿وانحر﴾ [الكوثر:۲] **أي: الأضحية، والأمر للوجوب، وقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كان له سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا".** [رواه احمد، وابن أبي شيبة، والحاكم وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه] ـ (شرح النقاية:٤/٩٥،ط:بيروت).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولنا قوله عزوجل: ﴿فصل لربک وانحر﴾ قيل فى التفسير: صل صلاة العيد وانحر البدن بعدها، وقيل: صل الصبح بجمع وانحربمنى، ومطلق الأمر للوجوب في حق العمل ومتى وجب على النبي صلى الله عليه وسلم يجب على الأمة لأنه قدوة للأمة، فإن قيل: قد قيل فى بعض وجوه التأويل لقوله عزشأنه وانحرأى: ضع يديک على نحرک فى الصلاة، وقيل: استقبل القبلة بنحرک فى الصلاة، فالجواب: أن الحمل على الأول أولىٰ لأنه حمل اللفظ على فائدة جديدة والحمل على الثاني حمل على التكرار. (بدائع الصنائع: ٥/٦٢، سعيد، وكذا فى احكام القرآن للجصاص:٣/٤٧٥،ط:سهيل اكيڈمی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وجوبِ قربانی کا نصاب:

سوال: قربانی کس شخص پر واجب ہے؟ یعنی وجوبِ قربانی کا نصاب کیا ہے؟

الجواب: وجوبِ قربانی کا نصاب وہی ہے جو صدقہ فطر کے لیے ہے، یعنی جس کے پاس رہائش کا مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، دیگر ضروری استعمال کی اشیاء، سواری وغیرہ کے علاوہ ساڑھے سات تولہ (۸۷ گرام ۴۸ ملی گرام) سونا یا ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) چاندی یا اس کے برابر نقد

رقم اور دوسرا سامان، مکان، گاڑی موجود ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ پھر نصابِ قربانی کے لیے ایک سال کا گزرنا بھی ضروری نہیں، نیز تجارت کا مال ہونا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ حوائج اصلیہ سے جو بھی زائد مال ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

بنابریں رہائش کے ایک مکان سے زائد مکان، یا مکان کے لیے زائد پلاٹ، یا ضروری سواری کے علاوہ زائد سواریاں، خواہ یہ سب تجارت کے لیے ہوں یا نہ ہوں، سب نصاب میں شامل ہوں گے، اور نصاب مکمل ہونے پر قربانی واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ ٹیلیویژن (T.V)، ڈی وی ڈی (D.V.D) جیسی خرافات بیش بہا ہوتی ہیں، تو یہ بھی حوائج اصلیہ میں شامل نہیں ہیں، ان کی قیمت بھی نصابِ قربانی میں شمار کی جائے گی، نیز بیش بہا شوقیہ زائد از ضرورت موبائل کی قیمت بھی نصاب میں شمار ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا“.

(رواه احمد، رقم:٨٢٥٦، وابن ماجه، رقم ٣١٢٣، وابن أبي شيبة، والحاكم وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ٤/٢٣١، ٢٣٢، قلت: اسناده حسن).

فتاویٰ شامی میں ہے:

(واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر) قوله واليسار الخ، بأن ملك مائتي درهم أوعرضاً يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أومتاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ... وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصاباً غنى وثلاثة فلا، لأن أحدها للبذلة والآخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والأعياد... الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣١٢،ط:سعيد).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهوما يتعلق به وجوب صدقة الفطردون مايتعلق به وجوب الزكاة. (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٢، كتاب الاضحية).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الوجوب ... منها الغنى لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من وجد سعة فليضح شرط عليه الصلاة والسلام السعة وهى الغنى...وهوأن يكون فى ملكه مائتا درهم أو عشرون ديناراً أو شيء تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأثث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه ومالايستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر وقد ذكرناه وما يتصل به من المسائل فى صدقة الفطر. (بدائع الصنائع:٥/٦٤،ط:سعيد).

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے:

سونے، چاندی، مالِ تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۹۷ء۸۷ گرام سونے یا ۶۱۲ء۳۵ گرام چاندی کے برابر ہوئے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔ (جدید معاملات کے شرعی احکام:۳/۱۱۰، دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۱۰، ط: جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ بینات:۴/۵۶۷، مکتبہ بینات).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت پر زیورات کی وجہ سے قربانی کا حکم:

سوال: ایک لڑکی کے پاس کان کی بالیاں ہیں جو ایک تولہ سونے کے برابر ہیں، اس کے پاس ۳ سو رینڈ بھی ہیں ان بالیوں کو اگر چاندی میں منتقل کر دیں اور ان کے ساتھ تین سو رینڈ ملا دیں تو نصاب مکمل ہو جائے گا، اور قربانی واجب ہو جائے گی، لیکن قربانی کے لیے بالیوں کو فروخت کرنا پڑے گا، لہذا اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر چاندی کو معیار نہ بنائیں بلکہ ضم بالا جزاء کریں تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اور ضم بالا جزاء کا کیا مطلب ہے؟ اس پر کسی فقیہ نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر فقہاء یہ تحریر فرماتے ہیں کہ انفع للفقراء ہونے کی وجہ سے چاندی کو معیار بنایا جائے گا، اس اعتبار سے مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب ہوگی، جب کہ سونے کو رینڈ کے ساتھ ملانے سے چاندی کا نصاب بنتا ہو، احناف کا مشہور مذہب یہی ہے، البتہ بعض مفتیانِ کرام کا رجحان اس طرف ہے کہ ضم بالا جزاء ہونا چاہیے جو صاحبین کا مذہب ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب نہیں ہوگی، مفتی خالد سیف اللہ رحمانی اور مفتی غلام قادر کا میلان اسی طرف ہے۔

نیز بعض مفتی حضرات نے سونے کو معیار بنایا ہے لیکن آج کل سونے کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کو معیار بنانے سے بہت سے متمول لوگ زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها (أى من شرائط وجوب الأضحية) الغنى...وهو أن يكون في ملكه مئتا درهم أو عشرون ديناراً أوشيء تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأثث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا يستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر...وجميع ما ذكرنا من الشروط يستوى فيها الرجل والمرأة لأن الدلائل لا تفصل بينهما. (بدائع الصنائع:٥/٦٤،سعيد).

سونے کو معیار بنانے کے دلائل ملاحظہ ہو:

والذي يظهر لي أن تقدير النصاب بالذهب أولىٰ من تقديره بالفضة مع ارتفاع تكاليف المعيشة ونزول قيمة الفضة نزولاً ملحوظاً . (الفقه الحنفى وادلته:١/٣٥٢).

فقه الزكاة میں ہے:

فبالمقارنة بين الأنصبة المذكورة في أموال الزكاة كخمس من الإبل وأربعين من الغنم أو خمسة أوسق من الزبيب أو التمر نجد أن الذى يقاربها في عصرنا هو نصاب الذهب لا نصاب الفضة . (فقه الزكاة:١/٢٦٤).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلدِ سوم، ص ۱۰۶۔۱۱۱، ط: زمزم)۔

صاحبینؒ کا مذہب ضم بالا جزاء کا مطلب:

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ان کے اجزاء نصاب تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ قیمت کے اعتبار سے ملانا معتبر نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس سو درہم چاندی اور دس مثقال سونا ہو تو دونوں اجزاء کے اعتبار سے مکمل نصاب تک پہنچ جاتے ہیں اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، نصاب مکمل نہ ہونے کی وجہ سے۔

ملاحظہ ہو قدوری میں ہے:

وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة، وكذلك يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسفؒ ومحمدؒ: لايضم الذهب إلى الفضة بالقيمة ويضم بالأجزاء. (مختصرالقدوری،ص۱۲٤،باب زکاة العروض،مؤسسة الريان).

المحیط البرہانی میں ہے:

قال أبوحنيفةؒ آخراً: يضم باعتبار القيمة، وقال أبويوسفؒ ومحمدؒ: يضم باعتبار الأجزاء يعنى به الوزن ...وصورة الكتاب بالأجزاء والوزن أن يكون النصف من هذا وزناً والنصف من آخر وزناً، بأن كانت الدراهم مائة والدنانيرعشرة أوكان الربع من أحدهما وزناً، وثلاثة الأرباع من آخر وزناً بأن كانت الدراهم خمسين والدنانير خمسة عشر...

(المحیط البرهانی:۲/۳۸٤،الفصل الثالث فی بيان مال الزكاة،مكتبة رشيدية).

ضم بالاجزاء پر غالباً کسی نے فتویٰ نہیں دیا، البتہ حالات کی وجہ سے مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مولانا مفتی غلام قادر صاحب نے اپنا رجحان اور میلان صاحبینؒ کے قول کی طرف ظاہر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

اگر سونے اور چاندی کی قدر میں وہی تناسب ہوتا جو صدرِ اول میں تھا تو ضم نصاب کا مسئلہ عین قرین انصاف ہوتا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے کہ اس میں فقراء کا فائدہ بھی ہے مگر موجودہ حالات میں جب کہ ان دونوں کی قدر میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس جزئیہ پر نظر ثانی کی جائے اور جمہور کی رائے اختیار کی جائے یا کم از کم صاحبینؒ کی رائے اختیار کی جائے کہ سونے اور چاندی کے نصاب کا انضمام اجزاء

کے لحاظ سے ہونہ کہ قیمت کے اعتبار سے۔(جدید فقہی مسائل:۲/۴۶)۔

القول الراجح میں مذکور ہے:

قال أستاذنا المفتي غلام قادرالنعمانی: أفتی الفقهاء علی قول أبي حنيفةؒ لأن قوله أحوط والفتویٰ علی قوله موافق لأصول الإفتاء لأن الأصل فی العبادات الفتویٰ علی قول أبي حنيفةؒ لكن قولهما أوفق للقياس لأن علی قول أبي حنيفةؒ يصير نصاب الذهب تابعاً لقيمة الفضة مع أن القيمة تابع للذهب والفضة في تعيين النصاب وأيضاً في صورة الذهب والعروض يكون النصاب تابعاً للمعدوم وهوالفضة وأما علی قولهما فيكون القيمة تابعاً للذهب والفضة ولايكون الموجود تابعاً للمعدوم وأن قولهما أرفق بالناس فينبغي أن يفتی بقولهما في هذا الزمان وخصوصاً في مسئلة الأضحية ترفقاً بالنساء لأن أكثرالنساء يوجد معهن شيء من الذهب وهو يساوي نصاب الفضة باعتبارالقيمة وهن لايستعدن لبيع الذهب ولشراء الأضحية وإذا كان الانضمام بالأجزاء فحينئذٍ يكون الحكم أسهل عليهن . (القول الراجح:۱/۱۷٤).

الایضاح فی شرح الاصلاح میں ہے:

ويضم الذهب إلی الفضة ، والعروض إليهما بالقيمة ، هذا عنده ، وأما عندهما فيضم الذهب إلی الفضة بالأجزاء ، وهو رواية عنه (عن أبي حنيفةؒ). (الایضاح فی شرح الاصلاح فی الفقه الحنفی :۱/۱۹۵،ط:بیروت).

ابن کمال باشا کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی ایک روایت بھی صاحبینؒ کی طرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے مشہور مذہب کے موافق مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب ہوگی جب رینڈ کو سونے کی قیمت سے ملاکر چاندی کا نصاب بنتا ہو۔لیکن اگر ضم بالاجزاء والے قول کو اختیار کیا جائے تو قربانی واجب نہیں ہوگی ۔لہذا موجودہ دور کے مفتیانِ کرام کو اس مسئلہ پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نابالغ بچے پر وجوبِ قربانی کا حکم:

سوال: اگر کوئی نابالغ بچہ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ نیز اس کی طرف سے اس کے والد پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: راجح ومفتیٰ بہ قول کے موافق نابالغ بچہ پر قربانی واجب نہیں، اسی طرح اس کی طرف سے اس کے والد یا وصی وغیرہ پر بھی واجب نہیں ہے۔ البتہ علامہ شامیؒ نے قاضیخانؒ سے استحباب کا قول نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

فتجب التضحية عن نفسه، لا عن طفله على الظاهر. وفى الشامية : قوله على الظاهر، قال فى الخانية : في ظاهر الرواية أنه يستحب ولايجب، بخلاف صدقة الفطر، ... والفتوىٰ على ظاهر الرواية. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣١٥،٣١٦، كتاب الاضحية، ط:سعيد).

وفى الهداية : وروي عن أبي حنيفةؒ : أنه لا يجب عن ولده، وقيل: لايجوز التضحية من مال الصغير في قولهم . (الهداية:٤/٣٧٨).

وفي شرح النقاية للملا على القارى: ولايذبح عن طفله الفقير في ظاهر الرواية ، ولايجب عن طفله الغني من ماله في أصح ما يفتى به كما في شرح الوافي . (فتح باب العناية:٤/٩٦،ط: بيروت).

وفى الفقه الحنفى وأدلته: قال: ولو كان للصبي مال، فالأصح أنها لاتجب في ماله بالإجماع . (الفقه الحنفى وادلته:٣/٢١٤،ط:بيروت). (وكذافى الفتاوى الولوالجية:٣/ ٨٢،ط:بيروت،وفتاوى قاضيخان على هامش الهندية:٣/٣٤٥،ومجمع الانهر:٤/١٦٧).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بچے کی طرف سے قربانی مفتیٰ بہ قول ہے کہ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۱۱، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۷/۴۹۸، وفتاویٰ بینات:۴/۵۶۶، ط: مکتبہ بینات)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

زوج کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر کی طرف سے واجب قربانی شوہر کی اجازت کے بغیر کردی تو واجب قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ نیز باقی شرکاء کی قربانی ہوئی یا نہیں؟

الجواب: کسی کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ اجازتِ صریحہ سے قربانی کی جائے، البتہ اجازتِ سابقہ یا عرفیہ بھی کافی ہے، لہٰذا بصورتِ مسئولہ اجازتِ عرفیہ ہونے کی وجہ سے زوج کی طرف سے کی گئی قربانی ادا ہوگئی۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ولو ضحى عن أولاده الكبار و زوجته لايجوز إلا بإذنهم. وعن الثاني أنه يجوز استحساناً بلا إذنهم بزازية. قال في الذخيرة : ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبويوسف مستحسن. (فتاوى الشامى:٦/٣١٥،سعيد).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وليس على الرجل أن يضحى عن أولاده الكبار وامرأته إلا بإذنهم وعن أبي يوسفؒ أنه يجوز بغير أمرهم استحساناً. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٤٥،كتاب الاضحية).

(وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:٦/٢٩٥).

وفى المحيط البرهانى: والإذن دلالة كالإذن صريحاً . (المحيط البرهانى:٦/٤٨٣،فى التضحية عن الغير،ط: مكتبه رشيديه).

امدادالاحکام میں ہے:

امام ابویوسفؒ سے استحساناً مروی ہے کہ اہل قرابت کی طرف سے بدونِ امر کے بھی قربانی درست ہے چونکہ صورتِ مذکورہ میں اکثر ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے میں حرجِ شدید ہے کہ چچا کے ساتھ دوسروں کی بھی قربانی

بھی باطل ہو جاتی ہے اس لیے امام ابو یوسفؒ کی روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ گزشتہ قربانی تو سب کی طرف سے ادا ہوگئی مگر آئندہ ایسا نہ کرنا چاہئے ، بلکہ چچا کو وقتِ اضحیہ سے پہلے ان کو اجازت دینا یا ان کو اجازت حاصل کر لینا چاہئے ۔ (امداد الاحکام: ۲۳۲/۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

گھر کے ہر فرد پر وجوبِ قربانی کا حکم:

سوال: قربانی گھر کے ہر مالکِ نصاب پر واجب ہے یا ایک بڑے شخص پر، اگر تمام پر واجب ہے تو ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

الجواب: ہر مسلمان آزاد مقیم صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے، چاہے ایک گھر میں کئی افراد ہوں اگر سب صاحبِ نصاب ہیں تو صدقہ فطر کی طرح سب پر قربانی واجب ہوگی، ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا نہیں ہوگا، البتہ اگر سب بیٹے اپنی آمدنی لا کر والد کو دیتے ہیں اور انفرادی طور پر سب صاحبِ نصاب نہیں ہیں، فقط والد صاحبِ نصاب ہیں تو صرف والد پر قربانی لازم ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (رواه ابن ماجه، ص: ٢٢٦).

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

الأضحية واجبة على حر مسلم مقيم موسر في يوم الأضحى عن نفسه. (الهداية: ٤٤٣/٤). (وكذا في البحر الرائق: ١٧٣/٨، ط: كوئته، والدر المختار مع الشامي: ٣١٥/٦، ط: سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

گھر میں ہر صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک کی قربانی سب کے لیے کافی نہیں ہو سکتی، اگر بکرے کی قربانی گراں گزرتی ہے تو بڑے جانور کی قربانی کی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۱۵/۵، مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

’’آپ کے مسائل اوران کا حل‘‘ میں ہے:

اگر باپ ، بیٹے اور بیٹیاں سب برسر روزگار اور صاحبِ نصاب ہیں تو ہر ایک کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے کیونکہ ہر عاقل بالغ مرد عورت پر مالکِ نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہے چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۷۷)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۱۲، ط: جامعہ فاروقیہ، واسلامی فقہ:۱/۵۲۱)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شرکاء میں سے ایک نے قضا کی نیت کی تو قربانی کا حکم:

سوال: قربانی کے جانور میں ایک شخص نے امسال کی قربانی کی نیت کی اور دوسرے نے سالِ گزشتہ کی قربانی کی نیت کی تو قربانی ہوئی یا نہیں؟ دونوں کی ہوئی یا کسی بھی نہیں ہوئی یا ایک کی ہوئی دوسرے کی نہیں ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ امسال کی قربانی کی نیت کرنے والے کی قربانی ادا ہوگئی اور سالِ گزشتہ کی نیت کرنے والے کی نفل قربانی ادا ہوگئی، قضا ادا نہیں ہوئی، لہٰذا اس کے لیے بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔اور قربانی کا پورا گوشت بھی واجب التصدق ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

سبعة اشتروا بقرة للأضحية فنوى أحدهم الأضحية عن نفسه لهذه السنة و نوى أصحابه الأضحية عن السنة الماضية قالوا: تجوز الأضحية عن هذا الواحد ونية أصحابه للسنة الماضية باطلة وصاروا متطوعين و وجبت الصدقة عليهم بلحمها وعلى الواحد أيضاً لأن نصيبه شائع. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۳/۳۴۹،فصل فيمايجوزمن الضحاياومالاتجوز).

ونقل العلامة الشامیؒ عن الخانية فی رد المحتار وزاد عليه بقوله : وظاهره عدم جواز الأكل منها تأمل . (ردالمحتار:۶/۳۲۶،ط:سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وإن نوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم يريد الأضحية للعام الذي صار ديناً عليه وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلك جاز الكل وتكون عن الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلك وتكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن العام الماضى ولاتكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسط لما مضى كذا فى فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية: ٣٠٥/٥، كتاب الاضحية ، الباب الثامن).

امدادالاحکام میں ہے:

بعد فوت ایامِ اضحیہ کے تصدق قیمتِ شاۃ ہی واجب ہے، سالِ موجودہ میں حصہ لینے یا بکری ذبح کرنے سے سالِ گزشتہ کی قضانہیں ہوسکتی۔ **قال قاضیخانؒ: ولو لم يفعل شيئاًمن ذلك حتى جاء أيام النحر من السنة القابلة وضحى بها عن العام الأول لا يجوز لأن إراقة الدم عرف قربة أداء لاقضاء** ۔(امداد الاحکام :۲۱۴/۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

شریکوں کی قربانی اداہوجائے گی ، اورتمہاری امسال کی قربانی بھی اداہوجائے گی،گزشتہ برس کی قضا قربانی ادانہ ہوگی نفل ہوجائے گی اس کے عوض میں ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۲۱۴/۵،ط: دیوبند)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مالکان کی طرف سے بلاتعیین قربانی کاحکم:

سوال: اگرکوئی ادارہ یابینک سوآدمیوں کی طرف سے سوجانوروں کی قربانی کرتا ہے،لیکن یہ تعیین نہیں کرتا کہ یہ جانورزیدکاہےاوریہ عمروکا،توقربانیاں ہوجائیں گی یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ادارہ یابینک وکیل کی حیثیت سے جانوروں کوخریدتے ہیں اور پھر مالکان کی طرف سے قربانی کرتے ہیں،اوروکیل کاخریدتے وقت موکل کی طرف سے تعیین کرناضروری نہیں ، نیزقربانی

کرتے وقت بھی ہر شخص کا علیحدہ نام پکارنا یا ہر ایک کے لیے جانور متعین کرنا ضروری نہیں ہے، سب کی طرف سے قربانیاں ادا ہو جائیں گی۔

وکیل کا موکل کی طرف سے خریدتے وقت تعیین کرنا ضروری نہیں۔اس مسئلہ کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال في الهداية: العقد الذي يعقده الوكلاء على ضربين كل عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كالبيع والإجارة... (الهداية:۳/۱۷۹).

قال العلامة العيني في "البناية": لأن الوكيل يستغنى عن إضافة العقد إلى الموكل.
(البناية شرح الهداية:۷/۲۷۷، ط: رشيدية).

وفي المجلة: لا يشترط إضافة العقد إلى الموكل في البيع والشراء والإجارة.
(المجلة، المادة: ١٤٦١).

امر ثانی کے دلائل ملاحظہ ہو:

رجل ضحى عن نفسه وعن أربعة من عياله خمس شياهٍ ولم يعين كل واحد عن صاحبها عن أبي يوسفؒ أنه يجوز عن الكل استحساناً. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۳/۳۵۱).

عالمگیری میں ہے:

وفي الأضاحي للزعفراني اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك فالقياس أن لايجوز وفي الاستحسان يجوز.

فقوله اشترى سبعة نفر سبع شياه بينهم ؛ يحتمل شراء كل شاة بينهم ، ويحتمل شراء شياه على أن يكون لكل واحد شاة، ولكن لا بِعَينِها، فإن كان المراد هو الثاني، فما ذكر من الجواب باتفاق الروايات ؛ لأن كل واحد منهم يصير مضحياً شاة كاملة ، وإن كان المراد هو الأول فما ذكر من الجواب على إحدى الروايتين. (الفتاوى الهندية:۵/۳۰۶، والمحيط البرهاني:٦/٤٨٧، ط: مكتبه رشيديه).

امدادالفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ عالمگیری کی عبارت ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ حصہ مقرر نہیں کرتے اس صورت میں قربانی درست ہو جائیگی باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر خاص شخص کا نام لگا دیا جاوے کہ یہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۵۶۲)۔

کفایت المفتی میں ہے:

شرکاء کے نام قربانی کو ذبح کرتے وقت پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں ذبح کرنے والا نیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کا خیال رکھے۔ (کفایت المفتی: ۸/ ۱۸۷، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

جو شخص اپنی اموات کی طرف سے قربانی کرتا ہو اور اپنی ذات کی طرف سے بھی اور وہ شخص ایک گائے اور دو مینڈھوں کی قربانی بلا تعیین کر دے تو قربانی درست ہو گی۔ (فتاویٰ خلیلیہ، ص ۲۹۶، مکتبۃ الشیخ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بلا تعیینِ شرکاء تین گایوں کی قربانی کا حکم:

سوال: اکیس آدمیوں نے مل کر تین گایوں کی قربانی کر دی، لیکن یہ متعین نہیں کیا کہ کونسی گائے میں کونسے سات افراد شریک ہیں، تو قربانیاں ادا ہوئیں یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنے کی نیت کافی ہے ہر ایک کے لیے حصے متعین کرنا ضروری نہیں، بنا بریں بصورتِ مسئولہ تمام کی طرف سے قربانیاں ادا ہو گئیں، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے آئندہ ہر بڑے جانور میں جو سات افراد شریک ہیں ان کی تعیین کر لی جائے۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

سوال: اگر چودہ آدمی دو گایوں میں شریک ہو کر قربانی کریں کہ ہر ایک کا حصہ کسی خاص گائے میں متعین نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ گائے سات شخصوں کی ہے اور دوسری گائے دوسرے سات شخصوں کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ دونوں گائیں مشترک طور پر چودہ شخصوں کی طرف سے ہیں تو اس طرح قربانی درست ہو گی یا نہیں؟ أمر حضرة الشيخ دام مجده وعلاه بتحقيقه۔

الجواب: یہ صورت قیاساً تو جائز نہیں ہے، ہاں استحساناً جائز ہے۔ **ولو اشترک سبعة في سبع شياهٍ لايجزيهم قياساً لأن كل شاة بينهم على سبعة أسهم وفى الاستحسان يجزيهم وكذا اثنان في شاتين.** (ردالمحتار:٥/٣٠٨). (امدادالاحکام:۴/۲۷۳)۔

مزید دلائل اوپر والے مسئلہ کے تحت مذکور ہوئے۔ ان کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غلطی سے ایک دوسرے کے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: موسیٰ اور عیسیٰ دونوں نے دو بکریاں خریدیں اور دونوں نے اپنے لیے متعین کر لیا، پھر غلطی سے موسیٰ نے عیسیٰ کی متعین کردہ بکری کو ذبح کر دیا اور عیسیٰ نے موسیٰ کی بکری کو ذبح کر دیا، تو اب دونوں کی قربانیاں ہوئیں یا نہیں؟ یا دوبارہ کرنا لازم ہے؟

الجواب: جب دونوں نے اپنے لیے دو بکریاں خرید کر قربانی کے لیے متعین کر دیں تو دونوں کی طرف سے قربانیاں ادا ہو گئیں، اور دونوں ایک دوسرے کے لیے معاون کہلائیں گے۔

ملاحظہ ہو المحیط البرہانی میں ہے:

رجل ذبح أضحية غيره بغير أمره صريحاً ، ففى القياس هو ضامن لها ، ولايجزئ الآمر عن أضحيته. وفى الاستحسان لاضمان، ويجزئ عن أضحية الآمر، ووجه ذلك: أن المالك لما عينها بجهة الذبح صار مستعيناً بكل أحد فى التضحية بها فى أيام الأضحية دلالة ؛ لأن ذلك قد يفوته بمضي الوقت ، اعتراض عارض يمنعه عن إقامتها، والإذن دلالة كالإذن صريحاً . (المحيط البرهانى:٦/٤٨٣،فصل فى التضحية عن الغير،مكتبه رشيديه).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں مرقوم ہے:

إذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما أضحية الآخر أجزأ عنهما ولا ضمان عليهما عند الحنفية والحنابلة ، قال الحنفية : وهذا استحسان ، وأصل هذا أن من ذبح أضحية

غیره بغیر إذنه لا یحل له ذلک وهو ضامن لقیمتها ولایجزئه عن الأضحیة فی القیاس وهو قول زفرؒ . وفی الاستحسان یجوز ولاضمان علی الذابح، ووجهه أنها تعینت للذبح لتعینها للأضحیة ، حتی وجب علیه أن یضحی بها بعینها في أیام النحر ، ویکره أن یبدل بها غیرها، فصار المالک مستعیناً بکل من یکون أهلاً للذبح آذناً له دلالة... (الموسوعة الفقهية الكويتية : ۱۹/۱۵۵، ۱۵٦).

(وکذا فی بدائع الصنائع:٥/٦٧، والخلاصة:٤/٣١٦، وردالمحتار:٦/٣٢٩،سعید، والهدایة:٤/٤٥١، وتبیین الحقائق:٦/٩،ملتان).

وفی المحیط: إذا ذبح أضحیة غیره بغیر إذنه، إن ذبح في غیر أیام الأضحیة لایجوز ویضمن الذابح ، وإن ذبح في أیام الأضحیة یجوز، ولایضمن ، لأن الإذن ثابت دلالة في هذه المسائل ، والدلائل یجب اعتبارها ما لم یوجد الصریح بخلافه . (المحیط البرهانی: ٦/٢٤٧، کتاب الغصب، الفصل الثالث،مکتبه رشیدیه).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الولوالجیة: ٣/٧٤، ومجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر:٢/٥٢٢، وفتاویٰ محمودیه:١٧/٤٩٩، جامعه فاروقیه).

الاستحسان: هو ترک القیاس والأخذ بما هو أوفق للناس . (التعریفات الفقهیة،ص ١٧١).

واللہ ﷻ اعلم۔

ایک شریک کے گوشت کی نیت کرنے سے قربانی کا حکم:

سوال: اگر شرکاء میں سے ایک شریک گوشت کی نیت کرتا ہے،تو اس کے ساتھیوں کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ قربانی کا گوشت کھانا شرعاً مندوب ومرغوب ہے،اسی وجہ سے قربانی کا فربہ ہونا مطلوب ہے،تو پھر گوشت کی نیت کیوں قبیح ہے،اور عام طور پر لوگ گوشت کی نیت بھی کرتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر کتبِ فقہیہ میں یہ عبارت ملتی ہے کہ شرکاء میں سے اگر کوئی شریک گوشت کی نیت کرتا ہے تو قربانی ادا نہیں ہوتی ۔لیکن اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص صرف گوشت کے حصول کے لیے

قربانی کرتا ہے اس کو واجب یا عبادت نہیں سمجھتا ہے، اگر وہ شخص اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہوئے گوشت کی اچھائی اور بہتری چاہتا ہے تو یہ درست ہے اور شرعاً مطلوب ہے، ورنہ پھر احادیث اور فقہ کی کتابوں میں فربہ اور موٹے جانور کا مطلوب و مامور ہونا بے کار ہو جائیگا۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضحي بكبش أقرن فحيل ينظر في سواد و يأكل في سواد و يمشي في سواد. (رواه الترمذی رقم:١٤٩٦، وابوداود رقم: ٢٧٩٨، والنسائی رقم:٤٣٩٠، وابن ماجه رقم:٣١٢٨، وصحيح ابن حبان رقم:٥٩٠٢، قال الشيخ شعيب :اسناده صحيح على شرط مسلم).

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سینگ دار فربہ دنبہ کی قربانی فرماتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔

حدیثِ بالا کی شرح میں علماء تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا افضل اور مستحب ہے جو بہت زیادہ فربہ اور موٹا تازہ ہو۔ چنانچہ ایک فربہ بکری کی قربانی دو دبلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے، ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو۔

ملاحظہ فرمائیں ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قال العلماء يستحب للتضحية الأسمن الأكحل حتى أن التضحية بشاة سمينة أفضل من شاتين وكثرة اللحم أفضل من كثرة الشحم إلا أن يكون اللحم رديئاً . (مرقاة المفاتيح: ٣١١/٣، ط:ملتان).

وفي بدائع الصنائع: وأما الذى يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون اسمنها وأحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة . (بدائع الصنائع:٥/٨٠، سعيد).

وفي ردالمحتار: قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل ما لو كانت القربة

واجبة علـى الكل أو البعض اتفقت جهاتها أو لا... لأن المقصود من الكل القربة ، وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد ذكره محمد ولم يذكر الوليمة . وينبغي أن تجوز لأنها تقام شكراً للّٰه تعالىٰ على نعمة النكاح و وردت بها السنة ، فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد القربة ... وقد ذكر في غرر الأذكار: أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبى أوتطوع على مافى شرح الطحاوى، وما مر يؤيد أنها تطوع، على أنه وإن قلنا مباحة لكن بقصد الشكر تصير قربة ، فإن النية تصير العادات عبادات والمباحات طاعات. (ردالمحتار:٦/٣٢٦،سعيد).

تنبیہ: واضح ہو کہ مذہبِ احناف میں مشہور قول کے مطابق عقیقہ مستحب ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے ایک جانور خریدا اس میں پانچ افراد شریک تھے، پھر اس کو فروخت کر کے دوسری قربانی کم قیمت میں خریدی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو تفاوت دونوں کے درمیان میں ہے وہ واجب التصدق ہے یا نہیں؟ نیز قربانی کا جانور تبدیل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بلا عذرِ شرعی قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا جس کو ایام نحر میں خریدا ہے، فقیر کے لیے مطلقاً ناجائز ہے، اس پر لازم ہے کہ اسی اضحیہ مشتراۃ کو ذبح کرے، البتہ استبدالِ غنی کے بارے میں اقوالِ فقہاء مختلف ہیں۔ اصح ومفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ غنی کے لیے بھی قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے، بایں ہمہ غنی نے جانور تبدیل کر دیا تو اگر دوسرا جانور پہلے کے ساتھ قیمت میں مساوی ہے یا زیادہ قیمت کا ہے تو دونوں صورتوں میں کچھ لازم نہیں ہے، ہاں اگر دوسرا جانور پہلے سے کم قیمت کا ہے تو جو تفاوت مابین ہو وہ واجب التصدق ہے۔ اور صدقہ میں ادا کردہ رقم کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بازاری نرخ کا اعتبار ہوگا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح الہدایہ میں ہے:

قوله حتى وجب عليه أن يضحى بها بعينها في أيام النحر، أى هذا في نذرالغنى وشراء الفقير. قوله : ويكره أن يبدل بها غيرها، أى إذا كان غنياً . (الكفاية على هامش فتح القدير: ٤٣٨/٨، مكتبه رشيديه).

ردالمحتار میں ہے:

أنها تعينت للذبح لتعينها للأضحية ، حتى وجب عليه أن يضحى بها في أيام النحرأى لوكان المضحى فقيراً ، ويكره أن يبدل بها غيرها أى إذا كان غنياً ، (نهاية)...أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل له (أى للفقير) الانتفاع بها ما دامت متعينة ، ولهذا لايحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها...ويكره أن يبدل بها غيرها فيفيد التعين أيضاً . (فتاوى الشامى:٦/٣٢٩، سعيد).

اعلاءالسنن میں ہے:

قلت: ولنا حديث عروة البارقى: أرسله النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ليشترى له شاة للأضحية بدينارفاشترى به شاتين ، والحديث مشهور...ووقع مثله لحكيم بن حزام ؓ، وفيه أنه صلى اللّٰه عليه وسلم ضحى بالشاة ، ...وأنها تتعين بالشراء ، وإلا لم يأمر بالتصدق بالدينار إلا أنها تتعين في حق المعسرحتى لايجوز له إبدالها، ولو هلكت سقط عنه الوجوب وتتعين في حق الموسرحيث يكره له إبدالها، والانتفاع بصوفها ولبنها، ولو أبدلها بخير منها أو مثلها جاز، ولو هلكت لم يسقط عنه الوجوب . (اعلاء السنن:١٧/٢٨١،ادارة القرآن والعلوم الاسلامية).

بدائع الصنائع میں ہے:

والصحيح أنها تتعين من الموسر أيضاً بلاخلاف بين أصحابنا...أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها...وإن اشترى دونها فعليه أن يتصدق بفضل ما بين القيمتين ، ولا ينظر إلى الثمن وإنما ينظر إلى القيمة. (بدائع الصنائع: ٥/٦٨،٧٨، سعيد) . (وكذا فى خلاصة الفتاوى: ٤/٣١٩،٣٢٠، والفتاوى الهندية:٥/٢٩٤).

فتاویٰ بینات میں ہے:

اگرایک جانور قربانی کی نیت سے خریدا گیا اوراس کے بدلہ دوسرا جانور دینا چاہیں تو دوسرا جانوراس سے کم قیمت پر نہ دیں۔اگراس سے کم قیمت پر خریدا ہے تو پہلے اور دوسرے جانور کی قیمت میں جتنا فرق ہے اس کو صدقہ کردے۔(فتاویٰ بینات:۴/۵۶۹،مکتبہ بینات)۔

مزید ملاحظہ ہو: (المبسوط للامام السرخسی:۱۲/۱۳،ادارة القرآن، والبحرالرائق:۸/۱۷۹، کوئته، وخلاصة الفتاویٰ:۴/۳۱۹،والفتاوی الهندیة:۵/۲۹۴،والفتاوی الخانیة:۳/۳۴۶،وتبیین الحقائق:۶/۹، ط: ملتان، والهدایة :۴/۴۵۲، والموسوعة الفقهیة الکویتیة:۱۹/۱۵۶، واحسن الفتاویٰ:۷/۴۸۸، وفتاویٰ رحیمیه: ۵/۴۱۶، ط: دیوبند). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فقیر کا قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: کسی فقیر نے یکم ذی الحجہ کو قربانی کا جانور خریدا،اس کے بعد کسی ضرورت سے اس کو فروخت کرنا چاہتا ہے، کیا اس جانور کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور خریدنے کی وجہ سے اس پر قربانی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: فقیر نے قربانی کا جانور اگر ایامِ نحر سے قبل خریدا تو اس کے تبدیل کرنے کی اجازت ہے، لیکن اگر ایامِ نحر میں خریدا تو اب تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ کسی دوسرے کام میں استعمال کرنے کی اجازت ہے، ہاں واقعی کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو ایامِ نحر میں خریدی ہوئی قربانی تبدیل کرسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو شرحِ عنایہ میں ہے:

قوله حتى وجب عليه أن يضحى بها بعينها في أيام النحر، أى فيما إذا كان المضحى فقيراً. (شرح العناية على هامش فتح القدير:۸/۴۳۸،مکتبه رشیدیه).

وفى الكفاية فى شرح الهداية : قوله حتى وجب عليه أن يضحى بها بعينها في أيام النحر، هذا في نذر الغنى وشراء الفقير. (الكفاية على هامش فتح القدير:۸/۴۳۸، مکتبه رشیدیه).

الدرالمختار میں ہے:

...وفقير شراها لها لوجوبها عليه بذلك حتى يمتنع عليه بيعها. وفي ردالمحتار: قوله لوجوبها عليه بذلك ، أي بالشراء وهذا ظاهر الرواية لأن شراء ه لها يجرى مجرى الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفاً كما في البدائع. ووقع في التاترخانية التعبير بقوله شراها لها أيام النحر، وظاهره أنه لو شراها لها قبلها لاتجب ولم أره صريحاً فليراجع. (الدر المختار مع ردالمحتار:٦/٣٢١،سعيد).

وفي تقريرات الرافعي: قوله وهذا ظاهر الرواية، وفي خزانة الأكمل: أنه المختار، و عند الجمهور لابد مع النية أن يقول بلسانه وأضحى بها. (التحريرالمختارعلى رد المحتار: ٦/٣٠٤، سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي العتابية : المختار أن الفقير لو اشتراها بنية التضحية في أيام النحر تصير التضحية واجبة في حقه وإن لم يقل بلسانه شيئاً في جواب ظاهر الرواية هذا اختيار الصدر الشهيد وعليه الفتوىٰ . (الفتاوى التاتارخانية:١٧/٤١١).

(وكذا في المحيط البرهاني:٦/٤٧٢،مكتبه رشيديه).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اور اگر فقیر ایامِ نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ متعین ہوجاتا ہے قربانی کے لیے لیکن اگر ایامِ نحر میں نہ خریدا تو بدلنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ”عزیز الفتاویٰ“:۱/۶۸۵،دارالاشاعت،کراچی).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

...البتہ غریب (کہ جس پر قربانی واجب نہیں) بہ نیتِ قربانی ایامِ نحر میں قربانی کا جانور خریدے تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے، اس کو نہ بیچ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔...شامی کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایامِ نحر سے قبل جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہو تو اس جانور کی قربانی لازم نہ ہوگی ، بدل سکتا ہے اور فروخت بھی کرسکتا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۵/۳۹۹،دیوبند)۔ مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۷/۵۳۰)۔

البتہ شمس الائمہ حلوانیؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ کے نزدیک فقیر پر شراء سے قربانی واجب نہیں ہوتی، نیز اگر فقیر کے گھر کا بکرا ہے یعنی پالتو ہے یا خریدتے وقت قربانی کی نیت سے نہیں خریدا تو اس صورت میں بھی فقیر پر قربانی واجب نہیں۔

قال العلامة الطوريؒ في تكملة البحر الرائق : فلو قال كلاماً نفسياً لله علي أن أضحي بهذه الشاة ولم يذكر بلسانه شيئاً فاشترى شاة بنية الأضحية إن كان المشترى ... فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده في ظاهر الرواية تصير واجبة بنفس الشراء وروى الزعفراني عن أصحابنا لا تصير واجبة وأشار إليه شمس الائمة السرخسي في شرحه وإليه مال شمس الائمة الحلواني في شرحه وقال: إنه ظاهر الرواية ولو صرح بلسانه والمسئلة بحالها تصير واجبة بشراء نية الأضحية إن كان المشتري فقيراً .(البحرالرائق:۸/۱۷۵،ط: کوئٹہ).

(وكذا في خلاصة الفتاوى:٤/٣١٨، وبدائع الصنائع:٥/٦٦، سعيد، والفتاوى الهندية:٥/٢٩١).

فتاوی الشامی میں ہے:

فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها أو اشتراها ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا يجب لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر . (فتاوى الشامي:٦/٣٢١،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية:٥/٢٩١، والبحرالرائق:٨/١٧٥، كوئٹه). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی زائد قیمت پر فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے سات ہزار رینڈ میں قربانی خریدی اور یہ نیت کرلی کہ اس بڑے جانور میں دوسرے ساتھی مل جائیں تو شریک کرلوں گا اور ساتواں حصہ اپنے لیے رکھوں گا، اتفاق سے چھ آدمی مل گئے، اب اگر یہ آدمی بقیہ چھ حصے بجائے چھ ہزار کے ساتھیوں کو اس کی خرید قیمت سے زائد رقم میں فروخت کرے تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ مثلاً چھ حصے سات یا آٹھ ہزار میں فروخت کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا تاہم ایک فقہی نظیر سے اس کا

حکم مستفاد ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے اور اگر کسی نے کرلیا تو زائد رقم صدقہ کر دے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

و لو اشترى شاة للأضحية ثم باعها واشترى أخرى في أيام النحر فهذه على وجوه ثلاثة ؛ الأول: إذا اشترى شاة ينوى بها الأضحية ...ففى الوجه الأول فى ظاهر الرواية لاتصير أضحية مالم يوجبها بلسانه وعن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ أنها تصير أضحية بمجرد النية كما لو أوجبها بلسانه وبه أخذ أبويوسفؒ وبعض المتأخرين . (فتاویٰ قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:۳/۳٤٦).

وفيه أيضاً : وإن اشترى شاة أخرى بعد ما باع الأولى إن اشترى الثانية بجميع ثمن الأولى جاز ولا شيء عليه وإن اشترى الأخرى بأقل مما تباع الأولى يتصدق بما بقى عنده من ثمن الأولى . (فتاویٰ قاضيخان على هامش الهندية:۳/۳٤۷).

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ زائد رقم صدقہ کر دینی چاہئے۔

ملاحظہ ہو سنن دارقطنی میں ہے:

عن حكيم بن حزام رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أعطاه ديناراً يشترى به أضحية فاشترى أضحية بدينار فباعها بدينارين ثم اشترى أضحية بدينار وجاءه بدينار و أضحية فتصدق النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالدينار ودعا له بالبركة.(سنن الدارقطنی، رقم:۲۸).

وعن عروة البارقي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أعطاه ديناراً يشترى به أضحية ، أو شاة فاشترى شاتين ، فباع إحداهما بدينار ، فأتاه بشاة ودينار ، فدعا له بالبركة فى بيعه ، فكان لو اشترى تراباً لربح فيه . رواه الخمسة إلا النسائى . (بلوغ المرام، رقم: ۸۱۹).

دونوں احادیث سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ قربانی کی نیت کے بعد نفع حاصل کیا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فرما دیا۔ اگرچہ حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کی روایت میں صدقہ کرنے کی تصریح نہیں ہے لیکن

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔

کفایت المفتی میں ہے:

قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہئے تھا اگر فروخت کر کے دوسرا کم قیمت کا خریدا تو جو نفع حاصل ہوا ہے اسے بھی خیرات کر دے۔ (کفایت المفتی: ۸/ ۱۹۹، دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں خریدتے وقت چونکہ چھ کو شریک کرنے کی نیت تھی اس وجہ سے قربت کی نیت سے شریک تو کر سکتا ہے لیکن ان چھ حصوں کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ جب نفع کما لیا تو صدقہ کر دے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

وإن نوى أن يشرك فيها ستة أجزأته لأنه ما أوجب الكل على نفسه بالشراء ...

(فتاوى الشامي: ٦/ ٣١٧، و ٢/ ٦١٥، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و البقرة و البعير يجزئ عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالىٰ ... كذا في الخلاصة لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأساً فإن شارك لم يجز عن الأضحية وكذا هذا في سائر القرب إذا شارك المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً ... (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد شرکت کا حکم:

سوال: چھ آدمیوں نے قربانی کی نیت سے گائے خریدی پھر ایک بڑھیا نے منت سماجت کی کہ مجھے بھی شریک کرلو، کیا گائے خریدنے کے بعد اس کو شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر خریدنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ایک اور کو شریک کریں گے تو بغیر کراہت کے جائز ہے اور پہلے سے نیت نہ ہو تو جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

رجل اشترى بدنة وأوجبها أضحية بلسانه ثم اشترک فيهاستة جملة أو واحداً بعد واحد حتى صاروا سبعة فى القياس لايجوز الاشتراک ولو فعل ذلک وضحوا بها يكون لحماً وهو قول زفرؒ وفى الاستحسان يجوز وهو قول علمائنا رحمهم الله تعالىٰ وإذا جاز عندنا لايجب التصدق بشيء من الثمن . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندية:۳/۳۵۰).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو اشترى رجل بقرة يريد أن يضحي بها ثم اشرک فيها بعد ذلک قال هشام : سألت أبا يوسفؒ فأخبرني أن أبا حنيفةؒ قال: أكره ذلک ويجزيهم أن يذبحوها عنهم قال: كذلک قول أبي يوسفؒ...وقال فى الأصل أرأيت فى رجل اشترى بقرة يريد أن يضحي بها عن نفسه فأشرک فيها بعد ذلک ولم يشركهم حتى اشتراها فأتاه إنسان بعد ذلک فأشركه حتى استكمل يعنى أنه صار سابعهم هل يجزئ عنهم قال: نعم، استحسن وإن فعل ذلک قبل أن يشتريها كان أحسن وهذا محمول على الغني. (بدائع الصنائع:۵/۷۲،سعید).

وللاستزادة انظر: (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/۳۱۷،سعید،والهداية:۴،کتاب الاضحية،ومجمع الانهر:۴/۱۶۹).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ایسا کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے چھ شریک اور تلاش کرلے، جب ساتواں شریک ہو جائیں تب جانور خریدے، مجمع الانہر۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۰۰، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ساتواں حصہ نبی کریم ﷺ کے لیے رکھنے کا حکم:

سوال: چھ آدمیوں نے مل کر بڑے جانور کی قربانی میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا، اور ساتویں حصے میں

سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یا پوری امت کے لیے نفل قربانی کی نیت کرلی، اس طرح سب کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ اور اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایصالِ ثواب کے لیے کئی حضرات ایک حصہ میں شریک ہوسکتے ہیں، جیسے ایک حصہ بطورِ ایصالِ ثواب متعدد اموات کے لیے کافی ہوجاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے ذبح فرمایا جنھوں نے قربانی نہیں کی تھی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فإن قيل: أليس أنه روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر ممن لايذبح من أمته فكيف ضحى شاة واحدة عن أمته؟ فالجواب: أنه عليه الصلاة والسلام إنما فعل ذلك لأجل الثواب وهو أنه جعل ثواب تضحيته بشاة واحدة لأمته. (بدائع الصنائع:٥/٧٠،سعيد).

نیز فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے قربانی میں حصہ رکھا ہو، مگر عید سے قبل اس کا انتقال ہوجائے تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے بطورِ ایصالِ ثواب قربانی کرسکتے ہیں، جب کہ اس صورت میں متعدد وارث اس کے حصہ کے مالک بن گئے اس کے باوجود مرحوم کے لیے قربانی کرسکتے ہیں۔

بدائع الصنائع میں علامہ ابوبکر کاسانیؒ نے تحریر فرماتے ہیں:

وجه الاستحسان أن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه...الخ. (بدائع الصنائع:٥/٧٢،سعيد).

شرح النقایہ کے حاشیہ میں ہے:

وجه الاستحسان أن الورثة يقومون مقام المورث بعد موته والتبرع من الوارث عن مورثه بالقرب المالية صحيح كالتصدق. (حاشية شرح النقاية لمولوى إلياس :٢/٢٧١،ط:سعيد).

جب فقہاء نے اس کو تصدق کی طرح فرمایا تو ظاہر ہے کہ مختلف حضرات مل کر ایک یا کئی مرحومین کے لیے تصدق کرسکتے ہیں تو اسی طرح قربانی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرمایا ہے:

سوال: چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا اور ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ درست ہے یا نہیں؟ واجب قربانی پر تو بُرا اثر نہیں پڑتا؟ یاد رہے کہ ساتواں حصہ ایک شخص کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ایک حصہ میں چھ شریک ہیں، لہذا کتاب کے حوالہ سے جواب دیا جائے۔

الجواب: **إن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحساناً لقصد القربة من الكل ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم.**

(الدر المختار مع الشامي: ٦/٣٢٦، سعيد).

روایتِ مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہو گیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گیا اور اس حصہ کے ورثاء مالک بن گئے اور انھوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دیدی تو سب کی قربانی درست ہو گئی اسی طرح صورتِ مسئولہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر دیا تو درست ہونا چاہئے۔ دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۹۲/۵، دیوبند)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۴۰۵۔۴۰۸، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إضاءۃ الضواحی

فی

اعتبار مکان

الأضاحی

”إضاءة الضواحي في اعتبار مكان الأضاحي“

قربانی میں مکانِ وکیل واضحیہ کا اعتبار ہے

سوال: اگر کسی نے دوسرے شخص کو قربانی کے لیے وکیل بنایا موکل پاکستان میں رہتا ہے اور وکیل مدینہ منورہ میں، موکل نے وکیل کو قربانی کے لیے کہا، عام طور پر سعودی عرب میں ایک یا دو دن پہلے اور پاکستان میں ایک یا دو دن بعد میں عید ہوتی ہے، اگر وکیل نے عید کے دن جانور ذبح کیا تو موکل کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ جب کہ ابھی تک موکل کے ہاں عید الاضحیٰ کا دن ہی نہیں آیا۔ بالفاظِ دیگر قربانی کے وقت میں موکل کا اعتبار ہے یا قربانی کے وکیل کا؟

الجواب: اس مسئلہ میں اہل علم وعلماء کے دو گروہ ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ موکل کے ایام النحر کا اعتبار ہے، بنابریں بصورتِ مسئولہ موکل کی طرف سے کی گئی قربانی ادا نہیں ہوگی، اسی کے مطابق دار الافتاء جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، دار الافتاء دار العلوم کراچی، دار الافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور شاہی مراد آباد وغیرہ سے فتویٰ شائع ہوا ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ وکیل اور اضحیہ کی جگہ اور وہاں کے ایام النحر کا اعتبار ہے، لہذا بصورتِ مسئولہ موکل کی طرف سے قربانی ادا ہوگئی، اسی کے مطابق حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری ثم راندیریؒ نے کافی عرصہ پہلے فتویٰ دیا تھا، اور ماضی قریب میں مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت، گجرات کے مفتی حضرت مولانا مفتی رشید فریدی صاحب نے ۶ تحقیقی مقالات تحریر فرما کر مسئلہ مذکورہ بالا پر مفصل روشنی ڈالی ہے، مقالات کے اسماء حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۱) تحقيق الكلام فى بيان السبب لوجوب الأحكام.

(۲) رفع الارتیاب من سببیة الوقت للموقتات .

(۳) تمییز الطرقات لتحقق الشرائط للقربات.

(۴) نور السَّنٰی لمن یجب علیه الأضحیة بالغنی.

(۵) تعقب الفرید علی تخصیص الوجوب بصبح العید.

(۶) کشف الغطاء عن اعتبار الوقت لمحل الأداء.

یہ مجموعہ رسائل ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں دوقسطوں میں شائع ہوئے ہیں۔ان رسائل کی روشنی میں چند معروضات حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) قربانی کا اصل وجوب فی الذمہ غنا سے آجاتا ہے۔ اوریہی وجوب فی الذمہ من جانب اللہ ہے جووقت پرموقوف نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوملتقی الابحر میں ہے:

هي واجبة ، وإنما تجب علی حرمسلم مقیم موسر. (ملتقی الابحر:٤/١٦٦).

في مجمع الأنهر:قوله موسر'' لأن العبادة لا تجب إلا علی القادر وهو الغني دون الفقیر. (مجمع الانهر:٤/١٦٦).

وفي بدائع الصنائع: أما شرائط الوجوب...منها: الإسلام ...ومنها الحریة...ومنها الإقامة ... ومنها الغناء والغناء شرط الوجوب فی هذا النوع، لأنه حق مالي متعلق بملک المال. (بدائع الصنائع:٥/٦٣،سعید).

لأن الموسر تجب الأضحیة فی ذمته. (البدائع:٥/٧٦،سعید).

وجوب فی الذمہ کاحکم موسر پرلگانا یہ دلیل ہے کہ یسار حکم کی علت ہے۔

لأن ترتیب الحکم علی المشتق نص علی علِّیَّة مبدأ الاشتقاق . (فتح الغفار،ص ٦٠).

فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ: قربانی کا وجوب غنا سے ہے اوراس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

ملاحظہ ہوالبنایۃ شرح الہدایۃ میں ہے:

وشرط اليسار لقوله صلى الله عليه وسلم:" من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا"، يدل على أن الوجوب بالسعة ولا سعة للفقير. (البناية:۱۱/٤).

تکمله فتح القدير میں ہے:

إذ لا نزاع لأحد أن علة وجوب الأضحية على الموسر هي القدرة على النصاب.

(تكملة فتح القدير:۹/۵۰۷).

وجوب فی الذمہ قبل یوم النحر کی عقلی دلیل ملاحظہ ہو:

وقت (ایام النحر) شرطِ ادا ہے اور ادا کا وجوب ادا سے بالکل متصل رہتا ہے پس اگر کسی غنی مقیم نے دیہات میں یوم النحر کی صبح طلوع ہوتے ہی بلا تاخیر قربانی کر لی تو یہ قربانی بالاتفاق صحیح ہے، تو لامحالہ یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ یوم النحر سے پہلے قربانی اس کے ذمہ واجب تھی، کیونکہ وجوبِ ادا (جو وقت میں خطابِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے) سے پہلے نفس وجوب کا ہونا لازم ہے، اور اصل وجوب، وجوبِ ادا سے مقدم ہوتا ہے۔

"فثبت أن أصل الوجوب قد وجد بالغنا قبل صبح يوم النحر" فافهم وتدبر.

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قربانی کا وجوب فی الذمہ غنا سے ہے وقت پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ ہاں وقت صرف شرطِ ادا ہے۔

پھر امام اعظمؒ کے نزدیک اصل وقت جمیع مکلفین کے حق میں یوم النحر کی صبح طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے، البتہ ذبح فی المصر کے لیے فراغ من صلاۃ العید مزید شرط ہے۔

انظر: (المبسوط:۱۲/۱۰، وبدائع الصنائع:۵/۷۳، سعيد، وشرح الوقاية:٤/۳۹).

نیز نماز، روزہ کے وقت کی طرح، قربانی کے وقت کو بعینہٖ شرطِ ادا کے ساتھ وجوبِ ادا کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا وقت دونوں حیثیتوں کا جامع ہوا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب. (بدائع الصنائع:۵/۷۳، سعيد، وكذا في البناية:۱۱/۳، والعناية على هامش فتح القدير:۱/۲۱٦).

اورجس طرح عباداتِ موقتہ کی ادائیگی قبل از وقت صحیح نہیں ہے اسی طرح بعداز وقت بھی درست نہیں ہے بلکہ قضالازم ہوتی ہے۔تواب غنی ایام النحر سے قبل قربانی اس وجہ سے نہیں کرسکتا ہے کہ وقت شرطِ ادا ہے اور ”تقدم المشروط علی شرط الصحة لایجوز“ ۔عدمِ جواز کی یہ وجہ نہیں ہے کہ غنی کا ذمہ ابھی مشغول بالواجب ہی نہیں ہوا۔فافهم۔

ہاں غنا(وجوب فی الذمہ) کے بعد اگر جانور کی جگہ میں عید ہے تو قربانی جائز ہوگی، کیونکہ سبب یعنی مالک کے بارے میں غنا موجود ہے،اورقربانی کے جانور کی جگہ میں یا وکیل کی جگہ میں عید(شرطِ ادا) موجود ہے، لہذا بصورتِ مسئولہ قربانی صحیح اور درست ہے۔کیونکہ قربانی مالی عبادت ہے اوراس کے نفس وجوب کی علت بالاتفاق غنا ہے جس کا تعلق مکلّف کے ساتھ ہے،اورقربانی کے وجوبِ ادا کا تعلق اضحیہ(جانور) کے ساتھ ہے نہ کہ مکلّف سے۔پس ثابت ہوا کہ وقت(ایام النحر) کا اعتبار محل ادا کے لحاظ سے ہے۔نہ کہ مکلّف کے لحاظ سے۔

ملاحظہ ہوالبحرالرائق میں ہے:

ولأنها (الأضحية) تشبه الزكاة فيعتبر فی الأداء مكان المحل وهو المال لا مكان الفاعل . (البحرالرائق:۸/۱۷۵،کوئٹه).

(۲)جدید موقف کے ساتھ مناقشہ:

دورِحاضر کے بعض مفتیانِ کرام مثلاً مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مفتی شبیراحمد مرادآبادی صاحب، مفتی احمد خانپوری صاحب، مفتی عمر فاروق دیسائی صاحب لندن مدظلہم العالیہ اوربعض دیگر حضرات کا موقف یہ ہے کہ ”جس شخص پرقربانی واجب ہے،اس کا وجوب ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ہاں یوم النحر کی صبح طلوع ہوچکی ہو،ورنہ قربانی درست نہیں ہوگی۔

دلیل: وہ حضرات فرماتے ہیں کہ غنا فقط شرطِ وجوب ہے اوراصل نفس وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یوم النحر کی صبح طلوع ہونے سے شروع ہوکر بارہویں کے غروب تک رہتا ہے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ یوم النحر کی صبح طلوع ہونے سے قبل قربانی کا وجوب ہی نہیں آیا،لہذا غنی شخص جس طرح اپنے مقام پرقبل طلوعِ یوم النحر قربانی نہیں کرسکتا اسی طرح بذریعہ وکیل کسی دوسرے مقام پر(جہاں یوم النحر کی صبح طلوع ہوچکی ہو) بھی قربانی نہیں

کراسکتا۔

الجواب: (۱) غنا کو شرطِ وجوب کہا گیا ہے کما فی کتب الفقہ وہوالصحیح۔ مگر حضراتِ مفتیانِ کرام اسے اہلیت وجوب یعنی اصل وجوب کی شرط کے بجائے فقط شرطِ وجوبِ ادا سمجھ رہے ہیں، اور وقت کو وجوبِ اضحیہ کی علت قرار دے رہے ہیں، حالانکہ جمیع فقہاء کے نزدیک وجوبِ اضحیہ کی علت قدرت علی النصاب ہے۔

(۳) **جدید موقف کا مفسدۂ عظیم**۔ اس جدید موقف پر عمل درآمد ہونے میں امت کے حرج وتنگی اور پریشانی میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ فقط مغربی ممالک کی قربانیاں مشرقی ممالک میں انجام دینے کا نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ایک جگہ کی قربانی دوسری جگہ کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری طرف شمسی اوقات کے اعتبار سے ملک کے مختلف صوبوں اور صوبہ کے مختلف ضلعوں میں صبح صادق اور غروبِ آفتاب وغیرہ کے اوقات میں تفاوت ہونا بالکل مسلم اور قطعی ہے۔

اب جب من علیہ الاضحیہ کے یہاں صبح صادق سے پہلے اس کی طرف سے دوسری جگہ میں کی گئی قربانی بھی کالعدم قرار دی جائے اور یہ کہا جائے کہ شہری آدمی کی قربانی دیہات میں تب ہی ہوسکتی ہے جب کہ شہر میں فجر طلوع ہوچکی ہو تو اس کا مفسدہ اور حرج کسی پر مخفی نہیں رہے گا۔

نیز افریقہ، امریکہ، برطانیہ وغیرہ اور ممالکِ عربیہ کے مالداروں کی قربانیوں کا سلسلہ ہندوپاک اور بنگال وغیرہ ایشیائی وغیر ایشیائی ملکوں میں زمانہ قدیم سے جاری اور لوگوں میں رائج ہے پس اہل مغرب کی طرف سے مشرقی ملک کے کسی شہر یا دیہات میں رہنے والا مالدار یا غریب جو قربانی کا وکیل ہوتا ہے اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موکل کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اگر اجمالاً معلوم ہو تو اسے اپنے موکل کے ملک میں اوقات کا تفاوت معلوم نہیں ہوتا، اگر ملکی پیمانہ پر اوقات کا فرق معلوم بھی ہو تب بھی صبح صادق وغیرہ اوقات کا واقعی علم نہیں ہوتا، اور ان اوقات کا معلوم کرنا ہر ایک کے لیے یقیناً دشوار اور مشکل ہے۔

(۴) **جدید موقف میں متواتر عمل کا بطلان**:۔ اس جدید موقف کا دوسرا مفسدہ یہ ہے کہ اطرافِ عالم سے ہدی یا رقم بھیج کر حرم میں کی جانے والی قربانیوں کا ایک سلسلہ جو خیر القرون سے عملاً چلا آرہا ہے جب ان کے اور حرم میں ذبح کے وقت میں کثیر تفاوت پایا جاتا ہے، بلکہ عموماً تاریخ کا بھی فرق ہوتا ہے تو اس سے امت

کے اس قدرِ مشترک متواتر عمل کا باطل ہونا لازم آئیگا، حالانکہ اصولِ شرعی کی روشنی میں امت کا یہ عمل بالکل برحق ہے۔

ہمارے دارالافتاء کا موقف:

ہمارے دارالافتاء سے یہ مسئلہ چند بار لکھا گیا، آخری مرتبہ میں جو لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وکالت میں وکیل کے زمان ومکان کا اعتبار ہوتا ہے، موکل کے زمان ومکان سے قطع نظر کرتے ہوئے جب وکیل کے ہاں وقت ہو جائے تو وہ موکل کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے، جس طرح کسی معذور یا مریض کی طرف سے حج بدل میں وکیل سعودیہ کی تاریخ کے مطابق عرفہ، مزدلفہ اور دیگر افعالِ حج انجام دیگا اگرچہ ہندوستان یا پاکستان میں یہ ایام ایک یا دو دن بعد میں آجائیں، اس کے باوجود یہ تمام افعال درست ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی دوسرے کو نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے نکاح منعقد کرلیا تو نکاح کے منعقد ہونے کے لیے ایجاب وقبول کی مجلس کا اتحاد ضروری ہے، لیکن وکیل کی مجلس کا اعتبار ہے موکل کی مجلس کا اعتبار نہیں۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وكل وكيلاً بأن يذبح شاة له وخرج إلى السواد فأخرج الوكيل الأضحية إلى موضع لايجد من المصر وذبحها هناک فإن كان الموكل فى السواد جازت الأضحية وإن كان عاد إلى المصر وعلم الوكيل بقدومه لم تجز الأضحية عن الموكل بلا خلاف وإن لم يعلم بعود الموكل إلى المصر فكذا عن محمد وعند أبي يوسف يجوز و هو المختار. (البحرالرائق: ۱۷٦/۸، كوئته). (وكذا فى الفتاوى الهندية:۲۹۷/۵، والفتاوى التاتارخانية:۴۲۳/۱۷، وخلاصة الفتاوى:۳۱۳/٤).

اس مسئلہ سے متعلق فقہاء کی عبارت سے واضح اور بے غبار استدلال:۔

فقہاءؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شہری جلدی قربانی کرنا چاہتا ہو تو کسی گاؤں میں بھیج دے، دیہاتی شخص صبح ہوتے ہی فوراً جانور ذبح کرلے تو قربانی درست ہے، اس میں یہ مذکور نہیں کہ شہری آدمی کی قربانی دیہات میں تب ہوسکتی ہے جب شہر میں فجر طلوع ہوچکی ہو۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر، فيضحى بها كما طلع الفجر. (الهداية: ٤/٤٦٦).

مثلاً اگر کوئی شخص جوہانسبرغ سے ۴،۲ گھنٹہ کے فاصلہ پر جانبِ مشرق میں واقع کسی دیہات میں اپنی قربانی بھیج دے تو وہاں تقریباً ۱۰، ۱۵ منٹ پہلے ہی صبح صادق ہوتی ہے اور دیہات والا صبح ہوتے ہی جانور ذبح کردے تو فقہاء کے کلام کی روشنی میں یہ قربانی درست ہے، جب کہ جدید موقف کی روشنی میں ابھی جوھانسبرغ میں مقیم شخص پر قربانی کا وجوب ہی نہیں آیا تو اس کی طرف سے قربانی کیسے درست ہوگی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ وفات سے استشہادِ لطیف:

حضرت تھانویؒ نے ''الطرائف والظرائف'' (ص ۱۲۸) میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات والے سال مکہ مکرمہ کی تاریخ مدینہ منورہ سے ایک دن آگے تھی۔ ملاحظہ ہو:

فائدة تاريخية تتعلق بتاريخ وفاة النبى صلى الله عليه وسلم. [عن جمع الوسائل فى شرح الشمائل للقارى الحنفىؒ] باب ما جاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم... إلى قوله: وحله أن يقال يحتمل اختلاف أهل مكة والمدينة فى رؤية هلال ذى الحجة، عند أهل مكة يوم الخميس وعند أهل مدينة يوم الجمعة وكان وقوف عرفة واقعاً برؤية أهل مكة ولما رجع إلى المدينة اعتبروا التاريخ برؤية أهل المدينة وكان الشهور الثلاثة كوامل فيكون أول ربيع الأول يوم الخميس ويوم الاثنين الثاني عشر منه، هذا، انتهى.

مذکورہ بالا اختلافِ تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیاں بھیجی تھیں، اس وقت بھی اہل مکہ کے ایک دن آگے ہونے کا امکان ہوسکتا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن تاخیر سے قربانی کرنے کی ہدایت دینا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے وکیل اور اضحیہ کی جگہ کا اعتبار فرمایا ہوگا۔

الغرض اس پوری تحقیق کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ ذبح اضحیہ کے سلسلہ میں متواتر عمل عین شرع کے

مطابق ہے۔"**وهو أن المعتبر فی الأضحية مكان الأضحية ، لا من عليه الأضحية**"۔

پس افریقہ، برطانیہ، امریکہ وغیرہ ممالک مغربیہ کے باشندوں کی قربانی مشرقی ملکوں میں یہاں کے وقت کے اعتبار سے بالکل صحیح اور تصریحاتِ فقہیہ کے بالکل مطابق ہے۔

حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: بھائی عبدالرشید نے مدراس سے یہاں (حیدرآباد میں) قربانی کرنے کو لکھا ہے وہاں عید پیر کو ہے اور یہاں اتوار کو، ان کی قربانی ہم یہاں اتوار کو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پیر کو کرنا ہوگی؟ **بينوا توجروا.**

الجواب: قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، چنانچہ اگر قربانی والا شہر میں ہو اور وہ اپنا قربانی کا جانور ایسے گاؤں میں بھیج دے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی اور وہاں صبح صادق کے بعد اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے تو اس شہر والے کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

ہدایہ آخرین میں ہے: **والمعتبر في ذلك مكان الأضحية حتى لو كانت فی السواد والمضحی فی المصر يجوز كما انشق الفجر، ولو كان على العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحى بها كما طلع الفجر.** (الهداية: ٤/ ٤٣٠).

درمختار میں ہے:

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه فحيلة مصری... (الدرالمختار مع الشامی: ٦/ ٣١٨، كتاب الاضحية، سعيد).

صورتِ مسئولہ میں عبدالرشید بھائی نے مدراس سے آپ کو حیدرآباد میں اپنی قربانی کرنے کے لیے لکھا ہے اور مدراس میں پیر کو عید الاضحیٰ ہے اور آپ کے یہاں اتوار کو تو آپ بلا تکلف ان کی قربانی اتوار کو کر سکتے ہیں، ان کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۱۸).

(نوٹ: فتاویٰ رحیمیہ مطبعہ مکتبۃ الاحسان دیوبند سے مفتی سعید پالنپوری صاحب کی تعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں حضرت مفتی سعید صاحب نے مسئلہ مذکورہ بالا ذکر کرنے کے بعد متن ہی میں بنام اضافہ دار العلوم دیوبند کا تفصیلی فتویٰ جدید

موقف کی تائید میں حضرت مفتی صاحب کے فتوے کے خلاف مزید چند مفتیان کرام کے دستخط کے ساتھ شائع کر دیا ہے، جب کہ تعلیق حاشیہ میں ہوتی ہے متن میں حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب کے فتوے کے ساتھ دیوبند کا تفصیلی فتویٰ ذکر کرنے کے کیا معنی؟)

مفتی ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

الجواب: ھوالموفق۔قربانی جہاں کی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے لہذا ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کا اعتبار ہوگا اور انہی تاریخوں میں قربانی کی جائے گی۔افریقہ،لندن وغیرہ ملکوں کا اعتبار نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وکیل کا اپنے مقام کے اعتبار سے قربانی کرنا جائز اور درست ہے،اگرچہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے موکل کے ہاں ایام النحر شروع ہونے کا انتظار افضل اور اولیٰ ہے،تاکہ موکل کی طرف سے قربانی کا وجوب باتفاقِ علماء ادا ہو جائے،کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے،نیز فقہاء کے ہاں قاعدہ ہے: ”**الخروج من الخلاف مستحب**“۔بنابریں آئندہ احتیاط کی باگ تھامنا چاہیے،ہاں گزشتہ کی ہوئی قربانیوں کا اعادہ لازم نہیں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تیرہ ذی الحجہ کو قربانی کرنے کا حکم:

سوال: قربانی کے ایام کتنے ہوتے ہیں؟ ہمارے ہاں بعض غیر مقلد عید کے چوتھے دن قربانی کرتے ہیں کیا چوتھے دن قربانی کرنا جائز اور درست ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے تین ایام ہیں یوم النحر اوراس کے بعد دودن یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ، ۱۳ ذی الحجہ کے دن قربانی جائز نہیں ہے، البتہ شافعیہ کے ہاں تیرہویں ذی الحجہ کو بھی قربانی جائز ہے یعنی قربانی کے ایام چار ہیں، اور غیر مقلد کا تو کوئی مذہب نہیں ہے۔

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا مذہب بھی امام شافعیؒ کی طرح ہے، لہذا ممکن ہے کہ غیر مقلدین علامہ ابن تیمیہ کے قول پر عمل کرتے ہوں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وهي جائزة في ثلاثة أيام يوم النحر و يومان بعده وقال الشافعيؒ ثلاثة أيام بعده لقوله عليه السلام: التشريق كلها أيام ذبح ولنا ما روى عن عمر رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه قالوا: أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها وقد قالوه سماعاً . (الهداية: ٤/٤٤٦).

شرح المهذب میں ہے:

أيام نحر الأضحية يوم النحر وأيام التشريق الثلاثة هذا مذهبنا وبه قال على بن أبى طالب وجبير بن مطعم وابن عباس وعطاء والحسن البصرى وعمربن عبدالعزيز وسليمان بن موسى الأسدى فقيه أهل الشام ومكحول وداود الظاهرى ؛ وقال مالك وأبوحنيفة وأحمد يختص بيوم النحر ويومين بعده وروى هذا عن عمربن الخطاب وعلى وابن عمر وأنس رضي الله عنه . (شرح المهذب: ٨/ ٣٩٠، ط: دارالفكر).

الشرح الكبير میں ابن قدامہ المقدسی فرماتے ہیں:

فصل الثانى فى آخر وقت الذبح وآخره آخراليوم الثانى من أيام التشريق فتكون أيام

النحر ثلاثة : يوم النحر ويومان بعده وهذا قول عمر وعلى وابن عمر وابن عباس وأبى هريرة وأنس رضی اللہ عنہم، قال أحمد: أيام النحر ثلاثة من غير واحد من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، وفى رواية قال : خمسة من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولم يذكر أنساً وإليه ذهب مالك والثورى وأبوحنيفة وروى عن على آخره آخر أيام التشريق، وبه قال عطاء والحسن والشافعى لأنه روى جبير بن مطعم أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أيام منى كلها منحر... ولنا أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الأضاحى فوق ثلاث ولا يجوز الذبح فى وقت لايجوز ادخار الأضحية ، ولأن اليوم الرابع لايجب الرمى فيه فلم تجز التضحية فيه كاليوم الذى بعده ، ولأنه قول من سمينا من الصحابة ولامخالف لهم إلا رواية على ، وقد روى عنه مثل مذهبنا وحديثهم إنما هو" منى كلها منحر" وليس فيه ذكر الأيام والتكبير أعم من الذبح ، وكذلك الإفطار بدليل أول يوم النحر. (الشرح الكبير:۳/۵۵۵،بيروت). (وكذا فى المغنى :۱۱/۱۱٤،ط:بيروت).

وفي " البحوث العلمية لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية " (۲/٤۳۵):

القول الثاني: أن وقت الذبح ينتهي بغروب الشمس من اليوم الثالث من أيام التشريق . وبهذا قال الشافعیؒ ، واختاره ابن تيمية وابن القيم ومن وافقهم من أهل العلم .

بظاہر کبار علماء کا رجحان قولِ اول کی طرف ہے یعنی ایام النحر تین ہیں: ۱۰،۱۱،۱۲ ذی الحجہ، اسی وجہ سے اس قول کو کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقال فى " الإنصاف " : هذا هو الصحيح من المذهب، وعليه جماهير الأصحاب وقطع به كثر منهم. واستدل لهذا القول بالكتاب والسنة والإجماع والأثر والمعنى: أما الكتاب ...الخ . راجع " البحوث العلمية لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية ": (۲/٤۳٤۔٤۳۵، ط: رئاسة ادارة البحوث العلمية والافتاء). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حدیث " الأضحى يومان بعد يوم النحر" کی تحقیق:

مالک عن نافع أن ابن عمر رضي الله عنه قال: الأضحى يومان بعد يوم الأضحى وقال مالک إنه بلغه عن علی بن أبی طالب مثل ذلک . (موطا الإمام مالك ،ص١٨٨).

وبلاغات الإمام مالک مقبولة بالاتفاق .

قال الشوكاني: هذا في حكم المرفوع لأن مثل هذا لاتقال بالرأي. (نيل الاوطار:٣٥٩/٤).

قلت: هذا الحديث وإن كان منقطعاً لكنه فی حكم المرفوع وسنده يسمى بالسلسلة الذهبية .

قال الألبانى فی تعليقاته على المشكاة (رقم ١٤٧٣) : صحيح .

وللحديث شواهد أخرى ؛

منها: ذكر الطحاوی فی أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس رضي الله عنه قال: الأضحى يومان بعد يوم النحر. (الجوهر النقى على هامش السنن الكبرى :٢٩٦/٩،دارالمعرفة).

ومنها: من طريق ابن أبی شيبة نا زيد بن الحباب عن معاوية بن صالح ثنی أبومريم سمعت أباهريرة يقول : الأضحى ثلاثة أيام .

معاوية بن صالح من رجال مسلم ، وأبومريم ثقة ، وزيدبن الحباب من رجال مسلم .

ومنها : من طريق وكيع عن شعبة عن قتادة عن أنس رضي الله عنه قال: الأضحى يوم النحر ويومان بعده . صححه ابن حزم . (المحلی ابن حزم :٣٧٧/٧).

ومنها: كان النبی صلى الله عليه وسلم قد نهى عن ادخارلحوم الأضاحی فوق ثلاث. متفق عليه .

فهذا الحديث يشير بل يوضح لنا أن الأيام الثلاثة أيام ذبح لا ادخار وبعد الثلاثة أيام ادخار لا أيام ذبح وهذا هو المقصود .

شافعیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے بارے میں ابن الترکمانی فرماتے ہیں:

قلت: سليمان هذا متكلم فيه وحديثه هذا اضطرب اضطراباً كثيراً بينه صاحب الاستذكار وبين البيهقي بعضه في هذا الباب...وفي نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم: أجمع الفقهاء أن التضحية في اليوم الثالث عشر غير جائزة إلا الشافعي فإنه أجازها فيه .
(الجوهر النقی:۹/۲۹۶،۲۹۷).

وفي نصب الراية (٦/٢١٣،كتاب الاضحية) **قال: أخرجه ابن عدي في "الكامل"...عن أبي سعيد الخدري** رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيام التشريق كلها ذبح ... وقال ابن أبي حاتم في "كتاب العلل" قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد . واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

بلاتعیین اپنی اور موکل کی طرف سے قربانی کا حکم:

سوال: زید کے تین بیٹے باہر ممالک میں رہتے ہیں، تینوں صاحبِ حیثیت اور متمول ہیں، عید الاضحیٰ سے پہلے تینوں نے مجھے قربانی کے لیے کہا، میں نے چار دنبے خریدے، ایک دنبہ اپنے لیے اور تین دنبے ان کے لیے، لیکن متعین نہیں کیے کہ یہ میرا ہے اور یہ تین متعین ہر ایک کے لیے ہیں، کیا یہ قربانیاں ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا.**

الجواب: شرعاً سب کی طرف سے قربانیاں صحیح ہوگئیں۔

ملاحظہ ہو المحیط البرہانی میں ہے:

روى بشر بن الوليد عن أبي يوسف رحمہ اللہ **: في رجل له تسعة من العيال ، وهو العاشر، فضحى بعشر من الغنم عن نفسه ، وعن عياله ، ولا ينوي شاة بعينها، لكن ينوي العشرة عنهم وعنه، جاز في الاستحسان ، وهو قول أبي حنيفة** رحمہ اللہ **.** (المحيط البرهانی:٦/٤٨٠،الفصل الخامس فی بيان ما يجوز فی الضحايا...،مكتبه رشيديه). (وكذا فی الفتاوى الهندية ناقلاً عن المحيط :٥/٣٠٠).

مزید حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

غصب کردہ بکری کی قربانی کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے کسی کی بکری غصب کی پھر اس کی قربانی کر لی، اب اگر مالک اس کو اجازت دے تو کیا غاصب کی طرف سے قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ واجب ذمہ سے ساقط ہوا یا نہیں؟ اگر ادا ہوئی تو کیسے جب کہ یہاں اجازت معدوم پر واقع ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر مالک نے اس کو زندہ بکری کی قیمت کا ضامن بنایا تو یہ قربانی غاصب کی طرف سے ادا ہوگئی، اگر چہ غصب یا چوری کا گناہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ بکری تو ذبح کردی گئی تو یہ اجازت معدوم پر ہوئی جو کہ باطل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غاصب ضمان ادا کر کے اس بکری کا مالک بن گیا اور وجوبِ ضمان کا سبب غصب ہے، پس ادائے ضمان منسوب ہوگا غصب کے وقت کی طرف، مطلب یہ ہوگا کہ غاصب غصب کے وقت مالک بنا، اور ذبح بعد الغصب واقع ہوا، لہٰذا قربانی صحیح ہوگئی، لیکن ناجائز فعل سے ابتدا کی وجہ سے وہ عاصی اور گنہگار رہا، بنابریں اس پر توبہ اور استغفار لازم اور ضروری ہے۔

قال في رد المحتار: قال في البدائع: غصب شاة فضحى بها عن نفسه لاتجزئه لعدم الملک ولا عن صاحبها لعدم الإذن، ثم إن أخذها مذبوحة وضمنه النقصان فكذلک لاتجوز عنهما وعلى كل أن يضحي بأخرى، وإن ضمنه قيمتها حية تجزئ عن الذابح لأنه ملكها بالضمان من وقت الغصب بطريق الاستناد فصار ذابحاً شاة هي ملكه فتجزيه ولكنه يأثم لأن ابتداء فعله وقع محذوراً فيلزمه التوبة والاستغفار. (ردالمحتار:٦/٣٣١، سعيد). (وكذا في بدائع الصنائع:٥/٧٦، سعيد).

وفي البدائع: ووجه الفرق [أي إذا ضحى بالشاة المودَعة عن نفسه ثم رضي المالک لايجوز، وبالشاة المغصوبة يجوز] بخلاف الغصب، فإنه كان ضامناً قبل الذبح لوجود سبب وجوب الضمان وهو الغصب السابق، فعند اختيار الضمان أو أداءه يثبت الملک له من وقت السبب وهو الغصب فالذبح صادف ملک نفسه فجاز. (بدائع الصنائع:

۵/۷۷، سعید). (وکذا فی ردالمحتار:۶/۳۳۱،سعید،وتکملة البحرالرائق:۸/۱۷۹، کوئٹه).

تبیین الحقائق میں ہے:

لأن المضمونات تملک عند أداء الضمان مستنداً إلى وقت وجود سبب الضمان [وهو الغصب فيستند إلى وقت الغصب فكأنه صار مالكاً حين الغصب] . (تبيين الحقائق: ۳/۱۸۶، باب الوطء الذی یوجب الحد،ط:ملتان).

وفی البدائع: قال: لأن المضمونات تملک عند أداء الضمان من وقت الغصب . (بدائع الصنائع: ۶/۱۶۷،سعید).

وفی الهداية: وكذلک الملک فی المضمون لأن المضمونات تملک بأداء الضمان مستنداً إلى وقت الغصب عندنا. (الهداية:۳/۳۷۵، کتاب الغصب).

وفی المحيط البرهانی: فی" المنتقى " رجل غصب أضحية غيره، وذبحها عن نفسه وضمن القيمة لصاحبها أجزأه ماصنع ، والذبح يخالف الإعتاق ... والفرق: أن عند أداء الضمان يثبت للغاصب الملک مستنداً إلى وقت الغصب السابق ، والمستند فائت للحال من وجه ، ومن ذلک الوقت من وجه ، وكان الملک فيما بين الغصب وأداء الضمان ثابتاً من وجه ، ومثل هذا الملک لايكفي لنفاذ العين ، ويكفى لنفاذ القرب. (المحيط البرهانی: ۶/۴۸۳، الفصل السابع فی التضحية عن الغير،وفی التضحية بشاة الغير عن نفسه،مكتبه رشيديه).

خلاصہ یہ ہے کہ **غاصب ذابح کی قربانی اداہوگئی لیکن عاصی اورگنہگار ہونے کی وجہ سے اس پر توبہ ضروری ہے۔** واللہ ﷻ اعلم۔

شاۃِ مسروقہ کی قربانی کا حکم:

سوال: اگرکسی نے جانور چوری کر کے اس کی قربانی کرلی، بعد میں پشیمان ہوااوراس کی قیمت مالک کوپہنچادی،تواب اس کی قربانی ہوئی یانہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں غصب کا مسئلہ ملتاہے کہ

مغصوب جانور کی قربانی کے بعد تاوان ادا کردے تو قربانی ہو جاتی ہے، لیکن چوری کا مسئلہ نہیں ملتا، آپ چوری کے مسئلہ کا حوالہ پیش فرمادے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ذابح سارق نے شاۃِ مسروقہ کی قیمت ادا کردی اس وجہ سے اس کی قربانی ادا ہوگئی، ہاں نیک عمل کی ابتدا معصیت سے کرنے کی وجہ سے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔اور چوری کا صریح حوالہ درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن الشحنہ الحلبی نے قربانی کا جواز تحریر فرمایا ہے:

وفي نظم الزندوستي: خمسة أشياء إذا أخذها من ملك الغير تجوز بها الأضحية وضمن قيمتها، أولها : غصب شاة وضحى بها، والثاني: لو سرق شاة وضحى بها ...الخ.

(لسان الحكام في معرفة الاحكام، ص۳۸۷،نوع فيمايجوزمن الاضحية ومالايجوز).

(وكذا في خلاصة الفتاوى:٤/٣١٧،الفصل الرابع،المكتبة الرشيدية).

بدائع الصنائع میں:

لكنه يأثم لأن ابتداء فعله وقع محظوراً فيلزمه التوبة والاستغفار. (بدائع الصنائع:٥/٧٦،سعيد، وردالمحتار:٦/٣٣١،سعيد).

تنبیہ: احسن الفتاویٰ (۷/ ۵۰۵) میں عدمِ جواز مرقوم ہے اور حوالہ غصب کا ہے لیکن ہم نے با حوالہ جواز لکھا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: ماشاءاللہ اس مسئلہ کا حوالہ تو مل گیا کہ چوری کے جانور کے قربانی کرنے کے بعد اگر اسکی قیمت مالک کو ادا کردی تو قربانی ہوگئی۔

لوسرق شاة وضحى بها... الخ. (لسان الاحكام ،ص: ۳۸۷، وغيره من الكتب الفقه).

لیکن ایک بات ذہن میں کھٹکتی ہے امید ہے کہ اس کا حل بتلائیں گے۔وہ یہ ہے کہ فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ اجازت معدوم میں جاری نہیں ہوتی، مثلاً اگر فضولی کسی کی بکری فروخت کرے اور وہ مشتری کے پاس مرگئی

اور پھر مالک نے اجازت دی تو اجازت نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ معدوم میں اجازت نہیں چلتی، **كـذا فـي عامة كتب الفقه.**

نیز ہدایہ میں مذکور ہے:

ولا نفاذ بدون المحل یعنی اجازت ہالک میں نہیں چلتی، حاشیہ میں مذکور ہے: **يعني أن المعقود عليه بالهلاک صار إلى حالة لايجوز ابتداء العقد عليه فلا يلحقها الإجازة.** (الهداية:۳/ ۳۰، رقم الحاشية، ص۱۲). اب قربانی ذبح کرنے اور کھانے کے بعد اجازت کیسے نافذ ہوگی؟

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سارق ضمان ادا کرنے سے اس بکری کا مالک بن گیا اور وجوب ضمان کا سبب سرقہ ہے، پس ادائے ضمان منسوب ہوگا سرقہ اور چوری کے وقت کی طرف یعنی سارق دراصل بوقتِ سرقہ مالک بنا اور ذبح سرقہ کے بعد واقع ہوا، لہٰذا قربانی صحیح ہوگئی۔

ملاحظہ ہو فقہا شاۃِ مغصوبہ کی قربانی کے تحت فرماتے ہیں:

... وإن ضـمـن قيـمتها حية تجزی عن الذابح لأنه ملكها بالضمان من وقت الغصب بطريق الاستناد فصار ذابحاً شاة هي ملكه فتجزيه. (فتاوى الشامي:٦/ ٣٣١).

تبیین الحقائق میں ہے:

لأن الـمـضـمونات تملک عند أداء الضمان مستنداً إلى وقت وجود سبب الضمان. (وهـو الـسـرقـه فـی مسـئلتنا فتستند إلى وقت السرقه فكأنه صار مالكاً حين السرقة). (تبيين الحقائق:٣/ ١٨٦، امداديه، ملتان).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع:٥/ ٧٧، سعيد، ورد المحتار:٦/ ٣٣١، سعيد، وتملكة البحر الرائق: ٨/ ١٧٩، كوئته).

نیز ہدایہ میں بھی یہ عبارت موجود ہے:

وكـذالک الـمـلک فـی المضمون لأن المضمونات تملک بأداء الضمان مستنداً إلى وقت الغصب عندنا . (الهداية: ٣/ ٣٧٥).

البتہ یہ ملکِ مستند چونکہ قوی نہیں ہے، من وجہ ملک ہے اور من وجہ ملک نہیں ہے اس لئے نفاذِ عین کے لئے کافی نہیں ہے، اسی لئے فضولی کی بیع میں مشتری کے پاس چیز ہلاک ہوگئی تو اب نفاذِ عین کے لئے یہ غیر کافی ہوگی اور بائع کی اجازت کام نہیں کرے گی۔ ہاں یہ ملکِ ضعیف یا من وجہ ملک نفاذِ قرب میں مؤثر ہوگی، اور یہ قربانی ہے، لہذا قربانی ادا ہو جائیگی اور یہ تسلیم کیا جائے گا کہ قیمت ادا کرنے سے مالک بنا، اور ملک قبل الذبح ثابت ہوگئی اور قربانی درست ہوگئی۔

لیکن بیع فضولی میں یہ بات غیر مسلم ہے ورنہ تضییع اموال کا باب مفتوح ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل محیط برہانی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

والفرق: أن عند أداء الضمان يثبت للغاصب الملك مستنداً إلى وقت الغصب السابق والمستند فاتت للحال من وجه، ومن ذلك الوقت من وجه، وكان الملك فيما بين الغصب وأداء الضمان ثابتاً من وجه، ومثل هذا الملك لا يكفي لنفاذ العين، ويكفي لنفاذ القرب. (المحيط البرهاني: ٤٨٣/٦). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بیعِ فاسد سے خریدی ہوئی بکری کی قربانی کا حکم:

سوال: ایک شخص قربانی کا جانور خریدتا ہے بائع غیر مسلم کہتا ہے کہ ٹھیک ہے مگر قیمت اس وقت لگاؤں گا جب جانور کاٹا جائے اور پھر گوشت کا وزن کیا جائے، اس وزن کے اعتبار سے قیمت لوں گا، مشتری بھی تیار ہوگیا، اور جانور خرید کر قربانی کر لی تو کیا قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ جب کہ یہ بیع بظاہر صحیح نہیں ہوئی۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ بیع میں ثمن متعین نہیں کیا اس وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگئی، اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب تک مبیع موجود ہو اس کو واپس کیا جائے، لیکن مبیع ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کے قبضہ کی وجہ سے مشتری مالک بن گیا اور قربانی بھی درست ہوگئی، البتہ قیمتِ مثل واجب ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وأما الثالث : وهو شرائط الصحة ...(منها) معلومة المبيع ومعلومة الثمن بما يرفع المنازعة فلا يصح بيع شاة من هذا القطيع وبيع الشيي بقيمته . (فتاوی الشامی: ۴/۵۰۵،سعید).

شرحِ مجلّہ میں ہے:

تسمية الثمن حين البيع لازمة ، فلو با ع بدون تسمية الثمن كان البيع فاسداً وذلك لأن مطلق البيع يقتضى المعاوضة فإذا سكت عن بيان الثمن كان غرضه القيمة فكأنه با ع بقيمته فيفسد. (شرح المجلة،ص۱۲۲،لسليم رستم باز).

وفيه أيضاً : البيع الفاسد يصير نافذاً عند القبض الواقع بإذن البائع صراحة أو دلالة ولم ينهه البائع عنه . يعني أن تصرف المشترى فى المبيع يصير جائزاً حينئذٍ . (شرح المجلة ، ص۲۰۴، لسليم رستم باز).

وفيه أيضاً : البيع الفاسد يفيد الحكم عند القبض يعنى أن المشترى إذا قبض المبيع بإذن البائع صار مالكاً له . (شرح المجلة ،ص۲۰۷).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفى الظهيرية : رجل اشترى شاة شراء فاسداً ، فذبحها عن الأضحية جاز، فإن ضمنه قيمتها حية فلا شيء على المضحى . (الفتاوى التاتارخانية:۱۷/۴۴۶،ط:ديوبند). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن جابرؓ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ضحی بکبشین أملحین أقرنین موجوأین عظیمین سمینین.

الفصل الثانی فیما یجوز به التضحیة ومالایجوز به

عن جابرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن“.

(رواہ مسلم:۲/۱۵۵).

عن علیؓ قال: ”أمرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن نستشرف العین والأذن“.

فصل دوم
قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام

ہرن کی قربانی کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص ہرن کی قربانی اور عقیقہ کرنا چاہتا ہے، کیا ہرن کی قربانی یا اس کا عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قربانی اور عقیقہ کے جانور متعین ہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے جنگلی جانور کی قربانی وعقیقہ درست نہیں۔قربانی کے جانور درجِ ذیل ہیں:

اونٹ ،اونٹنی ۔گائے ،بیل ۔بھینس ، بھینسا۔بکرا،بکری ۔بھیڑ،دنبہ۔صرف انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے، پس ہرن کی قربانی وعقیقہ درست نہیں۔اوراگر کوئی جانور مخلوط النسل ہوتو ماں کا اعتبار ہوگا اگر ماں پالتو ہے،مثلاً بکری، گائے وغیرہ تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما محل إقامة الواجب ...أما جنسه فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة : الغنم أو الإبل أو البقر ويدخل في كل جنس نوعه والذكر والأنثى منه والخصى والفحل لانطلاق

اسم الجنس على ذلك والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر بدليل أنه يضم ذلك إلى الغنم والبقر في باب الزكاة ولايجوز في الأضاحي شيء من الوحش لأن وجوبها عرف بالشرع والشرع لم يرد بالإيجاب إلا في المستأنس فإن كان متولداً من الوحشي والأنسي فالعبرة بالأم فإن كانت أهلية يجوز وإلا فلا ، حتى أن البقرة الأهلية إذا نزا عليها ثور وحشي فولدت ولداً فإنه يجوز أن يضحى به . (بدائع الصنائع:٥/٦٩،سعيد). (وكذا في الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٢٢،سعيد).

وفي الفتاوى السراجية: ولا يجوز بالظبي ، والوعل ،الخيل، والحمارالوحش.

(الفتاوى السراجية،ص٣٨٥،والمبسوط للامام السرخسي ٢٩/١٢ط:بيروت).

فتاویٰ بینات میں ہے:

قربانی کے جانوردوقسم کے ہیں:۔چھوٹے مثلاً بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ اور بڑے مثلاً گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے۔اس کے علاوہ اورکسی جانور کی قربانی درست نہیں۔

(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم،ص۵۰۷، بحوالہ الفتاوی الہندیۃ:۵/۲۹۹)۔ **مزید ملاحظہ ہو:** (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۳۸۸، بعنوان ہرن کی قربانی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قربانی کے لیے افضل وبہتر جانور:

سوال: قربانی کے لیے کونسا جانور بہتر ہے مذکر یا مؤنث؟ نیز بڑے جانور میں شرکت بہتر ہے یا بلا شرکت چھوٹا جانور افضل ہے۔

الجواب: قربانی کے جانوروں کے لیے بہتر اور مستحب یہ ہے کہ موٹے تازے ہوں، خوبصورت ہوں، اطیب اللحم ہوں، اورکوئی ایسا عیب نہ ہو کہ جس سے جانور دیکھنے میں برے معلوم ہوں۔تاہم بڑے جانور میں علی الاطلاق مؤنث افضل ہے، اور چھوٹے جانوروں میں خصی افضل ہے، اگر خصی نہ ہوتو مؤنث ہی افضل ہے۔نیز چھوٹے جانور کی قربانی بڑے جانور کے ساتویں حصے سے افضل ہے جب کہ چھوٹا جانور موٹا تازہ اوراچھا ہو۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأماالذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة ...ومهماكانت المطية أعظم وأسمن كانت على الجوازعلى الصراط أقدر و أفضل الشاة أن يكون كبشاً أملح أقرن موجوءاً لما روى جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أقرنين موجوأين عظيمين سمينين. والأقرن: العظيم القرن، والأملح: الأبيض...والموجوأ: قيل: هو مدقوق الخصيتين وقيل: هوالخصى كذا روي عن أبي حنيفة رحمه الله فإنه روي عنه أنه سئل عن التضحية بالخصي فقال: مازاد في لحمه أنفع مما ذهب من خصيته. (بدائع الصنائع:۵/۸۰،سعید).

وفى الدرالمختار: قال : الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فى القيمة واللحم، والكبش أفضل من النعجة إذا استويا فيهما، والأنثى من المعز أفضل من التيس إذا استويا قيمة، والأنثى من الإبل والبقر أفضل ، حاوى، وفى الوهبانية: أن الأنثى أفضل من الذكر إذا استويا قيمة .

وفى الشامية: قال فى التاتارخانية: وفى العتابية: وكان الإستاذ يقول: بأن الشاة العظيمة السمينة تساوى البقرة قيمة ولحماً أفضل من البقرة لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلاخلاف...قوله إذا استويا قيمة، فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً فهو أفضل ، والأصل فى هذا إذا استويا فى اللحم والقيمة فاطيبهما لحماً أفضل ، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولى، ...قوله: والأنثى من المعز أفضل،...وقال الطحطاوي: مشى ابن وهبان على أن الذكرفى الضأن والمعز أفضل لكنه مقيد بما إذا لم يكن موجوءاً لايكون أفضل . (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:۶/۳۲۲،سعيد،والفتاوى السراجية،ص ۳۹۱،باب المتفرقات).

مزید ملاحظہ ہو: (اعلاء السنن:۱۷/۲۸۴،وفتاویٰ بینات،جلدِ چہارم،ص ۵۷۰،وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/،جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوسال سے کم عمر گائے کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر گائے کی قربانی کی جائے تو دوسال مکمل ہونا ضروری ہے لیکن اگر دوسال سے کم عمر گائے موٹی تازی ہے جو دوسالہ کے برابر معلوم ہوتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً دوسال سے کم عمر گائے کی درست نہیں، ہاں دنبے میں یہ تخفیف ہے کہ چھ ماہ کا دنبہ سال کے برابر معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں روایت ہے:

عن جابرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن . (رواہ مسلم:۲/۱۵۵).

وقال فی معجم لغة الفقهاء : المسن : من البقر ما جاوز السنتین .

(cow more than two years old)۔ (معجم لغة الفقهاء،ص۴۲۹).

وفي شرح مسلم للإمام النوویؒ: قال العلماء : المسنة هی الثنیة من کل شيء من البقر والغنم فما فوقها وهذا تصریح بأنه لایجوز الجذع من غیر الضأن في حال من الأحوال وهذا مجمع علیه. (الشرح الکامل :۲/۱۵۵). (وکذا فی بذل المجهود:۹/۵۴۲،دارالبشائرالاسلامیة).

وفي تکملة فتح الملهم: أجمع الفقهاء علی أن الجذع إنما یجزئ من الضأن ولا یجزئ فی المعز ولا فی البقر والإبل وإنما تجب فیها الثني. (تکملة فتح الملهم:۳/۵۵۷).

إعلاء السنن میں ہے:

اختلفوا في تقدیر الجذع والثنی علی أقوال، والمعتمد عندنا ــ معشر الحنفیة ــ أن الجذع من الضأن ابن ستة أشهر، والثنی منها ومن المعز ما تم له سنة ودخل فی الثانیة ، ومن البقر ما تم له سنتان ودخل فی الثالثة ، ومن الإبل ما تم له خمس سنین ودخل فی السادسة .

(اعلاء السنن:۱۷/۲۴۲،باب مایجوز فی الضحایا من السن،ادارة القرآن).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع:٥/ ٧٠،سعید).

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں

وشرط است کہ گاؤ وجاموس کم از دو سال نباشد وشتر کم از پنج سال نباشد۔ (مالابدمنہ،ص۱۶۴)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

قربانی کے جانور کا ''**مسنة**'' ہونا ضروری ہے یعنی اونٹ پانچ برس کا، گائے وغیرہ دو برس کی، اور بھیڑ، بکری وغیرہ ایک برس کی ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم عمر والے جانور کی قربانی درست نہیں ہے کہ اس سے کم سن والے جانور ''**مسنة**'' نہیں۔ البتہ دنبہ چھ ماہ کا اس قدر فربہ ہو کہ سال کا دنبہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔...(فتاویٰ رحیمیہ:۵/ ۳۸۷)۔ **مزید ملاحظہ ہو:** (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۳۷۴، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کے جانور کے دانت کا حکم:

سوال: گائے کی قربانی کرنی ہو تو دو دانت والی کافی ہے یا نہیں؟ کتنے دانت کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب: قربانی کے جانور کی عمریں متعین ہیں، گائے مکمل دو سالہ ہونا ضروری ہے، اور دانت کا اعتبار نہیں۔ جب کہ اچھی طرح اپنا گھاس چارہ کھاسکتی ہو، ہاں اگر گھاس چارہ اچھی طرح نہیں کھاسکتی تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

قال ویجزی من ذلک کله الثنی فصاعداً إلا الضأن، والثنی منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتین ومن الإبل ابن خمس سنین و یدخل فی البقر الجاموس لأنه من جنسه.

(الهداية:٤/ ٤٤٩، وكذا فی الدرالمختار:٦/ ٣٢٢،سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وتخصیص هذه القربة بسن دون سن أمر لایعرف إلا بالتوقیف فیتبع ذلک ...

وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لوضحى بأقل من ذلک سناً لايجوز. (بدائع الصنائع:۵/۷۰،سعید).

وفيه أيضاً: وأما الهتماء وهي التي لا أسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا وذكر في المنتقى عن أبي حنيفة أنه أن كان لايمنعها عن الاعتلاف تجزيه وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب في جوفها صباً لم تجزه. (بدائع الصنائع:۵/۷۵،سعید).

وفي الموسوعة الفقهية الكويتية: حكم التضحية بالهتماء ...ذهب الحنفية في الصحيح إلى أن الهتماء إن كانت ترعى وتعلف جازت التضحية بها. (الموسوعة الفقهية الكويتية:۴۲/۱۵۶).

وللاستزادة انظر: (اعلاء السنن:۱۷/۲۵۲-۲۵۳،باب جواز التضحية بالثولاء والهتماء والثرماء، والفتاوى الهندية:۵/۲۹۸،والفتاوى السراجية،ص ،وتكملة فتح القدير:،والعناية :،والجوهرة النيرة،باب الهدى).

کفایت المفتی میں ہے:

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکری بکرا ایک سال کا ہو اور گائے دوسال کی، چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ (کفایت المفتی:۸/۲۳۷).

فتاویٰ بینات میں ہے:

دانت نکلنا ضروری نہیں، بلکہ مدت پوری ہونا شرط ہے۔ (فتاویٰ بینات:۴/۵۷۱)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

دانت میں اصل معیار یہ ہے کہ جانور گھاس کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ دانتوں سے مقصود یہی ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۷/۵۱۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۶۴-۳۶۸، و۳۷۴، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ رحیمیہ:۵/۳۸۸، وامداد الفتاوی:۳/۶۱۲)۔

تنبیہ: واضح ہو کہ اکثر کتبِ فقہ وفتاویٰ میں یہ قید مذکور ہے کہ اکثر دانت باقی ہوں تو قربانی جائز ہے

ورنہ نہیں، یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، یہ مذہب نہیں ہے۔ اصل مذہب یہ ہے کہ دانت کا اعتبار نہیں ہے، اصل مدار گھاس، چارہ کھانے پر ہے، جو کہ مذکور ہوا، یہی امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، اوراعلاء السنن میں تحقیق فرمائی ہے کہ یہی ظاہرالروایہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مکسورۃ القرن جانور کی قربانی کرنے کا حکم:

سوال: آج کل کسانوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ جانوروں کے سینگ جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے یہاں بڑی تعداد میں جانور رکھے جاتے ہیں، اورایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، خصوصاً مذبح کی طرف لے جانے میں بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو کیا ایسے بے سینگ جانوروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جن جانوروں کے سینگ بالکل نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں ان کی قربانی درست ہے ہاں اگر سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا جڑ سے اکھاڑ دئے گئے ہوں اوراس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز اور درست نہیں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وتجزئ الجماء وهي التي لا قرن لها خلقة وكذا مكسورة القرن تجزئ لما روى أن سيدنا علياً رضي الله عنه سئل عن القرن فقال: لايضرك، أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن وروى أن رجلاً من همذان جاء إلى سيدنا علي رضي الله عنه فقال: يا أمير المؤمنين البقرة عن كم قال: عن سبعة ثم قال: مكسورة القرن قال: لاضير...إلى قوله: فإن بلغ الكسر المشاش لاتجزيه والمشاش رؤوس العظام مثل الركبتين والمرفقين. (بدائع الصنائع: ۷۶/۵، سعيد). (وكذا في ردالمحتار: ۳۲۳/۶، سعيد، والفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵).

فتاویٰ بینات میں ہے:

اگرکسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متاثر ہوا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے یا سرے سے سینگ ہی نہیں ہیں، جیسے اونٹ کے تو بلا کراہت جائز ہے۔(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم،ص۵۶۲،از قلمِ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

...سینگ ٹوٹ چکا ہے لیکن بنیادی جڑ باقی ہے، ابھری ہوئی ہڈی نظر آتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے ورنہ نہیں۔(فتاویٰ بینات:۴/۵۷۱،از قلمِ مفتی عبدالسلام صاحب)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ہدایہ اور حجۃ اللہ البالغہ کی عبارات میں تطبیق دینے کے بعد رقمطراز ہیں:

الحاصل: تین چیزیں الگ الگ ہیں: (۱) جماء: جس کے پیدائشی سینگ نہیں۔(۲) مکسورہ: جس کا سینگ ٹوٹ گیا ہو۔(۳) اعضب: جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔پہلی دو کی قربانی درست ہے، اخیر کی درست نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۷۸،جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۰۹۔۴۱۰،مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ ذبح سینگ کے جڑ سے ٹوٹ جانے کا حکم:

سوال: قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت بھاگ گیا اور اس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا۔تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ ذبح کوئی مانع عیب جانور میں آجائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔لہذا بصورتِ مسئولہ بوقتِ ذبح جڑ سے ٹوٹے ہوئے سینگ والے جانور کی قربانی جائز اور درست ہوگی۔کیونکہ اس سے بچنا ناگزیر ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو أضجعها فاضطربت فانكسرت رجلها فذبحها أجزأه استحساناً. (الهداية:٤/٤٤٨).

وفی العناية: قوله فانكسرت رجلها، من باب ذكر الخاص وإرادة العام فإنه إذا أصابها مانع غير الانكسار بالاضطراب حالة الاضجاع للذبح كان الحكم كذلك . (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير:۹/۵۱۶).

مجمع الأنهر میں ہے:

ولا يضر تعييبها من اضطرابها عند الذبح ، وفی الهداية ولو أضجعها...لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق بالذبح فكأنه حصل به اعتباراً وحكماً وكذا لوتعييبت فی هذه الحالة فانفلتت ثم أخذت من فوره وكذا بعد فوره عند محمد خلافاً لأبي يوسفؒ. (مجمع الانهر: ۲/۵۲۰).

وفی البدرالمنتقی: ومفاده ترجيح قول محمدؒ وبه جزم فی المضمرات فقال: ولو تركها في ذلك اليوم وذبحها فی الغد أجزأته. (بدرالمنتقی فی شرح الملتقی:۲/۵۲۰).

وكذا فی الفتاوی التاتارخانية، وزاد عليه بقوله : وفی العتابية : وعليه الفتویٰ.[أی علی قول محمدؒ]. (الفتاوی التاتارخانية:۱۷/۴۳۳،ط:دیوبند).

وللاستزادة انظر: (الدرالمختارمع ردالمحتار:۶/۳۲۵،سعيد، والبحرالرائق:۸/۱۷۷، كوئته، والفتاوی الولوالجية:۳/۸۱، بيروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اس کی قربانی کردی جائے ،قربانی کے لیے گرانے سے اگرایسا عیب پیدا ہوجائے تو اس سے قربانی میں خرابی نہیں آتی ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۳۸۷،جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پیدائشی کان نہ ہوتو قربانی کاحکم:

سوال: جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہو یا پیدائشی دم نہ ہوتو اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟ نیز کان کٹا ہوا ہوتو قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مشہوراور مفتی بہ قول یہ ہے کہ جس جانور کے پیدائشی کان یادم نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کان یادم پیدائشی طور پر نہ ہوتو اس جانور کی قربانی جائزاور درست ہے، لہٰذا اگر کسی نے قربانی کرلی تو اس روایت کی روشنی میں اعادہ کا حکم نہیں دیا جائیگا۔اور اگر کان ایک ثلث سے زائد کٹا ہوا ہوتو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔اس سے کم میں گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہوفتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: ولا التی لا إلية لها خلقة، الشاة إذا لم يكن لها أذن ولا ذنب خلقة. قال محمد: لايكون هذا ولوكان لايجوز، وذكرفى الأصل عن أبي حنيفةؒ أنه يجوز ، خانية، ثم قال: وإن كان لها إلية صغيرة مثل الذنب خلقة جاز أما على قول أبي حنيفةؒ فظاهرلأن عنده لو لم يكن لها أذن أصلاً ولا إلية جاز، وأما على قول محمدؒ صغيرة الأذنين جائزة ، وإن لم يكن لها إلية ولا أذن خلقة لايجوز. (فتاوى الشامی:٦/٣٢٥،سعيد).

(وكذا فی فتاویٰ قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٥٣).

وفی لسان الحكام : قال : فإن لم يكن لها أذن خلقة لاتجوز، وكذا إذا لم يكن لها إحدى الأذنين . وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ : إن لم يخلق لها أذن تجوز، وهكذا روي عن محمدؒ . (لسان الحكام،ص٣٨٧،كتاب الاضحية،دارالفكر، وخلاصة الفتاویٰ:٤/٣٢٠).

محیطِ برہانی میں ہے:

وروى أسد بن عمرو عن محمد ما لم يخلق لها أذنان يجوز،وفی الضحايا للحسن بن زياد ، قال ابوحنيفةؒ : جاز إذا خلقت بلا أذنين. (المحيط البرهانی:٦/٤٧٨،مكتبه رشيديه،وكذا فی الفتاوى التاتارخانية:١٧/٤٢٧،ديوبند).

وفی الفتاوى الولوالجية: ولايجوز أن يضحى بشاة ليس لها أذنان، خلقت كذلک؛ لأنها لوكانت فائتة إحدى الأذنين بعارض، فلايجوز، فإذا كانت فائتة الأذنين من الأصل أولى أن لاتجوز. (الفتاوى الولوالجية:٣/٨١،بيروت). (وكذا فی الهداية: ٤/٤٤٨).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وقال الفقيه أبو الليث رحمه الله: إن كانت الأضحية مقطوعة الأذن الواحدة أكثر من الثلث لايجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:۳/۳۵۲).

وفيه أيضاً: والصحيح أن الثلث ومادونه قليل ومازادعليه كثير وعليه الفتوىٰ. (فتاوى قاضيخان:۳/۳۵٤).

فتاویٰ بینات میں ہے:

جس جانور کا پیدائشی طور پر کان یا دم نہیں یا کان اور دم میں سے ایک تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کان اور دم دو تہائی باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ (فتاویٰ بینات:۴/۵۷۱)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۱۰، دیوبند، وجواہر الفقہ:۶/۳۲۶، کراچی)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

پیدائشی چھوٹے کان والے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی جانور کے پیدائشی طور پر کان بہت چھوٹے ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس جانور کے کان پیدائشی طور پر چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت. (الدرالمختار: ٦/٣٢٤،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وتجزئ السكاء وهي صغيرة الأذن. (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٧،وبدائع الصنائع:٥/٧٥،سعيد).

و فى المبسوط: فأما صغيرة الأذن تجزئ لأن الأذن منها صحيحة وإن كانت صغيرة. (المبسوط للامام السرخسيؒ:١٢/١٧،ط:بيروت).

وفى المحيط البرهاني: وفي "زيادات نوادر هشام" قال أبوحنيفة رحمه الله: إذا كان لها

أذنان صغيران يجوز. (المحيط البرهاني:٦/٤٧٨،مكتبه رشيديه).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

جس جانور کے کان پیدائشی چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۱۱)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شرقاء اور خرقاء جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: حدیث شریف میں شرقاء اور خرقاء جانور کی قربانی کی ممانعت آئی ہے، حالانکہ فقہاء کے نزدیک اگر نصف یا ثلث سے کم کٹا ہو تو اس جانور کی قربانی کی گنجائش ہے۔کیا فقہاء کا یہ قول حدیث کے خلاف تو نہیں؟

الجواب: حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن علي رضي الله عنه قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن ولانضحي بعوراء ولامقابلة ولامدابرة ولاخرقاء ولاشرقاء.... (رواه ابوداود:٢/٣٨٨، ط: فيصل، والترمذی:١/٢٧٥).

وعن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يضحى بعضباء الأذن والقرن. (ابوداود:٢/٣٨٨).

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خرقاء شرقاء جانور کی قربانی جائز نہیں ہے،لیکن یہ روایات مجمل ہیں اور حضرت قتادہؒ کی حدیث مفسر ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ جس جانور کا کان نصف یا نصف سے زیادہ کٹا ہوا ہو اس کی قربانی درست نہیں، اور اگر نصف سے کم کٹا ہوا ہے تو اس جانور کی قربانی درست ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ نصوص میں جب مجمل اور مفسر جمع ہو جائیں تو مفسر کو مجمل کی وضاحت مان کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

حضرت قتادہؒ کی حدیثِ مفسر ملاحظہ فرمائیں:

أخرج أبوداود عن قتادة رحمه الله قال: قلت لسعيد بن المسيب : ما الأعضب ؟ قال النصف فما فوقه. (ابوداود،رقم:٢٨٠٦).

قال العلامة ظفر أحمد العثمانيؒ: أقول: ما ورد في حديث عليؓ أنه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى أن يضحى بعضباء الأذن والقرن فتفصيله أن العضب فى الأذن أن يكون النصف فما فوقه مقطوعاً ، كما رواه شعبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب ويرجع إليه ماروى هشام عن قتادة أنه قال: قلت: لسعيد بن المسيب : ما الأعضب ؟ قال: النصف فما فوقه، بأن يقال معنى قوله: ما الأعضب أى ما أعضب الأذن ؟ جمعاً بين الروايات إرجاعاً للمجمل إلى المفسر، ... فتحصل من ذلك جواز التضحية بما قطع أقل من نصف أذنها،...وعدم جواز ما قطع النصف من أذنها أو أكثر من ذلك ...هذا هو وجه المسألة . (اعلاء السنن: ۱۷/۲۳٦ـ۲۳۷، باب مایجوز التضحیة بها ومایکره، ادارة القرآن).

وفى بذل المجهود: ولا خرقاء أى مثقوبة الأذن ثقباً مستديراً ، ولاشرقاء : أى مشقوقة الأذن طولاً من الشق، وهو الشق ، وقيل : الشرقاء: ما قطع أذنها طولاً والخرقاء ما قطع أذنها عرضاً . قال المظهر: لاتجوز التضحية بشاة قطع بعض أذنها عند الشافعيؒ ، وعند أبي حنيفةؒ يجوز إذا قطع أقل من النصف ، ولابأس بمكسورة القرن . قال الطحاويؒ: أخذ الشافعي بالحديث المذكور، وما قاله أبوحنيفةؒ هو الوجه ،لأنه يحصل به الجمع بين هذا وحديث قتادة ، ...وأما قول ابن حجرؒ: وعند أبي حنيفةؒ يجزئ ما قطع دون نصف أذنه وهو تحديد يحتاج لدليل ، فهو إنما نشأ من قلة الإطلاع على أدلة المجتهدين ، وإلا فالمجتهد أسير الدليل. (بذل المجهود:۹/۵۵۵،ط:دارالبشائر الاسلامیة).

وأخرج أبوداود عن عبيد بن فيروز أنه قال سألت البراء بن عازبؓ: مالا يجوز فى الأضاحى؟ فقال: قام فينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...فقال: أربع لاتجوز فى الأضاحى : العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها، والكبير التى لاتنقى... (ابوداود:۲/۳۸۷، فیصل).

قال العلامة في إعلاء السنن: قال العبد الضعيف: قال الخطابي فى حديث البراء: إن

فيـه دليلاً عـلـى أن الـعيـب الـخـفيف فـى الـضحايا معفو عنه ، ألا تراه يقول: بين عورها... فالقليل منه غير بين ، فكان معفواً عنه ، انتهى. (اعلاء السنن:۱۷/۲۳۸،ادارة القرآن ،کراتشی).

آخر میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال فی"ردالمحتار": (قوله ومقطوع أكثرالأذن) فى البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية ... وذكـر فـى الجامع الصغير إن كان كثيراً يمنع ، وإن كان يسيراً لايمنع . واختلف أصـحابنا فى الفاصل بين القليل والكثير؟ فعن أبي حنيفةؒ أربع روايات: روى محمد عنه فى الأصـل والـجـامـع الصغير أن المانع ذهب أكثر من الثلث وعنه أنه الثلث ، وعنه أنه الربع ، وعنه أن يكون الذاهب أكثرمن الباقي أو مثله، بالمعنى والأولى هي ظاهرالرواية ،وصححها فـى الـخـانية حيـث قـال: والـصـحيـح أنـه الثلث، وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى، ومشى عليها في مختصرالوقاية والإصلاح. (ردالمحتار:٦/٣٢٣،٣٢٤،سعيد).

(و كذا فىفتاوى قاضيخان:٣/٣٥٤).

قـال فى القدوري: فإن كان بقي الأكثر من الذنب والأذن جاز. وقال الشيخ قاسم بن قـطـلـوبـغـا: قـوله بقي الأكثر، الخ. قال الزاهدى: واختيار أبى الليث أنه إذا بقي الأكثر من الأذن والـذنـب والعين ونحوها جاز وعليه الفتوى، وهذا ظاهرالرواية على ما فى الذخيرة ، قـال: ذكـر فـي ظـاهـرالـرواية أن الثـلـث وما دونه قليل، والله أعلم. (التـصـحيـح والترجيح على مختصرالقدورى،ص٤١٩،ط:بيروت).

قـال الـعـلامة الـعيـني في شرح الكنز: ولايضحى بما هو مقطوع أكثرالأذن ...لقول عـلـي رضـي الـلّٰـه تعالىٰ عنه:" أمرنا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن، وأن لانـضـحـي بمقابلة ولامدابرة ولاشرقاء ولاخرقاء"، رواه أبوداود والترمذى وصححه ... وقيد بقوله : أكثر الأذن؛ لأنه إذا بقي أكثرها جاز. (رمزالحقائق فى شرح كنزالدقائق: ٢/٣٦٩، ط: بيروت).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں فرماتے ہیں:

جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دُم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ: ۲۷۲/۶، دارالعلوم کراچی)۔

فقہاء کی درج کردہ عبارات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فقہاء نے یہ قول ''نصف یا ثلث سے زائد باقی ہو تو قربانی جائز ہے'' احادیث کے درمیان تطبیق دیکر مستنبط فرمایا ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے حدیثِ ''شرقاء وخرقاء'' کو اکثر مقطوع الاذن کی علت کے تحت بیان فرمایا۔

صاحبِ بدائع نے فرمایا کہ یہ نہی تنزیہی ہے لہذا اس پر عمل مستحب ہوگا، اور اس کے خلاف کراہتِ تنزیہی ہوگی۔

قال: فالنهي في الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول على الندب . (بدائع الصنائع: ٧٦/٥، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم الله الرحمن الرحيم

عبارات الكتب
فى
التضحية بمقطوع
الذنب

”عبارات الکتب فی التضحیة بمقطوع الذنب“

دُم بریدہ جانور کی قربانی کا حکم

سوال: یہاں جنوبی افریقہ میں اکثر دنبوں کی دم پیدائش کے بعد کاٹ دیتے ہیں، اور ماہرین کہتے ہیں کہ اس کے باقی رکھنے میں ایک خاص بیماری یا پیلا پن اور کمزوری وغیرہ کے ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ اب دریافت طلب امور حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) اگر دُم بریدہ دنبہ کی عمر پوری ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) فقہاء نے ناجائز لکھا ہے تو یہ مسئلہ نص پر مبنی ہے یا اس کو عیب شمار کر کے ناجائز فرمایا ہے جب کہ یہاں جنوبی افریقہ میں عیب نہیں؟

(۳) دنبہ بڑا ہونے کے بعد دُم بریدہ نظر نہیں آتا بلکہ عام مشاہدہ میں چھوٹی دُم والا معلوم ہوتا ہے؟

(۴) اگر قدرتی طور پر خلقۃً دم نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۵) دم بریدہ جانور کی قربانی کا عدمِ جواز متفق علیہ ہے یا صرف احناف کا مذہب ہے؟

(۶) دُم کتنی کٹی ہو تو معاف ہے اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بأجر جزیل۔

الجواب: (۱) اس مسئلہ میں عصر حاضر کے مفتیانِ کرام کی آراء مختلف ہیں، اکثر حضرات فقہاء کی عبارات کے پیش نظر ناجائز فرماتے ہیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں اس عمل کو یہاں کے مقامی حالات اور آب وہوا کے اعتبار سے عیب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ زیادتی صحت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ لہذا عرفِ عام اور مستند اطباء کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو عیب شمار نہیں کرنا چاہئے۔ اور دُم بریدہ جانور کی قربانی کی گنجائش ہونی چاہئے۔ بلکہ دُم بریدہ جانور کی قربانی کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور کتنی کٹی ہو اس کی تحدید بھی مذکور نہیں ہے۔

ہاں احتیاط یہ ہے کہ اگر دم والا جانور بآسانی میسر ہو تو وہ بہتر ہے۔

ناجائز کہنے والوں کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال في الهداية: ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب أما الأذن فلقوله عليه السلام: استشرفوا العين والأذن أي اطلبوا سلامتهما، وأما الذنب فلأنه عضو كامل مقصود فصار كالأذن . (الهداية:٤/٤٣١).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يرجع إلى محل التضحية فنوعان أحدهما سلامة المحل عن العيوب الفاحشة فلاتجوز...مقطوعة الأذن والألية بالكلية . (بدائع الصنائع:٥/٧٥،سعيد).

(وكذا في الفقه الحنفي في ثوبه الجديد:٥/٢١٢،وفتاویٰ رحيميه:٥/،وفتاویٰ بينات :٤ /، وجواهرالفقه:٦/٥٧١،وعمدة الفقه:٤/٢٤٣).

جواز والوں کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی احسن الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

سوال: دُنبے کی چکتی کے نیچے چھوٹی سی دُم لگی رہتی ہے، یہ دُم اگر ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب:

دُنبے کی دُم کا اعتبار نہیں، لہذا پوری دُم کٹی ہوئی ہو تو بھی قربانی جائز ہے۔ **قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا التي لاإلية لهاخلقة ، مجتبى. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى:**

قوله: ولا التي لا إلية لها خلقة، الشاة إذا لم يكن لها أذن ولا ذنب خلقة. قال محمد: لايكون هذا ولوكان لايجوز، وذكرفي الأصل عن أبي حنيفةؒ أنه يجوز ، خانية، ثم قال: وإن كان لها إلية صغيرة مثل الذنب خلقة جاز أما على قول أبي حنيفةؒ فظاهرلأن عنده لو لم يكن

لها أذن أصلاً ولا إلية جاز، وأما على قول محمدؒ صغيرة الأذنين جائزة ، وإن لم يكن لها إلية ولا أذن خلقة لايجوز. (فتاوی الشامی:٦/٣٢٥،سعید).(احسن الفتاوی:٧/٥١٧).

(وكذا في فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة:٣/٣٥٣).

درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر مفتی رشید احمد صاحب کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

۞ نصوص میں جن عیوب کا تذکرہ ملتا ہے وہاں دم بریدہ ہونے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔لہذا دم بریدہ ہونے کا عیب قیاسی ہے منصوص نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو سنن ابی داود میں روایت موجود ہے:

عن عبيد بن فيروز قال سألت البراء بن عازب: مالايجوز فى الأضاحى؟ فقال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم...فقال: " أربع لاتجوز فى الأضاحى: العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها، والكبير التى لاتنقى". قال: قلت: فإني أكره أن يكون فى السن نقص، فقال: "ماكرهت فدعه ولاتحرمه على أحد. (ابوداود:٢/٣٨٧).

وفي رواية ابن ماجة قال: فإني أكره أن يكون نقص فى الأذن... (رواه ابن ماجه،ص٢٢٧).

عن علي رضي الله عنه قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن ولانضحي بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولاخرقاء ولاشرقاء.... (رواه ابوداود:٢/٣٨٨،والترمذی: ١/ ٢٧٥، وابن ماجه،ص٢٢٧).

وعن يزيد ذومصر قال: أتيت عتبة بن عبد السلمى فقلت : يا أبا الوليد إني خرجت التمس الضحايا...إنما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشيعة والكسراء .

فالمصفرة : التى يستاصل أذنها حتى يبدو سماخها، والمستأصلة : قرنها من أصله ، والبخقاء: التى تبخق (تذهب)عينها، والمشيعة : التى لاتتبع الغنم عجفاً وضعفاً،

والكسراء: الكسيرة (مكسورة الرجل). (أبوداود شريف:٣٨٧/٢).

وعن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يضحى بعضباء الأذن والقرن.
(ابوداود: ٣٨٨/٢، وابن ماجه،ص٢٢٧).

أخرج أبوداود عن قتادة رحمه الله قال: قلت لسعيد بن المسيب : ما الأعضب ؟ قال النصف فما فوقه. (ابوداود،رقم :٢٨٠٦).

مذکورہ بالانصوص میں جوعیوب بیان ہوئے ہیں ان میں کہیں دم بریدہ ہونا مذکورنہیں ہے،اس کے بر خلاف ابن ماجہ شریف اوردیگر کتبِ حدیث کی روایت سے جوازمعلوم ہوتاہے۔ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: ابتعنا كبشاً نضحى به فأصاب الذئب من الألية أو أذنه وسألنا النبي صلى الله عليه وسلم فأمرنا أن نضحى به. (سنن ابن ماجه،ص٢٢٧).

قال ابن الملقن فى "البدرالمنير" (٣٢١/٩،كتاب الضحايا،الحديث السادس بعدالثلاثين) **: ورواه أبوحاتم بن حبان في "ثقاته" بالسند المذكور ولفظه: "اشتريت كبشاً أضحى به فقطع الذئب إليته أو من الألية ...الخ. ورواه ابن حزم فى "محلاه" بالسند المذكور ولفظه: فعدا الذئب على ذنبه فقطعه...الخ؛...قال البيقهي** (السنن الكبرى:٢٨٩/٩،بيروت،ومعرفة السنن والآثار:٥٠/١٤)**: وروى الحجاج ابن أرطاة، عن شيخ من أهل المدينة ، عن أبي سعيد الخدرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا بأس بالأضحية المقطوعة الذنب". قال : وهذا مختصر من الحديث الأول؛ فقد رواه حماد بن سلمة ، عن حجاج ، عن عطية ، عن أبي سعيد رضي الله عنه" أن رجلاً سأل النبى صلى الله عليه وسلم عن شاة قطع [الذئب] ذنبها يضحى بها ؟ فقال: ضح بها.**

(وكذا فى التلخيص الحبير:٣٥٥/٤/١٩٧٦،بيروت).

روایاتِ بالامیں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دم ایک تہائی سے کم کٹی تھی،اس لیے یہ قیدلگانا کہ دم تھوڑی سی کٹی تھی بظاہر بےدلیل ہے۔

ملاحظہ ہو شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا فتح محمد صاحب فرماتے ہیں:

وما روی ابن ماجه من أبي سعيد الخدری ﷺ...محمول على أن مطلق الذهاب من الألية أو الأذن ليس بشيء، ولا دلالة للحديث على ذهاب الأكثر فلا تقوم حجة. (تکملة عمدة الرعاية:٤/٤١،سعيد).

مطلب یہ ہے کہ حدیثِ بالا میں مطلق دُم بریدہ ہونا مراد ہے،اس حدیث سے دُم کا ثلث سے کم حصہ کٹا ہوا مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

اگر چہ مذکورہ بالا روایات پر کلام ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

❁ بعض مشائخ نے عیوب کی معرفت کے لیے ایک اصول بیان کیا ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری جمال کو بالکل ختم کردے تو وہ عیب ہے،اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ زیلعیؒ اس اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

و من المشائخ من يذكر في هذا الفصل أصلاً ويقول: كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع ومالايكون بهذه الصفة لايمنع . (تبيين الحقائق:٦/٦، ملتان، وكذا فى الفتاوى الهندية:٥/٢٩٩،والمحيط البرهانى:٦/٤٧٩،مكتبه رشيديه).

قاموس الفقہ میں ہے:

عیوب کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری جمال بالکل ختم ہو جائے تو اس جانور کی قربانی درست نہ ہوگی اور اگر ایسا نہ ہو تو قربانی جائز ہوگی۔(قاموس الفقہ :۲/۱۵۷)۔

لیکن مسئلہ مجوث عنہا میں پیدائش کے بعد فوراً دم کاٹ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے ہونے کے بعد دُم بریدہ معلوم نہیں ہوتے۔بنابریں اس کو عیب شمار کرنا مشکل ہے۔

❁ بعض فقہاء نے یہ فرمایا کہ دم عضو کامل ہے اور دم بریدہ ہونے کی صورت میں کامل عضو ختم ہو جاتا ہے، اس لیے یہ عیب ہے اور قربانی جائز نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دم اگرچہ عضو کامل ہے لیکن اس کے کاٹنے کی وجہ سے عیب پیدا نہیں ہوتا،

بلکہ ماہرین کے نزدیک اس کی صحت دوبالا ہوجاتی ہے، کیونکہ دنبہ کی دم تقریباً ۱۸ انچ لمبی ہوتی ہے، جب غلاظت ڈالتا ہے تو دُم ملوث ہوتی ہے اور مکھیوں کے بیٹھنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے دنبہ مسلسل تکالیف کا شکار ہوکر دبلا پتلا ہونا شروع ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ صحت خراب ہوجاتی ہے۔اور قربانی میں افضل وبہتر یہ ہے کہ صحت مند موٹا تازہ جانور ذبح کیا جائے ،خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت موٹے تازے دنبہ کی قربانی فرمائی تھی۔ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين أقرنين أملحين موجوئين فذبح أحدهما عن أمته...الخ. (رواه ابن ماجه،رقم: ٣١٢٢، واحمد، رقم:٢٥٨٨٥،والحاكم،رقم:٧٥٤٧).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها أحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة. (بدائع الصنائع:٥/ ٨٠،سعيد).

مزید براں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے جیسا کہ روایتِ بالا میں مذکور ہوا، اگرچہ خصی جانور کا ایک عضو معطل ہوگیا لیکن اس کی وجہ سے گوشت میں لذت اور اضافہ ہوا اس وجہ سے عیب شمار نہیں کیا۔اسی طرح دم بریدہ جانور کا ایک عضو فوت ہوا لیکن اس کی وجہ سے صحت طاقت اور گوشت میں اضافہ ہوا بنابریں عیب شمار نہیں کرنا چاہیے۔

قال فى البدائع: روى عن أبي حنيفة رحمہ اللہ أنه سئل عن التضحية بالخصى فقال: ما زاد في لحمه أنفع مما ذهب من خصيته. (بدائع الصنائع:٥/ ٨٠،سعيد).

وقال فى "الفقه الحنفى في ثوبه الجديد" (٥/ ٢١٠): **وأخرج أبوداود...عن جابر رضی اللہ عنہ ذبح النبي صلى الله عليه وسلم كبشين أقرنين أملحين موجوئين...وفيه جواز الخصي فى الأضحية ، وقد كرهه بعض أهل العلم لنقص العضو لكن ليس هذا عيباً، لأن الخصاء يفيد اللحم طيباً ، وينفى عنه الزهومة وسوء الرائحة .** (وكذا فى تكملة فتح الملهم:٣/ ٥٦٢).

امدادالفتاویٰ میں حضرت حکیم الامت ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہے:

سوال: خصی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک کے خصیے مل دیتے ہیں، اور دوسرے کے چڑھا دیتے ہیں، اور تیسرے کے نکال دیتے ہیں، ان تینوں میں کون درست یا ہرسہ درست ہیں، اور جب کہ خصیہ نکل گیا، تو تہائی سے زیادہ عضو بلکہ ثابت عضو جاتا رہا۔

الجواب: تینوں درست ہیں، اور یہ عضو چونکہ مقصود نہیں، بلکہ اخصاء سے گوشت اور بھی عمدہ ہوجاتا ہے، لہذا اس کا ذہاب مضر نہیں، جیسا کہ عالمگیری میں مجبوب کی قربانی کا جواز مصرح ہے۔ (امدادالفتاویٰ:۳/۵۴۹)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اگر فوتِ عضو کا شبہہ ہو تو فوت وہ مانع ہے جو منقص قیمت ہو، اور اس سے قیمت اور بڑھ جاتی ہے، لہذا مضر نہیں۔ (امدادالفتاویٰ:۳/۵۵۰)۔

❁ نیز دُنبہ بڑا ہونے کے بعد دُم بریدہ معلوم نہیں ہوتا، بلکہ خلقۃً چھوٹی دم والا محسوس ہوتا ہے، اور فقہاء کی تصریح کے مطابق جس جانور کی دم خلقۃً چھوٹی ہو اس کی قربانی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن كان لها إلية صغيرة خلقة مثل الذنب خلقة جاز. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ٣/٣٥٣).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والتي لها إلية صغيرة تشبه الذنب يجوز. (الفتاوى البزازيةعلى هامش الفتاوى الهندية:٢/٩٣، والفتاوى الهندية:٥/٢٩٧،والمحيط البرهاني:٦/٤٧٨،مكتبه رشيديه،ولسان الحكام،ص٣٨٨،نوع فى العيوب).

❁ نیز جس جانور کی دُم قدرتی طور پر نہ ہو اس کی قربانی بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور اکثر حضرات نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: ولا التي لا إلية لها خلقة، الشاة إذا لم يكن لها أذن ولا ذنب خلقة. قال محمد:

لایکون هذا ولو کان لایجوز، وذکرفی الأصل عن أبي حنفیةؒ أنه یجوز ، خانیة، ثم قال: وإن کان لها إلیة صغیرة مثل الذنب خلقة جاز أما علی قول أبي حنیفةؒ فظاهرلأن عنده لو لم یکن لها أذن أصلاً ولا إلیة جاز، وأما علی قول محمدؒ صغیرة الأذنین جائزة ، وإن لم یکن لها إلیة ولا أذن خلقة لایجوز. (فتاوی الشامی:٦/٣٢٥،سعید).

(وکذا فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة:٣/٣٥٣).

وفي لسان الحکام: وإن لم یکن لها إلیة، خُلِقَتْ کذلک، قال محمد: لاتجوز. (لسان الحکام، ص٣٨٨،دارالفکر).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ بینات:۴/۵۷۱،وجواہرالفقہ:٦/٣٢٦،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۱۰،عمدۃ الفقہ:۴/۶۴۳)۔

البتہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کواختیار فرمایا ہے۔جیسا کہ بحوالہ احسن الفتاویٰ مذکور ہوا۔

۞ نیز دُم کے مسئلہ کوفقہاء نے کان اور سینگ پر قیاس کیا ہے،لہذا یہ منصوص نہیں ہے بلکہ قیاسی ہے۔

ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب أما الأذن فلقوله علیه السلام: استشرفوا العین والأذن أی اطلبوا سلامتهما، وأما الذنب فلأنه عضو کامل مقصود فصار کالأذن . (الهدایة:٤/٤٣١).

عمومِ بلویٰ وعرفِ عام کی وجہ سے قیاس کوترک کیا جاسکتا ہے،جب کہ مذکورہ نصوص بھی اسی کی مؤید ہیں، اگرچہ احایث ضعیف ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ثم اعلم أن العرف قسمان عام وخاص فالعام یثبت به الحکم العام ویصلح مخصصاً للقیاس والأثر بخلاف الخاص...قال فی الذخیرة فی الفصل الثامن من الإجارات في مسألة ما لو دفع إلی حائک غزلاً لینسجه بالثلث ومشایخ بلخ کنصیربن یحیی ومحمدبن سلمة

وغيرهماكانوا يجيزون هذه الإجارة في الثياب لتعامل أهل بلدهم في الثياب والتعامل حجة يترك بـه القياس ويخص به الأثر وتجويزهذه الإجارة في الثياب للتعامل بمعنى تخصيص النص الذي ورد في قفيز الطحان لأن النص ورد في قفيزالطحان لا في الحائك إلا أن الحائك نظيره فيكون وارداً فيه دلالة فمتى تركنا العمل بدلالة هذاالنص في الحائك وعملنا بالنص في قفيز الطحان كان تخصيصاً لا تركاً أصلاً وتخصيص النص بالتعامل جائز ألاترى أنا جوزنا الاستصناع للتعامل والاستصناع بيع ماليس عنده وإنه منهي عنه وتجويز الاستصناع بالتعامل تخصيص منا للنص الذي ورد في النهي عن بيع ماليس عند الإنسان لاترك للنص أصلاً لأنا عملنا بالنص في غيرالاستصناع . (شرح عقود رسم المفتی،ص ٤١ـ وكذافی رسالة ” نشرالعرف فی بناء بعض الاحكام علی العرف“ المندرجة فی رسائل ابن عابدینؒ ،٢/ ١١٤،سهیل).

لہٰذا نص اذن اورقرن کے بارے میں موجود ہے،لیکن دُم کے بارے میں نص موجود نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے دُم کوان دونوں پر قیاس کیا ہے، بایں طور کہ جس طرح مقطوع الاذن جانورعیب دار معلوم ہوتا ہے اسی طرح دُم بریدہ بھی عیب دار معلوم ہوتا ہے،اورعضو کامل ہے،لیکن مقطوع الاذن کوعیب دار کہنا مسلم ہے،مگر دُم بریدہ جانور بڑا ہوجائے تو عیب دار معلوم نہیں ہوتا اور جمال میں کوئی خاص فرق نہیں آتا، بلکہ عرفِ عام اوراطباء کی تحقیق سے دُم بریدہ صحت منداور پر گوشت ہوتا ہے،اس لیے یہاں قیاس متروک ہوگا اورعرف وعمومِ بلویٰ پر عمل ہوگا، جب کہ مذکورہ بالاضعیف احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں۔

❁ مزید براں مذہبِ حنابلہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (۵۴۱ـ۶۲۰ھ) المغنی میں فرماتے ہیں:

وتجزئ البتراء وهي المقطوعة الذنب كذلك. (المغنی لابن قدامة الحنبلی:٣/ ٥٨٥،بیروت).

”العدة شرح العمدة“ میں علامہ بہاءالدین المقدسی الحنبلی (۵۵۶ـ۶۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ دُم عضومقصود نہیں ہے،لہٰذا دُم بریدہ جانور کی قربانی جائز اوردرست ہے۔

والأبتر المقطوع الذنب لأن ذلک لیس مقصود . (العدة شرح العمدة،ص۲۰۸،بیروت).

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے بلکہ حنابلہ کے ہاں دُم بریدہ جانور کی قربانی جائز ہے۔

مقطوع الاذن اورمقطوع الذنب کا معیار:

مذہبِ احناف میں کان اوردُم ایک تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں تو ایسے جانور کی قربانی جائزنہیں ہے۔ یہ ظاہرالروایہ اورمفتیٰ بہ قول ہے۔تاہم احناف کے ہاں اس بارے میں چاراقوال ہیں،جن کو اکثرفقہاء نے ذکرفرمایاہے،اوردواقوال کومفتیٰ بہ قراردیاہے۔

(۱) ثلث یاثلث سے کم کٹی ہوتو جائزہے،لیکن ثلث سے زیادہ ہوتو جائزنہیں ہے۔یہ ظاہرالروایہ اورمفتیٰ بہ ہےاوراکثرمشائخ نےاسی کواختیارفرمایاہےاوریہ قول مبنی براحتیاط بھی ہے۔ **والاحتیاط ألیق بالعبادات۔**

(۲) نصف یانصف سے کم کٹی ہوتو جائزہےلیکن نصف سے زیادہ ہوتو جائزنہیں ہے۔یہ صاحبینؒ کاقول ہےاوربعض نے اس قول کواختیارفرمایاہے،یہ قول اوسع وایسرللناس ہے۔بوقتِ ضرورت عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہوفتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ومقطوع أكثرالأذن) فی البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية ... وذكر فی الجامع الصغير إن كان كثيراً يمنع ، وإن كان يسيراً لايمنع . واختلف أصحابنا فی الفاصل بين القليل والكثير؟ فعن أبي حنيفةؒ أربع روايات: روى محمد عنه فی الأصل والجامع الصغير أن المانع ذهب أكثر من الثلث وعنه أنه الثلث ، وعنه أنه الربع ، وعنه أن يكون الذاهب أكثرمن الباقي أو مثله، بالمعنى والأولى هي ظاهرالرواية ،وصححها فی الخانية حيث قال: والصحيح أنه الثلث، وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى، ومشى عليها في مختصرالوقاية والإصلاح، والرابعة هی قولهما...وهو اختيار الفقيه إبی الليث...الخ. (ردالمحتار:۶/۳۲۳،۳۲۴،سعید). (وكذا فی فتاوی قاضیخان:۳/۳۵۴،وكذا فی التصحيح والترجيح للعلامة قاسم بن قطلوبغا،وحاشية الدرر، والهداية).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرمیں ہے:

ومقطوع أكثر الأذن هو اختيار أبی الليث وعليه الفتوى صح عن المجتبى، وفی الشرنبلالية عن قاضي خان : الصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى ، فقد اختلف الإفتاء. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:٤/١٦٥،کوئته).

وينظر : (بدائع الصنائع:۵/۷۵،سعيد،والمحيط البرهانی:۶/۴۷۹،مكتبه رشيديه).

احسن الفتاویٰ میں نصف والے قول کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۷/۵۱۵)۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب نے عمدۃ الفقہ میں عمدہ تطبیق فرمائی ہے:

پہلے قول (ثلث) میں جو کہ ظاہر الروایہ ہے زیادہ احتیاط ہے اور ہمارے علماء نے فتویٰ کے لیے اسی کو اختیار کیا ہے اور چوتھے قول (نصف) میں توسع ہے اور ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ یہ قول بھی مفتیٰ بہ ہے۔ (عمدۃ الفقہ:۴/۶۴۳)۔

مذکورہ بالا تفصیل میں تمام سوالات کے جوابات آ گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تھن کٹے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر جانور کے تھنوں میں سے ایک یا دو خراب ہوں تو قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر چار تھن والا جانور ہے، مثلاً گائے، بھینس، اونٹنی اور اس کا ایک تھن خراب ہے تو قربانی جائز ہے، لیکن اگر دو تھن خراب ہوں تو قربانی جائز نہیں ہے، اور اگر دو تھن والا جانور ہے، مثلاً بکری، بھیڑ وغیرہ اور اس کا ایک تھن خراب ہے تو قربانی جائز نہیں ہے۔ یا ایک تھن ایک ثلث سے زیادہ خراب ہے تب بھی جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفى الخلاصة: مقطوعة رؤوس ضروعها لاتجوز، فإن ذهب من واحدة أقل من النصف فعلى ماذكرنا من الخلاف فى العين والأذن. وفى الشاة والمعز إذا لم يكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم يجز، وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز أو اثنتان لا، وذكر فيها جواز التى لاينزل لها لبن من غيرعلة، وفى التاتارخانية والشطور لاتجزى، وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما قطع من ضرعيها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٣٢٥، سعيد).

(وهكذا فى الفتاوى الهندية:٥/٢٩٨، ولسان الحكام، ص٣٨٨، وخلاصة الفتاوى:٤/٣٢١).

وفى الفتاوى الهندية: ومن المشائخ من يذكر لهذا الفصل أصلاً ويقول: كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أوالجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالا يكون بهذه الصفة لايمنع. (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٩، وكذافى المحيط البرهانى:٦/٤٧٩، الفصل الخامس من كتاب الاضحية).

احسن الفتاوی میں ہے:

گائے کے دو تھن اور بکری کا ایک تھن خراب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۸۷)۔

کفایت المفتی میں ہے:

اونٹنی، گائے، بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر قربانی جائز ہوتی ہے۔ لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں۔ (کفایت المفتی: ۲۰۴/۸، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

جس جانور کا تھن نہیں ہے، یا ہے لیکن خشک ہو چکا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۵۷۲/۴، مکتبہ بینات)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کا ایک تھن نہ ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: گائے کا ایک تھن گر گیا ہے اور تین باقی ہیں، اس صورت میں قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جس گائے کا ایک تھن نہ ہو یا خراب ہو اس کی قربانی جائز اور درست ہے البتہ دو تھن نہ ہوں یا خراب ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام میں علامہ ابن الشحنہ الحلبی رقمطراز ہے:

وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز، وإن ذهبت اثنتان لايجوز، والله أعلم.

(لسان الحكام، ص۳۸۸، نوع فی العيوب).

وفی الخلاصة: وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز وإن ذهبت اثنتان لاتجوز.

(خلاصة الفتاوى: ٤/ ٣٢١). وكذا فی فتاوى الشامی: ٦/ ٣٢٥، والفتاوى الهندية: ٥/ ٢٩٩).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر گائے کا ایک تھن نہ ہو تو قربانی اس کی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶۸۰/۱، دارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کے تین تھنوں میں دودھ نہ ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے دودھ دینے والی ایک گائے خریدی اس گائے کے تین تھنوں میں

دودھ نہیں ہے اور ایک تھن میں دودھ ہے کیا اس گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گائے کے تھن میں دودھ نہ آئے اور یہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ویسے ہی بلا علت دودھ منقطع ہو گیا ہو تو ایسی گائے کی قربانی جائز ہے، لیکن اگر کسی بیماری کے سبب گائے کے دو یا زیادہ تھنوں میں دودھ منقطع ہو گیا تو ایسی گائے کی قربانی ناجائز ہے۔ بنا بریں صورتِ مسئولہ میں اگر گائے کے تین تھنوں میں بلا کسی علت و بیماری دودھ نہیں آتا تو قربانی درست ہے، اور اگر کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو تو اس گائے کی قربانی کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفي نظم الزندويستي خمسة عشر من الآفات لايمنع جواز الأضحية...والتى لاينزل لها لبن من غير علة . (خلاصة الفتاوىٰ: ٣٢١/٤، مكتبه رشيديه). (وكذا فى لسان الحكام، ص٣٨٨).

وفى الشامي: وذكر فيها (اى الخلاصة) جواز التى لاينزل لها لبن من غير علة .(فتاوى الشامي: ٣٢٥/٦، سعيد). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ٢٩٩/٥).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفى العتابية: والشطور لايجزئ وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعها ومن الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعيها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع. (الفتاوى التاتارخانية: ٤٠٣/١٧، مكتبه زكريا). (وكذا فى فتاوى الشامي: ٣٢٥/٦، سعيد، والفتاوى الهندية: ٢٩٩/٥)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

گائے کے دو تھن اور بکری کا ایک تھن خراب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/ ۴۸۷)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بغیر مرض کے دودھ خشک ہو جائے تو قربانی کا حکم:

سوال: ایک بکری کے تھنوں میں دودھ خشک ہو گیا، اس کو بیماری وغیرہ کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی تھی، کیا

ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر بغیر بیماری ومرض کے دودھ خشک ہوگیا تو اس جانور کی قربانی جائز ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں مذکور ہے:

وذكر فيها (الخلاصة) جواز التي لاينزل لها لبن من غيرعلة. (فتاوى الشامي: ٦/٣٢٥، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

ويجوز...والتى لاينزل لها لبن من غيرعلة . (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٧).

وفي لسان الحكام: والتى لاينزل لها لبن من غيرعلة ، والتى لها ولد تجوز. (لسان الحكام، ص٣٨٨،نوع فى العيوب،وكذا فى خلاصة الفتاوى:٤/٣٢١،المكتبة الرشيدية). **واللہ ﷻ اعلم۔**

حاملہ جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا، بعد میں پتہ چلا کہ یہ حاملہ (گابھن) ہے، کیا اس کو ذبح کرنا چاہئے یا نہیں؟ یعنی حاملہ جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر حاملہ کی ولادت کا زمانہ بالکل قریب نہ ہو تو قربانی درست ہے، ہاں قریب الولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

فى الكفاية: إن تقاربت الولادة يكره ذبحها. (ردالمحتار: ٦/٣٠٤،سعيد).

وفي تقريرات الرافعي:قوله فى الكفاية...الخ، نقل فى الكفاية هذا الفرع عن النوازل ثم قال: لأن فيه تضييعاً للولد من غيرفائدة . (التحريرالمختارعلى الشامي:٦/٣٠٣،سعيد).

خلاصة الفتاوىٰ میں ہے:

رجل لـه شـاة حامل أراد ذبحها إن تقاربت الولادة يكره الذبح وهذا عند أبي حنيفةؒ بـنـاء عـلـى أن الجنين لايتذكى بذكاة الأم عنده. (خلاصة الفتاوى:٤/٣٠٧،كتاب الذبائح، المكتبة الرشيدية).

وفـي الـفـتـاوى الهندية: شاة أو بقرة أشرفت على الولادة يكره ذبحها لأن فيه تضييع الـولـد وهـذا قـول أبي حنيفةؒ لأن عنده الجنين لايتذكى بذكاة الأم . (الفتاوى الهندية:٥/٢٨٧، والفتاوى السراجية،ص ٣٩١).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

گابھن جانور کی قربانی جائز ہے لیکن اگر ولادت کا زمانہ بالکل قریب ہو تو مکروہ ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۳۵۳، جامعہ فاروقیہ، وامداد الفتاویٰ:۳/ ۵۵۹، وامداد الاحکام:۴/ ۲۷۸)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خراب گوشت والے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے عیوبِ مانعہ سے صحیح سالم گائے کی قربانی کردی، لیکن قطع برید کے بعد پتہ چلا کہ اس کا گوشت کسی بیماری کی وجہ سے قابل استعمال نہیں ہے۔تو اب قربانی ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کے بیان کردہ تمام عیوبِ ظاہرہ سے صحیح سالم جانور کی قربانی کردینے کے بعد گوشت میں کوئی خرابی نظر آئی اور نہیں کھایا گیا تب بھی قربانی ادا ہوگئی،قربانی ادا ہونے کے لیے گوشت کا کھانا لازم نہیں ہے، ہاں پہلے سے کوئی بیماری لاحق ہوئی تھی جس کی وجہ سے گوشت خراب ہوگیا تھا تو ایسے معیوب جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی۔فقہاء نے قربانی کے جانوروں کے عیوب شمار کرتے وقت ظاہری عیوب پر اکتفا کیا ہے۔ورنہ جانور میں کچھ ہلکا سا عیب ہو تو وہ معاف ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قـال الـقـهـسـتـانـي: واعلم أن الكل لايخلو عن عيب، والمستحب أن يكون سليماً عن العيوب الظاهرة . (فتاوى الشامي:٦/٣٢٣،سعيد).

وفی الفتاوی الهندية: ومن المشائخ من يذكر لهذا الفصل أصلاً ويقول: كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أوالجمال على الكمال يمنع الأضحية وما لا يكون بهذه الصفة لايمنع . (الفتاوی الهندية:۵/۲۹۹، و كذافی المحيط البرهانی:۶/۴۷۹،مكتبه رشيديه).

وأخرج أبوداود عن عبيد بن فيروز أنه قال سألت البراء بن عازب: مالا يجوز فی الأضاحی؟ فقال: قام فينا رسول اللّه صلى الله عليه وسلم ...فقال: أربع لاتجوز فی الأضاحی: العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها، والكبير التی لاتنقی... (ابوداود:۲/۳۸۷).

قال العلامة في إعلاء السنن: قال العبد الضعيف: قال الخطابي فی حديث البراء: إن فيه دليلاً على أن العيب الخفيف فی الضحايا معفو عنه ، ألا تراه يقول: بين عورها... فالقليل منه غير بين ، فكان معفواً عنه ، انتهى. (اعلاء السنن:۱۷/۲۳۸،ادارة القرآن ،كراتشی).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قربانی میں گھوڑا ذبح کرنے کا حکم:

سوال: کیا قربانی میں گھوڑا ذبح کرنا احادیث سے ثابت ہے سنا ہے کہ بعض غیر مقلد گھوڑا ذبح کرتے ہیں؟

الجواب: گھوڑے کی قربانی کرنا احادیث سے ثابت نہیں ہے، ہاں نفس ذبح بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو سلفیوں کے مقتدا شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

والشريعة جاء ت بشروط معينة للأضاحی، انتبهوا لها : الشرط الأول : أن تكون بهيمة الأنعام...هی الإبل والبقر والغنم، لو أن الإنسان ضحی بفرس عن شاة هل تجزئ ؟ لا ، لا تجزئ الأضحية لماذا ؟ لأنه ليس من بهيمة الأنعام وإن كان ثمن الفرس يساوی

أضعاف أضعاف قيمة الشاة فإنه لايجزئ لأنه غير الجنس الذي جاء ت به السنة . (جلسات الحج للشيخ محمدبن صالح العثيمين:۱/۱۰۱،وكذا فی مجموع فتاوى ورسائل العثيمين:۷/۳۳۵).

بعض حضرات پر بخاری شریف کی روایت مشتبہ ہوگئی کہ لفظ " نحرنا "کو" ضحینا " کے لفظ سے بیان کردیا۔

ملاحظہ ہو علامہ سہیلیؒ " الروض الانف " میں فرماتے ہیں:

عن أسماء رضی الله تعالیٰ قالت: ضحينا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالخيل . (الروض الانف:۶/۵۵۳).

وكذا نقل عنه في سبل السلام شرح بلوغ المرام : (۴/۱۸۵،شروط الاضحية،رقم ۷) **وفی التلخيص الحبير:** (۴/۲۶۶/۲۳۶۷).

أقول : لم أقف عليه . فقد أخرجه البخاري في كتاب الذبائح والصيد: باب النحر و الذبح وفي باب لحوم الخيل ، وأخرجه مسلم فی كتاب الصيد والذبائح: باب فی أكل لحوم الخيل ، بلفظ " نحرنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرساً فأكلناه .

فلفظة " ضحينا " هو مما لا أصل له ، ولعلها من أوهام السهيلی فقد ذكرها فی الروض الأنف .

ولما ذكره الحافظ فی التلخيص قال: ما ذكره السهيلی عن أسماءؓ قالت: ...الخ. ولوكان فی الكتب المشهورة لم يلجأ إلى عزوه للسهيلی فتنبه .

فالحاصل أن لفظة " ضحينا " لا أصل لها .

والأضحية لا تجوز بغير بهيمة الأنعام على الصحيح المشهور من أقوال أهل العلم .

مذاہبِ اربعہ میں گھوڑے کی قربانی درست نہیں:

البحرالرائق میں ہے:

والأضحية من الإبل والبقر والغنم لأن جواز التضحية بهذه الأشياء عرفت شرعاً

بالنص على خلاف القياس . (البحرالرائق:۸/۱۷۷،ماجدیه).

الدرالمختار میں ہے:

وركنها ذبح ما يجوز ذبحه من النعم لا غير. (الدرالمختار:۶/۳۱۲،سعید).

روضة الطالبين میں ہے:

للتضحية شروط وأحكام أما الشروط فأربعة أحدها أن يكون المذبوح من النعم وهى الإبل والبقر والغنم وكل هذا مجمع عليه . (روضة الطالبين :۳/۱۹۳،المکتب الاسلامی).

نهاية المحتاج میں ہے:

(ولا تصح) التضحية (إلا من إبل وبقر) عراب أو جواميس (وغنم)ضأن أو معز لقوله تعالىٰ : ﴿ و يذكروا اسم اللّٰه على رزقهم من بهيمة الأنعام ﴾ ولأنها عبادة متعلقة بالحيوان فاختصت بالأنعام . (نهاية المحتاج:۸/۱۳۲،دارالکتب العلمية).

بداية المجتهد میں ہے:

وكلهم مجمعون على أنه لا تجوز التضحية بغير بهيمة الأنعام . (بداية المجتهد:۴/۷۶).

مزید ملاحظہ ہو: (الذخيرة :۴/۱۴۲،ومختصرسيدى خليل مع منح الجليل:۲/۴۶۵،دارالفکر، والمغنى: ۱۱/ ۹۹، دارالکتب العلمية). ***واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن علی بن ابی طالبؓ قال:
أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم،
أن أقوم على بدنه وأن أتصدق بلحومها
وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطى الجزار منها شيئاً،
وقال: نحن نعطيه من عندنا.

(متفق علیه).

الفصل الثالث
في التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها

عن جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم
أنه نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث
ثم قال بعد: "كلوا وتزودوا وادخروا".

(رواه مسلم).

فصل سوم

قربانی کے گوشت اور کھال کے احکام کا بیان

کھانا مشترک ہوتو تقسیمِ لحم کا حکم:

سوال: اگرقربانی کے گوشت میں پانچ بھائی شریک ہیں اورسب کا کھانا مشترک ہے،تو گوشت کی تقسیم میں برابری ضروری ہوگی یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب شرکاء کا کھانا پینا مشترک ہوتو تقسیمِ لحم ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوفتاوی شامی میں ہے:

(قوله ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أولا، حتى لو اشترى لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أولا، والظاهر أنها لاتشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت . (فتاوى الشامي:٣١٧/٦،سعيد).

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١٦٢/٤، كوئته).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: والدین اور بہن بھائیوں نے مل کرگائے کی قربانی کی، کچھ گوشت فقراء میں تقسیم کر دیااور بقیہ پکا کرایک ساتھ کھانا چاہتے ہیں تواس صورت میں گوشت تقسیم کر کے ہرایک کواپنا اپنا حصہ دینا ضروری ہے یانہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب: اس صورت میں تقسیم ضروری نہیں کیونکہ یہ اباحت ہے تملیک وتملک کے معنی اس میں نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/ ۵۰۰، بحوالہ شامی)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سب حصہ دار ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہی سب کا کھانا پینا ہے، تو تقسیم ضروری ہے یا نہیں؟

جواب میں فرمایا: تقسیم کرنا لازم نہیں، اکٹھا ہی پکا کر کھائیں تب بھی درست ہے، شامی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۴۲۴، جامعہ فاروقیہ)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اپنے ہوں یا بیگانے، اگر اپنے بھائی وغیرہ رشتہ دار ایک گھر کے رہنے والے ہیں تو تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سب اکٹھا گوشت رکھیں اور کھاویں، شامیؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ تقسیم کرنا لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ اول، ص ۶۸۳، دارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تخمینہ سے تقسیم لحم کا حکم:

سوال: گوشت کو اگر تخمینہ سے تقسیم کیا جائے اور ایک دوسرے سے ناراضگی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ کیونکہ فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ جزافاً تقسیم جائز نہیں ہے، وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ اگر کسی شخص نے دو کیلو ہڈیوں کے عوض ایک کیلو گوشت لیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر فقہاء نے گوشت اور ہڈیوں کو ایک نوع اور سری پائے، اور کھال کو الگ نوع شمار کیا ہے، لیکن لوگوں کے تعامل سے پتہ چلتا ہے کہ گوشت اور ہڈیاں الگ الگ چیزیں ہیں، کیونکہ لوگ عادۃً بوقتِ تقسیم گوشت اور ہڈیوں کو الگ کر کے تقسیم کرتے ہیں، ہڈیوں کو ادنیٰ اور گوشت کو اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ نیز ہڈی

میں حیات نہیں ہے اور گوشت میں حیات ہوتی ہے، بایں وجہ تقسیم کے وقت برابری ضروری نہیں ہونی چاہئے، لیکن فقہاء نے دونوں کو ایک جنس شمار کیا ہے اس لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کو الگ کر کے وزناً برابر تقسیم کر لی جائے، تاکہ کسی شریک کے دل میں ناراضگی نہ پیدا ہو کہ مجھے کم گوشت ملا۔ نیز دو کیلو ہڈیوں کے عوض ایک کیلو گوشت لینا بھی عام فقہاء کے قول کے مطابق درست نہیں ہے۔

ملاحظہ عالمگیری میں ہے:

ولو اشترى شاتين مذبوحتين غيرمسلوختين بشاة مذبوحة مسلوخة لم يجز لأن زيادة اللحم مع السقط ربا ، ولو اشترى شاتين مسلوختين بشاة مذبوحة مسلوخة لم يجز لأن كليهما لحم والزيادة ربا، إلا إذا كانا مستويين فى الوزن يجوزحينئذٍ. (الفتاوى الهندية: ۱۲۰/۳).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله لا جزافاً، لأن القسمة فيها معنى المبادلة، ولوحلل بعضهم بعضاً قال فى البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفةً فلأن فيها معنى التمليک واللحم من أموال الربا فلايجوز تمليكه مجازفةً ، وأما عدم جواز التحليل فلأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل . قوله إلا إذا ضم معه الخ، بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع الجلد.
(فتاوى الشامى:۳۱۷/۶،۳۱۸،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

ويقسم اللحم بينهم بالوزن وإن اقتسموا مجازفةً يجوز إذا كان أخذ كل واحد شيئاً من الأكارع أو الرأس أو الجلد. (الفتاوى الهندية:۳۰۶/۵).

وللاستزادة انظر: (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية : ۳۵۱/۳، وبدرالمنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر:۵۱۷/۲، والبحرالرائق:۱۷٤/۸،وبدائع الصنائع: ٦۷/۵، سعيد، والفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:۲۹۰/٦).

درج کردہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ گوشت اور ہڈیاں ایک جنس ہیں۔

گوشت اور ہڈی مختلف ہونے کے کچھ شواہد ملاحظہ فرمائیں:

قال فی الهداية: وشعر الميتة وعظمها طاهر...ولنا أنه لاحيوة فيهما ولهذا لايتألم بقطعهما فلايحلهما الموت إذ الموت زوال الحيوة. (الهداية:١/٤١).

فتح القدیر میں ہے:

وكل ما لا تحل الحيوة من أجزاء الهوية محكوم بطهارته بعد موت ما هى جزءه كالشعر والريش والمنقار والعظم...(فتح القدير:١/٩٦،دارالفكر).

البحرالرائق میں ہے:

إن أجزاء الميتة لا تخلو إما أن يكون فيها دم أولا والأولى كاللحم نجسة والثانية ففي غير الخنزير والآدمي ليست بنجسة. (البحرالرائق:١/١٠٧، کوئٹه).

لیکن قربانی کے باب میں فقہاء نے گوشت اور ہڈیوں کو ایک جنس اور سری پائے اور کھال کو الگ جنس شمار فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مجازفۃً تقسیم کی اجازت دی ہے، اورفرمایا ہے کہ یہ من باب المعاوضات نہیں ہے بلکہ من باب المسامحات ہے۔

ملاحظہ ہو فیض الباری میں فرماتے ہیں:

واعلم أن ما في فقه الحنفية من أن رجالاً إذا اشتركوا في أضحية ينبغي أن يحذروا من المجازفة فى القسمة وعليهم أن يقسموا اللحم وزناً أقول من عند نفسي وذلک عند مخافة النزاع وإلا جازت المجازفة أيضاً فإني قد جربت أن المجازفة قد سرت فى غير واحد من المواضع عند المسامحة وإنما القواعد عند ظهور النزاع. (فيض البارى:٣/٣٤٣).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

باب الشركة فى الطعام...ذهب البخاري إلى جواز قسمة المكيلات والموزونات فى النهد مجازفة والنهد أن ينثر الرفقة زادهم على سفرة واحدة ليأكلوا جميعاً بدون تقسيم

ففيه شركة أولاً وتقسيم آخراً، ولاريب أنه تقسيم على المجازفة لاغير مع التفاوت فى الأكل وهذه الترجمة إحدى الترجمتين اللتين حكم عليهما ابن بطال أنهما خلاف الإجماع فإن المكيلات والموزونات من الأموال الربوية والمجازفة فيها تودى إلى الربا وقد مر مني الجواب أنها ليست من باب المعاوضات التي تجري فيها المماكسة أو تدخل تحت الحكم وإنما هي من باب التسامح والتعامل وكيف يكون الإجماع مع أنه قد جرى به التعامل من لدن عهد النبوة إلى يومنا هذا. (فيض البارى:۳/۳٤۲).

بخاری شریف میں ایک حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ملاحظہ ہو:

عن سلمة بن الأكوع قال: خَفَّتْ أزواد القوم وأملقوا فأتوا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم في نحر إبلهم فأذن لهم... فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ناد فى الناس يأتون بفضل أزوادهم فبسط لذلک نطع وجعلوه على النطع فقام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فدعا وبرک عليه ثم دعاهم بأوعيتهم فاحتثى الناس حتى فرغوا ثم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وإني رسول اللّٰه". (رواه البخارى:۱/۳۳۷، كتاب الشركة).

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ مجازفۃً تقسیم کرنے کی گنجائش ہے تاہم فقہاء کی عبارات کے پیش نظر برابر وزناً تقسیم کرنا چاہئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم:

سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں، ہاں مسلمان کو دینا افضل اور اولیٰ ہے۔البتہ اضحیہ منذورہ میں سے دینا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

و یهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٠٠).

اعلاء السنن میں ہے:

وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر.

(اعلاء السنن: ١٧/٢٥٨، ادارة القرآن). (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ٤/١٦٦، كوئته).

وانظر للمزيد : (اعلاء السنن: ١٧/٢٨٣، ادارة القرآن).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں، پس وہ ہدیہ ہوگا یا صدقہ نافلہ اور حربی مصالحِ حکمِ مستامن ہے، لہذا اس کو دینا جائز ہے، البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو اس میں سے دینا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۵۵۰)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

سوال: کیا قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے؟

جواب: دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ نذر کی قربانی نہ ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۲۰۹)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۱۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۳۵، جامعہ فاروقیہ، واحسن الفتاویٰ: ۷/۴۹۶، وفتاویٰ بینات: ۴/۵۶۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لحمِ اضحیہ بنیتِ زکوٰۃ دینے کا حکم:

سوال: زید نے کئی قربانیاں کیں بعض واجب اور بعض نفلی قربانیاں، اس کے بعد کافی سارے گوشت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ کی نیت سے فقراء کو دیا۔ کیا قربانی کے گوشت میں زکوٰۃ کی نیت ہو سکتی ہے؟ زید کہتا ہے کہ گوشت میری ملکیت ہے اس کو صدقہ اور زکوٰۃ کی نیت سے میں دے سکتا ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قربانی کا گوشت زکوٰۃ کی نیت سے دینا جائز نہیں ہے۔اوراگر دیدیا ہے تو زکوٰۃ ادانہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لايحسب عنها فى ظاهر الرواية. (فتاوی الشامی: ۶/۳۲۸،سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

تصدق بلحم الأضحية على الفقير بنية الزكاة لا يجزئه في ظاهر الرواية. (الفتاوی الهندية:۵/۳۰۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کا سارا گوشت خود کھالینے کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں بحمد للہ ہر سال قربانی ہوتی ہے،لیکن کچھ تھوڑا بہت گوشت رشتہ داروں میں دیکر دوسرا گھر میں رکھ لیتے ہیں،اور خود کھاتے ہیں،اور رشتہ دار اور مہمان کی آمد پر پکایا جاتا ہے،اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟اس طرح کرنے سے قربانی ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قربانی کے گوشت کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی فقراء،مساکین پر تقسیم کیا جائے،اور ایک تہائی اعزہ واقارب کو دیا جائے،اور ایک تہائی اپنے گھر کے بال بچوں کے لیے رکھا جائے،یہ تقسیم فقط مستحب ہے لازم اور ضروری نہیں ہے،بایں وجہ اگر کوئی شخص سارا گوشت خود کھالے تب بھی قربانی بلاکراہت ادا ہوجاتی ہے،قربانی کا مقصدِ اصلی اراقہ ہے جو حاصل ہوگیا۔لہذا سوال میں مذکورہ طریقہ بھی بلاکراہت درست ہے،قربانی ادا ہوگئی۔ہاں ابتداءً نیت قربانی ہی کی ہو فقط گوشت کھانا مقصود نہ ہو۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه ويدخر الثلث لقوله تعالىٰ:﴿فكلوا منها وأطعموا القانع والمعتر﴾ وقوله عزشأنه :﴿فكلوا منها وأطعموا

البائس الفقير﴾ وقول النبي صلى الله عليه وسلم: كنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فكلوا منها وادخروا "، فثبت مجموع الكتاب العزيز والسنة أن المستحب ما قلنا ولأنه يوم ضيافة الله عز وجل بلحوم القرابين فيندب اشراک الكل فيها ويطعم الفقير والغنى جميعاً لكون الكل أضياف الله تعالىٰ عز شأنه في هذه الأيام وله أن يهبه منهما جميعاً ولو تصدق بالكل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز لأن القربة فى الإراقة وأما التصدق باللحم فتطوع وله أن يدخر الكل لنفسه فوق ثلاثة أيام لأن النهى عن ذلک كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ. (بدائع الصنائع:٥/٨١،سعيد).

وللمزيد انظر: (ردالمحتار:٦/٣٢٨،سعيد،والفتاوى الهندية:٥/٣٠٠،واعلاء السنن:١٧/٢٦٢، ادارة القرآن، وفتاویٰ بينات:٤/٥٧٤،وآپ کے مسائل اوران کاحل:٥/٤٦١،جديد ايڈيشن).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قربانی کا گوشت پکا کر کھلانا اور دعوت کرنا بھی درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۳۲، جامعہ فاروقیہ)۔

البتہ جو شخص ذوعیال ہو اور معاشی تنگی کا شکار ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے وہ سارا گوشت اپنے اہل عیال رکھلے۔اس کے حق میں صدقہ مستحب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

والتصدق أفضل إلا أن يكون الرجل ذا عيال وغير موسع الحال فإن الأفضل له حينئذٍ أن يدعه لعياله ويوسع عليهم لأن حاجته وحاجة عياله مقدمة على حاجة غيره ،قال النبى صلى الله عليه وسلم:" ابدأ بنفسک ثم بغيرک". (بدائع الصنائع:٥/٨١،سعيد).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چرمِ قربانی کی رقم تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کے پاس قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد بعینہٖ اس کی قیمت یا ثمن موجود نہیں ہے

ثمن گھر پر رکھا ہوا ہے، اور کوئی فقیر سامنے آ گیا تو اس نے جیب سے اپنی رقم صدقہ کر دی تو کیا صدقہ ہو گیا یا دوبارہ اسی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا؟ پوچھنا یہ ہے کہ واجب التصدق رقم کو تبدیل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ تبدیل کرنے کی گنجائش ہے بعینہٖ ثمن کا تصدق لازم اور ضروری نہیں ہے، بنابریں اب دوبارہ صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

السوال: اگر کوئی شخص چرمِ جانورِ قربانی یا چرمِ جانورِ عقیقہ کو بارادۂ تصدق بیع کر دے اور ثمن کو اپنے پاس رکھے کہ کسی موقع پر تصدق کر دوں گا پھر اس کو موقعہ تصدق دستیاب ہو گیا لیکن اس وقت ثمن بعینہٖ اس کے پاس موجود نہیں بلکہ مکان پر ہے جو بوجہ سفر ہونے کے بعید ہے تو کیا یہ شخص بجائے اس ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کر سکتا ہے یا بعینہٖ اسی ثمن کا تصدق واجب ہے کہ بدون اس کے بری عن وجوب التصدق نہ ہوگا۔

الجواب: **قال في غنية الناسک في بيع لحوم الهدايا وجلودها مانصه: ولو باع اللحم جاز بيعه لأن ملكه قائم إلا أنه فيما لا يجوز أكله يتصدق بثمنه لأنه ثمن بيع واجب التصدق كذا في الفتح عن البدائع وإن كان مما يجوز له الأكل منه فإن باع شيئاً أو أعطى الجزار أجره منه فعليه أن يتصدق بقيمته، أى بقيمته إن كان أكثر وبالثمن إن كان أكثر على ما في البدائع.** (ص ۱۹۲).

اس سے معلوم ہوا کہ تصدق ثمن اس صورت میں واجب ہے جب کہ بیع جائز الاکل نہ ہو اور جائز الاکل میں تصدق قیمت واجب ہے نہ تصدق ثمن، پس یہ واجب فی الذمہ ہوا واجب فی العین نہ ہوا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بجائے ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کر سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ثمن اگر قیمت سے کم ہو تو قیمت کاملہ تصدق کی جائے۔ واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۲۷۱/۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال:
قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:
”من باع جلد الأضحية فلا أضحية له“.

(اخرجه الحاکم).

”تنوير الزوايا في مصارف ثمن الضحايا“

عن قتادة أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال:
”ولا تبيعوا لحوم الهدی والأضاحی فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها“.

(رواه احمد).

”تَنْوِیْرُ الزَوَایَا فِيْ مَصَارِفِ ثَمَنِ الضَحَایَا“

چرمِ قربانی کی رقم کے مصرف کا بیان

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

سوال: اگر کسی شخص نے قربانی کی کھال بنیتِ تصدق فروخت کر لی تو اب رقم واجب التصدق ہے یا نہیں؟ کیا اس میں زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی طرح فقیر کی تملیک ضروری ہے؟ یعنی چرمِ قربانی کی رقم کو مساجد، مدارس، شفاخانہ، رفاہِ عام، خیراتی ادارے، میت کی تکفین وتجہیز اور اس کے قرض کی ادائیگی میں خرچ کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

برائے مہربانی مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں، کیونکہ ہمارے علاقے میں اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بینوا بالدلیل مع التفصیل، توجروا بالأجر الجزیل۔

الجواب بعون الوهاب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

شریعتِ مطہرہ میں قربانی کا اصل مقصد ذبحِ اضحیہ اور اراقہ ہے، جو کہ حاصل ہو چکا اب گوشت اور کھال وغیرہ میں قربانی کرنے والے کو شرعاً تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں:۔

(۱) بعینہٖ گوشت اور کھال کو خود استعمال کر سکتا ہے، مثلاً کھال سے مصلیٰ، ڈول، چھلنی، مسند وغیرہ بنا کر استعمال کر سکتا ہے، بعینہٖ کھال کا صدقہ کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

(۲) دیگر احباب واقارب اور اعزہ کو استعمال کے لئے دے سکتا ہے، ان میں غنی، فقیر کی کوئی قید ملحوظِ نظر شریعت نے نہیں رکھی، ہاں اجرت میں دینا جائز نہیں ہے۔

(۳) فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دینا جائز اور درست ہے۔

علاوہ ازیں کھال کو فروخت کر دینا اور قیمت کو اپنے استعمال میں لانا جائز اور درست نہیں، اگر کسی نے چرم قربانی کو فروخت کر دیا، تو اب قیمت واجب التصدق بن جاتی ہے، یعنی صدقہ کر دینا واجب ہو جاتا ہے، خود کھانا یا اغنیا کو کھلانا جائز نہیں رہتا، اگرچہ صدقہ ہی کی نیت سے فروخت کیا ہو، البتہ اگر بنیتِ تصدق فروخت کیا تو بیع بلا کراہت صحیح ہو گئی اور گنہگار بھی نہیں ہوا، لیکن اگر بنیتِ تمول فروخت کیا تو بیع مکروہ ہوئی اور گنہگار رہا، بایں ہمہ قیمت کا تصدق بہر صورت واجب ہے۔

دلائل درجِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

☆ **أخرج الحاكم بسنده عن عبد الله بن عياش القتباني عن الأعرج عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"من باع جلد الأضحية فلا أضحية له". وقال: صحيح** . (المستدرك للحاكم:۲/۳۹۰).

قال الذهبي: ابن عياش ضعفه أبو داود .

قال العلامة ظفر أحمد العثماني: فالحديث إن لم يكن صحيحاً فلا ينزل عن مرتبة الحسن. (اعلاء السنن: ۲۵۶/۱۷).

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو اپنے لئے فروخت کر دے۔

☆ **عن قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ..." و لا تبيعوا لحوم الهدي و الأضاحي فكلوا و تصدقوا واستمتعوا بجلودها..."**.(رواه أحمد فى مسنده برقم:۱۶۲۱۰، وقال الهيثمي : وهو مرسل صحيح الإسناد . وضعفه شعيب الارنؤوط،رقم ۱۶۲۵۵).

☆ بدائع الصنائع میں علامہ ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں:

ولا يحل بيع جلدها و شحمها ولحمها ...من الدراهم والدنانير والمأكولات

والمشروبات ولا يعطى أجر الجزار والذابح...فإن باع شيئاً من ذلك نفذ عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعند أبي يوسفؒ لا ينفذ... ويتصدق بثمنه لأن القربة ذهبت عنه فيتصدق به ولأنه استفاده بسبب محظور وهو البيع فلا يخلو عن خبث فكان سبيله التصدق، وله أن ينتفع بجلد أضحيته في بيته بأن يجعله سقاء أو فرواً أوغير ذلك لما روي عن سيدتنا عائشةؓ أنها اتخذت من جلد أضحيتها سقاء . (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، سعید).

☆ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ولو باع الجلد أو الحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاک تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله . (الهداية: ٤/ ٤٥٠).

☆ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدقها وليس له أن يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلک يتصدق بثمنه . (خلاصة الفتاوى: ٣٢٢/٤، الفصل السادس فى الانتفاع بالا ضحية).

وللاستزاده انظر : (الدر المختار مع رد المحتار : ٣٢٨/٦، سعيد، والفتاوى الهندية : ٣٠١/٥ ، والبحر الرائق : ٨/ ١٧٨،ط: كوئته).

مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ چرمِ قربانی کو خود استعمال کر سکتے ہیں لیکن دراہم ودنانیر ریند روپے پیسے اور ماکولات ومشروبات وغیرہ کے عوض فروخت کرنا درست نہیں، ہاں اگر بنیتِ تصدق فروخت کی جائے تو درست ہے اور دونوں صورتوں میں قیمت واجب التصدق ہے۔

اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ تصدق کی علت نفس بیع ہے یا خبث، یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ نفس لحم اور کھال کا صدقہ قیمتِ لحم اور قیمتِ چرم کی طرح نہیں ہے، کیونکہ لحم اور کھال سے انتفاع درست ہے، جبکہ ان دونوں کی قیمت سے انتفاع جائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کی قیمت واجب التصدق ہے۔

☆ ملاحظہ فرمائیں امداد الاحکام میں ہے:

ومخفی نیست کہ صدقہ دراہم جلد اضحیہ درحکم صدقہ جلد اضحیہ ہرگز نیست زیرا کہ جلد اضحیہ مثل لحمِ اضحیہ است

انتفاع بنفسہٖ ازاں جائز است و دراہم جلدِ اضحیہ غیر جائز الانتفاع در حق بائع است پس دراہم جلدِ اضحیہ مثل دراہم لحم اضحیہ است در وجوبِ تصدق بالتملیک ۔ (امداد الاحکام: ۴/ ۲۵۸)۔

ہاں یہاں پر عوض فی حکم المعوض نہیں ہے معوض واجب التصدق نہیں اور عوض واجب التصدق ہے۔

☆ ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن میں ہے: (عوض معوض کے حکم میں کہاں ہوتا ہے اور کہاں نہیں ہوتا)

وأما استبدال الجلد بما ينتفع به باقياً كالقربة والسفرة والغربال والجراب والدلو ونحوها فلا بأس به لأن له أن يتخذ منه ما شاء منها ابتداءً فكان الاستبدال بها كاتخاذها انتهاءً، ولأن البدل الذي يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يقوم مقام المبدل فكان المبدل قائماً معنىً فكان الانتفاع به كالانتفاع بعين الجلد بخلاف البيع بالدراهم والدنانير والخل واللحم ونحوه، لأن ذلک مما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه، فلا يقوم مقام الجلد، فلا يكون الجلد قائماً معنىً فلا يكون إلا تجارة محضة، وقد نهى الشارع صلى الله عليه و سلم عن الاتجار بشيء من الهدى والأضاحي، هذا هو الفرق بين الغربال والخل. (اعلاء السنن ۲۵۸/۱۷، ادارة القرآن، كراتشي).

فقہا کے کلام سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ چرمِ قربانی فروخت کرنے سے قیمت واجب التصدق ہو جاتی ہے، چاہے صدقہ کی نیت سے فروخت کرے یا تمول اور استعمال کی نیت سے، ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ صدقہ کی نیت سے فروخت کرنے پر گنہگار نہیں ہوگا اور بیع میں خبث بھی نہیں ہوگا، لیکن بنیتِ تمول فروخت کرنے کی وجہ سے قیمت میں خبث ہوگا، بیع مکروہ ہوگی اور گنہگار بھی ہوگا، تاہم بہر صورت قیمت واجب التصدق ہے۔

لیکن اصل قابلِ اشکال بات یہ ہے کہ واجب التصدق کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ قیمت صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ صدقۃ الفطر وغیرہ کی طرح ہے کہ جس میں فقیر کی تملیک لازم اور ضروری ہے؟ یا فقط قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور تملیکِ فقیر ضروری نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

پہلی جماعت کا موقف:

اکثر ہندوستانی علماء، اکابرِ دیوبند وغیرہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ یہ قیمت صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ، صدقۃ الفطر کی طرح ہے اس لئے اس میں تملیکِ فقیر ضروری ہے، اس کے برعکس مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، رفاہِ عام اور دیگر خیراتی اداروں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ تملیکِ فقیر کے بعد صرف کی جائے۔ یا کھال متولی کو دیدے اور وہ مالک بن جانے کے بعد فروخت کر کے خیراتی اداروں میں دیدے۔

اس مسلک کے تفصیلی دلائل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(جواہر الفقہ، رسالہ: "رفع التلاحی عن جلود الاضاحی" ۶/۳۳۳-۳۳۹، وکفایت المفتی: ۸/۲۲۶، ط: دارالاشاعت، وامداد الفتاویٰ: ۳/ ۵۶۶، وامداد الاحکام: ۴/ ۲۵۷، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۴۵۸-۴۲۰، ط: جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ حقانیہ: ۶/ ۴۲۶، واحسن الفتاویٰ: ۲/ ۴۹۵، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۰۱-۴۰۵، مکتبہ دیوبند، وعزیز الفتاویٰ: ۱/ ۶۷۷-۶۷۹)۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقہائے کرامؒ نے لفظ "تصدق" استعمال فرمایا ہے اور "تصدق" کی حقیقت تملیک ہے، مانندِ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر، لہٰذا بلا تملیکِ فقیر صرف کرنا جائز اور درست نہیں ہوگا۔

دوسری جماعت کا موقف:

بعض پاکستانی اور افغانی علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تملیکِ فقیر ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں، افغانی مشائخ کی ترجمانی کرتے ہوئے فقیہ العصر حضرت مفتی فرید صاحبؒ فرماتے ہیں:

سوال: قربانی کے چمڑوں کی قیمت مساجد پر صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہندی مشائخ کے نزدیک ناجائز ہے:

كما في الهندية (۳۰۱/۵): **ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله، لو باعها بالدراهم يتصدق بها لأنه قربة كالتصدق كذا في التبيين، قالوا: والتصدق هو التمليك.** اور افغانی مشائخ کے نزدیک یہ صرف جائز ہے۔ **وهو المختار بدليل تعليل الزيلعي لأنه قربة أي التصدق بالدراهم كالتصدق بالجلود.** یعنی مقصود قربت ہے وہ دراہم دینے میں موجود ہے، جیسا کہ چمڑوں کے دینے میں موجود ہے، قربت تملیک اور اباحت سب میں موجود ہے۔ **ونظيره جلود الهدايا والضحايا فيها الإباحة العامة دون التمليك سلفاً وخلفاً.** (فتاوی فریدیہ: ۱/۵۸۴، مسائل شتی)۔

افغانی علماء کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ قیمت اس وقت واجب التصدق ہے جب کہ چرمِ قربانی کو تمول کی نیت سے فروخت کیا جائے، اس لئے کہ اس میں خبث وخرابی آ گئی، لیکن اگر بنیتِ تصدق فروخت کیا جائے تو اس میں خبث وخرابی نہیں ہے۔ بایں وجہ اس کا حکم بعینہٖ جلود اور گوشت کے حکم کی طرح ہوگا کہ وہ اصلاً صدقاتِ نافلہ ہیں، صدقاتِ واجبہ میں سے نہیں ہیں، نیز یہ زکوٰۃ وفطرانہ کی طرح بھی نہیں ہے بلکہ گوشت کا بدل ہے اس لئے بلا تملیکِ فقیر، مساجد، خیراتی ادارے، رفاہِ عام وغیرہ میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔ اگر اس میں خبث ہوتا تو پھر مسجد پر خرچ کرنا درست نہ ہوتا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دار العلوم زکریا: ۱/۶۲۰، احکام المساجد، طبع ہند، وزکوٰۃ اور مسئلہ تملیک، از مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی)۔

دوسرے مسلک کے نظائر:

جو حضرات اس رقم کو واجب التصدق سمجھتے ہیں لیکن تملیکِ فقیر ضروری نہیں سمجھتے وہ یہ فرماتے ہیں کہ: بہت سی مرتبہ رقم واجب التصدق ہوتی ہے لیکن واجب التملیک للفقیر نہیں ہوتی، اس کے چند نظائر حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلی نظیر لقطہ ہے:

اس کی واضح اور بے غبار مثال لقطہ ہے۔ فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ لقطہ واجب التصدق ہے، یعنی فقیر محتاج پر صدقہ کر دیا جائے لیکن زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی طرح نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ، صاحب محیط برہانیؒ وغیرہ حضرات نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ لقطہ کو تمام مصالحِ مسلمین میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو شرحِ منظومہ ابن وہبان میں مذکور ہے:

بیوت المال أربعة لکل ☆ مصارف بینتها العالمون

فأولها الغنائم و الکنوز ☆ الرکاز وبعدها متصدقون

وثـالثهـا خـراج مع عشور ☆ وجـالية يـليهـا العـاملـون

ورابـعها الـضوائع مثل مـالا ☆ يـكـون لـــه أنـاس وارثـو ن

فـمصـرف الأولين اتى بنص ☆ و ثـالثهـا حـواه مقـاتلـون

ورابـعها فـمـصـرفها جهات ☆ تساوى الـنفع فيها المسلمون

(شرحِ منظومہ ابن وہبان: ۱/ ۸۸، کتاب الزکوٰۃ، ط: دیوبند)۔

علامہ شامیؒ لقطہ کے مصرف کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قـولـه الضوائع جمع ضائعة أى اللقطات ...قوله: ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لـمـا نـقـلـه ابـن الضياء فى شرح الغزنويه عن البزدوى من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبهه ذلک ولكنه مخالف لما فـى الهـدايـه والـزيـلـعـى أفاده الشرنبلالى، أى فإن الذى فى الهداية وعامة الكتب أن الذى يـصرف في مصالح المسلمين هو الثالث،كما مر، وأما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقيط الـفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم فيعطي منه نفقتهم وأدويتهم و كفنهم وعقل جنايتهم كما فى الزيلعى وغيره. (فتاوى الشامى:۲/ ۳۳۸،سعيد).

علامہ زیلعیؒ تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

والـرابـع الـلـقـطـات والتـركات التي لا وارث لها وديات مقتول لا ولي له ومصرفها الـلقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم يعطون منه نفقتهم وأدويتهم وتكفن بها موتاهم .

(تبيين الحقائق:۳/ ۲۸۳، ملتان).

المحیط البرہانی میں ہے:

الـلقطات و التركات تصرف إلى ما فيه صلاح المسلمين كمال الخراج والجزية إلا أنـه يـجـعـل لهـا بيـت عـلـى حده ، لما أنه ربما يظهر لها مستحق بعينها... (المـحيط البرهانى: ۲/ ۵۳۹، كتاب المعادن،مكتبة رشيدية).

صاحبِ محیطِ برہانیؒ نے فرمایا کہ لقطات اور ترکات کا مصرف مالِ خراج اور جزیہ کے مصرف کی طرح ہے

اور خراج اور جزیہ کا مصرف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وقال: [الإمام محمدؒ] الخراج والجزية تصرف إلى المقاتلة، وإلى سد ثغور المسلمين، وبناء الحصون في الثغور، وإلى مراصد الطريق في دار الإسلام ليقع الأمن عن قطع الطريق من جهة اللصوص، وإلى كري الأنهار العظام الذي فيه صلاح المسلمين، وإلى من فرغ نفسه لعمل المسلمين نحو القضاة والمحتسب والمفتين والمؤذنين والمعلمين، وإلى عمارة المساجد والقناطر، وإلى معالجة المرضى إذا كانوا فقراء، وإلى تكفين الموتى الذين لا مال لهم... والحاصل: أن هذا النوع يصرف إلى ما فيه صلاح الدين وصلاح دار الإسلام والمسلمين. (المحيط البرهاني: ۵۳۹/۲، كتاب المعادن، مكتبة رشيدية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية: ۱۹۱/۱، باب في صدقة الفطر، والبحر الرائق: ۱۲۸/۵، فصل في الجزية، ومجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۴۸۶/۲، في كيفية القسمة، بيروت).

مذکورہ بالا عبارات سے درجِ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) لقطات اور ترکات واجب التصدق ہیں اور ان کا مصرف فقراء مساکین ہیں۔

(۲) لقطات اور ترکات فقیر اموات کی تجہیز وتکفین میں صرف کیے جا سکتے ہیں۔ (جبکہ میت کی تکفین میں تملیک متحقق نہیں ہوتی، یہ واضح دلیل ہے کہ لقطہ واجب التصدق ہے واجب التملیک من الفقیر نہیں ہے)۔

(۳) علامہ شامیؒ نے علامہ بزدویؒ سے نقل کیا ہے کہ لقطات اور ترکات کا درجِ ذیل امور میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے:

(الف) **عمارۃ القناطر**، پل بنانا۔

(باء) **عمارۃ الرباطات**، سرائے، مسافر خانہ وغیرہ بنانا۔

(ج) **عمارۃ الثغور**، اسلامی حکومتوں کی سرحدوں پر بورڈر وغیرہ بنانا۔

(د) **عمارۃ المساجد**، مساجد کی تعمیرات۔

ان چار مصارف میں سے کسی میں بھی تملیک متحقق نہیں ہوتی، اسی کو ابن الشحنہ، صاحب محیط برہانی، صاحب در

مختار وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

صاحبِ محیطِ برہانیؒ نے مزید مصارف بیان فرمائے ہیں:

(ھ) **ما فی صلاح المسلمین** ، مسلمانوں کے عام فائدہ کے لئے استعمال کرنا۔

(و) **وبناء الحصون فی الثغور**، سرحدوں پر حفاظت کی خاطر قلعوں کی تعمیر۔

(ز) **وإلی مراصد الطريق** ... اسلامی ممالک میں امن وامان کی خاطر رصدگاہوں پر خرچ کرنا۔

(ک) **وإلى كري الأنهار العظام** ... بڑی نہروں کی کھدائی میں صرف کرنا جن میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔

مفتی تقی صاحب مدظلہ فتاویٰ عثمانی میں تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقطہ کا حکم یہ ہے کہ وہ واجب التصدق ہے ...اگرچہ فقہاء نے فقراء کو لقطہ کا مصرف قرار دیا ہے لیکن اس کے لئے تملیک ضروری قرار نہیں دی۔ (فتاوی عثمانی:۳/۱۳۶)۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ لقطہ کارِ خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو، اشرف الاحکام میں ہے:

لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جب مالک کا پتہ چلنا متعذر ہو تو کسی کارِ خیر میں دے دیا جائے چنانچہ میں مدرسہ میں دیتا ہوں۔ (اشرف الاحکام، ص:۱۹۷، بحوالہ حسن العزیز:۳/۶)۔

دوسری نظیر وقف ہے:

جب واقف شئ موقوف کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالی کے لئے وقف کر دیتا ہے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور اسکا حکم واجب التصدق ہے۔ اب وہ خود استعمال نہیں کر سکتا ہے، لیکن شئ موقوف پر کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، نہ وہ واجب التملیک ہوتی ہے مساجد، مدارس، رفاہِ عام، مصالح مسلمین، ہر قسم کے خیراتی ادارے وغیرہ میں صرف کر دینا واقف کی تصریح کے مطابق جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں روایت ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه أصاب

أرضاً بخيبر، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله إني أصبت أرضاً بخيبر لم أصب مالاً قط أنفس عندي منه فما تأمرني به ؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لا تباع ولا توهب، ولا تورث ، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف . (رواه البخاري: ١/ ٣٨٢، ومسلم: ٢/ ٤١).

الدرالمختار میں مذکور ہے:

هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً، قوله على حكم الله تعالىٰ قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالىٰ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤/ ٣٩٩، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ديباج الكعبة إذا صار خلقاً لا يجوز أخذه لكن يبيعه السلطان ويستعين به على أمر الكعبة ، كذا في السراجية، ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ... ولو أراد أن يقف أرضه على المسجد وعمارة المسجد وما يحتاج إليه من الدهن والحصير وغير ذلك على وجه لا يرد عليه الإبطال يقول: وقفت أرضي هذه ويبين حدودها بحقوقها ومرافقها وقفاً مؤبداً... للقيم أن يتصرف في ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ٢/ ٤٦٠).

عالمگیری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ زمین دیباج چراغ وغیرہ اشیاء موقوفہ کی نسبت کعبہ اور مسجد کی طرف ہے، یعنی مذکورہ اشیاء مالک کی ملکیت سے خارج ہیں اور مسجد پر وقف ہیں لیکن کسی کی ملک میں نہیں ہیں اور واجب التصدق بھی ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح چرمِ قربانی کی رقم واجب التصدق ہے لیکن واجب التملیک نہیں ہے۔

تیسری نظیر وصیت ہے:

چرمِ قربانی کی رقم واجب التملیک نہ ہونے کی تیسری نظیر وصیت ہے کہ مساجد، رفاہِ عام اور خیراتی اداروں کے لئے جو وصیت کی جاتی ہے وہ واجب التصدق تو ہے، لیکن واجب التملیک نہیں ہے، کیونکہ ان مصارفِ مذکورہ میں تملیک کی صلاحیت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود وصیت صحیح اور نافذ ہے، اگر چہ اس میں کچھ اختلاف بھی ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور زمین کی وصیت للمسجد تو بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح علامہ شامیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''انفاق'' کہا ہو تب بھی بالاتفاق جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وفتاوى أبي الليث رحمه الله تعالىٰ إذا قال: أوصيت بمأة درهم لمسجد كذا أو لقنطرة كذا نص محمدؒ أنه جائز و هو لمرمتها و إصلاحها... ولو أوصى أن يجعل أرضه مسجداً يجوز بلا خلاف وإذا أوصى بثلث ماله لله تعالىٰ فالوصية باطلة عند أبي حنيفةؒ وقال محمدؒ: الوصية جائزة ويصرف إلى وجوه البر، وبقول محمدؒ يفتىٰ ... ولو أوصى بثلث ماله لأعمال البر ذكر في فتاوى أبي الليثؒ أن كل ما ليس فيه تمليك فهو من أعمال البر حتى يجوز صرفه إلى عمارة المسجد و سراجه دون تزيينه... ولو أوصى بالثلث في وجوه الخير يصرف إلى القنطرة أو بناء المسجد . وفيه : ولو أوصى بثلث ماله لبيت المقدس جاز ذلك وينفق على عمارة بيت المقدس وفي سراجه و نحوو ذلك...ولو أوصى بأن ينفق ثلثه على المسجد جاز ويصرف على عمارته و سراجه . (الفتاوى الهنديه : ٦/ ٩٦، ٩٧، الباب الثاني من كتاب الوصية).

بدائع الصنائع میں ہے:

وكذا كونه من أهل الملك ليس بشرط حتى لو أوصى مسلم بثلث ماله للمسجد أن ينفق عليه في إصلاحه وعمارته وتجصيصه يجوز لأن قصد المسلم من هذه الوصية

التقرب إلى الله سبحانه وتعالى بإخراج ماله إلى الله سبحانه و تعالىٰ لا التمليک إلى أحد .
(بدائع الصنائع: ٧/ ٣٤١، سعيد).

وفى الدر المختار: وفى المجتبى: أوصى بثلث ماله للكعبة جاز وتصرف للفقراء الكعبة لا غير وكذا للمسجد وللقدس... وفي رد المحتار: قوله وكذا للمسجد وللقدس أقول: الذي فى المنح عن المجتبى: وبيت المقدس، والحاصل: أن فى الإيصاء للمسجد قولين : قول بعدم الصحة وقول بالصحة...ثم على الصحة هل تصرف على منافعه أو على فقراءه، قال محمد بالأول على ما هو كالصريح فى كلامهم... وأما الثاني فصرح به فى المجتبى على ما ترى والقائل بعدم الصحة هو الشيخان إلا أن يقول: ينفق على المسجد فيجوز اتفاقاً، وأجازه محمد مطلقاً حمله على إرادة مصالحه تصحيحاً للكلام ... (الدر المختار مع رد المحتار : ٦/ ٦٦٥، سعيد).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (المحيط البرهانی: ۲۲/۲۶۴. ۲۶۶، نوع آخر فى الوصية لله تعالى وفى سبيله والأماكن والحيوانات واعمال البر ، ولسان الحكام،ص:۴۱۷، والفتاوى الولوالجية:۵/ ۳۳۹).

اگر چہ وصیت کرنا ابتداءً واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔لیکن وصیت کرنے کے بعد واجب التصدق ہے، بعینہ اسی طرح چرمِ قربانی ابتداءً اس کا صدقہ کرنا مستحب ہے،لیکن بیع بنیتِ تصدق کے بعد واجب التصدق ہے۔

چوتھی نظیر لا وارث کی میراث ہے:

واجب التصدق غیر واجب التملیک کی ایک اور نظیر لا وارث کی میراث ہے،فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتو اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا،اور فقراء کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا، نیز لا وارث فقراء اموات کی تکفین وتجہیز میں بھی خرچ کیا جائے گا۔یعنی واجب التصدق ہے لیکن واجب التملیک من الفقیر نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو سراجی اور اس کے حواشی میں مذکور ہے:

(...ثم بيت المال) يعني إذا لم يوجد موصى له بجميع المال يوضع المال في بيت المال...ونوعوه إلى أربعة ...والرابع : بيت مال الضائع والتركة التي لا وارث لها، ... فمصرف الرابع : هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم ، فيعطون منه نفقتهم، وأدويتهم ، وكفنهم ، وعقل جنايتهم. (السراجی مع الحواشی،ص ۱۱).

وفى المبسوط للإمام السرخسيؒ: وإذا ثبت أنه لا وارث للملتقط منه كان ميراثه لبيت المال لأنه مسلم ليس له وارث معين فيرثه جماعة المسلمين يوضع ماله فى بيت المال . (المبسوط: ۳٦۹/۱۰،باب اللقيط).

وفى الدرالمختار: ثم يوضع فى بيت المال لا إرثاً بل فيئاً للمسلمين. (الدرالمختار: ٦/٧٦٦،سعيد).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

ورابعها الضوائع مثل ☆ يكون له أناس وارثون

ورابعها فمصرفها جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمون

قال ابن عابدينؒ: قوله: ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لما نقله ابن الضياء فى شرح الغزنويه عن البزدوى من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبهه ذلک ولكنه مخالف لما فى الهداية والزيلعي أفاده الشرنبلالي، أى فإن الذى فى الهداية وعامة الكتب أن الذى يصرف في مصالح المسلمين هو الثالث ،كما مر، وأما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم فيعطي منه نفقتهم وأدويتهم وكفنهم وعقل جنايتهم كما فى الزيلعى وغيره. (فتاوى الشامى:۳۳۸/۲، سعيد).

المحیط البرہانی کی عبارت لقطہ کے بیان میں مذکور ہوئی، یہاں ترکہ کی مناسبت سے دوبارہ ملاحظہ ہو:

اللقطات و التركات تصرف إلى ما فيه صلاح المسلمين كمال الخراج و الجزية إلا أنه يجعل لها بيت على حده ، لما أنه ربما يظهر لها مستحق بعينها... (المحیط البرهانی: ۲/۵۳۹، کتاب المعادن،مکتبة رشیدیة).

صاحبِ محیطِ برہانیؒ نے فرمایا کہ ترکات کا مصرف مال خراج اور جزیہ کے مصرف کی طرح ہے اور خراج اور جزیہ کا مصرف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وقال: [الإمام محمدؒ] الخراج والجزية تصرف إلى المقاتلة ، وإلى سد ثغور المسلمين ، وبناء الحصون في الثغور، وإلى مراصد الطريق في دار الإسلام ليقع الأمن عن قطع الطريق من جهة اللصوص، وإلى كري الأنهار العظام الذي فيه صلاح المسلمين ، وإلى من فرغ نفسه لعمل المسلمين نحو القضاة والمحتسب والمفتين والمؤذنين والمعلمين ، وإلى عمارة المساجد والقناطر، وإلى معالجة المرضى إذا كانوا فقراء، وإلى تكفين الموتى الذين لا مال لهم... والحاصل: أن هذا النوع يصرف إلى ما فيه صلاح الدين وصلاح دار الإسلام والمسلمين . (المحیط البرهانی: ۲/۵۳۹،کتاب المعادن،مکتبة رشیدیة).

وللاستزادة انظر : (الفتاوى الهندية : ۱/۱۹۱ ، باب في صدقة الفطر، والبحر الرائق: ۵/۱۲۸ ، فصل في الجزية ، ومجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲/۴۸۶، في كيفية القسمة ، بيروت).

مذکورہ بالا عبارات سے درجِ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) لقطات اور ترکات واجب التصدق ہیں اور ان کا مصرف فقراء مساکین ہیں۔

(۲) لقطات اور ترکات فقیر اموات کی تجہیز و تکفین میں صرف کیے جا سکتے ہیں۔ (جبکہ میت کی تکفین میں تملیک متحقق نہیں ہوتی، یہ واضح دلیل ہے کہ لاوارث کا مال واجب التصدق ہے واجب التملیک من الفقیر نہیں ہے)۔

(۳) علامہ شامیؒ نے علامہ بزدویؒ سے نقل کیا ہے کہ لقطات اور ترکات کا درجِ ذیل امور میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے:

(الف) **عمارة القناطر** ، پل بنانا۔

(باء) **عمارة الرباطات** ، سرائے، مسافرخانہ وغیرہ بنانا۔

(ج) **عمارة الثغور**، اسلامی حکومتوں کی سرحدوں پر بورڈر وغیرہ بنانا۔

(د) **عمارة المساجد**، مساجد کی تعمیرات۔

ان چار مصارف میں سے کسی میں بھی تملیک متحقق نہیں ہوتی، اسی کو ابن الشحنہ ،صاحب محیط برہانی ،صاحب در مختار وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

صاحبِ محیطِ برہانیؒ نے مزید مصارف بیان فرمائے ہیں:

(ھ) **ما فی صلاح المسلمین** ، مسلمانوں کے عام فائدہ کے لئے استعمال کرنا۔

(و) **وبناء الحصون فی الثغور**، سرحدوں پر حفاظت کی خاطر قلعوں کی تعمیر۔

(ز) **وإلی مراصد الطریق** ... اسلامی ممالک میں امن وامان کی خاطر رصدگاہوں پر خرچ کرنا۔

(ک) **وإلی کري الأنهار العظام** ... بڑی نہروں کی کھدائی میں صرف کرنا جن میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

البیت الرابع : وهو بیت مال الفئ : أهم موارد هذا البیت ما یلي :

أ ـ أنواع الفئ . ب ـ سهم اللّٰه ورسوله من الأخماس . ج ـ الأراضی التي غنمها المسلمون . د ـ خراج الأرض التي غنمها المسلمون .ز ـ مال من مات بلا وارث من المسلمین ، و من ذلک دیته....

مصارف بیت مال الفیء :

مصرف أموال هذا البیت (البیت الرابع) المصالح العامة للمسلمین ، فیکون تحت ید الإمام ، و یصرف منه بحسب نظره واجتهاده فی المصلحة العامة ...

ز ـ المصالح العامة لبلدان المسلمین ، من انشاء المساجد والطرق والجسور والقناطر والأنهار والمدارس و نحو ذلک ، وإصلاح ما تلف منها. (الموسوعة الفقهية

الكويتية:۸/ ۲۵۰).

تنبیہ: الموسوعہ میں لقطہ کے مصرف کو نوعِ ثالث میں ذکر کیا ہے اور لاوارث کے ترکہ کے مصرف کو نوعِ رابع کے تحت ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا عباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ لقطہ اور ترکہ کے مصرف کے بارے میں فقہاء کے ہاں دو قول دستیاب ہوتے ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ فقراء پر خرچ کرے خواہ ان کو مالک بنادے یا ان کی ضروریات پر بغیر تملیک کے خرچ کرے جیسے تکفین و تجہیز کہ اس میں تملیکِ فقیر نہیں پائی جاتی۔

(۲) رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس قول کو علامہ شامیؒ نے غیر مشہور قرار دیا ہے، لیکن المحیط البرہانی میں یہ قول امام محمدؒ سے منقول ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، نیز اس قول کو علامہ عبدالبر ابن الشحنہ حلبیؒ، علامہ حصکفیؒ، صاحبِ محیطِ برہانیؒ، علامہ بزدویؒ اور ابن الضیاء المقدسیؒ وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار فرمایا ہے۔

مزید براں "الموسوعة الفقهية الكويتية" میں بھی اس قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

الغرض دوسرے قول کی روشنی میں فقیر درمیان سے نکل جائے گا، اور عام خیراتی اداروں میں خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا۔ (ظاہر ہے کہ اس قول کو بڑے بڑے محققین نے اختیار کیا ہے۔)

پانچویں نظیر اموالِ ربا اور اموالِ حرام ہیں:

ہر وہ مال جو بلا کسی شرعی وجہ سے حاصل ہوجائے، یا بینک وغیرہ سے قرض میں مشروط عوض لیا جائے جسکا مالک معلوم نہ ہو، ان اموال کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب التصدق ہیں لیکن واجب التملیک ہیں یا نہیں۔؟ اس بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں:

(۱) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ اموال واجب التملیک ہیں۔ یعنی کسی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اموال واجب التملیک نہیں ہیں۔ لہذا رفاہِ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی کے مطابق حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مولانا مجیب اللہ صاحبؒ، (صاحبِ اسلامی فقہ) وغیرہ

حضرات نے فتویٰ دیا ہے۔

چھٹی چیز غیر منصوص ہونا ہے:

مزید براں چرمِ قربانی کی رقم کے واجب التملیک ہونے میں کوئی صریح نص موجود نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ قیاسی ہے، لہذا اس میں زیادہ تشدد مناسب نہیں ہے، جبکہ زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ کی تملیک خود نصوص میں صراحۃً دلالۃً واشارۃً موجود ہے۔

اور قربانی کا مقصدِ اصلی اراقہ ہے۔ ملاحظہ ہو: "**والقربة إنما تعلقت بنفس الأضحية لا بلحمها وجلدها فلو اشترى لحماً وتصدق به لم يكن من الأضحية في شيء، وقد روى الترمذى عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها وحسنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" ما عمل ابن آدم يوم النحر عملاً أحب إلى الله من إراقة الدم"... فالقربة إنما هو الذبح والنحر على اسم الله، وإنما أمر بأكل اللحم والتصدق به وبالجلد ونحوه،...لكونه ملابساً لمحل القربة"**. (اعلاء السنن: ۲۵۸/۱۷، باب بيع جلد الاضحية).

اور یہ مقصود حاصل ہو گیا، اسی وجہ سے گوشت کھانے اور کھال استعمال کرنے کی شارع علیہ السلام نے خود اجازت دی ہے، ہاں فروخت کر کے قیمت استعمال کرنے کی اجازت اس وجہ سے نہیں دی تاکہ تجارت کا باب مفتوح نہ ہو جائے، لہذا قیمت کو صدقہ کر دینے کا حکم احادیث میں ہے اور فقہاء نے بھی لگایا ہے جس کی اصل کو دیکھتے ہوئے تملیک مستفاد نہیں ہوتی۔

تاہم اکابر دیوبندؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے، لیکن تشدد برتنا صحیح نہیں ہے، اگر کسی نے قیمت مسجد میں صرف کر دی تو دوبارہ صدقہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ چرمِ قربانی مسجد کے متولی کو دیدیں اور وہ فروخت کر کے مسجد میں خرچ کرے۔

''چند اشکالات اور ان کے جوابات''

اشکال (۱): اگر کوئی اشکال کرے کہ چرمِ قربانی بنیتِ تصدق فروخت کرے تو عدمِ خبث کی وجہ سے واجب التملیک نہیں ہے تو یہ ٹھیک ہے، لیکن بنیتِ تمول فروخت کرے تو خبث کی وجہ سے واجب التملیک ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض اکابرؒ کی رائے کے مطابق اموالِ ربا، اسی طرح غیر شرعی طریقہ پر حاصل کیے ہوئے اموال میں خبث ہے، اس وجہ سے واجب التصدق ہیں، لیکن ان حضرات کے نزدیک ان اموال میں بھی تملیک ضروری نہیں ہے، رفاہِ عام، خیراتی ادارے وغیرہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اکثر اربابِ افتاء کے ہاں جس مال میں خبث ہو اس میں تملیکِ فقیر ضروری ہے۔

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ تملیکِ فقیر ضروری نہیں ہے، ان حضرات کے مسلک کی دلیل یہ حدیث شریف بن سکتی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومِ ثمود کی جگہ پہنچ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے کنویں کے پانی سے آٹا گوندھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم فرمایا:

ملاحظہ فرمائیے بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن الناس نزلوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أرض ثمود الحجر فاستقوا من بئرها واعتجنوا به فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يهريقوا ما استقوا من بئرها وأن يعلفوا الإبل العجين وأمرهم ان يستقوا من البئر التي كانت تردها الناقة . (رواه البخاري: ۱ /۴۷۸).

ایک روایت میں آٹے کے پھینکنے کا حکم ہے اس آٹے میں کراہتِ تحریمی آئی تھی یا تنزیہی دونوں صورتوں میں

اونٹوں کو کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث آجائے اور خود استعمال نہ کر سکے اسکو کسی کار خیر میں استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، ہاں خمر کو گرانے کا حکم ہے اسکی تملیک کی اجازت نہیں ہے، البتہ تخلیل کر سکتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (عمدة القاری:۱۱/ ۹۹).

روایتِ مذکورہ بالا میں گوندھے ہوئے آٹے کی تملیک نہیں پائی گئی۔

تو جس مال میں واجب التصدق ہونے کے ساتھ خبث بھی نہیں (جیسے چرمِ قربانی کی رقم جبکہ بنیتِ تصدق فروخت کی گئی ہو) اس میں بطریق اولیٰ فقیر کی تملیک ضروری نہیں ہونی چاہئے۔

اشکال (۲): حضراتِ اکابر دیوبندؒ نے چرمِ قربانی کی قیمت کو واجب التملیک کس وجہ سے فرمایا اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب (۲): حضراتِ اکابر کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ جہاں لفظ صدقہ بولا جاتا ہے وہاں صدقہ سے صدقہ واجبہ مراد ہوتا ہے اور صدقہ واجبہ میں مثل زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ تملیک ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مفتی اعظم پاک و ہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً فرماتے ہیں:

لما فی الخلاصة وفی مجمع النوازل قوله علیه الصلاة والسلام :لا تحل الصدقة لغني ولا لفقير بني هاشم محمول على الصدقة الواجبة... أما إذا أطلق لفظ الصدقة فهي صدقة واجبة . (خلاصة الفتاوی:۱/۲٤٥).

وفي رد المحتار: وهو (يعنى مصرف الزكاة) مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر و غير ذلک من الصدقات الواجبة كما فى القهستانى. (فتاوی الشامی:۳/۳۳۹،سعید).

(جواہر الفقہ :۶/۳۳۲)۔

امداد المفتین میں فرماتے ہیں:

لفظ صدقہ اور تصدق جب مطلق بولا جاتا ہے تو عرف فقہاء میں واجب التملیک ہوتا ہے اور مصرف اس کا فقراء ہیں بناء مدارس وغیرہ اس میں داخل نہیں ہوتی۔ (امداد المفتین، جلد دوم، ۳۸۴، کتاب الزکوۃ، رسالہ: اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام)۔

لیکن خود حضرت تھانویؒ نے لقطہ کو کسی بھی کارِ خیر میں خرچ کرنے کو جائز فرمایا۔(اشرف الاحکام،ص۱۹۷)۔کمامر۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاوی میں رقمطراز ہیں:

(سوال میں حضرت سے کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت میں صرف نہ کرنے کی دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو فرمایا):

یہ احکام مختلف ابواب سے لئے ہیں،فی الدرالمختار: **فإن بيع الحم و الجلد أى بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه وفيه كتاب الهبه و الصدقة كالهبة لا تصح غير مقبوضة وفيه هو أى الهبة تمليک العين مجاناً وفيه باب المصرف للزكاة وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم. الخ.** ان روایات سے ثمن جلد کے تصدق کا وجوب اور تصدق میں اشتراط تملیک اور صدقاتِ واجبہ کا مصرف مثل زکوٰۃ کے ہونا ثابت ہوا۔(امدادالفتاویٰ:۳/۵۶۶)۔

نیز دیگر چند مقامات پر بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: (امدادالفتاویٰ:۳/۵۳۵ و ۵۶۱)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی امدادالاحکام میں مسئلہ مذکورہ بالا کو دلائل سے بالتفصیل واضح فرمایا ہے۔اس کا خلاصہ یہی ہے کہ چرمِ قربانی کی قیمت کا حکم صدقہ نافلہ کی طرح نہیں ہے بلکہ صدقاتِ واجبہ مثل زکوٰۃ وصدقۃ الفطر ہے،الا یہ کہ ان دونوں کے علاوہ میں اباحت بھی کافی ہے اور زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہے۔راجع: (امدادالاحکام:۴/۲۵۷۔۲۵۹)۔

مذکورہ بالا تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ تصدق میں تملیک ضروری ہے مثل الزکوۃ وصدقۃ الفطر۔

☆ لیکن اگر احادیث اور فقہاء کی عبارات کو بنظر غائر دیکھا جائے تو ہر جگہ علی الاطلاق لفظ تصدق سے تملیک مستفاد نہیں ہوتی۔بلکہ تصدق غیر واجب التملیک میں بھی مستعمل ہے۔

لفظ''تصدق''غیر واجب التملیک میں مستعمل ہوا ہے اس کے نظائر احادیث میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن علي رضي الله تعالى عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقوم على بدنه وأن أتصدق بلحومها وجلودها ... الخ. (متفق عليه).

قال العلامة ظفر أحمد العثماني : أما الأمر بالتصدق بالأشياء المذكورة فمحمول على الندب. (اعلاء السنن: ۱۷/۲٦۰،ادارة القرآن).

امت میں سلفاً وخلفاً غالباً کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ قربانی کا گوشت اوراس کی کھال واجب التملیک ہے بلکہ واجب التصدق بھی نہیں ہے۔ " لأن الشارع أباح انتفاع المالک باللحوم والجلود".

(۲) أخرج الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أصاب أرضاً بخیبر ... إلی قوله...قال: فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لا تباع ولا توهب ولا تورث وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل الله وابن السبیل والضعیف ... الخ . (رواه البخاري: ۱/ ۳۸۲، ومسلم: ۲/ ۴۱).

حدیثِ بالا میں تصدق کے لفظ میں اگر تملیکِ فقیر ضروری ہوتو پھر یہ فی سبیل اللہ اور رفاہِ عام وغیرہ میں کیسے متحقق ہوگی اور وقف واجب التملیک الی الفقیر نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

(۳) أخرج الدار قطني: (۴/ ۱۸۲)، والطبراني فی الأوسط: (۵ / ۳۵۳) ، عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وسئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شیئاً فلیعرفه سنة ، فإن جاء صاحبها فلیردها إلیه، وإن لم یات صاحبها فلیتصدق بها ... الخ. وهذا اللفظ للدار قطني ، وإسناده ضعیف.

وروی ابن أبي شیبة فی المصنف عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال فی اللقطة یعرفها سنة فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها ...الخ. (رواه ابن ابی شیبة فی المصنف: ۱۰/ ۱۳۹/ ۱۸۶۳۰).

حدیثِ مذکور میں لقطہ کے بارے میں لفظ تصدق موجود ہے اور فقہاء کی عبارات پہلے گزر چکی ہے کہ لقطہ فقیر اموات کے کفن دفن میں استعمال کیا جاسکتا ہے، جبکہ اس میں تملیک متحقق نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں لفظ تصدق واجب التصدق کیلئے ہے، نہ کہ واجب التملیک کے لئے۔

(۴) أخرج أبوداود والنسائي عن سعد بن عبادة قال: یا رسول الله إن أم سعد ماتت فأی الصدقة أفضل قال: الماء فحفر بئراً، وقال: هذه لأم سعد. (ابوداود، رقم: ۱۶۸۳).

حدیثِ بالا میں لفظ صدقہ کا اطلاق رفاہِ عام (کنواں) پر ہوا ہے جس میں تملیک نہیں ہے۔

(۵) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم قال: إذا مات الإنسان

انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة ، إلا من صدقة جارية...الخ. (رواه مسلم:۲/ ۴۱، والترمذی:۱/ ۲۵۶).

''صدقہ جاریہ'' میں مدارس، مساجد، مصالح مسلمین، خیراتی ادارے، رفاہِ عام وغیرہ سب داخل ہیں، جن میں تملیک متحقق نہیں ہوتی۔

(۶) عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يغرس غرساً أو يزرع زرعاً فيأكل منه إنسان أو طير أو بهيمة إلا كانت له صدقة .

(متفق علیه).

روایتِ بالا میں لفظ صدقہ کو تملیک اور غیر تملیک دونوں کے لیے لایا گیا، اس لئے کہ انسان حاصل کریگا تو تملیک متحقق ہوجائیگی، لیکن جانور، پرندے وغیرہ میں تملیک کا متحقق ہونا غیر معقول ہے۔

ہاں قرآن اور احادیث میں جہاں صدقہ واجبہ ہو تو اس سے واجب التملیک مراد ہے، جیسے: صدقۃ الفطر، زکوٰۃ وغیرہ، وہاں سیاق وسباق تملیک کو متعین کرتا ہے ورنہ نفس صدقہ میں واجب التملیک کا پہلو غالباً نہیں ہے۔ (اگرچہ بعض مفسرین نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ مطلق لفظ تصدق صدقاتِ واجبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔

صدقاتِ واجبہ میں واجب التملیک مراد ہے اس کے چند نظائر ملاحظہ فرمائیں:

(الف) مثلاً قرآنِ کریم میں آیتِ کریمہ: ﴿**إنما الصدقات للفقراء**﴾ ۔میں زکوٰۃ مراد ہے جو واجب التملیک ہے اور اس کا قرینہ '' **فريضة من الله** ''ہے۔

(باء) ﴿**خذ من أموالهم صدقة تطهرهم**﴾ ۔میں مفسرین فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مراد ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک جماعت نے زکوٰۃ ادا کرنے سے منع کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال وجہاد فرمایا۔

(ج) حدیث شریف میں ہے: '' **لا تحل الصدقة لبني هاشم**'' میں بنی ہاشم قرینہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ مراد ہے، ورنہ صدقاتِ نافلہ غیر واجب التملیک بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں۔

(د) فقہاء کی اصطلاح میں بھی صدقہ سے صدقۂ نافلہ غیر واجب التملیک مراد ہوتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے: **ولذا صححوا النذر بالوقف لأن من جنسه واجباً وهو بناء مسجد**

للمسلمين. (فتاوى الشامي: ۳/۷۳۵، سعيد).

معلوم ہوا کہ وقف کی نذر صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ یہ واجب التصدق ہے، لیکن اس میں فقیر کی تملیک نہیں ہے کیونکہ وقف ہے اسی طرح کفارہ میں جو فقراء کا اطعام ہے وہ واجب التصدق ہے لیکن اس میں اباحت بھی چلتی ہے تملیک ہی ضروری نہیں ہے۔

" **الموسوعة الفقهية الكويتة** " میں مذکور ہے:

والغالب عند الفقهاء استعمال لفظ الصدقة في صدقة التطوع . (الموسوعة: ۱۰۹/٤٤).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

والغالب عند الفقهاء : استعمال هذه الكلمة في صدقة التطوع خاصة ، يقول الشربيني: صدقة التطوع هي المرادة عند الإطلاق غالباً ، ويفهم من كلام سائر الفقهاء أيضاً، يقول الحطاب: الهبة أن تمحضت لثواب الآخرة فهي الصدقة ومثله ما قاله البعلى الحنبلي فى المُطلع على أبواب المقنع: وفي وجه تسميتها صدقة يقول القليوبي: سميت بذلک لإشعارها بصدق نية باذلها وهذا المعنى الأخير أى صدقة التطوع هو المقصود فى هذا البحث عند الإطلاق، وقد تطلق الصدقة على الوقف ... وقد تطلق الصدقة على كل نوع من المعروف ... (الموسوعة:۲٦/۳۲۳).

مذکورہ بالا تمام شواہد اور نظائر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ تصدق یا صدقہ مطلق ہو تو صدقاتِ واجبہ پر نہیں بولا جاتا بلکہ احادیث اور فقہاء کی اصطلاح میں صدقہ نافلہ اور واجب التصدق پر بھی بولا جاتا ہے الا یہ کہ سیاق وسباق صدقاتِ واجبہ پر دلالت کرے تو پھر واجب التملیک مراد ہوگا۔

اشکال (۳): بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے صدقہ میں تملیکِ فقیر ضروری ہے، چاہے نافلہ ہو یا واجبہ حتی کہ ہبہ بھی بلا تملیک تام نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض لأنها تبرع كالهبة . (البحر الرائق :۲۹۷/۷، کویته).

وفی الدر المختار: والصدقة کالھبة بجامع التبرع وحینئذٍ لا تصح غیر مقبوضة .
(الدرالمختار:۲/ ۳٤۹،سعید).

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تملیکِ فقیر ضروری ہے۔اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: یہ بات تو مسلم ہے کہ تمام صدقات ، ہبہ،عطیہ وغیرہ میں قبضہ ضروری ہے بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتے لیکن یہ بات مسلم نہیں ہے کہ ہر صدقہ وعطیہ کے لئے تملیکِ فقیر ضروری ہے،ہاں متولی اور ناظم حضرات کا قبضہ ضروری ہے اور مسجد مدرسہ کے لئے صدقہ نافلہ کسی فقیر کی ملک نہیں ہوتا بلکہ مسجد کی ملک میں ہوتا ہے۔

اقسامِ صدقات اور ان کے مابین فرق:۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدقات کی اقسام مع احکام کے واضح کردیا جائے تا کہ ہرایک کے مابین فرق بھی واضح ہوجائے ،اگر چہ ان اقسام میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔چنانچہ شریعتِ مطہرہ میں صدقات کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے:

(۱) صدقہ کا اطلاق زکوٰۃ پر ہوتا ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست بندوں پر فرض کی گئی ہے۔

(۲) صدقہ کا اطلاق صدقۃ الفطر پر ہوتا ہے۔اور یہ واجب ہے،اس کا وجوب بھی براہِ راست من جانب الشارع ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

(۳) نذور وکفارات پر بھی صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔یہ بندوں کے اپنے فعل کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا تینوں قسموں کو صدقاتِ واجبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال فی رد المحتار: قوله أی مصرف الزکاة والعشر... وھو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبه . (رد المحتار:۲/۳۳۹، باب المصرف).

(۴) صدقہ کا اطلاق واجب التصدق اموال پر بھی ہوتا ہے۔یعنی جو ملکِ غیر یا خبث کی وجہ سے قابل

استعمال نہ رہے تو شریعت نے اس کو واجب التصدق قرار دیا ہے۔ یا کسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے لازم ہو جائے جیسے لقطہ اٹھانے کی وجہ سے وہ واجب التصدق ہے یا قربانی کی کھال فروخت کرنے سے قیمت واجب التصدق ہے۔ اسی طرح چوری، غصب، ربا، انشورنس وغیرہ دیگر حرام اور ناجائز طریقہ پر کسب کئے ہوئے اموال جن کے مالکین معلوم نہ ہوں، تو یہ تمام واجب التصدق ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ ایسے اموال کے بارے میں فرماتے ہیں:

وقال في النهاية : قال بعض مشائخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة ... ويردونها على أربابها إن عرفوهم ، وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه . (رد المحتار: ٣٨٥/٦ ، فصل في البيع ، سعيد).

(۵) صدقہ کا اطلاق وقف، ہبہ، ہدیہ، عطیہ پر بھی ہوتا ہے تو اس سے مراد صدقاتِ نافلہ ہوتے ہیں، اگرچہ فقہاء نے ان کے مابین کچھ فرق کیا ہے۔

(الف) وقف: اپنی ملکیت سے جدا کر کے اللہ تعالیٰ کی ملک میں دینے کے ساتھ عین کو باقی رکھتے ہوئے انتفاع کی اجازت دینا، مساجد، مدارس، خیراتی ادارے یا فقراء، سب پر وقف ہوسکتا ہے۔

(باء) ہبہ: رشتہ داروں میں مواصلت اور محبت کے لئے ہو تو ہبہ ہے۔

(ج) ہدیہ: تعظیم واکرام مقصود ہو تو ہدیہ ہے۔

(د) عطیہ: اخروی ثواب مقصود ہو تو صدقہ محضہ ہے۔ پھر عطیہ ان تمام کو شامل ہے۔

ملاحظہ ہو" **الموسوعة الفقهية الكويتية**" میں ہے:

وقد تطلق الصدقة على الوقف... وقد تطلق الصدقة على كل نوع من المصروف ... إذا كان لثواب الآخرة فصدقة ، وإذا كان للمواصلة والوِداد فهبة ، وإن قصد به الإكرام فهدية ... والعطية شاملة للجميع . (الموسوعة : ٣٢٣/٢٦).

بدائع الصنائع میں ہے : **وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغنى لأنها تجري مجرى**

الهبة. (بدائع الصنائع: ٤٢/٢، سعید).

﴿احکامِ صدقات میں فرق﴾

ان مذکورہ بالا اقسام میں سے پہلی اور دوسری قسم کا مصرف فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں یعنی ان میں تملیک واجب اور ضروری ہے، بلا تملیک جائز اور درست نہیں ہوں گے۔

نذور اور کفارات یعنی تیسری قسم بھی صدقاتِ واجبہ کے قبیل سے ہے لیکن بعض علماء کے ہاں ان میں تملیکِ فقیر ضروری نہیں ہے، بلکہ اباحت بھی کافی ہے۔ کما فی غنیۃ الناسک وامداد الاحکام۔

ہاں عام فقہاء ان تینوں کو صدقاتِ واجبہ کہتے ہیں۔

چوتھی قسم واجب التصدق ہے۔ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب التملیک ہے یا فقط واجب التصدق ہے۔ جس کی تفصیل نظیر نمبر ۴ کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

پانچویں قسم صدقاتِ نافلہ میں قبضہ ضروری ہے، بلا قبضہ تام نہیں ہوتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک میں ہے:

لافرق بين الزكاة وبقية الهدايا بل بين كل صدقة واجبة كالفطر والنذور والكفارات في المصارف وأموال الصرف إلا أن الزكاة لايجوز صرفه إلى الذمي بالاتفاق... وإلا أن الزكاة و الفطرة يشترط في صرفها التمليك و في ما سواهما يكفي الإباحة أيضاً . (غنية الناسك، ص: ١٩٢، فصل فی احکام الهدایا...).

اسی طرح امداد الاحکام میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۴/۴۵۹)۔

اگرچہ علامہ شامیؒ نے تمام صدقاتِ واجبہ ۱، ۲، ۳ سب کا مصرف ایک ہی بیان کیا ہے یعنی تملیکِ فقیر شرط قرار دی ہے، البتہ ۴ میں تملیک شرط نہیں، جیسا کہ لقطہ کے بارے میں فقہاء کی عبارت مذکور ہوئیں۔

بایں وجہ رقمِ چرمِ قربانی میں بعض افغانی علماء کے نزدیک بھی تملیک شرط نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ واجبہ اور واجب التصدق کا فرق یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جو صدقہ براہ راست آدمی پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لازم ہو یا خود آدمی اپنے اوپر بطورِ نذر لازم کرے وہ صدقہ

واجبہ ہے، جیسے زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر اور جو صدقہ آدمی پر براہِ راست لازم نہ ہو بلکہ کسی فعل کے ارتکاب کے نتیجے میں لازم ہو جائے وہ واجب التصدق ہوتا ہے، جیسے قربانیوں کی کھالوں کی بیع کی وجہ سے ان کی قیمت واجب التصدق ہے یا لقطہ اٹھانے کے نتیجے میں لقطہ یا اس کی قیمت واجب التصدق ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: آپ نے جو صدقاتِ واجبہ اور واجب التصدق کے مابین جو فرق بیان کیا ہے، کیا فقہاء نے بھی ایسا کوئی فرق بیان کیا ہے یا نہیں؟ اگر بیان کیا ہے تو اس کا حوالہ بتلا دیجئے؟

الجواب: علامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لقطہ استعمال فرمایا جب کہ صدقاتِ واجبہ بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لقطہ صدقاتِ واجبہ کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم علیحدہ ہے یعنی فقط واجب التصدق ہے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے استعمال فرمایا۔

مبسوط کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولما روي عن علي رضي الله عنه أنه وجد ديناراً فاشترى به طعاماً بعد التعريف فأكل من ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلي وفاطمة والحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين ... فلهذا تناولوا منه على أن الصدقة الواجبة كانت لاتحل لهم وهذا لم يكن من تلك الجملة فلهذا استجاز على رضى الله تعالىٰ عنه الشراء بها لحاجته. (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱۱/۷،۸).

چرمِ قربانی بھی اصل کے اعتبار سے واجب التصدق نہیں ہے لہذا اس کی قیمت بھی واجب التصدق نہیں ہونی چاہئے تھی، لیکن فقہاء نے واجب التصدق اس وجہ سے قرار دیا کہ تجارت کا باب مفتوح نہ ہو جائے، لہذا یہ واجب التصدق لغیرہ ہے، اس لیے اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز ہونا چاہئے۔

اس کی نظیر قربانی کا گوشت ہے کہ خود کھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں، اس میں تملیک ضروری نہیں ہے، پرانے زمانہ میں منی میں تھوڑا بہت گوشت استعمال کر کے دوسرا چھوڑ دیتے تھے اور سب ضائع ہو جاتا تھا، چرند پرند وغیرہ کھاتے تھے، لہذا اس کو کیوں خواہ مخواہ زکوٰۃ کی طرح بنایا جائے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی فرید صاحبؒ فرماتے ہیں:

حجاج ہمیشہ لاکھوں ہدایا ذبح کرتے ہیں اور گوشت اور چمڑوں میں اباحت کرتے ہیں نہ کہ تملیک وعلیہ التعامل۔(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲٦٠)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل چہارم
قربانی سے متعلق متفرق احکام کا بیان

بیرونی ملک میں قربانی کرانے کا حکم:

سوال: جنوبی افریقہ کے کچھ لوگ اپنے ملک سے باہر قربانیاں کراتے ہیں جو حضرات اس کام کی نگرانی یا تجارت کرتے ہیں وہ دو قسم کا معاملہ کرتے ہیں:

(۱) بعض حضرات لوگوں سے ۵۰۰ رینڈ فی قربانی رقم وصول کرتے ہیں اور جانور وہاں انڈیا میں رکھتے ہیں، ایک جانور کو ۵۰۰ میں ایک آدمی کو فروخت کرتے ہیں اور اپنے وکیل کو اطلاع دیتے ہیں کہ ایک جانور پر فلاں کے لیے علامت لگا دو۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اس صورت میں مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تو ہلاک ہونے کی صورت میں بائع پر تاوان ہونا چاہئے، نیز مشتری یا اس کے وکیل نے دیکھا بھی نہیں تو یہ بیع مجہول بھی ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خریداروں سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے چار سو رینڈ میں قربانی خریدیں گے اور ایک سو رینڈ ہمارا حق محنت ہے اس میں بظاہر یہ خرابی ہے کہ اگر جانور چار سو سے کم میں خریدا تو بقیہ رقم واپس کرنی چاہئے اور ایسا نہیں ہوتا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ پہلی صورت میں اگر قربانی والے مشتری نے ایجنٹ کو مکمل اختیار دیا ہو کہ آپ جس کو چاہے میرا جانور حوالہ کر دے اور بظاہر ایسا ہوتا ہے، تو جو شخص ہندوستان میں جانوروں کی نگرانی

کرتا ہے وہ قربانی والے کی طرف سے مشتری کا وکیل بالقبض بن گیا،اس لیے ہلاکت کی صورت میں تاوان مشتری پر آئیگا بائع پر نہیں آئیگا،اور وکیل کی رؤیت موکل کی رؤیت بن گئی،اور یہ معاملہ جائز ٹھہرا۔

(۲) دوسری صورت میں خریداری کے وکیل کے لیے سو روپیہ حق محنت وصول کرنا جائز ہے،اور اگر چار سو سے کم میں خریدا تو بقیہ رقم کے بارے میں دو صورتیں ہیں:(الف) ایک یہ ہے کہ موکل نے کہا ہو کہ زائد رقم بھی آپ رکھ لیں،تو پھر اپنے لیے رکھ سکتا ہے،(ب) اور اگر یہ نہ کہا ہو تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

حضرت تھانویؒ سے اس قسم کا ایک سوال کیا گیا،سوال وجواب کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

سوال: اگر کوئی طبیب کسی کے لیے دوا بنادیں اور زیادہ دام مریض سے وصول کرے تو زائد دام لینا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: اگر مریض کی اجازت سے اپنے صرف میں لایا تو جائز ہے،ورنہ واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ لوگ معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ کرے۔(امداد الفتاویٰ:۳/۱۱۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا اپنی قربانی خود کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ عید الاضحیٰ میں اپنا جانور خود ذبح کرے؟

الجواب: اگر عورت اچھی طرح ذبح کرنا جانتی ہے تو وہ خود اپنا جانور ذبح کرسکتی ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن نافع سمع ابن كعب بن مالک يخبر ابن عمر رضي الله عنه أن أباه أخبره أن جارية لهم كانت ترعى غنماً بسلع فأبصرت بشاة من غنمها موتاً فكسرت حجراً فذبحتها فقال لأهله لاتأكلوا حتى آتي النبي صلى الله عليه وسلم فأسأله أو حتى أرسل إليه من يسأله فأتى النبي صلى الله عليه وسلم أو بعث إليه فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بأكلها. (رواه البخاري: ٨٢٧/٢).

سنن کبریٰ بیہقی میں ہے:

عن الشعبي عن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رخص في ذبيحة المرأة والصبي أو الغلام إذا ذكروا اسم اللّٰه . هذا إسناد فيه ضعف . (السنن الكبرى للبيهقي: ۹/۲۸۳/۱۹٦٣٢).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

المرأة المسلمة والكتابية فى الذبح كالرجل . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸٦).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بلا کراہت حلال ہے۔(احسن الفتاویٰ: ۷/ ۴۰۸)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

ذبح اور ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ذبح کرنے والا مرد ہو،اس مسئلہ میں مرد وعورت کا حکم یکساں ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۴/ ۱۹۷)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کی گائے کے دودھ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے گائے خریدی وہ دودھ دیتی ہے تو کیا دودھ استعمال کرسکتا ہے یا اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: قربانی کے جانور کا گزر بسر اکثر مالک کے گھر پر ہو تو اس صورت میں دودھ استعمال کرنے کی گنجائش ہے،لیکن اگر قربانی کے جانور کا گزر بسر اکثر باہر ہو تو اس کے دودھ کے استعمال کرنے سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے،بعض حضرات نے غنی کے لیے استعمال کی اجازت دی ہے،اور فقیر کے لیے اس کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے،لیکن جمہور کے نزدیک دونوں کے لیے استعمال مکروہ ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

لہذا اب اگر قربانی کا زمانہ قریب ہو تو دودھ نہ نکالا جائے بلکہ ٹھنڈے پانی سے چھڑکاؤ کیا جائے تاکہ دودھ خشک ہوجائے،اور اگر قربانی کا زمانہ بعید ہے تو دودھ دوھ کر فقراء کو صدقہ کردیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله"يكره الانتفاع بلبنها" فإن كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد وإلا حلبه وتصدق به .

وفى الدرالمختار: ومنهم من أجازهما للغني لوجوبهما فى الذمة فلا تتعين . وفى الشامية: والجواب أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل له الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لايحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها، بدائع. (ردالمحتار مع الدرالمختار:٦/٣٢٩،سعيد).

قال الإمام الطحطاوي : والذي فى الهندية عن الغياثية لأنه عينها للقربة فلايحل له الانتفاع بجزء من أجزاء ها قبل إقامة القربة فيها والصحيح أن الموسر والمعسر فى جز صوفها وحلبها سواء، وهو أولى ولا إيراد عليه. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٦٧،كوئته).

وفى الهندية : فإن كان يعلفها فما اكتسب من لبنها أو انتفع من روثها فهو له ولايتصدق بشيء ،كذا فى محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية :٥/٣٠١،كتاب الاضحية، الباب السادس).

وفي خلاصة الفتاوى:...وما أصاب من لبنها تصدق بمثله أو قيمته ...إلا أن يعلفها بقدرها. (خلاصة الفتاوى:٤/٣٢١،كتاب الاضحية ، الفصل السادس).

وللاستزادة انظر: (الكفاية على هامش فتح القدير:٨/٤٣٧،رشيدية،وبدائع الصنائع: ٥/٧٨، سعيد، والفتاوى البزازيةعلى هامش الفتاوى الهندية:٦/٢٩٤،وفتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٣٥٤،وتكملةالبحرالرائق:٨/١٧٩،وتبيين الحقائق:٦/٩،ملتان).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قربانی کے جانور کا دودھ اپنے استعمال میں لانا مکروہ ہے،اس لیے اگر قربانی کے وقت میں دیر ہو تو دودھ دوہ کر صدقہ کر دیا جائے،شامی۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۷۹،جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

...اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہوا اور باہر چر کر گزر کرتا ہو تو اس کے دودھ کے بارے میں اختلاف ہے، جواز وعدمِ جواز دونوں ظاہر الروایہ ہیں، **والأول أوسع وأيسر والثاني أحوط وأشهر، وفي قول يجوز للغني لا للفقير۔**

قولِ عدمِ جواز کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا تو اس کا صدقہ کرنا واجب، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر خشک کر دینا چاہئے، اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۷۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے قربانی کے لیے نہ خریدی ہو تو دودھ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے استعمال کے لیے گائے خریدی، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی نیت کی کہ ایامِ اضحیہ میں قربانی کر لیں گے، تو اس صورت میں دودھ اور بچے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ چونکہ قربانی کی نیت سے جانور نہیں خریدا بلکہ اپنے استعمال کے لیے خریدا اس لیے دودھ اور ولدِ اضحیہ کو استعمال میں لانا بلا کراہت جائز اور درست ہوگا۔

قربانی کی نیت کے بغیر خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوتا، بنا بریں اس کے دودھ اور بچہ سے انتفاع جائز ہوتا ہے، ہاں قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے یا قربت کے لیے متعین ہوتا ہے، لہذا اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں رہتا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

و أما إذا اشترى شاة بغير نية الأضحية ثم نوى (بالقلب لا بلسانه) بعد الشراء لم يذكر هذا في ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أنه لايصير أضحية لو باعها يجوز بيعها وبه نأخذ. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ٣/ ٣٤٦).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو كان في ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لايجب عليه سواء كان غنياً أوفقيراً لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (بدائع الصنائع:٥/٦٢،سعيد).

نیز مذکور ہے:

أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لايحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها...فإن ولدت الأضحية ولداً يذبح ولدها مع الأم كذا فى الأصل وقال أيضاً وإن باعه يتصدق بثمنه لأن الأم تعينت للأضحية والولد يحدث على وصف الأم فى الصفات الشرعية فيسرى إلى الولد كالرق والحرية . (بدائع الصنائع:٥/٧٨،سعيد).

قال الإمام السرخسيؒ: لأن اللبن يتولد من عينها وقد جعلها للقربة . (المبسوط: ١٢/١٤،١٥).

وفى الهندية : لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع. (الفتاوى الهندية:٥/٣٠٠).

مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ گھر کا پالتو جانور یا استعمال کی نیت سے خرید کردہ جانور کے دودھ اور بچہ سے انتفاع جائز ہے، کیونکہ تاہنوز اس نے قربت کے لیے متعین نہیں کیا، ہاں اگر جانور قربانی ہی کی نیت سے خریدا تو اب وہ قربانی کے لیے متعین ہوگیا، لہٰذا اس کے دودھ اور بچہ سے انتفاع ناجائز ہوگا۔

احسن الفتاویٰ میں تفصیل مرقوم ہے ملاحظہ فرمایئے:

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی کے جانور کا دودھ استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہے:

(۱) جانور گھر کا پالتو ہو۔

(۲) جانور خریدا ہو مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو۔

(۳) قربانی کی نیت سے خریدا ہو مگر اس کی گزر باہر چرنے پر نہ ہو بلکہ گھر میں چارہ کھاتا ہو۔

اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہوا ور باہر چر گز ر کرتا ہو تو اس کے دودھ کے بارے میں اختلاف ہے، جواز وعدمِ جواز دونوں ظاہر الروایہ ہیں، **والأول اوسع وایسر والثانی احوط واشهر، وفی قول یجوز للغنی لا للفقیر۔**

قولِ عدمِ جواز کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا تو اس کا صدقہ کرنا واجب، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر خشک کر دینا چاہئے، اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے۔(احسن الفتاویٰ:۷/۴۷۸)۔

نیز یہ بات ذہن نشین ہو کہ نیت میں تردد کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں ہوتا، ملاحظہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

ومن المنافی: التردد وعدم الجزم فی أصلها، وفی الملتقط : وعن محمد فیمن اشتری خادماً للخدمة، وهو ینوی إن أصاب ربحاً باعه، لا زكاة علیه. (الاشباه والنظائر:۱/۱۷۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

گائے کی قربانی ترک کرنے کا حکم:

سوال: ہندوستان میں گائے کی قربانی پر پابندی ہے اس لیے کہ ہندو مذہب میں گائے کی پوجا کی جاتی ہے، بنا بریں ہر سال ہندوستان کے مسلمانوں کو گائے کی قربانی کے وقت بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیل جانا پڑتا ہے، جب کہ دوسرے جانور بآسانی مہیا ہو سکتے ہیں، تو کیا موجودہ دور میں ملکی حالات کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: گائے کی قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے، لہٰذا اگر جان مال، عزت آبرو وغیرہ کا کوئی خطرہ نہ ہو تو گائے کی قربانی کی جائے، ہاں فساد کا خطرہ ہو تو نہیں کرنا چاہئے۔ حکمت سے کام لینا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير﴾ (سورة الحج).

قال الإمام أبوالبركات النسفي في مدارك التنزيل:

(والبدن) جمع بدنة سميت لعظم بدنها وفى الشريعة : يتناول الإبل والبقر...(...من شعائر اللّٰه) أى من أعلام الشريعة التي شرعها اللّٰه ...(لكم فيها خير) النفع فى الدنيا والأجر فى العقبى. (مدارك التنزيل:۲/۱۰۲،ط:دارالفكر).

ذبح بقرہ قرآن مجید سے ثابت ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وإذ قال موسى لقومه إن اللّٰه يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ (سورة البقرة)،

وقال تعالیٰ : ﴿من الإبل اثنين ومن البقراثنين. (سورة الانعام).

حدیث شریف سے گائے کی قربانی کا ثبوت:

عن جابر رضي الله عنه قال: نحر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن نسائه في حجة بقرة . (رواه مسلم:۱/٤٢٤).

وعن جابرقال : ذبح عن عائشة بقرة يوم النحر. (رواه مسلم:۱/٤٢٤).

امدادالمفتین میں تفصیلی فتویٰ مذکور ہے،اس کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

مذکورہ بالاتحریر سے واضح ہوگیا کہ قربانی گاؤواجب اورشعائرِاسلام ہے، اس کواجتماعی طور پرمتروک کردینا،یااس پرتاحدِاختیارکوئی قانونی پابندی قبول کرنا جائزنہیں۔اورتاحدِاختیار“ کےلفظ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگرکسی جگہ مسلمان مقاومت کی قدرت نہ رکھیں توان کو چاہئے کہ حکومت سے اپنے تحفظ کا پوراانتظام اور اطمینان کیے بغیراس پراقدام نہ کریں اوراپنی جانوں کوخطرے میں نہ ڈالیں۔

” وذلک لأن تعين أحد الأصناف مباح لا رخصة : لأن الرخصة مقابلة العزيمة ، وههنا ليس بعض الأصناف عزيمة وبعضها رخصة كما هو ظاهر من سياق الآيات والروايات وإذا أكره على ترک المباح يصير بتركه آثماً . (امدادالمفتین: جلددوم،ص۷۹۹،۸۰۰،دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (امدادالاحکام:۴/۱۹۱۔۱۹۹،وفتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات:۱۷/۳۴۵۔۳۴۷، جامعہ فاروقیہ،وکفایت المفتی:۸/۱۸۸،دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جانور غبن فاحش میں بکتا ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی جگہ قربانی کا جانور غبن فاحش میں فروخت ہوتا ہو مثلاً ۵۰۰ رینڈ کا جانور ۱۰۰۰ رینڈ میں تو اس صورت میں قربانی کا حکم ہوگا؟

الجواب: صاحبِ استطاعت لوگوں پر قربانی واجب ہے، تو اپنی استطاعت کے بقدر جانور خرید کر قربانی کرنا واجب ہے۔ ہاں صاحبِ نصاب نہ ہو یعنی قربانی خریدنے کی استطاعت نہیں ہے تو قربانی واجب نہیں ہے، اور قیمتوں کو اعتدال پر لانے کی جائز تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الوجوب ... منها الغنى لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من وجد سعة فليضح شرط عليه الصلاة والسلام السعة وهي الغنى. (بدائع الصنائع: ٥/٦٤، ط: سعيد).

حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

قربانی صاحبِ استطاعت لوگوں پر واجب ہے، اور واجباتِ شرعیہ کو اُٹھا دینے یا موقوف و منسوخ کر دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے علمائے کرام کو یہ اختیار حاصل نہیں۔... جہاں تک قیمتوں کے اعتدال پر رکھنے کا سوال ہے، اس کے لیے دوسری تدابیر اِختیار کی جاسکتی ہیں اور ضرور کرنی چاہئیں، اور جن لوگوں کے پاس مہنگے جانور خریدنے کی گنجائش نہیں ان پر قربانی واجب نہیں، وہ نہ کریں، مگر اس کا یہ علاج نہیں کہ اس سال قربانی ہی کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۴۳۳، جدید ایڈیشن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وکیل ایامِ اضحیہ میں قربانی کرنا بھول گیا:

سوال: ایک شخص نے کسی کو قربانی کے لیے وکیل بنایا، مگر وہ وکیل قربانی کے ایام میں قربانی کرنا بھول گیا، بعد میں یاد آیا تو اب کیا کرے گا اور اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایامِ اضحیہ گزرجانے کے بعد قربانی درست نہیں ہے، بلکہ اس کی تلافی یہ ہے کہ اگر جانور خریدا ہے تو جانور اور اگر جانور نہیں خریدا تھا تو درمیانی بکرے کی قیمت کا صدقہ کردیا جائے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولوكان موسراً فی جميع الوقت فلم يضح حتى مضى الوقت ثم صار فقيراً صار قيمة شاة صالحة للأضحية ديناً في ذمته يتصدق بها متى وجدها لأن الوجوب قد تأكد عليه بآخر الوقت فلا يسقط بفقره بعد ذلک. (بدائع الصنائع:٥/٦٥،سعيد).

وفی الدرالمختار: ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية...ولو ذبحها تصدق بلحمها، ولو نقصها تصدق بقيمة النقصان أيضاً...وفی رد المحتار: أقول: ذكر فی البدائع: أن الصحيح أن الشاة المشتراة للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمداً قال: وهذا قول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وقولنا،...وعلى كل فالظاهر أنه لايحل له الأكل منها إذا ذبحها كما لايجوز حبس شيء من قيمتها، تأمل. قوله فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها، بيان لما أجمله المصنف ،لأن قوله تصدق بقيمتها ظاهر فيما إذا اشتراها لأن قيمتها تعلم ، أما إذا لم يشترها فما معنى أنه يتصدق بقيمتها فإنها غير معينة، فبين أن المراد إذا لم يشترها قيمة شاة تجزئ فی الأضحية كما فی الخلاصة وغيرها. قال القهستانی:أوقيمة شاة وسط.

(الدر المختارمع ردالمحتار:٦/٣٢١،سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گزشتہ سالوں کی واجب قربانی کی قضا کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے باوجود مالداری کے سات سال سے قربانی نہیں کی، اب اس کو احساس ہوا اور پچھلے سالوں کی قربانی کرنا چاہتا ہے تو گائے کی قربانی میں سات حصے ہندوستان میں ذبح کرادے تو اس کا ذمہ

فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قربانی کے ایام مخصوص ہیں انہیں دنوں میں قربانی کرنا صحیح اور درست ہے، ان ایام کے گزر جانے کے بعد قربانی کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا: ''**لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص**''. (شامی:۶/۳۲۰) یعنی اراقہ مخصوص ایام (ایام النحر) ہی میں عبادت قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بصورتِ مسئولہ امسال کی قربانی کرلے اور پچھلے سالوں کی قربانی کی قیمت صدقہ کردے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ولو تركت التضحية الخ، شروع في بيان قضاء الأضحية إذا فاتت عن وقتها فإنها مضمونة بالقضاء في الجملة ...في غاية البيان ...وإن لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت أيامها تصدق بقيمة شاة تجزئ للأضحية ... قال القهستاني: قيمة شاة وسط .

(فتاوى الشامي:٦/٣٢١،سعيد).

المحیط البرهانی میں ہے:

ذكر الفضلي في فتاواه : وإذا مضى أيام النحرفقد فاته الذبح، لأن الإراقة إنما عرفت في زمان مخصوص، ولكن يلزمه التصدق بقيمة الأضحية إذا كان ممن يجب عليه الأضحية...والتصدق في باب الأضحية وإن لم يكن ركناً لكن له مدخل فيه ، وأنه قربة معقولة ، فيجعل أصلاً عند تعذر إقامة القربة بالذبح، فوجب التصدق. (المحيط البرهاني:٦/٤٧٧،مكتبه رشيديه).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية:٥/٢٩٤،وفتاویٰ رحيميه:٣/١٨٦،وكفايت المفتی:٨/٢٠٨، دار الاشاعت، وفتاویٰ دارالعلوم ديوبند:١/٦٨٩،دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی کے جانور کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: قربانی کے جانور کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کے جانور کے بال کاٹنا اوراس سے انتفاع حاصل کرنا مکروہ ہے، ہاں خوبصورتی یا کسی اوروجہ سے کاٹے جائیں تو گنجائش ہے، البتہ قربانی جانور کے تمام اجزا کی قربانی کرنا طے کرلیا ہے اس وجہ سے مناسب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

وكره جز صوفها قبل الذبح لينتفع به، فإن جزه تصدق به، ...لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها. (الدرالمختار:٦/٣٢٩،سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو اشترى شاة للأضحية فيكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة فيها كما لايحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها ولأن الحلب والجز يوجب نقصاً فيها وهو ممنوع عن إدخال النقص في الأضحية . (بدائع الصنائع:٥/٧٨،سعيد).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

يكره حلبها أو جز صوفها قبل الذبح ... وإن أخذ صوفاً من أطرافها للعلامة أيام النحر لا يطرحها. (الفتاوى البزازيةعلى هامش الفتاوى الهندية:٦/٢٩٤،السادس في الانتفاع).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۸۰، جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنے کا حکم:

سوال: یوم النحر کو اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور حدیث کا کیا درجہ ہے؟ اور اپنی قربانی سے شروع کرنا مستحب ہے یا دوسرے کی قربانی کا گوشت کھانے سے بھی استحباب ادا ہوجاتا ہے؟ اگر کسی نے عمل نہیں کیا تو کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب: یوم النحر کو اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے، اور حدیث صحیح قابل استدلال ہے، اس وجہ سے فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو بلا کراہت درست ہے۔ اس لیے کہ فقہاء کے ہاں ترکِ مستحب کراہت کی دلیل نہیں ہے بلکہ کراہت کے لیے دلیل خارجی درکار ہے۔ اور یہاں نیابد ہے۔

قد ثبت في رواية عبد الله بن بريدةؓ (الصحيحة): أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم ولايطعم يوم الأضحى حتى يصلى أو ينحر .

وزيد في بعض الطرق عنه: أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يطعم يوم الأضحى حتى يصلي أو ينحر فيأكل من أضحيته .

فهذه الزيادة صحيحة تشعر بأن أول شيء ينبغي أن يؤكل يوم الأضحى بعد الصلاة لحم الأضحية .

وأما الطرق المجردة عن الزيادة فما تلي:

(۱) رواية الترمذي : حدثنا الحسن بن الصباح (صدوق)حدثنا عبدالصمد بن عبد الوارث (صدوق،ثبت) عن ثواب بن عتبة (مقبول) عن عبد الله بن بريدة (ثقة) عن أبيه (رضى الله تعالىٰ عنه) قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم لايخرج يوم الفطرحتى يطعم ولايطعم يوم الأضحى حتى يصلى". قال أبوعيسى: وفى الباب عن علىؓ وأنسؓ، وقال: حديث بريدة حديث غريب. (رواه الترمذی، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطرقبل الخروج:۱/۱۲۰).

أقول: لايقدح كونه غريباً في صحة الاحتجاج به ولا في صحته كما لا يخفى .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن، ثواب بن عتبة وثقه بن معين ... (تعلیقات الشیخ علی سنن الترمذی:۲/۸۸). **وللمزيد انظر:** (تعلیقات احمد شاکر علی سنن الترمذی:۲/۴۲۶).

(۲) أخرجه ابن ماجه عن ثواب أيضاً . (باب فی الاکل یوم الفطرقبل ان یخرج،رقم:۱۷۵۶).

(۳) وأخرجه الحاكم فى المستدرك (۱۰۸۸)، **وقال : هذا حديث صحيح الإسناد**

ولـم يـخـرجـاه، وثـواب هـذا قليل الحديث، ولم يجرح بنوع يسقط به حديثه ، وهذه سنة عزيزة من طريق الرواية مستفيضة فى بلاد المسلمين.

(۴)أخرجه ابن حبان فى "صحيحه"(۲۸۰۱، ذكرما يستحب للمرء ان يطعم يوم الفطر).

قال شعيب : إسناده حسن، (رقم ۲۸۱۲).

(۵) وابن خزيمة فى "صحيحه"(۱٤۲٦)، قال الأعظمى: إسناده حسن.

اماالطرق المذكورة فيها الزيادة : فهي طريقان :

(۱) طريق ثواب بن عتبة المهرى عن عبد اللّٰه بن بريدة عن أبيه .

(۲)عـقبة بـن عبـد الـلّٰه الرفاعى الأصم عن عبد اللّٰه بن بريدة عن أبيه. (كـما قال الإمام الطبراني فى الأوسط: لم يروهذا الحديث عن عبد اللّٰه الا عقبة وثواب،رقم الحديث:۳۰٦۵).

(۱)طريق ثواب بن عتبة:

(الف) أخرجه الدارقطنى فى سننه (۲/٤۵/۷،كتاب العيدين): حدثنا الحسين بن إسماعيل ثنا أحمد بن منصور (ثقة ،حافظ) ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث (صدوق) وأبو عاصم قالا: نـا ثـواب بـن عتبة .(ح) وحـدثنا عثمان بن أحمد بن السماك (ثقة)، ثنا محمد بن سليمان الـواسطى (مختلف فيه)، حدثنا مسلم بن ابراهيم (ثقة ، مامون)، ثنا ثواب بن عتبة ، ثنا عبد الـلّٰـه بـن بـريـدة عن أبيه: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم وكان لا يأكل يوم النحرشيئاً حتى يرجع فيأكل من أضحيته وقال عبد الصمد: حتى يذبح.

(ب) أخرجه البيهقى فى "السنن الكبرى"(۲۸۳/۳،باب يترك الاكل يوم النحر حتى يرجع) وفى السنن الصغير (۵۳۲) عن ثواب بن عتبة أيضاً بسنده.

(۲) طريق عقبة بن عبد اللّٰه :

وأخـرجه احمد فى مسنده (۲۳۰۳٤)، والـدارمى فى سننه (۱٦۰۰) ،ووالـطبرانى فى الأوسط (۳۰٦۵).

وعقبة بن عبد الله ضعيف وربما يدلس. لكن يعتبر فى المتابعات والشواهد.

قال شعيب الأرنؤوط: حديث حسن وهذا إسناد ضعيف من أجل عقبة بن عبدالله الرفاعي. (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمدرقم ٢٣٠٣٤).

الخلاصة : هذه الزيادة صحيحة مقبولة باعتبار إسناد الدارقطني وشواهده.

قال ابن الملقن (م٨٠٤) **فى "البدرالمنير"** (٧٢/٥)**: وقال ابن القطان: هذا الحديث عندى صحيح ؛ لأن ثواباً هذا بصرى ثقة وثقه ابن معين رواه عنه عباس واسحاق بن منصور قال : وزيادة الدارقطنى أيضاً صحيحة .** (كذا فى بيان الوهم والايهام:٥/٣٥٦، لابن القطان [م٦٢٨هـ]۔ ونصب الراية:٢/٢٠٩).

قلت: وثواب أنكره أبوحاتم وأبوزرعة وثقه كما حكاه صاحب التهذيب عنهما، لكن قال ابن معين : صدوق. قال عباس الدورى: إن كنت قد كتبت عنه الضعف فهذا آخر قوليه. وروى هذا الحديث عن ثواب أبوالوليد الطيالسى ، وتابعه أبوعبيدة الحداد، ورواه عقبة عن ابن بريدة. انتهى . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عیدالاضحیٰ کے دن اپنی قربانی سے شروع کرنے کا حکم:

فقہاء اور محدثین فرماتے ہیں کہ اپنی قربانی سے شروع کرنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کی وجہ سے، اور چونکہ عیدالاضحیٰ اللہ تعالیٰ کی ضیافت کا دن ہے تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنی قربانی سے شروع کرے۔ کیونکہ گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے۔ ورنہ پہلے زمانہ میں قربانی کرنے کے بعد پہاڑ پر ذبیحہ رکھدیا جاتا تھا اور آگ اس کو کھاتی تھی یہ قبولیت کی علامت تھی۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنی قربانی سے شروع نہ کرے تو اصح قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہت یہ بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويستحب في يوم الأضحى... و يؤخر الأكل حتى يفرغ من الصلاة لما روى أن

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایطعم فی یوم النحر حتی یرجع فیأکل من أضحیته. (الهداية، ١/١٧٤، باب العيدين).

الجوهرة النيرة میں ہے:

ويستحب في يوم الأضحى أن يغتسل... ويؤخر الأكل حتى يفرغ من الصلاة ليخالف الأيام التي قبله فإن أكل قبل الخروج هل يكره فيه روايتان ، والمختار أنه لايكره لكن يستحب أن لا يأكل اقتداءً برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فإنه كان لا يأكل حتى يرجع .
(الجوهرة النيرة: ١/١١٣، باب صلاة العيدين، ط: مكتبه حقانيه).

وفی الفتاوی الهندية: والأضحی کالفطر فيها إلا أنه يترک الأکل حتی يصلی العيد کذا فی القنية وفی الکبری: الأکل قبل الصلاة يوم الأضحی هل هو مکروه فيه روايتان والمختار أنه لايکره لکن يستحب له أن لايفعل کذا فی التتارخانية ويستحب أن يکون أول تناولهم من لحوم الأضاحی التي هي ضيافة اللّٰه تعالیٰ کذا فی العينی شرح الهداية . (الفتاوی الهندية: ١/١٥٠، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين).

وکذا فی المحيط البرهانی: (٦/٩٠، الفصل الثانی عشر فی الكراهية الاكل من كتاب الاستحسان).

وکذا فی تبيين الحقائق : (١/٢٢٦، ملتان) **وزاد بقوله: وقيل هذا فی حق من يضحی ليأکل من أضحيته أولاً أما فی حق غيره فلا .**

وکذا فی ردالمحتار: (١/١٢٣-١٢٤، سعيد)، **وزاد بقوله: أقول: وهذا هو الظاهر إذ لاشبهة أن النوافل من الطاعات کالصلاة والصوم ونحوهما فعلها أولی من ترکها بلا عارض ولايقال: إن ترکها مکروه تنزيهاً .**

وقال فی موضع آخر: لأن الکراهة حکم شرعي فلا بد له من دليل . واللّٰه تعالیٰ اعلم. (ردالمحتار: ١/٦٥٣، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

...قربانی کے گوشت سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے، چائے بھی نہ پیئے، کیونکہ چائے میں دودھ اور شکر کی

وجہ سے غذائیت ہے، یہ حکم صرف مستحب ہے، اس کے خلاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ:۷/۵۲۰)
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اس روز سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے مستحب یہ ہے کہ اولاً ہر شخص دعوت یعنی قربانی سے کھائے، حقہ، پان، چائے وغیرہ کچھ اس سے پہلے نہ کھائے پیئے، یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا،... (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۸۵، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۷/۴۸۳۔۴۸۴، جامعہ فاروقیہ، وجدید معاملات کے شرعی احکام:۳/۱۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مرید الاضحیہ کے لیے امساک کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ میں قربانی نہیں کرنا چاہتا ہے تو عید کے دن صبح سے اس کے لیے کچھ نہ کھانا مستحب ہے یا نہیں؟ اگر عید کے دن وہ دوسرے کی قربانی سے کچھ کھالے تو کیا استحباب پر عمل ہوجائیگا یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ بالا میں علماء کا اختلاف ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ جن لوگوں کے پاس قربانی کی وسعت نہیں ہے، یا وہ دوسری جگہ قربانی کراتے ہیں ان کے لیے بھی امساک بہتر ہے۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ويندب تأخير أكله عنهما أي يندب الإمساك عما يفطر الصائم من صبحه إلى أن يصلي وإن لم يضح في الأصح... قوله في الأصح، وقيل لا يستحب التأخير في حق من لم يضح ، بحر. (فتاوى الشامي:٢/١٧٦، سعيد).

وفي حاشية اللامع للشيخ زكريا: والتعليل ببداية الأكل من أضحيته يؤيد تقييد الندب بمن له أضحية والتعليل بموافقة المساكين أو اتباع فعله صلى الله عليه وسلم أو إطلاق لفظ الصوم على هذا اليوم في بعض الروايات يؤيد العموم. (حاشية اللامع:٢/٣٩)۔
تبیین الحقائق میں ہے:

(وهي أحكام الأضحى)...(لكن يؤخر الأكل عنها) لما روى أنه عليه الصلاة والسلام كان لا يطعم في يوم الأضحى حتى يرجع فيأكل من أضحيته. وقيل هذا في حق من يضحي ليأكل من أضحيته أولاً أما فى حق غيره فلا . (تبيين الحقائق:١/٢٢٦،امداديه، ملتان).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (البحرالرائق:٢/١٦٣، ومجمع الانهر:١/١٧٤،احياءِ التراث، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار:١/٣٥٥، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٥٣٦، قديمى، وفتاوىٰ محموديه:١٧/٤٨٥،فاروقيه، واحسن الفتاوىٰ:٧/٥٢٠). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی سے متعلق چند متفرق مسائل

سوال: خارش والے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر خارش کا اثر گوشت تک نہ پہونچتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور جلدی بیماری میں بھی یہی تفصیل ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر:۴/ ۱۶۵، وتبیین الحقائق:۶/ ۵، امدادیہ، ملتان، وفتاویٰ قاضیخان:۳/ ۳۵۳، وفتاویٰ بینات: ۴/ ۵۷۲)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: رات کو قربانی ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رات کو قربانی کرنا جائز ہے لیکن رگوں کے صحیح طور پر نہ کٹنے کے امکان کی وجہ سے کراہت ہے، اگر بجلی کی اچھی روشنی ہو تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔ (فتاوی الشامی:۶/ ۳۲۰، سعید، وبدائع الصنائع:۵/ ۶۰، سعید، وعالمگیری:۵/ ۲۹۶)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: کیا دوسرے شخص سے قربانی ذبح کرانا درست ہے؟

الجواب: خود ذبح کرنا بہتر ہے اگر خود نہیں جانتا یا عادت یا ہمت نہیں تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے ہاں وہاں حاضر رہنا بہتر ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار:۶/ ۳۲۸، سعید، وتبیین الحقائق:۶/ ۹، امدادیہ، ملتان، وتکملۃ البحر الرائق: ۸/ ۱۷۹، کوئٹہ، وعالمگیری:۵/ ۳۰۰)۔

اگر یاد ہو تو ذبح سے پہلے حسبِ ذیل دعا پڑھنا بہتر ہے:

"إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أناْ من المشركين".

"إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العٰلمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأناْ من المسلمين". اللّٰهم منك ولك. پھر "بسم اللّٰه، واللّٰه أكبر" پڑھ کر ذبح کرے، اور ذبح کے بعد یہ دعا پڑھے: "اللّٰهم تقبل مني كما تقبلت من حبيبك محمد و

خليلك إبراهيم عليهما الصلاة والسلام''.

دلائل کے لیے درجِ ذیل کتبِ حدیث وفقہ ملاحظہ فرمالیں: (ابوداود شریف، رقم: ۲۷۹۵، وابن ماجہ، رقم: ۳۱۲۱، و مسند احمد، رقم: ۳/ ۳۷۵، وسنن الدارمی، رقم: ۱۹۴۶، وصحیح ابن خزیمہ، ومسلم شریف: ۲/ ۱۵۶، ط: قدیمی، ومستدرک حاکم، وبدائع الصنائع: ۵/ ۷۹، سعید، والجوہرۃ النیرۃ: ۲/ ۲۸۶)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: ایک شخص نے قربانی کا جانور خریدا اس میں ایک حصہ لیا پھر اس کا انتقال ہوا تو جانور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر دس ذوالحجہ سے قبل انتقال ہوا تو اس سے قربانی ساقط ہوئی اب اگر سب وارث چاہیں تو اس جانور کو مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے ذبح کر سکتے ہیں۔ (تحفۃ الفقہاء: ۳/ ۸۲، وفتاوی الشامی: ۶/ ۳۲۶، سعید، و بدائع الصنائع: ۵/ ۷۲، سعید، والمبسوط: ۱۲/ ۱۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: دے سکتے ہیں البتہ مسلمان فقراء کو دینا اولیٰ اور بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/ ۲۵۸، وطحطاوی علی الدر: ۴/ ۱۶۶، وعالمگیری: ۵/ ۳۰۰)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: اگر کوئی شخص قربانی کا گوشت پکا کر فروخت کرتا ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر ایسا کیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵/ ۸۱، سعید، وخلاصۃ الفتاویٰ: ۴/ ۳۲۲، والجوہرۃ النیرۃ: ۲/ ۲۸۶، واعلاء السنن: ۱۷/ ۲۵۸)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: قربانی کی کھال کسی مالدار کو دے سکتے ہیں؟

الجواب: دے سکتے ہیں۔ (ہدایہ: ۴/ ۴۵۰، وفتاوی الشامی: ۶/ ۲۳۷، سعید، وفتاوی بزازیہ: ۶/ ۲۹۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگر پانچ آدمیوں نے بڑے جانور میں قربانی کی نیت کی، اور ایک آدمی نے دو حصے عقیقے کے رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ (فتاوی الشامی: ۶/ ۳۲۶، سعید، وتبیین الحقائق: ۶/ ۷، امدادیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: جس جانور کے خصیتین کاٹ دئے گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بھی خصی کی ایک قسم ہے اس کی قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ: ۴/ ۴۴۸، وبدائع: ۵/ ۸۰، سعید)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: اگر دنبہ یا بکرا بقرعید کے دن پیدا ہوا ہو تو دوسرے سال بقرعید میں اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر ۱۰ ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب کے وقت پیدا ہوا ہو تو دس ذوالحجہ کو اس کی پیدائش کے وقت سے پہلے اس کی قربانی جائز نہیں اور گیارہ ذوالحجہ کو اس کی قربانی کر سکتے ہیں، غرض یہ کہ سال پورا ہونے کا اعتبار ہے دو دانت کا اعتبار نہیں ہاں اگر لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہوں تو احتیاطاً دو دانت کا اعتبار کر لیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر بقرعید میں ۱۰ ذی الحجہ کو صبح ۹ بجے کوئی جانور پیدا ہوا تو ۹ بجے کے بعد اس کی قربانی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۰، سعید، وعالمگیری: ۵/ ۲۹۷، وہدایہ: ۴/ ۴۴۹، وفتاویٰ قاضیخان: ۳/ ۳۴۸، وآپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۴۳۸)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: جانور کے دانت گر گئے ہیں کیا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر سب دانت گر گئے ہوں اور گھاس نہ کھا سکتا ہو تو ناجائز ہے، اور اگر اکثر سلامت ہوں اور چارہ کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ: ۴/ ۴۴۸، وبدائع الصنائع: ۵/ ۷۵، سعید، وتبیین الحقائق: ۶/ ۶، امدادیہ، ملتان، وخلاصۃ الفتاویٰ: ۴/ ۳۲۰، والفتاوی البزازیہ: ۶/ ۲۹۳، واحسن الفتاویٰ: ۷/ ۵۱۴)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: جانور کے کان بالکل کٹے ہوں تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر بالکل جڑ سے کٹے ہوئے ہوں یا ایک تہائی یا اس سے زائد کٹے ہوں تو قربانی ناجائز ہے۔ (ابوداود شریف: ۲/۳۲، وابن ماجہ شریف، ص: ۲۲۷، وہدایہ: ۴/۴۴۷، ومبسوط: ۱۲/۱۵، وعالمگیری: ۵/۲۹۸، وبدائع الصنائع: ۵/۷۵، سعید، والجوہرۃ النیرۃ: ۲/۲۸۴)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: شہر یا قصبہ میں ایک جگہ عید کی نماز ہوئی لیکن صاحبِ قربانی نے اب تک نہیں پڑھی تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک جگہ نماز ہوگئی تو قربانی جائز ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۵/۲۹۶، والفتاوی التاتارخانیۃ: ۱۷/۴۱۹، والمحیط البرہانی: ۶/۴۷۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: ہماری بستی میں بقرعید کے دن ایکسیڈنٹ کا حادثہ ہوا اس میں متعدد لوگ مر گئے اس کی وجہ سے عید کی نماز نہیں ہو سکی، قربانی بغیر عید کی نماز کے جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ بستی میں کسی جگہ نماز نہیں ہوئی۔

الجواب: بقرعید کے دن زوال کے بعد قربانی ہو سکتی ہے، نماز دوسرے دن پڑھ لیں گے، یعنی نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد قربانی ہو سکتی ہے، نیز صورتِ مسئولہ میں دوسرے دن بھی نماز سے قبل قربانی ہو سکتی ہے۔ نیز چھوٹی بستی میں جہاں عید کی نماز واجب نہ ہو ۱۰ ذوالحجہ کو طلوعِ فجر ہوتے ہی قربانی ہو سکتی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵/۷۳، سعید، وتبیین الحقائق: ۶/۴، امدادیہ، وفتاوی قاضیخان: ۳/۳۴۵، وفتاوی الشامی: ۶/۳۱۸، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: اگر بڑے جانور میں دو یا تین آدمی شریک ہوں تو قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے کیونکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں، ساتویں حصہ سے کم ہو تو جائز نہیں، مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اور تین لڑکے اور بیوی رہ گئی اور وراثت میں فقط گائے ہے ان سب نے مشترکہ گائے میں قربانی کی نیت کی تو صحیح نہیں کیونکہ بیوہ کا حصہ اس میں آٹھواں ہے۔ (فتاوی الشامی: ۶/۳۱۶، سعید، وفتاوی قاضیخان علی

ہامش الہندیۃ:۳/ ۳۵۱، وحاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۴/ ۱۶۱، وخلاصۃ الفتاوی:۴/ ۳۱۵، وشرح العنایۃ علی ہامش تکملۃ فتح القدیر: ۹/ ۵۱۰، دارالفکر)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: رسولی والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔(فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۳/ ۳۵۳، وفتاوی الشامی:۶/ ۳۲۳، سعید، وتبیین الحقائق: ۶/ ۵، ط: امدادیہ، وفتاوی رحیمیہ:۵/ ۴۰۹)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: اگر جانور کی زبان نہ ہو یا ایک تہائی سے زائد کٹ گئی ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جائز نہیں کیونکہ وہ زبان سے چارہ لیتی ہے۔اور بکری میں یہ عیب نہیں کیونکہ وہ دانتوں سے چارہ لیتی ہے۔(خلاصۃ الفتاویٰ:۴/ ۳۲۰، وحاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۴/ ۱۶۵، وفتاوی ہندیہ:۵/ ۲۹۸، وفتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/ ۴۲۸، مکتبہ زکریا دیوبند)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: سات آدمیوں نے سات دنبے خریدے اور ہر ایک نے نشان لگائے بغیر ذبح کیے تو قربانی ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: ہاں سب کی قربانی ہوگئی۔(الفتاوی الہندیۃ:۵/ ۳۰۶، وامدادالفتاویٰ:۳/ ۵۶۲)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: قربانی کی نیت سے جانور خرید ابعد میں کسی وجہ سے اس کو بیچ کر دوسرا خریدا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی گنجائش ہے لیکن اگر دوسرا جانور کم قیمت ہو تو زائد قیمت کو صدقہ کر لے۔(فتاوی الشامی:۶/ ۳۲۶، سعید، وبدائع الصنائع:۵/ ۸۷، سعید، وتکملۃ فتح القدیر:۹/ ۵۲۰، دارالفکر، وفتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ:۳/ ۳۴۷، وتبیین الحقائق:۶/ ۱۰، امدادیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: میت نے قربانی کی وصیت کی اور ورثہ نے میت کے ایک تہائی مال میں سے وصیت پوری

کرکے قربانی کرلی تواب گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: پورا گوشت صدقہ کردینا واجب ہے۔(شرح منظومہ ابن وہبان:۲/ ۱۴۸، وفتاویٰ شامی:۶/ ۳۳۵، سعید، واعلاء السنن:۱۷/ ۲۶۹، وخلاصۃ الفتاویٰ:۴/۳۲۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگرایک میت یا کئی اموات کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کی تواس قربانی کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس قربانی کا گوشت واجب التصدق نہیں ہے،خود کھائے یا دوسروں کودے،یعنی اس کا حکم اپنے جانور کی قربانی کی طرح ہے۔(اعلاء السنن:۱۷/ ۲۶۹،وفتاوی الشامی:۶/ ۳۳۵،سعید،وفتاویٰ قاضیخان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ:۳/۳۵۲،وخلاصۃ الفتاویٰ:۴/۳۲۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگرایک شخص نے پوری گائے کی قربانی کی توایک حصہ واجب اور باقی نفل ہے یا پوری گائے واجب میں شمار ہے؟

الجواب: پوری گائے واجب میں شمار ہے۔اورواجب اورفرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہے لہذا اس کو زیادہ ثواب ملے گا۔(الدرالمختار مع ردالمحتار:۶/۳۳۳،سعید،وحاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۴/ ۱۶۸،وفتاویٰ قاضیخان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ:۳/۳۵۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: ایک شخص نے کئی برس سے قربانی نہیں کی حالانکہ مالدار تھا اب اس کی تلافی کیسے کرے؟

الجواب: گزشتہ سالوں کی قربانیوں کی قیمت دیدے،اور سچے دل سے توبہ کرے۔(فتاوی الشامی:۶/ ۳۲۰،سعید،وتبیین الحقائق:۶/ ۵،امدادیہ،وبدائع الصنائع:۵/ ۶۸،سعید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: ایک شخص نے قربانی خریدنے کے بعداس کا دودھ نکالا تواس کے ساتھ کیا کرے؟

الجواب: اس کوصدقہ کردے اگراون اور پشم کاٹا تواس کا بھی یہی حکم ہے۔البتہ اگرگھاس وغیرہ

خود خرید کر کھلاتا ہے تو پھر استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۴/ ۳۲۱، وتبیین الحقائق: ۶/ ۹، وفتاوی الشامی: ۶/ ۳۲۲، سعید، وفتاوی قاضیخان علی ہامش الہندیۃ: ۳/ ۳۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نصابِ قربانی پر حولانِ حول کا حکم:

سوال: کیا قربانی کے نصاب پر حولانِ حول شرط ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کے نصاب پر حولانِ حول شرط نہیں ہے، بلکہ قربانی کے دنوں میں جس وقت بھی کسی مسلمان عاقل بالغ مقیم کے پاس قربانی کا نصاب ملک میں آجائے گا، تو اس پر قربانی واجب ہو جائیگی۔ (فتاوی شامی: ۶/ ۳۱۲، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایامِ قربانی میں زندہ جانور صدقہ کرنے کا حکم:

سوال: ایام قربانی میں اگر کوئی شخص زندہ جانور صدقہ کردے تو قربانی کا وجوب ذمہ سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ایامِ اضحیہ میں قربانی کا وجوب ساقط ہونے کے لئے ذبح حیوان ضروری ہے۔ جانور کے زندہ صدقہ کردینے سے قربانی ادا نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے اور صدقہ اور خیرات علیحدہ ثواب کا کام ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک عبادت ادا کرنے سے دوسری مستقل عبادت ادا نہیں ہوتی۔ اس لئے صدقہ اور خیرات کرنے سے قربانی بھی ادا نہیں ہوگی جیسے صدقہ یا زکوۃ ادا کرنے سے نہ حج ادا ہوتا ہے اور نہ نماز ادا ہوتی ہے۔ (فتاوی الشامی ۶/ ۳۱۳، ط: سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قربانی میں آخری وقت کا اعتبار ہے:

سوال: اگر کسی کی ملکیت میں بارہ ذوالحجہ کی شام کے وقت اتنا مال آ گیا جس پر قربانی واجب ہوتی ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ اس شخص پر قربانی واجب ہوگئی، البتہ اس نے پہلے سے قربانی کر لی ہے تو پہلی ہی کافی ہے۔ (فتاوی الشامی: ۶/ ۳۱۶ سعید، والفتاوی الہندیۃ: ۵/۲۹۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت پر قربانی کا حکم:

سوال: کیا عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی خاتون کے پاس بقدرِ نصاب مال ہے جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو مردوں کی طرح اس خاتون پر بھی قربانی لازم اور ضروری ہے، مال پر حولانِ حول ضروری نہیں۔ (فتاوی الشامی ۶/ ۳۱۵ سعید، و تنویر الابصار: ۶/۳۱۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ہر سال قربانی کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو ہر سال اپنی طرف سے قربانی کرتے رہتے ہیں، اس سال مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ ہے، کیا ان کی یہ بات قابل تسلیم ہے، جبکہ وہ صاحبِ نصاب لوگ ہیں، ان پر زکوٰۃ حج سب لازم ہوتا ہے اور کرتے رہتے ہیں؟

الجواب: جو مسلمان مرد یا عورت اتنے مال کا مالک ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے، جب تک اتنا مال اس کی ملکیت میں رہے گا اس پر ہر سال قربانی واجب ہوگی صرف ایک سال یا چند سال قربانی کر دینا کافی نہیں ہے، یہ اسی طرح ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو ہر رمضان میں روزے رکھتے ہیں اس سال روزے نہیں رکھتے، یہ بات قابل قبول ہوگی؟ (فتاوی الشامی: ۶/۳۱۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مشترک کاروبار والے پر قربانی حکم:

سوال: اگر کئی افراد کسی کاروبار میں مشترک ہوں اور کچھ مال اس کاروبار سے حاصل ہو اور ہر ایک کے پاس انفراداً نصاب کے بقدر مال نہیں لیکن مجموعی رقم بقدرِ نصاب ہے تو کس پر قربانی واجب ہوگی؟

الجواب: اگر ہر فرد کے حصہ میں بقدرِ نصاب مال آتا ہو یا اپنے دوسرے اموال کے ساتھ ملا کر صاحبِ نصاب بنتا ہو تو قربانی اس فرد پر واجب ہوگی لیکن نصاب کے بقدر نہیں ہے تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجموعی رقم کا اعتبار نہیں ہے انفراداً نصاب کے بقدر مال کا اعتبار ہوگا۔ (الفتاوی الہندیۃ: ۲۹۲/۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مقروض پر قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہو لیکن نصاب سے زائد قرضہ ہو تو اس پر قربانی واجب اور لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ ایسے شخص پر قربانی لازم اور واجب نہیں۔ (الفتاوی الہندیۃ ۲۹۲/۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایامِ اضحیہ میں مال ختم ہونے پر قربانی کا حکم:

سوال: ایک شخص کے پاس نصاب سے زائد مال موجود تھا ایامِ اضحیہ شروع ہونے کے بعد وہ مال ضائع ہوگیا یا چوری ہوگیا یا اس نے کسی کو ہبہ کر دیا اب ایامِ قربانی گزرنے سے قبل وہ صاحبِ نصاب نہیں رہا تو اب بھی اس پر قربانی واجب ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (الفتاوی الہندیہ: ۲۹۳، وفتاوی الشامی: ۶/ ۳۱۵، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر کے مال سے عورت کی قربانی کا حکم:

سوال: ایک عورت صاحبِ نصاب ہے. لیکن نقد پیسے اس کے پاس موجود نہیں ہے تو اگر شوہر سے رقم لے کر قربانی کرلے تو قربانی ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کی قربانی ہوجائیگی۔ (فتاوی الشامی:۶/ ۳۱۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مالِ حرام پر قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس مال حرام ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مال حرام سارا کا سارا واجب التصدق ہے، لہذا مال حرام میں قربانی نہیں ہے۔ (فتاوی الشامی:۲/۲۹۱، باب زکوۃ الغنم، سعید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تیرہویں کی رات میں قربانی کا حکم:

سوال: ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کی رات میں قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب کے بعد قربانی درست نہیں ہے، لہذا تیرہویں تاریخ کی رات میں بدرجہ اولی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (فتاوی الشامی:۶/ ۳۱۸، والفتاوی الہندیہ:۵/ ۲۹۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لاغر دنبہ بھیڑ سال سے کم کا درست نہیں:

سوال: لاغر اور کمزور دنبہ، بھیڑ سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بھیڑ دنبہ اگر ایسا فربہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو چھ ماہ کا ہونا کافی ہے، لیکن اگر ایسا فربہ نہ ہو تو

پھر سال بھر سے کم کا جائز نہیں۔ (فتاوی الشامی: ۳۲۲/۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایصالِ ثواب کے لئے مکمل بکرا شرط نہیں:

سوال: ایک شخص ایک بکرا قربانی کر کے اس کا ثواب کئی مرحومین یا کئی زندہ اشخاص کو پہنچانا چاہتا ہے تو یہ درست ہے یا ہر ایک کے لئے علیحدہ بکرا ضروری ہوگا؟

الجواب: واجب قربانی کی ادائیگی کے لئے تو ہر شخص کا پورا بکرا یا گائے وغیرہ کا ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن ایصالِ ثواب کے لئے ایک قربانی کر کے اس کا ثواب کئی اشخاص کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳۹۲/۵، فتاوی الشامی: ۳۲۶/۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اپنے مملوکہ جانور میں اوروں کو شریک کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ہاں اپنی مملوکہ پالتو گائے یا بھینس ہے. وہ اس میں اپنے لئے ساتواں حصہ رکھ کر دوسرے حصوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ اپنے مملوکہ جانور میں ایک حصہ اپنے لئے رکھ کر دوسرے چھ حصے فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ اور یہ شرکت صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان، وفتاوی الشامی: ۶/)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھال جلنے کی وجہ سے بال نہ ہوں تو قربانی کا حکم:

سوال: اگر مویشی کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر بال نہ جمے ہوں اور زخم وغیرہ بھی نہ ہو اور تمام اعضاء صحیح سالم ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ (امداد الفتاوی: ۵۹۷/۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قربانی کا جانور استعمال میں لانے کا حکم:

سوال: قربانی کا جانور بار برداری یا کسی کام کاج میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کے جانور پر بوجھ ڈالنا، بار برداری میں استعمال کرنا، یا سواری کرنا اور اسکو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، بلکہ قربانی کا جانور کسی کام میں استعمال کرنا صحیح اور درست نہیں۔ (درمختار: ۳۲۹/۶، سعید، ولسان الحکام، ص ۳۸۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناک کٹے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: جس جانور کی ناک کٹی ہو تو قربانی اس جانور کی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ناک کٹے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ (عالم گیری: ۲۹۸/۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تھن سوکھے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: کسی جانور کے تھن بیماری کی وجہ سے سوکھ گئے ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر بیماری کی وجہ سے بھیڑ بکری کا ایک تھن خشک ہوگیا یا گائے، بھینس اور اونٹنی کے دو تھن خشک ہوگئے تو قربانی جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۳۲۵/۶، سعید، ولسان الحکام، ص ۳۸۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پاؤں کٹے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی جانور کا پاؤں کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس جانور کا پاؤں کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے (شامی)۔ اور جو جانور ایسا لنگڑا ہو

کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہوں چوتھا زمین پر نہیں رکھ سکتا یا رکھ سکتا ہو مگر اس کے بل چل نہیں سکتا تو اسکی قربانی جائز نہیں اور اگر چوتھا پاؤں ٹیک کر چل سکتا ہو تو جائز ہے۔(فتاوی الشامی:۶/۳۲۳،سعید)۔واللہ ﷻ اعلم۔

لاغر جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: لاغر کمزور اور دبلے پتلے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسے لاغر اور کمزور جانور کی قربانی نا جائز ہے جس کی ہڈیوں میں گودہ نہ رہا ہو، لیکن اگر اتنا کمزور نہ ہو تو اسکی قربانی جائز ہے تاہم موٹا فربہ جانور کی قربانی بہتر ہے۔(درمختار:۶/۳۲۳،سعید،وفتاویٰ قاضی خان:۳/۳۵۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مجنون اور خارشی جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: مجنون اور خارش والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مجنون جانور اگر چل پھر کر چر سکتا ہے تو اسکی قربانی جائز ہے اور جس جانور کو خارش ہو اور موٹا تازہ ہو تو اسکی قربانی بھی جائز ہے۔(درمختار)۔لیکن اگر خارشی اور مجنون جانور اتنے کمزور ہوں کہ ان کی ہڈی میں گودہ نہ رہا ہو تو پھر انکی قربانی نا جائز ہے۔(فتاوی الشامی:۶/۳۲۳،سعید،وفتاویٰ قاضیخان:۳/۳۵۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

نا قابل تولید جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر کوئی جانور زیادہ عمر کی وجہ سے بچہ دینے کے قابل نہ رہو تو اسکی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔(فتاویٰ عالمگیری:۵/۲۹۷)۔واللہ ﷻ اعلم۔

کھانسی والے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: جس جانور کو کھانسی ہو تو اسکی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کھانسی والے جانور کی قربانی جائز اور درست ہے۔(فتاویٰ عالمگیری:۵/ ۲۹۷)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عیب زائل ہونے کے بعد قربانی کا حکم:

سوال: اگر خریدتے وقت جانور عیب دار تھا پھر اسکا عیب زائل ہو گیا تو امیر کے لئے قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عیب زائل ہو جانے کے بعد امیر کے لئے بھی اس جانور کی قربانی درست ہوگی۔(فتاویٰ عالمگیری:۵/ ۲۹۸، وفتاویٰ قاضیخان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ:۳/۳۵۳)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قربانی پر اشکال اور جواب:

قربانی شعائر اسلام میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال مسلسل قربانی فرماتے رہے: **عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي.** (رواه الترمذی،رقم ۱۵۰۷).

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا**“. (رواه ابن ماجة ،رقم: ۳۱۲۳). **وقال الألباني: حسن.**

جس نے باوجود وسعت کے قربانی نہیں کی وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ قربانی واجب ہے تو انہوں نے فرمایا: ”**ضحى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والمسلمون فأعادها عليه فقال: أتعقل؟ ضحى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم**

والمسلمون. (رواہ الترمذی، رقم: ۱۵۰۷، وقال : ھذا حدیث حسن صحیح) **سائل نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے جواباً فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانیاں کیں، پھر اس نے سوال کیا تو فرمایا تم سمجھتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانیاں کیں۔**

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العلمين**﴾ (سورۃ الانعام : ۱٦۲).

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے۔

نسک کے ایک معنیٰ قربانی کے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے قربانی کو شعائر اسلام میں سے قرار دیا ہے: **ولا خلاف فی کونها من شعائر الدین.** (فتح الباری : ۱۰/۲).

مذاہبِ اربعہ قربانی کی اہمیت پر متفق ہیں، منکرین حدیث قربانی کا انکار کرتے ہیں اور غلام احمد پرویز نے تو قربانی کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی کتابوں کی چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

(۱) حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے، اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد ونوش کے لیے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہے۔ (رسالہ قربانی از پرویز، ص۳)۔

(۲) قرآنِ کریم میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے... عرفات کے میدان میں جب یہ تمام نمائندگانِ ملت ایک لائحہ عمل طے کرلیں گے تو اس کے بعد منیٰ کے مقام پر دو تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا جہاں یہ باہمی بحث وتمحیص سے اس پروگرام کی تفصیلات طے کریں گے۔ ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوگی، آج صبح پاکستان والوں کے ہاں، شام کو اہل افغان کے ہاں، اگلی صبح اہل شام کی طرف، وقس علی ذلک، ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کرلیے جائیں گے، امیر بھی غریب بھی، اس مقصد کے لیے جو جانور ذبح کیے جائیں گے قربانی کے جانور کہلائیں گے۔ (قرآنی فیصلے، ص۵۵)۔

(۳) مقامِ حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ (یعنی اپنے شہروں میں) قربانی کے لیے کوئی حکم نہیں... اس

لیے ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے... ذرا حساب لگایئے کہ اِس رسم کو پورا کرنے میں اس غریب قوم کا ہر سال کس قدر روپیہ ضائع ہوتا ہے... اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں سے اگر پچاس ہزار نے بھی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپیہ بھی سمجھ لی جائے تو پندرہ لاکھ روپیہ ایک دن میں صرف ایک شہر سے ضائع ہو گیا، اب اس حساب کو پورے پاکستان پر پھیلا دیجئے اور اِس سے آگے ساری دنیا کے مسلمانوں پر پھر سوچیئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ لیکن اگر ہمیں سوچنا آجائے تو پھر ساری بربادی کیوں؟ (قرآنی فیصلے، ۵۵،۵۶)۔

(۴) مذہبی رسومات کی ان دیمک خوردہ لکڑیوں کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کے سہارے دئے جاتے ہیں کہیں قربانی کو سنتِ ابراہیمی قرار دیا جاتا ہے، کہیں اسے صاحبِ نصاب پر واجب ٹھہرایا جاتا ہے، کہیں اسے تقریبِ الٰہی کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، کہیں دوزخ سے محفوظ گزر جانے کی سواری بنا کر دکھایا جاتا ہے۔

(۵) قربانی تو وہاں کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی، اب جس طرح وہاں جانور ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ ہی وہ مقصودِ خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصد و غایت کو اپنے ساتھ لیے ہوئے، وہاں بھی سب کچھ ضائع کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی وذلک خسران مبین۔ (قرآنی فیصلے، ۶۵)۔

☆ قربانی کے لیے مقامِ حج کے علاوہ اور کہیں حکم نہیں اور حج میں بھی اس کی حیثیت شرکائے کانفرنس کے لیے راشن مہیا کرنے سے زیادہ نہیں تھی۔

منکرین حدیث کے اعتراضات اور جوابات:

منکرین حدیث قربانی پر چند اشکالات کرتے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ قربانی میں بے شمار جانوروں کو ضائع کیا جاتا ہے سعودیہ میں ان کے گوشت کو دبایا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے کروڑوں ڈالر ضائع ہو جاتے ہیں۔

الجواب: یہ اعتراض اگر کچھ مدت پہلے کیا جاتا تو ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح اس اعتراض کے جال

میں پھنس جاتے لیکن آج کل فریج اور فریزر اور برف خانوں کا زمانہ ہے کسی کے ہاں گوشت ضائع نہیں ہوتا بلکہ میں مزاحاً کہتا ہوں کہ آج کل فقراء اور مساکین کی جگہ بھی فریج اور فریزر نے لے لی لوگ مسکینوں کو کم دیتے ہیں اور فریج کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن پہلے زمانہ میں بھی یہ اعتراض بے حقیقت اور بے کار تھا، سابقہ زمانہ میں لوگ گوشت کھاتے تھے اور مسکینوں کو کھلاتے تھے اور گوشت کو چیر کر نمک لگا کر سکھاتے تھے اور مہینوں تک کھاتے تھے اور اگر کسی ملک میں گوشت کو ضائع کرتے ہوں گے یا دباتے ہوں گے تو یہ اس ملک کے نظام کا نقص ہے اس میں شریعت کا کیا قصور ہے، بعض ممالک میں گاڑیوں میں کچھ خرابی آتی ہے تو اس کو پھینکتے ہیں اور جگہ جگہ پرانی گاڑیوں کے قبرستان نظر آتے ہیں تو اس معاملے میں اگر کوئی جاپان اور جرمنی پر اعتراض کرے کہ کیوں تم اتنی گاڑیاں بناتے ہو کہ اس کے قبرستان بنے ہوئے ہیں تو یہ اعتراض لایعنی اور ہباء منثورا ہے، تم کیوں اچھے میکنکوں کو کام پر لگا کر مرمت نہیں کرتے یا غریب ممالک میں نہیں بھیجتے ہو۔

نیز اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا اس کے باوجود بہت سارے لوگ قحط سالی کی وجہ سے مر جاتے ہیں تو اس کے متعدد جوابات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے لیے رزق پیدا کرتے ہیں رزق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور رزق پہنچانا ہمارا کام کبھی ایک جگہ غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے کبھی دوسری جگہ، اگر ہم رزق نہیں پہنچاتے تو ہمارا قصور ہے نظامِ قدرت کا قصور نہیں۔

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ قربانیوں کی وجہ سے بے شمار جانور ضائع ہوتے ہیں جو جانوروں کی کمی کا سبب ہے، مگر یہ اعتراض بھی اللہ تعالیٰ کی عادت اور قانونِ فطرت سے بے خبری کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس چیز کو لوگ زیادہ خرچ کرتے ہیں اور وہ ضرورت کی چیز ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ بہت کثرت سے پیدا کرتے ہیں، جیسے پانی، ہوا، آگ کو لوگ بے حساب خرچ کرتے ہیں اور بے حساب اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں بعض ممالک میں بکثرت اونٹوں کو پالتے تھے اور ذبح کرتے تھے، بعد میں ان ممالک میں یہ سلسلہ کم ہو گیا اور اونٹوں کی افزائش نسل بھی کم ہو گئی بعض جگہ گھوڑوں سے کام لینا لوگوں نے بند کر دیا تو گھوڑے کم ہو گئے، پہلے زمانہ میں لوگ حافظہ سے کام لیتے تھے تو لوگوں کے عمدہ حافظے ہوتے تھے، اب کاپیوں اور کمپیوٹروں کا زمانہ آ گیا تو

پرانے حافظے نہیں رہے الا ماشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه﴾ [سبأ،۳۹] جو تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا خلیفہ اور بدل عطا کریگا، نیز جانور ضائع نہیں ہوتے بلکہ کھائے جاتے ہیں، پھر تو جو جانور روزانہ ذبح کیے جاتے ہیں شاید وہ بھی معترضین کے نزدیک اسراف کے زمرے میں آتے ہوں گے، یہ اعتراض تو ہندو بھی کرتے ہیں کہ تم روزانہ بے حساب جانوروں کو ذبح کر کے ان پر ظلم کرتے ہو، یا کوئی کہے لوگ روزانہ کروڑوں انڈے کیوں کھاتے ہیں یہ بھی ضائع ہوتے ہیں، لیکن جو چیز کھائی گئی وہ ضائع نہیں ہوئی۔

تیسرا اعتراض: یہ کیا جاتا ہے کہ اگر آپ فقیروں کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو نقد رقم دیدو، جس کو فقراء اپنی ضروریات میں استعمال کرسکیں، یہ اعتراض بھی معترض کی لاعلمی کی دلیل ہے اگر حاکم کسی شخص سے عمدہ نسل کا گھوڑا مانگ لے اور یہ افلاطون زمانہ بجائے گھوڑے کے ۵۰ ہزار رینڈ بھیج دے تو شاید سزاوارِ عقوبت سمجھا جائیگا، اللہ تعالیٰ تو ہم سے جانور مانگتے ہیں اور ہم رینڈ اور نقدی دیں یہ عقل کی خامی نہیں تو کیا ہے؟ نیز بہت سارے فقیر بخیل ہوتے ہیں اگر ان کو نقدی مل جائے تو شاید بیوی بچوں کو عید کے دن بھی دال روٹی کھلا کر رقم کو پس انداز کردے گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ضیافت سے محروم ہوجائیگا۔

چوتھا اعتراض: بعض لوگ قربانی سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ایام النحر میں قربانی ضروری نہیں بلکہ قیمت جمع کر کے حکومت کو سپرد کردی جائے تاکہ رفاہِ عام کے کام ہوسکیں۔ اور صاحبِ ہدایہ کی درجِ ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو: **والتضحية فيها أفضل من التصدق بثمن الأضحية لأنها تقع واجبة أوسنة والتصدق تطوع محض فتفضل عليه** . (الهداية :٤/٤٤٦،شركة علمية).

یعنی قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا جانور کی قیمت خیرات کرنے سے افضل ہے۔

دیکھو صاحبِ ہدایہ قربانی کرنے کو قیمت خیرات کرنے سے افضل سمجھتے ہیں، لیکن اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قیمت خیرات کرنے سے قربانی ادا ہوجاتی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (قرآنی فیصلے، ص۱۱۳)۔ اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) صاحبِ ہدایہ کا مقصد اس عبارت سے صرف یہ ہے کہ ایامِ نحر میں قربانی کرنا تصدق مالی سے ذاتاً وصفۃً افضل ہے، صفۃً تو اس لیے کہ قربانی واجب ہے یا سنت اور تصدقِ مالی نہ واجب ہے نہ سنت بلکہ محض نفل ہے اور ظاہر ہے کہ عباداتِ واجبہ یا مسنونہ عباداتِ نفلیہ سے بہر حال افضل اور بہتر ہوتی ہے۔ اور ذاتاً اس لیے افضل ہے کہ قربانی میں فدائے جان اور ادائے مال دونوں ہیں اور تصدقِ مالی میں صرف ادائے مال ہے، اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دو عبادتوں کا مجموعہ ایک عبادت سے افضل ہے۔ (ملخص از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ اول، ص۶۹۲)۔

(۲) اس اشکال کا اصل جواب یہ ہے کہ افضل واجب اور لازم ہونے کے ساتھ منافی نہیں۔ بخاری ص ۶ پر حدیث ہے: "أی الإسلام أفضل قال: من سلم المسلمون من لسانه ویده"۔ مسلمانوں کو تکلیف اور ضرر سے بچانا لازم ہے اور اس کے لیے افضل کا لفظ استعمال ہوا۔ پھر ص ۸ پر حدیث ہے: "أی العمل أفضل فقال: إیمان بالله ورسوله قیل: ثم ماذا قال: الجهاد في سبیل الله قیل: ثم ماذا قال: حج مبرور"۔ دیکھئے ایمان، جہاد، حج مقبول فرائض میں سے ہیں اور افضل بھی ہیں۔ پھر ص ۷۶ پر حدیث ہے: "أی العمل أحب..." اس کے جواب میں وقت پر نماز والدین کے ساتھ حسن سلوک اور جہاد کا ذکر ہے، یہ سب احب اور خیر بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں۔

نیز آیتِ کریمہ میں: ﴿فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع ذلک خیر لکم﴾ [الجمعة:۹]. میں جمعہ کی حاضری خیر بھی ہے لازم بھی ہے، آیتِ کریمہ: ﴿ولو آمن أهل الکتاب لکان خیراً لهم﴾ [آل عمران: ۱۱۰]. میں اہل کتاب کا ایمان خیر اور بہتر ہے، اور فرض بھی ہے، ﴿والصلح خیر﴾ [النساء:۱۲۸] میں آپس کے جھگڑے کے مقابلہ میں صلح خیر بھی ہے اور جھگڑے کے مقابلہ میں ضروری بھی ہے۔ "الصلاة خیر من النوم" میں نماز خیر بھی ہے اور فرض بھی ہے۔ آیتِ کریمہ میں ہے: ﴿ولا تقولوا ثلاثة انتهوا خیراً لکم﴾ [النساء: ۱۷۱]. اس آیت میں تثلیث سے بچنا فرض بھی اور خیر بھی ہے۔ اسی طرح یہاں قربانی واجب بھی ہے اور خیر بھی ہے کیونکہ واجب یا بقول بعض ائمہ سنتِ مؤکدہ، نفلی صدقہ کے مقابلہ میں افضل ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ نے قربانی کو واجب فرمایا۔ ملاحظہ ہو: الأضحیة واجبة علی کل مسلم مقیم

موسر فی یوم الأضحی... (الهداية:٤/٤٤٣، كتاب الاضحية).

ہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اسمِ تفضیل کا تقاضایہ ہے کہ نفس فعل جانب مقابل یعنی مفضل علیہ میں بھی موجود ہو جیسے: "**أفضل الصحابه أبو بكر** رضی اللہ عنہ" میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی فضیلت ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں زیادہ فضیلت ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے قربانی کے دن نفلی صدقہ دیا اور قربانی نہیں کی تو نفلی صدقہ کا ثواب مل گیا اگرچہ واجب کی عقوبت اس کی گردن کا طوق بن گئی اگر کوئی نفلی روزہ کی حالت میں ڈاڑھی مونڈ دے تو روزہ کا ثواب مل گیا اگرچہ حلق لحیہ کا گناہ اس پر آ گیا۔

ہاں کبھی کبھی اسمِ تفضیل نفس فعل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے: ﴿**أصحاب الجنة يومئذٍ خير مستقراً وأحسن مقيلاً**﴾ [الفرقان:٢٤]۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل جنت کا ٹھکانہ بہت اچھا اور اہل جہنم کا کچھ اچھا ہے۔ بلکہ اہل جنت کا ٹھکانہ اچھا ہے اور اہل جہنم کا برا ہے، لیکن ہدایہ کی عبارت میں یہ جواب نہیں چلتا پہلا جواب متعین ہے۔

قربانی کی چند حکمتیں:

اب ہم قربانی کی مختصر حکمتیں بیان کرتے ہیں تا کہ منکرین کے لیے سرمہ بصیرت بن جائیں:۔

(۱) قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار ہے، اس یادگار کو قائم رکھنا ہوشمندی اور اسلام پر قائم رہنے کی علامت ہے اور گویا کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صبر اور دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرنے کی عظیم الشان یادگار ہے۔ایک عاشق محبوب کے نام اور اداؤں کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

(۲) قربانی میں مشرکین اور گوسالہ پرستوں کی تردید ہے کہ یہ جانور ہمارے کھانے کے لیے ہیں ہمارے معبود نہیں۔

(۳) عبادتِ مالی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم:۔نقدی اور دوسری اجناس گندم جو وغیرہ خرچ کرنا۔

دوسری قسم: جانور خرچ کرنا۔عید الفطر میں پہلی کا لحاظ رکھا گیا اور عید الاضحیٰ میں دوسری کا لحاظ رکھا گیا،

تا کہ دونوں طریقوں پر عمل ہو جائے۔اور فقراء دلشاد اور خوش کام رہیں۔ دہن و دل دونوں خوش ہوں۔

(۴) عید کے دن اللہ تعالیٰ نے فقیروں کو امیروں کے برابر کر دیا تا کہ عید کی خوشی اور گوشت کھانے میں سب شریک ہوں۔

(۵) تا کہ بت پرستوں کی اجتماعی مخالفت ہو وہ جانور غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں،اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

(۶) جانور پالنے والوں کو جانوروں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے،عید کے دن ان کی قربانی کریں تا کہ محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے قربان کریں۔

(۷) قربانی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام کی سربلندی کے لیے قربانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار جانور پیدا فرمائیں گے۔

(۸) قربانی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دینے کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جانور کی جان مانگی میں نے دیدی،اگر اللہ تعالیٰ کسی موقعہ پر میری جان مانگ لے تو میں اس کے دینے میں دریغ نہیں کروں گا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ☆ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس لیے بہتر یہ ہے کہ ناخن اور بال عشرۂ ذی الحجہ میں نہ کاٹے بلکہ عید کے دن کاٹ لے کہ اے اللہ آج عید کے دن تو میں نے ناخن اور بالوں کی قربانی کر لی اگر ضرورت پڑ جائے تو میری جان بھی حاضر ہے۔

کارِ عاشق خونِ دل درپائے جانان ریختن ☆ کارِ معشوقاں نمک برزخم پنہاں ریختن

(۹) قربانی جانوروں کی افزئش نسل کا ذریعہ ہے جیسے مسلمان اور اہل کتاب حلال جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کی نسل بڑھتی ہے اور خوب بڑھتی ہے اور کتوں کو ذبح نہیں کرتے تو وہ دوسرے جانوروں کا عشر عشیر بلکہ ایک فیصد بھی نہیں۔

(۱۰) عید کے دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور مہمان کو سید الطعام کھلانا چاہئے اور وہ حلال جانوروں کا گوشت ہے۔

(۱۱) عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت اور لم سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر عمل کر کے آدمی

عبودیت کے اوج کمال تک پہونچے۔

محمود غزوی پر ایاز سے محبت کا اعتراض کیا گیا تو انہوں نے ایک قیمتی ہیرا منگوایا اور سب غلاموں کو بشمول ایاز توڑنے کا حکم دیا دوسرے غلاموں نے توڑنے کو حکمت کے خلاف سمجھ کر حکم سے عدول کیا اور ایاز نے کمالِ عبودیت کا مظاہرہ کر کے پتھر مار کر موتی کو چکنا چور کر دیا اور آقا کی نظر میں محبوبیت کے اوج کمال تک پہونچا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

نقض امر از کسر دُر دشوار تر ☆ لاجرم بستم بکسر او کمر

ایاز نے کہا: آقا کے حکم کو توڑنے سے موتی کا توڑنا بہت آسان تھا، اس لیے میں موتی کے توڑنے پر کمر بستہ ہوگیا۔﴿ولکن يناله التقوى منكم﴾ [الحج:۳۷] میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خون وگوشت نہیں پہونچتا بلکہ اخلاص وللّٰہیت، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے بچنا اور خوف پہونچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تکبیراتِ تشریق سے متعلق چند مسائل

سوال: تکبیراتِ تشریق کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک کل ۲۳ نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بآوازِ بلند پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تشریق یہ ہے: ”**اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر لا إلہ إلا اللّٰہ اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر و للّٰہ الحمد**“۔ مرد عورت، مقیم مسافر، امام مقتدی منفرد سب پر واجب ہے۔ یہ صاحبینؒ کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ البتہ عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: تکبیراتِ تشریق کتنی دفعہ واجب ہے؟

الجواب: ایک مرتبہ واجب ہے، بعض مفتیان کے ہاں تین مرتبہ جائز ہے، اور دو مرتبہ بدعت۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگر امام تکبیرات بھول جائے تو مقتدی کیا کرے؟

الجواب: مقتدیوں کو چاہئے کہ فی الفور کہدیں تاکہ امام کو یاد آجائیں امام کا انتظار نہ کریں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: بقرعید کی نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق کہنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: کہنی چاہئے اس لیے کہ بعض مشائخ کے نزدیک واجب ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگرکسی سے تکبیراتِ تشریق کے ایام میں کوئی نماز قضا ہوگئی تو اس قضا نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اگرایامِ تکبیراتِ تشریق میں نماز کی قضا کررہا ہے تو تکبیر کہنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: ایامِ تشریق کیا ہیں اور کتنے ہیں؟

الجواب: ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو یوم الزینہ، آٹھویں کو یوم الترویہ، نویں کو یوم العرفہ، دسویں کو یوم النحر گیارہویں کو یوم القر، بارہویں کو یوم النفر الاول اور تیرہویں کو یوم النفر الثانی کہتے ہیں، نیز ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو ایام التشریق بھی کہتے ہیں، دسواں یوم النحر ہے یوم التشریق نہیں اور ۱۳ یوم التشریق ہے یوم النحر نہیں اور ۱۱، ۱۲ ایام نحر اور ایام تشریق دونوں میں مشترک ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: اگرکوئی شخص نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق بھول گیا تو کیا کرے؟

الجواب: اگر مسجد میں یاد آیا تو کہدے اور اگر مسجد سے باہر نکل چکا تو نہ کہے اور آئندہ کے لیے خیال رکھے اور استغفار بھی پڑھ لے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکبیراتِ تشریق جہراً پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف میں تکبیراتِ تشریق جہراً پڑھی جائیں گی یا سراً؟ اگر جہراً ہوں تو جہر واجب ہے یا مسنون؟ نیز امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جہراً بدعت ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

الجواب: مذہب احناف میں تکبیراتِ تشریق جہراً پڑھی جائیں گی اور جہر واجب ہے، اورامام

صاحب سے جو بدعت کا قول مروی ہے وہ جہر مفرط پر محمول ہے، نیز امام صاحب کے ہاں جس ذکر میں جہر ثابت نہیں اس میں اخفا کرنا چاہئے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان وجوبه فالصحيح أنه واجب . (بدائع الصنائع:١/١٩٥،سعيد).

حاشية الطحطاوی میں ہے:

و يجب تكبير التشريق و كذا يجب الجهر به ... واذكروا الله في أيام معدودات ... فيفيد الوجوب لا الافتراض وقد واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم وكذا الخلفاء الراشدون والصحابة أجمعون . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص٥٣٨،٥٣٩،قديمی).

اعلاء السنن میں ہے:

فإن رفع الصوت بالتكبير تعبداً بدعة فى الأصل ، وبقولنا : تعبداً ، خرج ما إذا جهر به للنشاط أو لدفع الوساوس والخواطر أو للتعليم بدون اعتقاده الثواب فى الجهر فهو مباح عندنا... ولم يشوس على المصلين ولم يكن الجهر مفرطاً ... ودليل كون الجهر بالتكبير تعبداً بدعة أنهم ذكروا السنة فى الأذكار المخافتة لقوله تعالىٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية ، إنه لا يحب المعتدين﴾...فلا يترك هذا الدليل إلا عند قيام الدليل المخصص وجاء الدليل المخصص للتكبير . (اعلاء السنن:٨/١٥٠).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

تکبیر تشریق ایک بار جہراً اور بلند آواز سے کہنی چاہئے ۔(مالابدمنہ) لیکن چیخنا چلانا بتکلف آواز نکالنا مکروہ اور ممنوع ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۴۸۱/۳)۔

ذکر اجتماعی اور جہری میں ہے:

علامہ آلوسیؒ مفتی بغداد فرماتے ہیں: ذکر بالجہر جب کہ کوئی وجہ شرعی ممانعت کی نہ ہو مندوب ہے بلکہ ذکر سری سے افضل ہے...اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی روایت ہے بلکہ مسند ابی حنیفہؒ کے ظاہر الفاظ مطلق ذکر بالجہر پر

دلالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی:۱۶۲/۱۶)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

عیدالفطر کی تکبیر امام صاحبؒ کے نزدیک سراً پڑھیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک جہراً، اور ایک روایت امام صاحبؒ سے بھی جہراً پڑھنے کی ہے اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے بہرحال کراہت تو جانبین سے منتفی ہے۔
(ذکر اجتماعی و جہری، ص۱۵۳، بحوالہ شامی:۱۷۰/۲، سعید)۔

قال الإمام: المراد أن يقع الذكر متوسطاً بين الجهر والمخافتة والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط و بمادونه نوع آخر من الجهر . (روح المعانی:۱۵۴/۹). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”کل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه
ويسمى، ويحلق رأسه“۔

(رواہ اصحاب السنن الاربعة)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن الجارية شاة“۔

(رواہ الامام احمد والترمذی)

فصل اول

عقیقہ کے احکام کا بیان

حدیث” الغلام مرتهن ...الخ“ کا مطلب:

سوال: ” الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمى“. (سنن ابن ماجه، ص۲۲۸) اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حدیثِ مذکورہ بالا کے چار مطلب ہوسکتے ہیں:

(۱) بچہ عقیقہ نہ ہونے کی وجہ سے شفاعت سے محبوس اور ممنوع ہوگا، بغیر عقیقہ کے شفاعت نہیں کرے گا۔

(۲) بچہ عقیقہ کے بغیر قبولیت سے محبوس اور روکا ہوا ہے۔

لیکن ان دونوں معنوں میں یہ اشکال ہے کہ ان دونوں معانی کی روشنی میں عقیقہ واجب یا سنتِ مؤکدہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ عقیقہ نہ واجب ہے اور نہ سنتِ مؤکدہ۔ الا یہ کہ عقیقہ کے وجوب کو منسوخ کہا جائے۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ بچہ مرہون کی طرح ہے، رہن دین کے بدلہ میں جب رہن راہن کو مل جائے تو اس کو چاہئے کہ دین یا قرضہ ادا کردے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمت یا رحمت عطا فرمائی تو اس کے عوض عقیقہ اللہ تعالیٰ کے لیے کردو۔ اس معنی میں بھی لزومِ عقیقہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) رہن حبس کے معنی میں ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بچہ گندے خون آلودہ بالوں میں گرفتار ہے ساتویں

دن عقیقہ کر کے اس کے بالوں کا حلق کر کے اس کو گرفتاری سے نجات دیدو۔اس معنی کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے: " **فأميطوا عنه الأذى** "۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے:

وقيل: معناه أنه مرهون بأذى شعره واستند بقوله:" فأميطوا عنه الأذى وهو ما علق به من دم الرحم . (حاشية سنن ابن ماجه ،ص۲۲۸،رقم الحاشية،٦).

عقیقہ کے معنی بھی ان بالوں کے ہیں جو ولادت کے وقت بچہ کے سر پر ہوں اور ان کو کاٹا اور صاف کیا جائے، **وهو الشعر الذى يكون على المولود حين يولد من العق والشق والقطع** . (سنن ابن ماجه ،ص:۲۲۸، رقم الحاشية،٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

" الدلائل القوية لإثبات العقيقة عند الحنفية "

مذہبِ احناف میں عقیقہ کا حکم

سوال: مذہبِ احناف میں عقیقہ کرنے کا کیا حکم ہے؟اور فتاوی ہندیہ کی درجِ ذیل عبارات سے مباح غیر مسنون، یا مکروہ ہونا مترشح ہے اس کا کیا جواب ہے؟

عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو:

العقيقة عن الغلام وعن الجارية وهى ذبح شاة فى سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة ،كذا فى الوجيز للكردى . وذكر محمد فى العقيقة فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل وهذا يشير إلى الإباحة فيمنع كونها سنة وذكر فى الجامع الصغير ولا يعق عن الغلام ولا عن الجارية وأنه إشارة إلى الكراهة كذا فى البدائع فى كتاب الأضحية . (الفتاوى الهندية:٥/٣٦٢).

الجواب: فقہائے احنافؒ نے جمہور کے قول کے موافق عقیقہ کو مستحب قرار دیا ہے، دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

عقیقہ کے استحباب میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

روى البخاري في" صحيحه " (باب اماطة الاذى عن الصبى فى العقيقة، رقم:٥٤٧١) تعليقاً عن سلمان بن عامر الضبي رضي الله عنه، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: مع الغلام عقيقة ، فأهريقوا عنه دماً ، وأميطوا عنه الأذى.

وقد وصله الطحاوي فى شرح مشكل الآثار (٧٣/٣)، ورواه أبوداود فى الأضاحي ، باب فى العقيقة (٢٨٤١)، والترمذي فى الأضاحي،باب ماجاء فى العقيقة (١٥١٥)، والنسائي فى العقيقة(٤٢٢٥)، وابن ماجه فى الذبائح فى باب العقيقة(٣١٦٤).

وعن سمرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويسمى ، ويحلق رأسه ". (رواه اصحاب السنن الاربعة ،وقال الترمذى : هذا حديث حسن صحيح، ١/٢٧٨، ط: فيصل).

وعن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن الجارية شاة ". (رواه الامام احمد رقم:٢٤٠٢٨، والترمذى ، وقال : حديث صحيح ،١/٢٧٨، ط: فيصل).

وفي رواية لأحمد : أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نعق عن الجارية شاة ، وعن الغلام شاتين . (رواه الامام احمدفى مسنده، رقم:٢٥٢٥٠،والترمذى ،رقم :١٥١٣،وقال : هذا حديث حسن صحيح،١/٢٧٨، ط: فيصل).

وعن أم كرز الكعبية ، أنها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العقيقة ، فقال: "عن الغلام شاتان ، وعن الجارية واحدة ، ولايضركم ذكراناً كن أوإناثاً ". (رواه الترمذى،وقال: هذا حديث صحيح، ١/٢٧٨، ط: فيصل، واحمد فى مسنده ٢٧١٣٩).

وعن ابن عباس رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عق عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً . (رواه ابو داود،رقم : ٢٨٤٣، والنسائى ، رقم: ٤٢٣٠،ولفظ النسائى : بكبشين كبشين).

احادیث کے درمیان جمع وتطبیق:

علامہ ابن رشد مالکی قرطبیؒ "بدایۃ المجتہد" میں فرماتے ہیں:

ظاهر حديث سمرة وهو قول النبي صلى الله عليه وسلم" كل غلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويماط عنه الأذى" يقتضي الوجوب ، وظاهر قوله عليه الصلاة والسلام وقد سئل عن العقيقة فقال:" لا أحب العقوق ومن ولد له ولد فأحب أن ينسک عن ولده فليفعل". يقتضي الندب أو الإباحة ، فمن فهم منه الندب قال: العقيقة سنة ومن فهم الإباحة قال: ليست بسنة ولا فرض وخرج الحديثين أبوداود ومن أخذ بحديث سمرة أوجبها.

(بداية المجتهد: ١/ ٣٣٩).

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ "اعلاء السنن" میں احادیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأما الأحاديث التي أشار إليها فلا يخفى أن منها ما هو منسوخ إجماعاً ، وهو الذي احتج به الظاهرية على وجوبها، كحديث الحسن عن سمرة مرفوعاً : كل غلام مرتهن بعقيقته ...الخ، رواه الخمسة ، وصححه الترمذی ،وعن سلمان بن عامر الضبی مرفوعاً: مع الغلام عقيقة ، فأهريقوا عنه دماً وأميطوا عنه الأذى . رواه الجماعة إلا مسلماً . وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت:أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نعق عن الجارية شاة وعن الغلام شاتين. والأمر للوجوب ...وقال الجمهور باستحبابها لحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده : سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن العقيقة فقال:" لا أحب العقوق من أحب منكم أن ينسک عن ولده فليفعل عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة". رواه أحمد وأبوداود وسكت عنه هو والمنذری والنسائی ، وروی محمد فی "الموطا" عن مالک عن زيد بن أسلم عن رجل من بنی ضمرة عن أبيه مرفوعاً نحوه.

وهذا يدل على نسخ الوجوب إلى الإباحة كما هو ظاهر قوله : من أحب منكم أن ينسک عن ولده ، ومنها ما يدل على النهی عنها كحديث أبي رافع أن حسن بن علی رضی الله عنه

لما ولد أرادت أمه فاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن تعق عنه بکبشین ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:" لا تعقي عنه ولکن احلقي رأسه " الحدیث. وقد تقدم ولکنه یحتمل اختصاص النهی بفاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها لقول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: أکره العقوق فکره لأهل بیته ماکان یکرهه وإن لم ینه عنه غیر أهل بیته لما في حدیث أم کرز أنها سألت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یوم الحدیبیة عن العقیقة فقال: عن الغلام شاتان وعن الجاریة شاة . (اعلاء السنن :۱۱۲/۱۷،طریق الجمع بین احادیث الباب).

قولِ احناف جمہور کے قول کے موافق ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

هذا وإنما أخذ أصحابنا الحنفیة في ذلک بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقیقة لما قال ابن المنذر وغیره : إن الدلیل علیه الأخبار الثابتة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعن الصحابة والتابعین بعده ، قالوا: وهو أمر معمول به فی الحجاز قدیماً وحدیثاً .

(اعلاء السنن :۱۱٤/۱۷،وجه اخذالحنفیة بقول الجمهورفی هذا الباب).

عمدۃ القاری میں ہے:

وقال أبوحنیفةؒ : لیست بسنة وقال محمدبن الحسن: هي تطوع کان الناس یفعلونها ثم نسخت بالأضحی، ونقل صاحب التوضیح عن أبي حنیفةؒ والکوفیین: أنها بدعة وکذلک قال بعضهم في شرحه والذی نقل عنه أنها بدعة أبوحنیفةؒ . قلت: هذا افتراء فلا یجوز نسبته إلی أبي حنیفةؒ وحاشاه أن یقول مثل هذا، وإنما قال: لیست بسنة فمراده إما لیست بسنة ثابتة وإما لیست بسنة مؤکدة ، وروی عبد الرزاق عن داود بن قیس، قال: سمعت عمروبن شعیب عن أبیه عن جده سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن العقیقة ، فقال: لا أحب العقوق...الخ، فهذا یدل علی الاستحباب. (عمدة القاری:٤٦٣/١٤،امدادیه ،ملتان).

التعلیق الممجد میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

أنه ماذا أريد من كون العقيقة فی الجاهلية و كونها متروكة مرفوضة فی الإسلام ؟ إن أريد أنها كانت واجبة ولازمة فی الجاهلية وكان أهل الجاهلية يوجبونها على أنفسهم فلما جاء الإسلام رفض وجوبه ولزومه فهذا لايدل على نفی الاستحباب أوالمشروعية أو السنية بل على نفی الضرورة فحسب ، وهو غيرمستلزم لعدم المشروعية أوالكراهة ، وإن أريد أنها كانت فی الجاهلية مستحبة أو مشروعة ، فلما جاء الإسلام رفض استحبابها وشرعيتها، فهوغيرمسلم. فهذه كتب الحديث المعتبرة مملوء ة من أحاديث شرعية العقيقة واستحبابها، كما ذكرنا نبذاً منها. (التعليق الممجد:۲/۶۶۵).

نیز کتبِ فقہ میں بھی مختلف اقوال مذکور ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار:۴/۱۶۸، کوئٹه،وبدائع الصنائع:۵/۶۹،۷۲،سعید،وردالمحتار:۶/۳۳۶،سعید).

امام صاحب کی طرف کراہت منسوب ہے اس کی توجیہات:

(۱) عمدة القاری کی عبارت پہلے گزرچکی ہے، اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے سنتِ مؤکدہ ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ بدعت یا کراہت والاقول امام ہمام پرافترا ہے۔

(۲) اعلاء السنن میں ہے: وإنما كره أبوحنيفةؒ العقيقة إذا كان القصد مجرد إراقة الدم عن الولد ، كما فی الأضحية. ولو كان للحم وضيافة العشيرة وإطعام الفقراء لم يكره لكونه كالذبح للوليمة وهو مشروع لكل حادث سرور، فافهم. (اعلاء السنن:۱۷/۱۰۹،باب العقيقة).

(۳) فیض الباری میں ہے: وفی " البدائع" أنها منسوخة؛ قلت: وإنما حملته عليه عبارة محمدؒ فی "موطاه "ص۲۲۳، قال محمد: العقيقة بلغنا أنها كانت فی الجاهلية ، وقد جعلت في أول الإسلام، ثم نسخ الأضحى كل ذبح كان قبله ، الخ . فلم أزل أتردد فی مراد الإمام ، حتى رأيت فی كتاب " الناسخ والمنسوخ " عن الطحاوي أن محمداً قال في بعض أماليه: إن العقيقة غير مرضية ، ثم تبين لي مراده أنه كان يكره اسم العقيقة لأنه يوهم العقوق

ولكونه من أسماء الجاهلية ، ولأنهم كانوا يفعلون عند العقيقة بعض المحظورات ، كتلطخ الأشعار بدم الحيوان ، مع ورود الحديث فى النهى عن ذلک الاسم أيضاً ، فكان مراده هذا ثم لا أدري ماذا وقع الخبط فى النقل حتى نسب إليه نسخ العقيقة رأساً ، وليت شعري ما وجه عدم تغيير هذا الاسم بعد، مع نهى الحديث عنه، فينبغي أن لا يجعل لفظه المبهم حاوياً على العقيقة أيضاً، بل مراده نسخ دماء الجاهلية ،كالرجبية والعتيرة. (فيض الباری: ٤/٣٣٧، كتاب العقيقة).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ فقط عقیقہ کے نام کو ناپسند سمجھتے تھے، (یعنی عقیقہ کو عقوق سے ماخوذ مان کر پسند نہیں کرتے تھے، لیکن یہ عقوق سے نہیں، عق سے ہے اور عق کاٹنے اور پھاڑنے کے معنی میں ہے جس میں جانور کے کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں) عقوق کے وہم کی وجہ سے، کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے ناموں میں سے تھا اور زمانہ جاہلیت میں عقیقہ کے ساتھ بعض ممنوع افعال بھی انجام دئے جاتے تھے جن کو اسلام نے منع کیا تھا، پھر نقل ہوتے ہوتے امام صاحب کی طرف اصل عقیقہ کے منسوخ ہونے کو نقل کر دیا گیا، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی ۔(امام صاحب کے ہاں بھی عقیقہ مستحب ہے)۔

(۵) صاحبِ بدائع الصنائع فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اراقۃ الدم سے تقرب الی اللہ اور شکر علی نعمۃ الولد مقصود ہے، لہذا یہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو أرادوا القربة عن الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت واجبة أو تطوعاً، لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله تعالىٰ ، وكذلک إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، لأن ذلک جهة التقرب إلى الله عز شأنه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد؛ كذا ذكر محمدؒ في نوادر الضحايا" ولم يذكر الوليمة ، وينبغي أن يجوز، لأنها إنما تقام شكراً لله تعالىٰ على نعمة النكاح ، وقد وردت السنة بذلک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال:" أولم ولو بشاة" فإذا قصد بها الشكر وإقامة السنة فقد أراد بها

التقرب إلى الله عزوجل . (بدائع الصنائع:۷۳/۵،سعید).

(۶) علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهو صريح فی كون العقيقة قربة كالوليمة، فمن عزى إلى أبي حنيفةؒ أنه قال: هي بدعة لايلتفت إليه، نعم أنكر أبوحنيفةؒ كونها إراقة دم بالشرع تعبداً كالأضحية، ولم ينكر كونها قربة بقصد الشكر على نعمة الولد فإنها تكون إذاً كالوليمة تقام شكراً لله على نعمة النكاح، فافهم ، ظ. (اعلاء السنن :۱۱۵/۱۷،باب العقيقة).

یعنی عقیقہ قربانی کی طرح خلافِ قیاس عبادت نہیں بلکہ نعمت کے شکریہ کے طور پر موافق قیاس اور مدرک بالعقل عبادت ہے۔

(۷) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

...بأن المراد" لايعق " على سبيل السنية بدليل كلامه الأول وقد ذكر فی غرر الأفكار: أن العقيقة مباحة على ما فی جامع المحبوبی أوتطوع على ما في شرح الطحاوي ، و ما مر يؤيد أنها تطوع ، على أنه وإن قلنا إنها مباحة لكن بقصد الشكر تصير قربة فإن النية تصير العادات عبادات والمباحات طاعات. (فتاوی الشامی:۳۲۶/۶،سعید،وکذا فی دررالحکام فی شرح غررالاحکام:).

(۸) علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے عقیقہ کا منسوخ ہونا صحیح طریق سے جس پر اعتماد کیا جائے ثابت نہیں ہے۔اگر ثابت تسلیم کرلیا جائے تو اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب کی نفی ہے، مشروعیت واستحباب کی نفی نہیں ہے،جیسا کہ جب کسی چیز سے فرضیت یا وجوب کی نفی ہوتی ہے یعنی وہ فرض یا واجب منسوخ ہوتا ہے تو اس سے استحباب اور سنت کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔اور جنہوں نے استحباب اور فضیلت کو بھی منسوخ کر کے کراہت کا قول امام صاحب کی طرف منسوب کردیا ہے،علماء نے ان کی تردید فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو"التعليق الممجد"، میں مفصل کلام فرمایا ہے،مختصراً سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے:

السادس: أن البلاغ الثاني لايثبت من طريق محتج به حتى يحتج به . السابع: بعد تسليم ثبوته ظاهره يدل على منسوخية وجوب العقيقة ونحوها فإن معناه نسخ الأضاحي لزوم كل ذبح كان قبله كالعقيقة...ويدل عليه ضمه بنسخ صوم شهررمضان كل صوم كان قبله فإنه كان صوم يوم عاشوراء وأيام البيض فرضاً، فلما نزل صوم رمضان نسخ وجوب ذلک على ما بسطه الحازمي فی "كتاب الناسخ والمنسوخ" فكما أن نسخ صوم رمضان لما قبله لم يدل إلا على عدم لزومه ، لا على انتفاء استحبابه وشرعيته ، وقال: صاحب "البدائع": ذکر محمدؒ فی "الجامع الصغير": ولايعق لا عن الغلام ولا عن الجارية ، وأنه إشارة إلى الكراهة لأن العقيقة كانت فضيلة و نسخ الفضل ، فلا يبقى إلا الكراهة بخلاف الصوم والصدقة فإنهما كانتا من الفرائض ، فاذا نسخت الفرضية يجوز التنفل بهما، انتهى. ورده القارى بقوله: فيه بحث لأن الفضيلة إذا انتفت تبقى الإباحة لأن النسخ ما توجه إلا إلى زيادة. وهذا على تقدير أنه كان فضيلة، وإلا فالظاهر من ذكرها مع الصوم والصدقة أنها على منوالهما في كونهما واجبة .انتهى. فليتأمل في هذا المقام فإنه من مزال الأقدام ، وأنظم ما ذكرنا فی هذا البحث فی سلک نظائره التی لم يقف عليها الأعلام . (التعليق الممجد: ٦٦٦/٢، وكذا فی اوجزالمسالك: ١٧١/١٠).

(۹) مولانا خالدسیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ آپؒ اسے محض مباح قرار دیتے تھے،لیکن امام طحاویؒ سے اس کا مستحب ہونا منقول ہے،اوریہی صحیح ہے،اس لیے کہ کثرت سے روایات عقیقہ کے سلسلہ میں موجود ہیں،خیال ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے وجوب کی نفی کی ہوگی اورناقلین نے بات اباحت (بلکہ بعض فقہاء نے کراہت) تک پہنچادی ہوگی ۔(قاموس الفقہ :۴۱۰/۴)۔

(۱۰) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ عقیقہ بالغ ہونے کے بعدکیا جائےتو مباح ہوگا۔

ملاحظہ ہوکتاب الفتاویٰ میں ہے:

بالغ ہونے کے بعد عقیقہ کے سلسلہ میں کوئی روایت تو نہیں ملتی لیکن چونکہ عقیقہ کی حیثیت دم شکر کی ہے اس لیے عقیقہ کر لینا مباح ہوگا سنت تو اس سے ادا نہ ہوگی لیکن باعثِ ثواب ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۱۷۴)۔

(۱۱) لامع الدراری میں ہے:

واختلفت الروايات عن الحنفية والمعروف في فروعهم أنها مندوبة وهو الصواب ، والثانية :أنها مباحة ، والثالثة أنها بدعة ، وأنكرها العيني وبسط الكلام على رد هذا القول وأثبت الاستحباب. (لامع الدراری:۳/۳۰۶).

(۱۲) مالا بد منہ کے آخر میں عقیقہ کے احکام میں مختصر رسالہ موجود ہے، اس میں مرقوم ہے:

حامداً ومصلیاً بدانکہ عقیقہ نزدِ امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام احمدؒ سنتِ مؤکدہ است وبہ روایتے از امام احمدؒ واجب ونزدِ امام اعظمؒ مستحب وقول بہ بدعت بودنش افتراء است بر امام ہمامؒ کذا فی العاجلۃ الدقیقۃ۔ (مالا بد منہ، ص۲۱۷، رسالہ احکامِ عقیقہ)۔

ترجمہ: جان لو کہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عقیقہ سنتِ مؤکدہ ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت کی رو سے عقیقہ واجب ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے اور جو امام صاحب کی طرف بدعت کا قول منسوب ہے وہ امام ہمامؒ پر افتراء ہے۔

اکابر کے فتاویٰ میں منسون ومستحب کا قول ملاحظہ ہو:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: عقیقہ کو مباح لکھا ہے تو اس اباحت سے ثواب نکلتا ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت امام صاحبؒ سے یہ روایت ہے کہ عقیقہ مباح ہے پس مباح میں ثواب جب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کی نیت سے کیا جاوے پس امام صاحب کے قول سے مراد یہ ہے کہ جیسا واجب میں ثواب ہوتا ہے وہ اس میں نہیں رہا اور سب ائمہ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۵۴۰)۔

(۲) کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

جواب: عقیقہ واجب نہیں ہے سنت ہے اگر وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولیٰ وافضل ہے۔(کفایت المفتی: ۲۴۲، دارالاشاعت)۔

(۳) آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

سوال:...... بچہ پیدا ہونے کے بعد جو عقیقہ کیا جاتا ہے... یہ عمل سنت ہے یا واجب؟

جواب:...... عقیقہ سنت ہے...۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۴۷۸، طباعتِ جدیدہ)۔

(۴) عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سوال: عقیقہ در مذہب حنفیہ سنت است یا واجب یا مستحب یا مباح؟

الجواب: صحیح ایں است کہ عقیقہ در مذہبِ حنفیہ مستحب است، نہ سنت **کما فی الشامی: یستحب لمن ولد له ولد الخ.** (عزیز الفتاویٰ: جلدِ اول، ص ۶۸۲، دارالاشاعت)۔

(۵) مولانا خالد سیف اللہ صاحب حلال وحرام میں فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کا قول مشہور یہی ہے کہ عقیقہ محض مباح ہے نہ واجب اور نہ سنت (بدائع: ۵/ ۶۹، وعالمگیری: ۵/ ۳۶۲) اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ بقر عید کی قربانی نے تمام قربانیوں کو منسوخ کر دیا، اکثر فقہاء کے نزدیک عقیقہ مسنون ہے، اور یہی صحیح ہے اور اس سلسلہ میں کئی حدیثیں موجود ہیں، اسی بنا پر خود احناف کے بھی محقق علماء اس کے مستحب یا مسنون ہونے کے قائل ہیں، خود امام طحاویؒ نے مستحب قرار دیا ہے یہی رائے مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلیؒ کی بھی ہے، علامہ کاسائیؒ نے لکھا ہے کہ قربانی کے ساتھ عقیقہ کا حصہ شریک ہو تو درست ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عقیقہ کو کم از کم مستحب کا درجہ ضرور دیتے تھے، رہ گئی حضرت عائشہؓ کی روایت تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قربانی واجب ہونے کے بعد عقیقہ واجب نہیں رہا، محض مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔(حلال وحرام، ص ۴۵۰)۔

عقیقہ کرنے کی مصلحتیں:

عقیقہ کرنے میں بہت ساری مصلحتیں ہیں، جس کا فائدہ خاندان، غیر خاندان اور خود عقیقہ کرنے والوں کو بھی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عقیقہ فرمایا، اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دی۔

منجملہ ان مصلحتوں کے چند حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعتِ نسب ایک ضروری چیز ہے تاکہ کوئی شخص ناپسندیدہ بات نہ کہے۔

(۲) عقیقہ کے اندر سخاوت کا داعیہ ہے اور بخل کا قلع قمع ہے۔

(۳) نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو زرد پانی سے رنگتے تھے، تو وہ بچہ نصرانی بن جاتا تھا۔ تو دین محمدی میں بھی نصاریٰ کے فعل کے مقابل میں کوئی ایسا امتیاز پایا جائے جس سے اس فرزند کا حنفی، اسلامی اور ملتِ ابراہیمی و اسماعیلی کا تابع ہونا واضح ہو جائے۔

(۴) عقیقہ کے ذریعہ گویا بچہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔ (ملخص از حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۲۵۲-۲۵۳، العقیقۃ، ط: قدیمی، واحکامِ اسلام عقل کی نظر میں، ص ۱۵۶، از حکیم الامت حضرت تھانویؒ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

پانچویں دن عقیقہ کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے پانچویں دن عقیقہ کر دیا تو عقیقہ ہوا یا نہیں؟ کیا اس کو دوبارہ عقیقہ کرنا چاہئے؟

الجواب: افضل اور بہتر دن عقیقہ کے لیے یوم السابع (ساتواں دن) ہے، لیکن اگر کسی نے اس سے پہلے عقیقہ کر لیا تب بھی ادا ہو جائے گا دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

ولو قدم يوم الذبح قبل يوم السابع أو أخره عنه جاز إلا أن يوم السابع أفضل. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۲۳۳).

اعلاء السنن میں ہے:

فلو ذبحها بعد السابع أو قبله وبعد الولادة أجزأه، وإن ذبحها قبل الولادة لم تجزه بلا خلاف بل تكون شاة لحم. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۱۹، باب افضلية الشاة فى العقيقة).

امداد الاحکام میں ہے:

سات کے عدد کی رعایت محض افضل ہے ورنہ عقیقہ بہرصورت ادا ہو جائیگا۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة فی أحکام العقیقة (۲/۲۱۲،۲۱۳): **ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع أو أخره جاز إلا أن یوم السابع أفضل (الی ان قال) ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ فلا یجزی قبلها وذبحها فی الیوم السابع یسن ...الخ.** اس سے معلوم ہوا کہ سات کے عدد کی رعایت کرنا صرف مسنون ہے ورنہ ادائے عقیقہ میں بغیر اس کے بھی خلل نہیں ہوگا۔ (امداد الاحکام: ۴/۱۹۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عقیقہ کی مدت:

سوال: اگر ساتویں دن عقیقہ نہیں کر سکے تو کب تک عقیقہ کیا جا سکتا ہے اس کی مدت کیا ہے؟

الجواب: عقیقہ ساتویں دن کرنا مسنون ومستحب ہے، اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو پھر چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرے، اسی طرح قبل البلوغ تک سات کے عدد کی رعایت کرنا بہتر ہے، اس کے خلاف کیا تو مستحب ادا نہ ہوگا، اگرچہ عقیقہ ہو جائیگا، عقیقہ مسنون ومستحب ہے لہذا اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا مستحسن ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سمرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: الغلام مرتهن بعقیقته یذبح عنه یوم السابع، ویسمی ویحلق رأسه. (رواه الترمذی: ۱/۲۷۸، **وقال: هذا حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند اهل العلم؛ یستحبون ان یذبح عن الغلام العقیقة یوم السابع، فان لم یتهیأ یوم السابع فیوم الرابع عشر، فان لم یتهیأ عق عنه یوم حاد وعشرین).**

(وایضاً رواه ابو داود: ۲/۳۶، والبیهقی: ۹/۳۰۳).

بعض روایات میں ساتویں، چودھویں اور اکیسویں دن کا تذکرہ آتا ہے، اگرچہ اس روایت پر کچھ کلام ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن بريدة عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العقيقة تذبح لسبع ولأربع عشرة ولإحدى وعشرين. (رواه البيهقي في السنن الكبرى:۹/ ۳۰۳،باب ماجاء في وقت العقيقة).

وكذا رواه الطبراني في الأوسط (رقم:٤٨٨٢) **وفي الصغير** (رقم ٧٢٣). **وقال المناوي في التيسير بشرح الجامع الصغير** (٣٠١/٢): **ضعيف. قال الهيثمي في المجمع** (٥٩/٤): **وفيه إسماعيل بن مسلم المكي، وهو ضعيف لكثرة غلطه ووهمه.**

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

مسنون اور مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جاوے اسی روز بال مونڈے جاویں اور اسی روز بال مونڈنے کے ساتھ بکرا ذبح کیا جاوے اگر ساتویں دن نہ ہوسکے تو پھر چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرے اگر اس کے خلاف کیا تو مستحب ادا نہ ہوگا، اور عقیقہ خود مستحب امر ہے اس کو مستحب طریقے سے ہی ادا کرنا چاہئے، اگر بلا قید ساتویں روز کرے گا تو عقیقہ ہو جائے گا، مگر مستحب ادا نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱/ ۶۸۱، دارالاشاعت)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

عقیقہ بچہ کی ولادت کے ساتویں دن کیا جانا چاہئے، یوں ساتویں دن سے پہلے بھی کرلیا جائے تو کافی ہے، کس عمر تک عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا خیال ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے پہلے تک (شرح المہذب:۸/ ۳۳۰، والمغنی:۸/ ۶۴۶) امام مالکؒ کے نزدیک ساتویں دن تک عقیقہ نہیں کر پایا تو اب عقیقہ کی گنجائش باقی نہیں رہی (سبل السلام:۴/ ۱۴۲۹) ساتویں دن عقیقہ نہیں کر پائے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے، محدثین کے یہاں جس کی صحت مشکوک ہے، (مجمع الزوائد:۴/ ۵۹) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (حلال وحرام، ص۴۵۳)۔

مالا بدمنہ میں ہے:

مسئلہ بعدِ ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست ویکم بہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد الغرض رعایتِ عددِ ہفت بہتر است۔ (مالا بدمنہ، رسالہ احکام عقیقہ، ص۲۲۰)۔

ترجمہ: پیدائش کے بعد ساتویں دن یا چودھویں یا اکیسویں دن اور اسی حساب سے سات ماہ یا سات سال کے بعد عقیقہ کرنا چاہئے، الغرض سات کے عدد کی رعایت بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موت کے بعد عقیقہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اس کا عقیقہ نہیں ہوا تھا تو کیا اس کی طرف سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: عقیقہ بچہ کی نعمت کے شکریہ کے لیے ہوتا ہے جس کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوتا، ہاں قربانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وکذلک إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، لأن ذلک جهة التقرب إلى الله عز شأنه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد ؛ كذا ذكر محمد فی "نوادر الضحايا".

(بدائع الصنائع:٥/٧٣،سعيد).

(وكذا فی فتاوی الشامی:٦/٣٢٦،سعيد، وتبيين الحقائق:٦/٨،امداديه ملتان).

نیز عقیقہ دفع مصائب وبلا کے لیے ہوتا ہے جس کا تعلق زندگی سے ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

وعن سمرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه، ويحلق رأسه". (رواه اصحاب السنن الاربعة ،وقال الترمذی : هذا حديث حسن صحيح).

فیض الباری میں ہے:

قلت: بل يجوز إلى أن يموت لما رأيت فی بعض الروايات أن النبی صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بنفسه. (فيض البارى:٤/٣٣٧).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

انتقال کے بعد عقیقہ نہیں ہے کیونکہ عقیقہ رد بلا کے لیے ہوتا ہے۔(احسن الفتاویٰ:۷/۵۳۶)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ میں کر دیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔(فتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۳۲)۔

امدادالاحکام میں ہے:

عقیقہ زندہ کا ہوسکتا ہے مگر مردہ کی طرف سے اضحیہ کی نیت سے کرے۔...

قلت: جواز الأضحية عن الصغير الميت يستدعي جواز العقيقة عنه بالأولى لعدم ورود الأمر بالأضحية عنه وقد ورد بالعقيقة وأنه مرتهن بعقيقته وأخرج ابن حزم عن بريدة الأسلمي قال: إن الناس يعرضون يوم القيامة على العقيقة كما يعرضون على الصلوات الخمس ذكره الحافظ فى الفتح. (امدادالاحکام:۴/۲۳۴، ۲۳۶)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے نزدیک موت کے بعد عقیقہ کرنا جائز ہے البتہ استحباب ادا نہیں ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ولدالزنا کے عقیقہ کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک عورت کے ساتھ بلا نکاح زندگی گزارتا تھا اور دونوں غیر مسلم تھے، بعدازاں مرد مسلمان ہوگیا، لیکن اب تک اس کا نکاح نہیں ہوا تھا کہ ان کے ہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی، عورت تاہنوز مسلمان نہیں ہوئی، عیسائی ہے، اب یہ مسلمان شخص اپنی بچی کا عقیقہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بچی مسلمان سمجھی جائے گی، لہٰذا مسلمان والد اس کی طرف سے عقیقہ کرسکتا ہے، لیکن زنا کے گناہ سے توبہ واستغفار لازم اور ضروری ہے، بیوی کو اسلام کی دعوت دیکر مسلمان بنا کر اس کے

ساتھ نکاح کرلیا جائے، اور اگر وہ مسلمان ہونے پر راضی نہیں ہوتی تو زنا سے بچنے کے لیے اسی حالت میں اس سے نکاح کرلے اور اسلام کی دعوت دیتا رہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبي قال: واقعة الفتون في زماننا مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلماً؟ أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه، وأفتىٰ قاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أيضاً ...قال العلامة الشامي: قلت: يظهر لي الحكم بالإسلام لحديث الصحيح" كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه" فإنهم قالوا: إنه جعل اتفاقهما ناقلاً له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليهما ولأن الكفر أقبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح... (الدرالمختار مع الشامی:۱۹۷/۳،سعید).

نیز بخاری میں جریج والی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ زانی باپ پر بھی اب کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری میں ہے:

وقال الليث: حدثني جعفر ابن ربيعة عن عبد الرحمن بن هرمز قال: قال أبوهريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نادت امرأة ابنها وهو في صومعته قالت: ياجريج قال: اللّٰهمّ أمي وصلاتي، فقالت: ياجريج قال: اللّٰهمّ أمي وصلاتي، قالت: ياجريج قال: اللّٰهمّ أمي وصلاتي، قالت: اللّٰهمّ لايموت جريج حتى ينظر في وجوه المياميس، وكانت تأوي إلى صومعته راعية ترعى الغنم فولدت، فقيل لها: ممن هذا الولد؟ قالت: من جريج، نزل من صومعته، قال جريج :أين هذه التى تزعم أن ولدها لي قال: يابابوس من أبوك؟ قال: راعي الغنم. (رواه البخاری:۱۶۱/۱).

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان بچی کی طرف سے مسلمان باپ عقیقہ کرسکتا ہے، اگرچہ میراث وغیرہ کے احکام میں شریعت نے زانی کا نسب ولد الزنا سے منقطع کردیا ہے، لیکن بیٹی سے عدمِ نکاح اور زکوۃ نہ دینے وغیرہ احکام

میں جزئیت کا اعتبار کرتے ہوئے باپ کے قائم مقام تسلیم کیا ہے۔

وللتفصيل راجع : (ردالمحتار: ۱۹۷/۳، سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

لڑکے کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنے کا حکم:

سوال: لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں کیا فرق ہے؟ لڑکے کے عقیقہ میں اگر صرف ایک بکرا ذبح کیا جائے تو عقیقہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: مستحب اور مسنون یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کیے جائیں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا، ہاں اگر وسعت نہ ہو تو لڑکے کی طرف سے ایک بکرا بھی کافی ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن الغلام شاتان مكافئتان ، وعن الجارية شاة . رواه الإمام أحمد (۲۴۰۲۸)، **والترمذي، وقال: حديث صحيح** (۲۷۸/۱، ط:فیصل).

وفي رواية لأحمد : أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نعق عن الجارية شاة ، وعن الغلام شاتين ، رواه الإمام أحمد (۲۵۲۵۰).

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مینڈھا ذبح فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

وعن ابن عباس رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عق عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً، رواه أبوداود. والنسائي ، ولفظ النسائي : بكبشين كبشين. (باب كم يعق عن الاجارية ،واسناده صحيح).

ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن

بشاة. إسناده منقطع. (رواه الترمذی: ۱/۲۷۸،ط:فیصل).

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ فرماتے ہیں:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی، اوراس طرح ان لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی، اس حدیث کے بعض طرق میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (معارف الحدیث:۶/۲۷۲، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى . (فتاوی الشامی:۶/۳۳۶،سعید).

وفی الهندية: العقيقة عن الغلام وعن الجارية وهي ذبح شاة في سابع الولادة . (الفتاوی الهندية:۵/۳۶۲).

اعلاء السنن میں ہے:

ويستحب أن يعق عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة ، فإن عق عن الغلام شاة حصل أصل السنة (لأن ابن عمر رضی اللہ عنہ كان يعق عن بنيه شاة شاة ، رواه مالك فی المؤطا وكذا محمد من طريق عن نافع عنه). (اعلاء السنن :۱۷/۱۱۹،باب العقيقة).

کفایت المفتی میں ہے:

لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو بکریاں یا بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ (کفایت المفتی :۸/۲۴۲، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: لڑکے کے لیے ایک بکرا کافی ہے یا نہیں؟

الجواب: حیثیت ہو تو لڑکے کے لیے دو بکرے، دو بھیڑے، دو دنبے یا قربانی کی گائے، یا اونٹ یا بھینس یا کٹڑے میں دو حصے افضل ہیں، ورنہ ایک بکرا، بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے، اس

سے عقیقہ ہوجاتا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۴۳۳/۵)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

لڑکا ہو یا لڑکی بہرحال ایک بکری کافی ہے، البتہ لڑکے کے لیے دو کا ہونا بہتر ہے۔(احسن الفتاویٰ: ۵۳۵/۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عقیقہ میں ذبح کو حلق پر مقدم کرنے کا حکم:

سوال: عقیقہ میں پہلے ذبح کرنا مستحب ہے یا حلق؟ احادیث کی روشنی میں راجح قول بتلا دیجئے؟

الجواب: دراصل مسئلہ مذکورہ بالا میں تین اقوال ہیں (۱)حلق پہلے بعد میں ذبح ،(۲)دونوں میں اختیار ہے جس کو چاہے مقدم کرے،(۳)ذبح کو حلق پر مقدم کرے۔تیسرا قول راجح ہے۔

محققین علماء کے ہاں احادیث کی روشنی میں ذبح کو حلق پر مقدم کرنا افضل اور بہتر ہے۔

پہلے قول کے بارے میں ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الائمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهباً ثم يعق عند الحلق عقيقة . (فتاوى الشامي:٦/٦٦٣،سعيد).

علامہ نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

والثاني: يستحب كونه (الحلق) قبل الذبح وبهذا قطع المحاملي فى المقنع و رجحه الروياني ونقله عن نص الشافعي . (شرح المهذب:٨/٤٣٣،ط:دارالفكر).

دوسرا قول ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

فائدة: قال الحافظ فى "الفتح " في حديث الحسن عن سمرة : الغلام مرتهن بعقيقة تذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمى مانصه . واستدل بقوله: يذبح ويحلق ويسمى بالواوعلى أنه لايشترط الترتيب فى ذلك. (اعلاء السنن:١٧/١٢٦).

تیسرے اور راجح قول کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وهل يقدم الحلق على الذبح ؟ فيه وجهان : أصحهما وبه قطع المصنف والبغوى والجرجاني وغيرهم : يستحب كون الحلق بعد الذبح ، وفى الحديث إشارة إليه . (شرح المهذب : ٤٣٣/٨ ، دارالفكر).

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں:

وقد وقع فى رواية لأبى الشيخ فى حديث سمرة:يذبح يوم سابعه ثم يحلق ، وأخرجه عبد الرزاق عن ابن جريج : يبدأ بالذبح قبل الحلق . وحكى عن عطاء عكسه ، وقال البغوى فى التهذيب: يستحب الذبح قبل الحلق صححه النووى فى شرح المهذب. (اعلاء السنن : ١١٩/١٧).

حلال وحرام میں مرقوم ہے:

مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور ذبح کیا جائے پھر بچہ کے بال مونڈے جائیں۔(حلال وحرام،ص۴۵۴).

عقیقہ میں بچہ کے بال مونڈنے کی حکمت:

سوال: عقیقہ میں بچہ کے بالوں کے مونڈنے کی کیا حکمت ومصلحت ہے؟

الجواب: عقیقہ میں بچہ کے بالوں کے مونڈنے کی درجِ ذیل حکمتیں ومصلحتیں ہیں:

(۱) حدیث شریف میں آتا ہے کہ بچہ کا عقیقہ کرواور گندگی دور کرو، اکثر حضرات نے اس گندگی سے بال مراد لیے ہیں، یعنی اس کے بال مونڈے جائیں تاکہ گندگی دور ہو جائے۔اور گندگی اس لیے کہا کہ بال رحم کے خون کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں، بقیہ بدن دھونے سے صاف ہوجاتا ہے مگر بالوں میں گندگی کے اثرات رہ جاتے ہیں اس لیے مونڈنے کا حکم دیا گیا۔

(۲) پرانے بال مونڈنے کے بعد نئے مضبوط بال آئیں گے،اس میں سر کے لیے بڑا فائدہ ہے۔

(۳) سر صاف ہوجانے پر سر کے مسامات کھل جاتے ہیں،اور گرمی آسانی سے باہر نکل جاتی ہے۔

(۴) حواسِ جسم کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔

(۵) عقیقہ کے عمل میں بچہ ملتِ ابراہیمی کا تابع سمجھا جاتا ہے جیسے عیسائی لوگ زرد رنگ میں رنگتے تھے۔

(۶) بال کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس میں فقراء کا بڑا فائدہ ہے۔

(۷) سر کے بال مونڈنے میں حجاج کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔

یہ چند حکمتیں علماء نے بیان فرمائی ہے، ورنہ احکامِ شریعت کی بے شمار حکمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بندہ کے فہمِ قاصر کی رسائی ان تک نہیں ہوسکتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج البخاري تعليقاً عن سلمان بن عامر الضبي قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: مع الغلام عقيقة ، فأهريقوا عنه دماً وأميطوا عنه الأذى. (بخاری شریف: ۵٤٧١، باب اماطة الاذى عن الصبى فى العقيقة).

قال العلامة العيني في عمدة القاري: " أميطوا " أى أزيلوا.

"الأذى" قيل : هو إما الشعر أو الدم أو الختان ، وقال الخطابي : قال محمد بن سيرين : لما سمعنا هذا الحديث طلبنا من يعرف معنى إماطة الأذى فلم نجد، وقيل : المراد بالأذى هو شعره الذي علق به دم الرحم فيماط عنه بالحلق، وقيل: إنهم كانوا يلطمون رأس الصبي بدم العقيقة، وهو أذى فنهى عن ذلك وقد جزم الأصمعي بأنه حلق الرأس، وأخرجه أبو داود عن الحسن كذلك، والأوجه أن يحمل الأذى على المعنى الأعم، ويؤيد ذلك أن في بعض طرق حديث عمرو بن شعيب "ويماط عنه أقذاره "رواه أبو الشيخ. (عمدة القارى: ١٤/ ٤٦٨، امدادیہ،ملتان،وفتح البارى :٩/٥٩٣). (وكذا فى الاستذكار لابن عبدالبر:٥/٣١٤،باب ماجاء فى العقيقة).

وفي فيض القدير: أميطوا عنه الأذى، أى شعر رأسه ، وما عليه من قذر طاهر أو نجس ليخلف الشعر شعر أقوى منه ، ولأنه أنفع للرأس مع ما فيه من فتح مسام الراس ليخرج البخار بسهولة ، وفيه تقويه حواسه . (فيض القدير:٤/٥٤٧).

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

فمن تلک المصالح ...ومنها: أن النصارى كان إذا ولد لهم ولد صبغوه بماء أصفر يسمونه المعمودية ، وكانوا يقولون: يصير الولد به نصرانياً ، وفي مشاكلة هذا الاسم نزل قوله تعالى: ﴿صبغة اللّٰه ومن أحسن من اللّٰه صبغة﴾ فاستحب أن يكون للحنيفين فعل بازاء فعلهم ذلک يشعر بكون الولد حنيفياً تابعاً لملة إبراهيم وإسماعيل ...

ومنها:...وأما إماطة الأذى فللتشبه بالحاج ، وقد ذكرنا. (حجة الله البالغة : ٢٥٣/٢ ،العقيقة، ط:قديمی).

مزید ملاحظہ ہو: (حجۃ اللہ البالغۃ :۲۵۲/۲-۲۵۳،العقیقۃ ، ط:قدیمی ،واحکامِ اسلام عقل کی نظر میں''ازحکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ،ص۱۵۶)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا حکم:

سوال: عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانا جائز اور مباح ہے۔ ہاں حاکم اور ابوداود کی صحیح روایات کی وجہ سے استحباب والاقول بھی خلافِ صواب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن بريدة قال : كنا فى الجاهلية إذا ولد لنا غلام ذبحنا عنه شاة و حلقنا رأسه بدمها فلما كان الإسلام كنا إذا ولد لنا غلام ذبحنا عنه شاة وحلقنا رأسه ولطخنا رأسه بزعفران. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم:٢٣٨/٤).

وأيضاً رواه أبوداود (رقم ٢٨٤٥)، **وقال ابن الملقن فى "البدرالمنير"** (٣٤٢/٩،الحديث السادس): **هذا الحديث صحيح .**

شرح المہذب میں ہے:

قال أصحابنا: يكره أن يلطخ رأس المولود بدم العقيقة ولا بأس بلطخه بخلوف أو

بزعفران وفي استحباب الخلوف أو الزعفران وجهان حكاهما الرافعي أشهرهما وبه قطع المصنف وغيره يستحب . (شرح المهذب:٨/٤٣٢،دارالفكر).

اعلاء السنن میں ہے:

قال الموفق فی "المغنی" : ویکرہ أن یلطخ رأسه بدم کرہ ذلک أحمد ، والزھری، ومالک ، والشافعی ، وابن المنذر ...ولأن ھذا تنجیس له فلا یشرع کلطخه بغیرہ من النجاسات . وقال : بریدة : کنا فی الجاھلیة إذا ولد لأحدنا غلام ...ونلطخه بزعفران. رواہ أبوداود. (اعلاء السنن:١٧/١٢١،باب العقيقة).

بہشتی زیور میں ہے:

بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگا دیوے۔(بہشتی زیور:۳/۴۲)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنے کا حکم:

سوال: عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑنا مکروہ ہے یا مباح ہے؟اس سلسلہ میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑنا جائز اور مباح ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

و ھي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر و الأنثى سواء فرق لحمها نيئاً أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أولا. (فتاوى الشامی:٦/٣٣٦،سعید).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

عوام ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے علماء نے اس کی تردید کی ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۵۲۷،فاروقیہ)۔

کفایت المفتی میں ہے:

ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کے لیے کوئی سند نہیں ہے۔(کفایت المفتی:۸/۲۴۱،ط:دارالاشاعت)۔

امدادالفتاویٰ میں ہے:

ہڈی توڑنا جانور عقیقہ کی درست ہے،...ہر چہ دراضحیہ معتبر ست ازشرائط احکام درعقیقہ نیز معتبر ست۔ (امدادالفتاویٰ:۳/۶۲۰)۔

البتہ بعض علماء نے احادیث کی وجہ سے ہڈی نہ توڑنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو مراسیل ابی داود میں ہے:

حدثنا محمد بن العلاء ، حدثنا حفص، حدثنا جعفر عن أبيه ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال فى العقيقة التى عقتها فاطمةؓ عن الحسن والحسين: ”أن تبعثوا إلى القابلة منها برجل ، وكلوا وأطعموا ولا تكسروا منها عظماً“. (رواه ابوداودفى مراسيله،ص۲۷۸،رقم ۳۷۹،باب فى العقيقة).

قال شعيب الأرنؤوط: رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر ، وهو ابن محمد بن على بن الحسين فإنه من رجال مسلم. ورواه البيهقى (۳۰۲/۹) **من طريق أبي داود.** (تعليق الشيخ شعيب على مراسيل ابى داود،ص۲۷۹).

مزید ملاحظہ ہو: (مستدركِ حاكم:۲۹۱/٤/۷٥۹٥،كتاب الذبائح، ومسنداسحاق ابن راهويه :۳/۶۹۲).

اعلاء السنن میں ہے:

وفيه [شرح المهذب] أيضاً: يستحب أن تفصل أعضاءه ولايكسر شيء من عظامها، فإن كسر فهو خلاف الأولى ، وبالجملة فلا تقطع إلا من المفاصل ، وعن عطاء كانوا يستحبون أن لا يكسر لها عظم . (اعلاء السنن :۱۷/۱۲۱).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

جواز اور خلافِ اولیٰ میں تعارض نہیں اور کفایت المفتی میں سندِ ممانعت کی نفی کی ہے یعنی کسر عظام کو ممنوع اور ناجائز کہنے کی کوئی سند نہیں خلافِ اولیٰ کی نفی نہیں فرمائی،حاصل یہ ہے کہ جن روایات میں عدمِ کسر کا حکم ہے

وہ وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے، چونکہ عوام نے اس کو واجب کا درجہ دے دیا ہے اور کسر عظام کو ناجائز اور ممنوع سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ غلط و قابل اصلاح ہے اس لیے علماء نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/ ۵۳۷)۔

امداد المفتین میں ہے:

بعض علماء اس کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ ہڈیاں توڑی نہ جائیں بلکہ ایک جگہ جمع کر کے دفن کر دی جاویں مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح عام قربانیوں کا حکم ہے کہ ہڈیاں توڑی جاتی ہیں اسی طرح عقیقہ کا بھی حکم ہے کوئی فرق نہیں۔ کما فی تحفة المودود بأحكام المولود: قول مالكؒ تكسر عظامها ويطعم منها الجيران، ص ۷۲۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں دیکھی مگر کتبِ حنفیہ میں اس قدر مذکور ہے کہ عقیقہ عام احکام میں مثل قربانی کے ہے۔ (امداد المفتین، جلد دوم، ص ۸۰۳، ط: دار الاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

روایتِ منقولہ میں جو کچھ ہے وہ وجوبی حکم نہیں بلکہ تفاولاً استحبابی چیز ہے اگر اسی حد تک رکھا جائے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اس کو درجہ واجب دیا جائے تو اس میں کراہت آجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۵۲۷، جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہڈی نہ توڑنے کے بارے میں کوئی مرفوع، صریح اور صحیح روایت دستیاب نہیں ہوئی، مراسیل ابی داود کی روایت مرسل ہے اگرچہ سنداً صحیح ہے، اور مستدرک حاکم (۴/۲۹۱) کی روایت ضعیف ہے، دو علتوں کی وجہ سے (۱) انقطاع۔ (۲) شذوذ وادراج۔

نیز یہ روایت مسند اسحاق ابن راہویہ (۳/۶۹۲) میں مذکور ہے لیکن اس کی تعلیق میں کلام کرتے ہوئے دکتور عبد الغفور عبد الحق حسین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عقیقہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

سوال: عقیقہ کا کیا حکم ہے اور اس میں کتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں؟

الجواب: عقیقہ کرنا مستحب ہے اور اس کی برکت سے بچہ سے آفات وبلیات دور ہو جاتی ہیں۔عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے یا دو دنبے یا بڑے جانور میں دو حصے ہیں اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا ایک دنبہ یا گائے میں ایک حصہ ہے اور اگر لڑکے کی طرف سے دو کی ہمت نہیں ہے تو ایک بکرا یا ایک دنبہ بھی صحیح ہے۔عقیقہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کرنا چاہئے۔(اعلاء السنن:۱۷/۱۱۴،واوجز المسالک:۱/۱۶۹)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: اگر ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو کب کرنا چاہئے؟

الجواب: ساتویں دن کا لحاظ رکھا جائے اگر بچے کی پیدائش اتوار کو ہوئی ہو تو سنیچر کو کر لیا جائے۔(بذل المجہود:۹/۶۰۹،وتنقیح الفتاوی الحامدیۃ:۲/۲۳۳،والمجموع شرح المہذب:۸/۴۳۱،دارالفکر)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہئے؟

الجواب: جو جانور قربانی میں جائز ہے وہ عقیقہ میں بھی جائز ہے اور جو قربانی میں ناجائز ہے وہ عقیقہ میں بھی ناجائز ہے۔گوشت کی تقسیم میں بھی قربانی والا عمل مستحب ہے ایک حصہ اپنے لیے ایک حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کے لیے اور ایک فقراء مساکین کے لیے۔اس کی کھال کے احکام بھی وہی ہیں جو قربانی کے ہیں۔(رد المحتار:۶/۳۳۶،سعید،وفتاوی محمودیہ:۱۷/۵۱۳،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: کیا عقیقہ کی ہڈیوں کو توڑنا ناجائز ہے؟

الجواب: جائز ہے۔(فتاوی الشامی:۶/ ۳۳۶،سعید،وتحفۃ المودود،ص:۵۲،ط:ریاض،وامداد الفتاویٰ :۳/۶۲۰، و کفایت المفتی:۸/ ۲۴۱،واحسن الفتاویٰ:۷/ ۵۳۷)۔

اشکال: اس زمانے میں عوام کسر عظام کو نا جائز نہیں سمجھتے ،تو پھر آثار وحدیثِ مرسل کی روشنی میں نہ توڑنا مستحب ہونا چاہئے ؟

الجواب: اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خیر القرون میں سالم جانور کے بھوننے کا عرف تھا تو تفاؤلاً نہ توڑنا مندوب تھا،اب اس کا رواج کالعدم ہے اس لیے اب ضرورت کی وجہ سے ہڈیاں توڑنا درست ہے تاکہ پکانے میں آسانی ہوجائے۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: آدمی خود اپنا عقیقہ کرسکتا ہے؟

الجواب: جی ہاں کرسکتا ہے۔(اعلاء السنن:۱۷/ ۱۲۱،وتحفۃ المودود،ص:۵۶،وآپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۴۸۸)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: اگر عقیقہ سے پہلے بچہ فوت ہوا تو اس کا عقیقہ ہے؟

الجواب: نہیں ہے۔ہاں بطورِ صدقہ اور امید شفاعت کرسکتا ہے۔(شرح المہذب :۸/ ۴۴۸،دار الفکر،و فتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۳۲،وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۵۲۹،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سوال: عقیقہ میں جانور کو ذبح کرتے وقت کیا پڑھنا چاہئے ؟

الجواب: یہ دعا پڑھے: " **اللّٰهم هذه عقيقة ابني** (لڑکے کا نام لے) **دمها بدمه ، ولحمها بلحمه ، وعظمها بعظمه ، وجلدها بجلده ، وشعرها بشعره ، اللّٰهم اجعلها فداءً لابنی من النار**". (تنقيح الفتاوى الحامدية:۲/ ۲۳۳،وكتاب الفتاوى:٤/ ۱۷۸).

لڑکی کا عقیقہ ہو تو یہ دعا پڑھے: " **اللّٰهم هذه عقيقة بنتي** (لڑکی کا نام لے) **دمها بدمها،**

ولحمها بلحمها، عظمها بعظمها، وجلدها بجلدها، وشعرها بشعرها، اللّٰهم اجعلها فداءً لبنتي من النار". (تنقيح الفتاوى الحامدية:٢/٢٣٣،وكتاب الفتاوىٰ:٤/١٧٨).

اس کے بعد یہ دعا پڑھے: "**إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أناْ من المشركين، لا شريک له، وبذلک أمرت وأناْ من المسلمين**". (ابوداود شریف،رقم: ۲۷۹۵،وابن ماجہ،رقم:۳۱۲۱)۔

اس کے بعد یہ پڑھے: "**اللّٰهم منک ولک**" پھر "**بسم اللّٰه اللّٰه أكبر**" کہتے ہوئے ذبح کرے۔(سنن کبریٰ للبیہقی:۹/۳۰۳)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: ایام النحر میں عقیقہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جائز اور درست ہے۔اگر ایام النحر میں کوئی دن ساتواں دن بنتا ہو تو عقیقہ کو قربانی کے ساتھ جمع کر سکتے ہیں مثلاً لڑکے کے لیے دو حصے اور بقیہ پانچ حصے قربانی کے لیے۔(بدائع الصنائع:۵/۷۲،سعید،ورد المحتار: ۶/۳۲۶،سعید،وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار:۴/۱۶۶،وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/۵۱۵،جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: بچہ کا عقیقہ کون کرے؟

الجواب: والد یا جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ واجب ہے۔(موطا امام مالکؒ،ص۱۰۴۷،و۱۰۵۰،واعلاء السنن:۱۷/ ۱۲۷،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۳۳)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: عقیقہ کا گوشت شادی کی تقریب میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے البتہ اگر کچھ لین دین کا رواج ہو تو عوض کے شبہ سے بچنا چاہئے۔(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار:۴/۱۶۶،واعلاء السنن:۱۷/۱۲۶،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/۴۳۴،وکفایت المفتی:۸/۲۴۲،دارالاشاعت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سوال: ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: درست ہے۔ (اعلاء السنن:۱۷/ ۱۲۷، وبدائع الصنائع: ۷۲/۵،سعید، وردالمحتار:۶/ ۳۲۶،سعید، وتحفۃ المودود،ص۵۵، وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۵۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: عقیقہ میں بڑا جانور ذبح کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: جائز اور درست ہے۔(اعلاء السنن:۱۷/ ۱۱۷، واوجز المسالک:۱۰/ ۱۹۱، وفتاوی علماء بلدالحرام،ص۱۰۲۲، وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۵۲۴)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: بڑے جانور میں سات بچوں کے عقیقے ایک ساتھ کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: جائز ہے ۔ (عالمگیری:۳۰۴/۵،تحفۃ المودود،ص۶۵، وامدادالاحکام:۴/ ۲۲۸، وکفایت المفتی:۲۴۰/۸، دارالاشاعت)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سوال: عقیقہ کہاں کرنا چاہئے؟

الجواب: جہاں بچہ موجود ہو۔(اعلاء السنن:۱۷/ ۱۲۶، وبذل المجہود:۶۱۲/۹، وکفایت المفتی:۲۴۱/۸، دارالاشاعت، وفتاویٰ محمودیہ:۱۷/ ۵۲۹، جامعہ فاروقیہ)۔

لیکن آج کل ٹیلی فون وغیرہ کا نظام موجود ہے تو اگر جانور ہندوستان میں ذبح کرے اور اطلاع کر کے بچے کے بال جنوبی افریقہ میں اتار دے تو یہ بھی جائز ہے۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

فصل دوم
نومولود سے متعلق احکام کا بیان

نومولود کو غسل کے بعد اذان دینے کا حکم:

سوال: نومولود کے کان میں اذان کس وقت کہی جائے گی پیدائش کے بعد فوراً یا غسل دینے کے بعد؟ کیونکہ بعض مرتبہ ہسپتال میں تاخیر ہوتی ہے اور گھر لے جانے کے بعد بچے کو غسل دیا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نومولود کو غسل دینے کے بعد اذان کہنی چاہئے، کیونکہ نومولود قبل الغسل نجس ہوتا ہے اور محل اقذار ونجاسات میں ذکر اللہ مکروہ ہے، بنابریں غسل وصفائی کے بعد اذان کہی جائے۔

حدیث شریف میں بچے سے گندگی دور کرنے کا حکم ہے۔

علامہ عینیؒ اور ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی حدیث "**مع الغلام عقیقة فأهریقوا عنه دماً و أمیطوا عنه الأذی**"، (رقم: ۵٤۷۲) میں "**أمیطوا عنه الأذی**" کو بہت عام قرار دیا ہے دوسری احادیث کی روشنی میں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله: " الأذی" قیل: هو إما الشعر أو الدم أو الختان...والأوجه أن یحمل الأذی علی معنی الأعم ویؤید ذلک أن في بعض طرق حدیث عمرو بن شعیب ویماط عنه أقذاره، رواه أبو الشیخ. (عمدة القاری: ١٤/٤٦٨، دارالحدیث، ملتان). (و کذا فی فتح الباری :٩/٥٩٣).

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ ولادت کے بعد غسل دینے سے پہلے بچہ اگر پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔لیکن غسل دینے کے بعد ناپاک نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

والسقط إذا استهل فحكمه حكم الكبير إن وقع فى الماء بعد ما غسل لايفسد.

(فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندية:۱/۱۱). (وكذا في ردالمحتار: ۱/۲۱۵، فصل فی البئر، سعيد).

المحیط البرہانی میں ہے:

و كذلک لو دخل فی البئر جنب أو محدث لطلب الدلو و على أعضاءه نجاسة ... ينزح جميع الماء ... و ذكر فيما استهل بعد الغسل أنه لا يفسد الماء . (المحيط البرهانی:۱/۱۰۲).

محلِ اقذار میں ذکر اللہ مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو: تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

قوله: إنما يسمى فيهما " أى لا حالة الانكشاف ولا في محل النجاسة . (حاشية تبيين الحقائق : ۱/٤، ملتان).

إعانة الطالبين میں ہے:

لأن الذكر بمحل النجاسة مكروه . (اعانة الطالبين : ۱/۲۷۸، دارالفكر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يسمى في حال الانكشاف ولا في محل النجاسة . (الفتاوى الهندية:۱/٦).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: بچہ کو غسل دیئے بغیر اذان کہے یا پاک صاف کر کے اذان کہے؟

الجواب: بچہ کو غسل دیکر پاک صاف کر کے دائیں کان میں پوری اذان اور بائیں کان میں پوری اقامت کہی جائے۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۵۷، جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود کی اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم:

سوال: بچے کے کان میں اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونا مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ رافعی بحوالہ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم فى اليسرى، ويلتفت فيهما بالصلاة لجهة اليمين و بالفلاح لجهة اليسار .

(تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۱/۴۵،باب الاذان ،سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود کی اذان میں تاخیر کا حکم:

سوال: نومولود کے کان میں اذان جلدی سے دینا چاہئے ،لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: نومولود کے کان میں اذان غسل کے بعد فوراً دی جائے لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تب بھی اذان دینا چاہئے ،ترک نہ کرے۔

أخرج أبوداود والترمذي بسندهما عن أبي رافع رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي رضي الله عنه حين ولدته فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها بالصلاة

(ابوداود، رقم: ۵۱۰۵).

قال الملا علي القاري رحمه الله: " حين ولدته فاطمة " يحتمل السابع وقبله ...وفي شرح السنة روي عن عمر بن عبد العزيز رحمه الله كان يؤذن فى اليمنى ويقيم فى اليسرى إذا ولد الصبي .

(مرقاة المفاتيح:۸/۱۵۹،ملتان).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد ایک کانچ کے صندوق میں رکھنے کی وجہ سے ہفتہ عشرہ کے بعد اذان کہیں تو مضائقہ تو نہیں؟

مجبوری کے وقت اس کو مکان پر لاکر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۵۶، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس کے لیے وقت اور دن کی کوئی قید نہیں حتی الامکان جلد کہنا چاہیے، اگر غفلت میں کئی روز گزر گئے تو بھی تنبہ کے بعد اذان کہی جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷۶)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھنے کا حکم:

سوال: نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت مؤذن کو کانوں میں انگلیاں داخل کرنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ اذان کانوں میں انگلیاں ڈالنا ثابت ہے اور اقامت میں ثابت نہیں اس لیے اول الذکر میں انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں اور ثانی الذکر میں نہیں رکھتے، اسی طرح نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت بھی کانوں میں انگلیاں رکھنا ثابت نہیں اس لیے نہیں ڈالنا چاہیے۔

ملاحظہ ہو تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرى . (التحرير المختار: ۱/٤٥، سعيد).

علامہ سندھیؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھ بچے کو اٹھانے میں مشغول ہوں گے۔ یعنی کانوں میں رکھنا مستحب نہیں ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اذان وتکبیر کے الفاظ کافی ہیں، کانوں میں انگلیاں دینے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۵۴، جامعہ

فاروقیہ)۔

نیز یہاں رفع الصوت بھی مقصود نہیں ہے لہذا کانوں میں انگلیاں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اذان کے آداب میں کانوں میں انگلیاں ڈالنا ہے اس لیے اس کی گنجائش ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود کی اذان میں ترسیل کا حکم:

سوال: نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت اذان کو کھینچنا چاہئے یا مختصر کرنی چاہئے اقامت کی طرح؟

الجواب: نومولود کے کان میں اذان پست آواز سے ترسیل کے ساتھ یعنی کھینچ کھینچ کر کہی جائے کیونکہ روایات اور فقہی عبارات میں اذان کے ساتھ اقامت کا بھی ذکر آتا ہے لہذا اذان کے مقابل کی رعایت کرتے ہوئے اذان ترسیلاً اور اقامت مختصراً کہے تاکہ دونوں میں فرق واضح ہوجائے اور معروف اذان واقامت کے ساتھ مشابہت ہوجائے۔

نومولود کے کان میں اذان کے ساتھ اقامت کا بھی ذکر بعض روایات میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج أبو يعلى في مسنده عن حسين ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ”من ولد له فأذن في أذنه اليمنى وأقام فى اليسرى لم تضره أم الصبيان . قال حسين سليم أسد: إسناده تالف. (مسندابی یعلی:۱۲/۱۵۰/۶۷۸۰).

قال البوصيرى فى الزوائد: هذا إسناد ضعيف لضعف يحى بن العلاء . (۴۷۸۱). **وقال الهيثمي: فيه مروان بن سالم الغفاري وهو متروك.** (مجمع الزوائد:رقم:۶۲۰۶).

أخرج البيهقي فى الشعب (۸۲۵۵) **عن ابن عباس ﷺ، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أذن في أذن الحسن بن علي ﷺ يوم ولد ، فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى“ ، قال الإمام البيهقي: إسناده ضعيف .**

روى الطبراني فى الأوسط (۹۲۵۰) **بسنده عن أم الفضل بنت الحارث الهلالية قالت:**

مررت بالنبي صلى الله عليه وسلم وهو جالس فقال: يا أم الفضل،قلت: لبيک يارسول الله قال: إنک حامل بغلام ...فإذا وضعتيه فأتني به قالت: فلما وضعته أتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى وألبأه من ريقه وسماه عبد الله...الخ.

قال الهيثمي فى المجمع(٨٩٥٦): رواه الطبراني فى الأوسط وفيه أحمد بن راشد الهلالي وقد اتهم بهذا الحديث .

وروي أن عمر بن عبد العزيزؒ كان يؤذن فى اليمنى ويقيم فى اليسرى إذا ولد الصبى. (شرح السنة للامام البغوى:١١/٢٧٣).

لكن قال الحافظ فى التلخيص: لم أره عنه مسنداً . وقد ذكره ابن المنذر عنه . (التلخيص الحبير:٤/٣٦٨،دارالكتب العلمية،بيروت).

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم فى اليسرى . (التحريرالمختار:١/٤٥،سعيد).

اورحدیث شریف میں مطلق اذان میں ترسیل وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

أخرج الترمذي بسنده عن جابرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال إذا أذنت فترسل في أذانک وإذا أقمت فاحدر. (١/٢٦٨/١٩٥).

وأخرجه الحاكم وقال: هذا حديث ليس في إسناده مطعون فيه غيرعمرو بن فائد والباقون شيوخ البصرة وهذه سنة غريبة لا أعرف لها إسناداً غيرهذا ولم يخرجاه. (المستدرك ،رقم: ٧٣٢).

وأخرج الدارقطني في سننه عن أبى الزبير مؤذن بيت المقدس قال: جاء نا عمربن الخطابؓ فقال: إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحدر. (١/٤٥، وابن المنذرفى الاوسط : ٣/٥١).

تبیین الحقائق میں ہے:

(ويترسل فيه) أي في الأذان (ويحدر فيها) أي في الإقامة ، لقوله عليه الصلاة والسلام : يابلال ! إذا أذنت...الخ .

والترسل التمهل يقال: على رسلك وجاء فلان على رسله والحدر الإسراع يقال: حدر في قراء ته . (تبیین الحقائق: ۹۱/۱،ط:امدادیہ ،ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود کی اذان میں التفات کا حکم:

سوال: میں نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد دوم میں پڑھا کہ نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات مستحب ہے، کیا یہ ایک ہی قول ہے یا دوسرا قول بھی ہے اگر ہے تو حوالہ بتادیجئے؟ بینوا توجروا .

الجواب: اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ تحویل وجہ مستحب نہیں کیونکہ یہ آواز پہنچانے کے لیے ہے اور یہاں آواز پہنچانا مقصود نہیں ہے۔

حوالہ ملاحظہ کیجئے:

قال ابن عابدين الشاميؒ : قوله ولو وحده أشار به إلى رد قول الحلواني أنه لا يلتفت لعدم الحاجة إليه . (فتاوی الشامی: ۳۸۷/۱،سعید).

کتبِ شافعیہ میں بھی مرقوم ہے کہ تحویل وجہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو اعانۃ الطالبین میں ہے:

أما الأذان في أذن المولود فلا يطلب فيه رفع ولا التفات لعدم فائدته . (اعانۃ الطالبین: ۵۱۵/۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی بزرگ سے تحنیک کرانے کا حکم:

سوال: کسی بڑے بزرگ سے تحنیک کرائی جاتی ہے کیا یہ طریقہ درست ہے؟ آج کل بعض سلفی لوگ کہتے ہیں کہ تحنیک کے لیے کسی بڑی شخصیت کے پاس جانا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، اس لیے صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو تحنیک کرنا ہے تو بچے کو اچھی غذا پہنچانے کی نیت سے خود کرلے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اور کیا کسی بڑی شخصیت یا نیک طینت کے پاس جانا درست نہیں ہے؟

الجواب: تحنیک مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے، اور ہر زمانہ میں علماء، فقہاء اور محدثین نے اس پر عمل کیا ہے، اور اپنی تصنیفات میں اس سے متعلق مستقل باب قائم کرکے اس کے احکام ذکر کیے ہیں، تحنیک کا مقصد یہ بھی ہے بچہ کے منہ میں سب سے پہلے نیک صالح بڑی شخصیت کا لعاب داخل ہو، اس سے آئندہ صلاح وتقویٰ کی امید رکھی جاتی ہے، اور بڑی شخصیت سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔

تحنیک کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

هو مضغ التمر والدلک به حنک الولد والحنک ماتحت الذقن أوعلى داخل الفم أو الأسفل في طرف مقدم اللحيين قال فى المجمع: واتفقوا على تحنيک المولود عند ولادته بتمر فإن تعذر فبما في معناه من الحلو فيمضغ حتى يصير مائعاً في فيه ليصل شيء إلى جوفه ويستحب كون المحنک من الصالحين وأن يدعو للمولود بالبركة. (التعريفات الفقهية ،للشيخ عميم الاحسان ،ص٥٣،دارالكتب العلمية).

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤتى بالصبيان فيبرک عليهم ويحنكهم. (صحيح مسلم،رقم ٦٨٨،باب حكم بول الطفل الرضيع).

بخاری شریف میں ہے:

عن أسماء رضي اللّٰه تعالیٰ عنها أنها حملت بعبد اللّٰه بن الزبير قالت: فخرجت وأنا متم فأتيت المدينة فنزلت بقباء فولدته بقباء ثم أتيت به النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فوضعته في حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فيه فكان أول شيء دخل جوفه ريق رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ثم حنكه بتمرة ثم دعا له وبرک عليه وكان أول مولود ولد فی الإسلام . (صحيح البخاری،رقم: ٣٦١٩،باب هجرة النبی صلی الله عليه وسلم واصحابه الی المدينة).

نیک صالح بڑی شخصیت کے پاس لے جانے سے متعلق علماء کی عبارات ملاحظہ ہو۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

والحكمة فيه أنه يتفاء ل له بالإيمان لأن التمر ثمرة الشجرة التي شبهها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بالمؤمن وبحلاوته أيضاً ولا سيما إذا كان المحنک من أهل الفضل والعلماء والصالحين لأنه يصل إلى جوف المولود من ريقهم ألا ترى أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لما حنک عبد اللّٰه بن الزبير حاز من الفضائل والكمالات ما لايوصف وكان قارئاً للقرآن عفيفاً فی الإسلام وكذلک عبد اللّٰه بن أبي طلحة كان من أهل العلم والفضل والتقدم فی الخير ببركة ريقه المبارک. (عمدة القاری:١٤/ ٤٦٤،دارالحديث، ملتان).

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وفيه استحباب تحنيک المولود وحمله إلى أهل الصلاح ليكون أول ما يدخل جوفه ريق الصالحين. (١٤/ ٥٤١، دارالحديث ، ملتان).

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

الباب الخامس في استحباب تحنيكه...وقال الخلال أخبرني محمد بن علي قال: سمعت أم ولد أحمد بن حنبل تقول: لما أخذ بی الطلق كان مولای نائماً فقلت له يامولای هو ذا أموت فقال: يفرج اللّٰه فما هو إلا أن قال يفرج اللّٰه حتى ولدت سعيداً فلما ولدته

قال: هاتوا ذلك التمر لتمر كان عندنا من تمر مكة فقلت لأم على امضغي هذا التمر وحنكيه ففعلت . (تحفة المودود باحكام المولود، ص۳۳، ط: دمشق).

محمد فواد عبد الباقی **اللؤلؤ والمرجان** میں فرماتے ہیں:

استحباب تحنيك المولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنكه ... (ص ۶۷۳، دارالفکر).

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

ففيه استحباب تحنيك المولود وفيه التبرك بأهل الصلاح والفضل وفيه استحاب حمل الأطفال إلى أهل الفضل للتبرك بهم . (۱۹۴/۳).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث من الفوائد الندب إلى حسن المعاشرة والتواضع والرفق بالصغار وتحنيك المولود والتبرك بأهل الفضل وحمل الأطفال إليهم حال الولادة وبعدها. (فتح الباری: ۳۲۷/۱، ط: دار نشر الکتب الاسلامیة ، لاهور).

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وفيه قصد أهل الفضل لتحنيك المولود لأجل البركة . (فتح الباری: ۳۶۷/۳، ط: دار نشر الکتب الاسلامیة ، لاهور). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: "إن الحلال بين وإن الحرام بين وبينهما مشتبهات، لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام، كالراعى يرعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه، ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى اللّٰه محارمه، ألا وإن فى الجسد مضغة إذا صلَحت صلَح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهى القلب".

(متفق عليه).

كتاب الحظر والإباحة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿کلوا واشربوا﴾ [البقرة: ٦٠].

وقال تعالیٰ : ﴿کلوا من طیبٰت مارزقنٰکم﴾ [البقرة: ٥٧].

وقال تعالیٰ : ﴿ولاتسرفوا إن اللّٰہ لایحب المسرفین﴾

[الانعام: ١٤١].

وقال تعالیٰ: ﴿کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحاً إنی بما تعملون علیم﴾ [المؤمنون:].

أحكام الأكل والشرب

عن عمر بن أبي سلمة یقول : کنت غلاماً فی حجر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفة، فقال لي رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : "یا غلام سمّ اللّٰہ وکل بیمینک وکل مما یلیک ،فما زالت تلک طعمتی بعد".

[رواه البخاری].

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ما علمت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أکل علی سکرجة قط، ولاخبز له مرقق قط، ولا أکل علی خوان قط، قیل لقتادة فعلام کانوا یأکلون قال : علی السفر.

[رواه البخاری].

فصل اول
کھانے سے متعلق احکام کا بیان

کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: یہ تو مجھے معلوم ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، لیکن بعض مسنون دعا کی کتابوں میں ” بِسْمِ اللّٰہ وعلَی بَرْکَةِ اللّٰہ “ مرقوم ہے، کیا یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور صحیح کیا ہے ” بِسْمِ اللّٰہ “ پڑھے یا ” بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم “ یا پھر ” بِسْمِ اللّٰہ وعلَی بَرْکَةِ اللّٰہ “؟ برائے مہربانی احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بعض احادیث سے ” بِسْمِ اللّٰہ وبَرْکَةِ اللّٰہ“ پڑھنا ثابت ہے، اور بعض روایات میں فقط بسم اللہ بھی آیا ہے، علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے ” بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم “ پڑھنا افضل ہے، البتہ ” بِسْمِ اللّٰہ وعلَی بَرْکَةِ اللّٰہ “ کے بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

(۱) أخرج الحاکم بسندہ عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم وأبا بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ أتوا بیت أبي أیوب رضی اللہ عنہ فلما أکلوا وشبعوا ، قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم خبز ولحم وتمر و بسر و رطب إذا أصبتم مثل ھذا فضربتم بأیدیکم فکلوا: بسم اللّٰہ

وبركة الله . قال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، (٤/١٢٨/٧٠٨٤)، ووافقه الذهبى، وأيضاً رواه الطبراني فى الأوسط ، (٢٢٤٧)، وفى الصغير، (١٨٥)، والبيهقى فى شعب الإيمان (٤٦٠٤) ، قال الهيثمي: فيه عبد الله بن كيسان المروزى ، وقد وثقه ابن حبان وضعفه غيره ، وبقية رجاله رجال الصحيح . (المجمع : ١٨٢٦١).

(٢) وأخرج الحاكم أيضاً بسنده عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا أكل أحدكم طعاماً فليقل:" بسم الله"، فإن نسي في أوله فليقل: بسم الله فى أوله وآخره . وقال : هذا حدث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، ووافقه الذهبى (رقم :٧٠٨٧) ، وأيضاً رواه ابن ماجه ،(ص ٢٣٥، باب التسمية عند الطعام) ، وأبوداود، (٣٧٦٧)، والترمذي، (١٨٥٨)، وقال: حسن صحيح، وأحمد في مسنده ،(٢٥٧٣٣)، قال الشيخ شعيب حديث حسن بشواهده .

(٣) وأخرج ابن السنى في عمل اليوم والليلة (٤٥٨) بسنده عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول فى الطعام ، إذا قرب إليه: اللهم بارک لنا فيما رزقتنا، وقنا عذاب النار ، بسم الله . إسناده ضعيف لضعف محمد بن أبى زعيزعة .

وللمزيد راجع : (لسان الميزان، ٦٧٨٥،١٣٥،الجزاء السابع، ط: بيروت).

(٤) عن علي ابن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال:حق الطعام إذا وضع من بين يديک أن تقنع وتقول: بسم الله، اللّهم بارک لنا فيمارزقتنا. (شعب الايمان ،٦٠٤٠،ومجمع الزوائد :٢٢/٥، قال الهيثمي: ابن اعبد ليس بمعروف ،وبقية رجاله ثقات).

نیز مطلق اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بارے میں بھی روایات وارد ہوئی ہیں۔ملاحظہ ہومستدرکِ حاکم میں ہے:

عن أبي سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ أن يهودية أهدت شاة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ... فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اذكروا اسم الله وكلوا . قال الحاكم:هذا

حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، وافقه الذهبي . (رقم: ۷۰۹۰)، ورواه البيهقي في الصغرى ، (۳۸۵۰) ، وفي الكبرى ، (۱۹۳٦۱)، والبخاري من حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها .

وعن عمربن أبي سلمة رضی اللہ عنہ قال : قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:" سم الله وكل بيمينك ، وكل مما يليك ". متفق عليه .

قال الإمام النووي رحمہ اللہ في باب التسمية عند الأكل والشرب من الأذكار (ص۲۷۵،ط: بيروت) : فصل : من أهم ما ينبغي أن يعرف صفة التسمية وقدر المجزئ منها، فاعلم أن الأفضل أن يقول: بسم الله الرحمن الرحيم ، فإن قال: بسم الله ، كفاه وحصلت السنة .

وفي الطحطاوي على الدر المختار: قوله وسنة الأكل البسملة في أوله...وإذا قلت: بسم الله فارفع صوتك حتى تلقن من معك تتارخانية . (۱۷۱/٤،ط: كوئته).

(وكذا في فتاوى الشامي: ٣٤٠/٦،سعيد، ومجمع الانهرفي شرح ملتقى الابحر:١٨١/٤،ط: بيروت، والاختيار لتعليل المختار:١٨٦/٤،ط: بيروت).

قال العلامة العيني رحمہ اللہ في عمدة القاري: وأصرح ما ورد في صفة التسمية مارواه أبوداود والترمذي من طريق أم كلثوم عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً: إذا أكل أحدكم الطعام فليقل: بسم الله...قال العلماء:...وتحصل التسمية بقوله: بسم الله فإن أتبعها بالرحمن الرحيم كان حسناً . (عمدة القاري:١٤/٣٨٦،كتاب الاطعمة ،باب التسمية على الطعام). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمک سے کھانے کی ابتدا کرنے کا حکم:

سوال: کھانا نمک سے شروع کرنا اور نمک پر ختم کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ لوگوں میں مشہور ہے کہ کھانا نمک سے شروع کرنا چاہئے اور ختم بھی نمک پر کرنا چاہئے اس کی کیا حیثیت ہے؟ احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں تفصیل درکار ہے؟ بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل ۔

الجواب: فقہائے احناف نے کھانا نمک سے شروع کرنے اور نمک پر ختم کرنے کو سنتِ اکل میں شمار کیاہے۔فقہاء کی عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

فتاویٰ شامی میں ہے:

ومن السنة البداءة بالملح والختم به بل فيه شفاء من سبعين داء. (فتاوى الشامى:٦/٣٤٠، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

من السنة أن يبدأ بالملح ويختم بالملح . (الفتاوى الهندية:٥/٣٣٧،الباب الحادى عشر فى الكراهية فى الاكل ومايتصل به).

وفي الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد : ومن السنة البداءة بالملح والختم به ولكن لم يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء من هذا بل ذكر ابن الجوزي أنه حديث موضوع. (الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد:٥/٣١٧،ط:بيروت).

وللاستزادة انظر: (البحرالرائق: ٨/١٨٤، كوئته، والمحيط البرهانى:٧/٨٩، مكتبه رشيديه، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٧١،المكتبة العربية،كوئته، وخلاصة الفتاوىٰ :٤/٣٦٠، الفصل الخامس فى الاكل، المكتبة الرشيدية، والآداب الشرعية لابن مفلح، فصل فى آداب الاكل :٣/٣٥٢، وغذاء الالباب شرح منظومة الآداب لمحمد بن احمد بن سالم السفارينى الحنبلى ، السادس فى بعض آداب احضار الطعام :٢/١١٩،ط: بيروت) .

بریقہ محمودیہ میں ہے:

ومن السنة أن يبدأ بالملح وهوالموافق لما فى فصول الأسروشني من قوله: والسنة أن يبدأ الأكل بالملح ويختم به وفى الشرعة: ويبدأ بالملح فإن فيه شفاء من الأمراض وفي شرحه: كما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم" يا علي ابدأ طعامك بالملح فإن الملح شفاء من سبعين داء منها الجنون والجذام والبرص ووجع البطن والضرس". كذا فى العوارف... وفي رسالة مسماة بطب النبي منسوبة إلى الحبيب النيسابورى قال النبي صلى

اللّٰه عليه وسلم:" إذا قرب أحدكم الطعام فليبدأ بالملح". وقال عليه الصلاة والسلام لعلى كرم اللّٰه وجهه: افتح طعامک بالملح واختم به فإن من افتتح طعامه بالملح واختتم به عوفي من اثنين وسبعين نوعاً من أنواع البلاء منها: الجذام والبرص "، انتهى هذا .

لكن حَكَمَ علي القارى بوضع حديث الملح فى موضوعاته. واغتر بظاهره بعض العلماء ومنع لكن بعد تسليم صحة الوضع فى البعض ينبغي أن لايسلم في حق الجميع كيف والفقهاء لا يحكمون بمشروعية شيء لم يقفوا على صحته وقد عد ابن حجر أبا بكر الرازى من حفاظ المحدثين وقال فى شرحه: على القارى وهوصاحب شرعة الإسلام وقيل: وهوالجصاص من كبار السادة الحنفية وإن لم يطلع يقيناً ولوسلم موضوعية الكل فلا يلزم انتفاء السنية كيف وقد قال فى الشرعة أيضاً هنا ماكان عليه القرن المشهود لهم بالخير والصلاح والرشاد وهم الخلفاء الراشدون ومن عاصر سيد الخلائق ثم التابعون ثم من بعدهم وقال فى شرحه عند قول المصنف ؒ ومن السنة ابتداء، مراده من السنة: سنة سيد المرسلين أوسنة أهل السنة والجماعة أوسنة السلف الصالحين أو سنة أهل الإسلام وغير ذلک ثم قال عن روضة الناصحين : السنة فى الشريعة عبارة عن طريقة مسلوكة أمرنا بإحيائها... (بريقة محمودية فى شرح طريقة محمدية :٥/٤٨٣،الصنف السادس فى آفات البطن).

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں ایک سؤال کے جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: **فى إحياء العلوم:ويبدأ بالملح ويختم به ...**

ان سب عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا یہ قول صحیح ہے،اوراس کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، باقی اس سے فقہاء وصوفیہ پر اعتراض بھی نہیں ہوسکتا،اس واسطے کہ " **لكل فن رجال** " اور ہر فقیہ وصوفی کے لیے محدث ہونا لازم نہیں، البتہ فقیہ بمعنی مجتہد کے لیے احادیثِ احکام پر مطلع ہونا ضروری ہے،سو یہ ادب مجتہد مذہب سے منقول بھی نہیں،اس لیے ان پر بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، نیز اس سے کتبِ مذہب کا غیر معتبر ہونا بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ وہ کتب تدوین مذہب منقول عن المجتہد کے لیے موضوع ہیں،اور یہ امور خود مجتہد سے منقول نہیں،اور یہ

سب کلام بابت عدمِ صحت روایت مسئول عنہا اور صحت قول قائل مذکور فی السوال باعتبار اس روایت کے بعینہٖ منقول صریح ومرفوع ہونے کے ہے، اور باعتبار اس قول کے صحیح فی نفسہٖ ہونے کے ہے، باقی من وجہ موقوفاً صریحاً اور مرفوعاً استنباطاً بانضمام بعض قواعدِ صحیحہ اس روایت کی اصل اور ماخذ ثابت ہے، اور اس قائل کا مقصود اگر کتب فقہ وتصوف کے معتبر ہونے کی نفی ہو تو وہ قول صحیح نہیں، چنانچہ وہ روایت موقوفاً حضرت علیؓ سے بایں لفظ احیاء میں منقول ہے:

”من ابتدأ غذاء ہ بالملح أذهب الله عنه سبعين نوعاً من البلاء“ اور زبیدی نے بیہقی سے اس کی تخریج کر کے کوئی کلام نہیں کیا اور مرفوعاً مقاصدِ حسنہ میں بہ تخریج ابن ماجہ وابویعلی وطبرانی وقضاعی بروایت حضرت انسؓ یہ الفاظ وارد ہیں: ”سيد إدامكم الملح“ اور اصل مقتضی سیادت کا یہ ہے کہ وہ اول وآخر دونوں محل میں ہو اور بہت مواقع پر تکویناً وتشریعاً اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول الانبیاء نوراً وآخر انبیاً وظہوراً ہیں، اور خود طعام کے قبل اور بعد ذکر اللہ وارد ہے، اور دعا کے شروع اور ختم دونوں پر درود شریف مامور بہ ہے اسی طرح بہت سے احکام ہیں، پس یہ ماخذ ہوسکتا ہے نمک سے ابتداء اور اس پر اختتام کرنے کا، لیکن یہ عبادات سے نہیں، اس معنی کر استحباب کا حکم نہیں کر سکتے لیکن چونکہ عادات مرضیہ موافقہ للقواعد الشرعیہ میں سے ہے، اس لیے مستحب بمعنی محبوب ومرغوب فیہ کہہ سکتے ہیں، اور اس سے معلوم ہوگیا کہ قائل قول مذکور کا مقصود اگر اس کی بالکلیہ نفی یا کتب مذہب کے غیر معتبر ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ قول صحیح نہیں۔ (امداد الفتاوی:۴/۱۱۲)۔

نمک سے کھانا شروع کرنے سے متعلق احادیث درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) قال الحارث بن محمد بن أبي أسامة في ”مسنده“ (٤٦٢) حدثنا عبد الرحيم بن واقد، ثنا حماد بن عمرو، عن السرى بن خالد بن شداد، عن جعفربن محمد، عن أبيه، عن جده، عن علي رضي الله عنه أنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ” يا على، إذا توضأت فقل: بسم الله، اللّهم إني أسألک تمام الوضوء، وتمام الصلاة، وتمام رضوانک، وتمام مغفرتک، فهذه زكاة الوضوء، وإذا أكلت فابدأ بالملح، واختم بالملح؛ فإن فى الملح شفاء من سبعين داء أولها: الجذام والجنون والبرص، ووجع الأضراس ووجع الحلق،

ووجع البصر...الخ .

قال البوصيري فی " الزوائد " (٤/٣٨٠/٤٠٣٩، بـاب وصية النبى صلى الله عليه وسلم لعلى بن ابى طالبؓ،ط:مكتبة الرشد): **هذا إسناد مسلسل بالضعفاء ، السرى ، وحماد ، وعبد الرحيم ، ضعفاء وقد تقدم هذا الحديث فی كتاب الطهارة، فی باب التسمية عند الوضوء** (١/٤٢٤/٨٠٥).

وللمزيد انظر: (المطالب العالية :٢/١٧٠/٢٤٦٠،واللآلی المصنوعة :٢/٣١٢،والزوائد للهيثمی:١/٥٢٦/٤٦٩).

(٢) حديث علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا على عليک بالملح فإنه شفاء من سبعين داء أقلها الجذام والبرص والجنون (ابن الجوزى) ولايصح فيه أحمد بن عامر وعنه ابنه عبد الله وآفته أحدهما فإنهما يرويان عن أهل البيت نسخة كلها باطلة . (تنزيه الشريعة المرفوعة:٢/٢٤٣/٤٤، كتاب الاطعمة،ط:بيروت).

وللاستزادة انظر: (اللآلی المصنوعة فی الآحاديث الموضوعة:٢/١٧٩، كتاب الاطعمة،ط:بيروت، وتذكرة الموضوعات،ص ١٤١، باب آداب الطعام، وكشف الخفاء : ٢/٤١٣، وكتاب الموضوعات لابن الجوزى: ٢/٢٨٩، باب فضل الملح، والفوائدالمجموعة فی الاحاديث الموضوعة، للشوكانی ،ص ١٦١،رقم ٢٢).

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔جس کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے،لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ملاحظہ ہو:

قال: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبوالعباس محمد بن يعقوب ثنا الحسن بن على بن عفان ثنا زيد بن الحباب ثنا عيسى بن الأشعث عن جويبرعن الضحاک عن النزال بن سبرة عن علي رضی اللہ عنہ أنه قال: من ابتدأ غداء ه بالملح أذهب عنه سبعين نوعاً من البلاء ، وذكر الحد يث قد أخرجناه بطوله في مناقب أمير المؤمنين علي رضى الله تعالىٰ عنه. (شعب الايمان :٥/١٠٣/٥٥٥٣،ط:بيروت).

قال الإمام السيوطيؒ في جامع الأحاديث: وروى بعضه ابن السنى، وأبونعيم فى الطب، والبيهقي في شعب الإيمان ، وعيسى بن الأشعث ، قال فی المغنی: مجهول،

وجويبر متروک).

قال ابن العراق: عند البيهقى فى الشعب عن علي رضی اللہ عنہ **موقوفاً من ابتدأ غداء ه بالملح أذهب اللّٰه عنه سبعين نوعاً من البلاء...(قلت)...وأثرعلى ضعيف في سنده جويبرمتروک وعنه عيسى بن الاشعث مجهول ، واللّٰه تعالىٰ أعلم.** (تنزيه الشريعة المرفوعة :۲/۲۴۳/۴۴، كتاب الاطعمة ،ط:بيروت).

وللاستزادة انظر: (اللآلى المصنوعة : ۱۷۹/۲،وتذكرة الموضوعات ،ص ۱۴۱،وتنزيه الشريعة:۲).

☆ *بعض محدثین نے بطورِ شاہد حضرت سعد بن معاذ* رضی اللہ عنہ *کی حدیث پیش کی ہے لیکن شیخ ابن العراق نے اس کو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:*

قال الإمام السيوطى: قال أبوعبد اللّٰه بن مندة في كتاب أخبار أصبهان أنبأنا عبد اللّٰه بن إبراهيم المقبري حدثنا عمروبن مسلم بن الزبيرحدثنا إبراهيم بن حيان بن حنظلة بن سويد عن علقمة بن سعد بن معاذ حدثنا أبي عن أبيه عن جده مرفوعاً: استغنموا (و في رواية : استفتحوا) طعامكم بالملح فو الذي نفسي بيده أنه ليرد ثلاثاً وسبعين نوعاً من البلاء أو قال من الداء . (اللآلى المصنوعة:۱۷۹/۲،ط:بيروت).

ونقل عنه الفتني في تذكرة الموضوعات ،(ص۱۴۱)**، وذكره ابن العراق الكنانى فى "تنزيه الشريعة "**(۲۴۳/۲،كتاب الاطعمة،ط: بيروت) **وقال:قلت: هومن طريق إبراهيم بن حيان بن حكيم فلا يصح شاهداً .**

قال ابن عدى فى "الكامل " (۲۵۴/۱/۸۴،ط: دارالفكر) **: أحاديثه (إبراهيم بن حيان بن حكيم) موضوعة مناكير. وقال ابن مندة الأصبهاني في" فتح الباب فى الكنى والألقاب"** (۲۳۲) **حدث عن : أبيه وشريک: بمناكير .**

قلت: فالحديث ضعيف جداً مرفوعاً و موقوفاً .

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء نے اگر چہ قبل الطعام وبعد الطعام نمک کو سنت لکھا ہے لیکن اس کے لیے کوئی صحیح

روایت دستیاب نہیں ہوئی، لہذا سنت نہیں کہا جائے گا البتہ ضعیف روایات کی وجہ سے اس پر عمل کرنا درست ہے بشرطیکہ کسی کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس کے لیے نمک مضر ثابت ہو۔

نمک کے بعض فوائد:

شمائل کبریٰ میں ہے: نمک ہضمِ معدہ اور افعالِ معدہ کے لیے انتہائی مفید ہے نمکین کھانا سریع الہضم ہوتا ہے۔ (شمائل کبریٰ: ۱/ ۵۷)۔

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں مرقوم ہے:

کھانے سے قبل نمک اس لیے چکھا جاتا ہے کیونکہ نمک کے اندر کھانے کی خواہش کو بڑھانے والے اجزاء ہیں اور پھر جب ہم نمک چکھتے ہیں تو فوراً لعاب پیدا کرنے والے غدود ہاضم طعام رطوبت کو مترشح کرنا شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے میں دل لگتا ہے، کھانا لذیذ لگتا ہے اور بھوک چمک اٹھتی ہے اور اللہ کی نعمت کی قدر دانی ہوتی ہے۔

کھانے کے بعد چونکہ زبان، گلے اور خوراک کی نالی میں کھانے، گھی اور دیگر روغنیات کی تہہ چمٹ جاتی ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اس لیے نمک جاکر اس تہہ کو ختم کر دیتا ہے۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی: ۱/ ۸۹، ط: ادارہ اسلامیات)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانا کھانے کے بعد کی دعا:

سوال: کھانا کھانے کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے: "**الحمدللّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین**" اس میں تین باتیں دریافت کرنی ہیں: (۱) پہلی یہ کہ اس دعا میں "**من المسلمین**" ہے یا "**مسلمین**" ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ یہ روایت صحیح ہے یا ضعیف۔

(۳) تیسری یہ کہ کھانے پینے کی دعا سے اسلام کا کیا جوڑ ہے؟

الجواب: (۱) یہ دعا متعدد کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔

مثلاً: (سنن الترمذی:۲/۱۸٤، وسنن ابی داود: ،ص۵۳۸،وسنن ابن ماجه،ص ۲۳٦،وعمل اليوم والليلة للنسائی ،ص ۱۰٤ ،و عمل اليوم والليلة لابن السنی ،ص ۱۲۵ ،و، باب مايقول اذا اكل ط: دائرة المعارف،ومسندأحمد۱۷/۳۷۵،و۱۸/٤۲۰ ،بتحقيق الشيخ شعيب الارنؤوط،ط مؤسسة الرسالة ، وشعب الايمان للبيهقی:۵/۱۲۲، فصل فی مايقول اذافرغ من الطعام ، ط: دار الكتب العلمية ، والاذكارللنووی ،ص۲۱۲، مايقول اذافرغ من الطعام ،ط: مكتبة القدس، والزوائد للامام البوصيری :۵/۳٤۳/٤۹۲۵ ،باب مايقال بعدالطعام والشراب،واخلاق النبی لابی الشيخ الاصبهانی ، رقم ٦٤۳، والدعاء لمحمد بن فضيل الضبی، رقم:۱۱۳، والدعاء للامام الطبرانی،رقم ۸۹۸، والدعوات الكبيرللامام البيقهی،رقم : ٤۵٤).

مذکورہ بالا کتبِ حدیث میں سے کسی میں بھی ”من المسلمين“ ہم نے نہیں دیکھا تمام طرق میں ”مسلمين“ ہے۔

البتہ ”**كنز العمال**“ (۷/۱۰٤/۱۸۱۷۹،الباب الثالث فی شمائل تتعلق بالعادات والمعيشة،ط:مؤسسة الرسالة) میں بحوالہ مسند احمد اور ”**الأحاديث المختارة**“ **للضياء المقدسي عن أبي سعيد الخدري** رضی اللہ عنہ ”**من المسلمين**“ نقل کیا ہے۔

لیکن مسند احمد میں دوجگہ یہ روایت حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے ،مگر دونوں جگہوں میں ”مسلمين“ ہے،**من المسلمين** کسی جگہ مذکور نہیں ہے،اور”**الأحاديث المختارة**“ **للضياء المقدسی** میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ حصن حصین کے مطبوعہ نسخوں میں بھی ”من“ مذکور ہے،البتہ ایک مخطوطہ دستیاب ہوا اس میں ”من“ مذکور نہیں ہے،اس مخطوطہ کے آخر میں مرقوم ہے: سوّده الفقير السيد عثمان المعروف بحافظ القرآن غفر الله له ولوالديه ولمن نظر فيه وقرأ ، آمين، سنة اثنا وثمانون ومأة وألف من هجرة من له الشرف.

(۲) حدیث کی سند کے بارے میں سنن ابن ماجہ کی تعلیقات میں شیخ بشار عواد فرماتے ہیں:

إسناده ضعيف لجهالة مولى أبي سعيد ، وحجاج هو ابن أرطاة مدلس، وقد عنعنه .

وفي الحديث اختلاف كثير. (٥/٢٤).

شیخ شعیب نے مسند احمد کی تعلیقات میں فرمایا: **إسناده ضعيف، علته الجهالة والاضطراب** .

معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں قابل عمل ہے۔البتہ کتاب الدعاء للطبرانی کی تعلیقات میں " **إسناده حسن** " فرمایا ہے۔**راجع** : (تعليقات كتاب الدعاء، ص٣٠٦، رقم:٨٩٨، باب : القول عندالفراغ من الطعام والشراب).

(۳) تیسری بات کہ " وجعلنا مسلمين " کا کھانے پینے سے کیا جوڑ ہے؟

اس جواب یہ ہے کہ اس کی تین حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(الف) کھانا پینا جسمانی غذا ہے اور اسلام روحانی غذا اور سببِ حیاۃ ہے۔**قال اللّٰہ تعالیٰ** : ﴿ **يا أيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم** ﴾ یعنی دین سببِ حیاۃ ہے۔کفار کو قرآن کریم میں اموات اور مسلمانوں کو احیاء کہا گیا ہے، لہذا جسمانی غذا کے شکر کے بعد روحانی غذا کے شکر کا ذکر ہے۔

(ب) دوسری حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مسلم کے معنی تابعدار ہے، تو کھانے پینے کے آداب واحکام کی تابعداری بھی بڑی نعمت ہے جو قابل شکر ہے، مثلاً ہاتھ دھونا، بسم اللہ بڑھنا، خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھنا، اکٹھے ہوکر کھانا، پلیٹ صاف کرنا وغیرہ۔

(ج) کھانا پینا چھوٹی نعمت ہے اور اسلام بڑی نعمت ہے تو اس میں چھوٹی نعمت سے بڑی نعمت کے شکر کی طرف انتقال ہے، جس کے شکریہ کی طرف اکثر ذہن منتقل نہیں ہوتا، تو کھانے پینے کے ضمن میں بڑی نعمت کا شکر بھی ادا کیا گیا۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانے کے بعد الحمدللہ پر اکتفا کرنے کا حکم:

سوال: کھانا کھانے کے بعد صرف الحمدللہ پر اکتفا کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اذکار اور ادعیہ دو قسم کے ہیں (۱) بلا کسی موقع ومحل کی تخصیص کے مطلق ہوں اور شارع علیہ

السلام کی طرف سے مخصوص الفاظ بھی ثابت نہ ہوں وہاں ہر قسم کے الفاظ ادا کرنا صحیح اور درست ہے تاہم قرآن واحادیث کے اذکار وادعیہ کا ادا کرنا بہتر ہے۔

(۲) مخصوص اوقات ومخصوص احوال میں شارع علیہ السلام کی طرف سے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں، مثلاً کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد، بیت الخلاء جانے سے پہلے اور نکلنے کے بعد وغیرہ، ان جگہوں پر ان مخصوص الفاظ کی رعایت کرنا منشائے شریعت ومقصودِ شریعت ہے، بنابریں کھانا کھانے کے بعد بھی مخصوص الفاظ جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں ان کا اہتمام کیا جائے۔

لیکن چونکہ بعض روایات میں فقط ''**الحمد لله**'' بھی آیا ہے اس لیے اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، نیز اگر کسی کو وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو صرف ''**الحمد لله**'' پر اکتفا کرنا بھی کافی ہو جائے گا۔ نیز بعض شراحِ حدیث نے مطلق حمد کو سنت قرار دیا ہے۔

اوراحادیث میں کھانا کھانے کے بعد پڑھنے کی مختلف ادعیہ وارد ہوئی ہیں ان میں سے بلا تعیین کوئی بھی پڑھ لے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ چند ادعیہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أكل طعاماً قال: "الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين". (إسناده ضعيف أو حسن، مرتخريجه).

(۲) عن أبي أيوب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أكل أوشرب قال: "الحمد لله الذي أطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجاً". (اسناده صحيح، ابوداود، ۳۸۵۳، وصحيح ابن حبان، ۵۲۲۰، وكتاب الدعاء للطبراني، ۸۹۷، والمعجم الكبير، ۳۹۷۵، وسنن النسائی الكبرى، ۶۸۶۷، وشعب الايمان للبيهقی، ۶۰، ۴۱، كتاب الدعوات للبيهقی).

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كنت في بيت ميمونة ...ثم أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بلبن فشرب فقال: "إذا أكل؛ أحدكم طعاماً فليقل: اللهم بارک لنا فيه وأطعمنا خيراً منه، وإذا سقى لبناً فليقل: اللهم بارک لنا فيه وزدنا منه". (إسناده حسن، ابوداود، ۳۷۳۲، والترمذی، ۳۴۵۵، ومسنداحمد، ۱۹۷۸، ومصنف عبدالرزاق، ۸۶۷۶، وشعب الايمان، ۵۶۴۱).

(۴) عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من

أكل طعاماً ثم قال:" الحمد لله الذي أطعمني هذا الطعام ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة". (اسناده حسن ،ابوداود،٤٠٢٥،ومسندابى يعلى ،١٤٩٨،وشعب الايمان ،٥٨٧٢،والآداب للبيهقى ،٥٢٢، وعمل اليوم والليلة لابن السنى ،وسنن ابن ماجه ومستدرك للحاكم).

(۵) وعن الحارث بن الحارث الأزدي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم عند فراغه من طعامه يقول:" اللّٰهم لک الحمد أطعمت وأسقيت وأشبعت وأرويت فلک الحمد غيرمكفور ولا مودع ولا مستغنى عنک ربنا". (إسناده ضعيف ، لضعف عمربن موسى بن وجيه ، المعجم الكبير،٣٣٧٢،وعمل اليوم والليلة لابن السنى،٤٨٦،واسنادابن السنى **حسن**،وفى مسنداحمد عن رجل من بنى سليم وله صحبة، وإسناده ضعيف أيضاً لضعف عبدالله بن عامر الأسلمى ،١٨٠٧١،وشعب الايمان ،٥٦٣٨).

(٦) عن ابن عباس رضي الله عنه ...قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أصبتم مثل هذا فضربتم بأيديكم ، فقولوا: بسم الله ،فإذا شبعتم: فقولوا : الحمد لله الذي هو أشبعنا وأروانا وأنعم علينا أفضل. (إسناده ضعيف لضعف عبد الله بن كيسان المروزى،شعب الايمان، ٤٢٨٤، وصحيح ابن حبان ،٥٢١٦).

(۷) عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رفع العشاء من بين يديه قال:"الحمد لله كثيراً طيباً مباركاً فيه غيرمكفي ولا مودع ولامستغنى عنه ربنا". (إسناده صحيح ، صحيح البخارى، رقم: ٥١٤٣،وسنن البيهقى الكبرى، رقم ١٤٤٤٩،والمعجم الكبير،رقم: ٧٤٦٩).

وفي رواية عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول عند انقضاء الطعام:" الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه غيرمكفي ولامودع ولامستغنى عنه". (إسناده حسن ، الدعاء للطبرانى ، رقم :٨٩٣، وصحيح ابن حبان،٥٢١٧،والمعجم الكبير، ٧٤٧١، ومسند احمد،٢٢٢٥٦).

ان کے علاوہ بھی بہت ساری ادعیہ احادیث میں وارد ہوئی ہیں،مفتی ارشاد قاسمی صاحبؒ نے" **الدعاء المسنون** " میں مختلف ادعیہ کو جمع فرمایا ہے،اس کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

امام نوویؒ نے مطلق حمد کو سنت قرار دیا ہے:

قوله صلى الله عليه وسلم: إن الله يرضى عن العبد أن يأكل الأكلة فيحمده عليها ويشرب الشربة فيحمده عليها " الأكلة وهى المرة الواحدة من الأكل كالغداة والعشاء ، وفيه استحاب حمد الله تعالىٰ عقب الأكل والشرب وقد جاء فى البخارى صفة التحميد: الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه غيرمكفى ولامودع ولا مستغنى عنه ربنا وجاء غير ذلك ولو اقتصرعلى" الحمد لله" حصل أصل السنة. (شرح صحيح مسلم للامام النوویؒ:۲/۳۵۲).

قال ابن بطال في شرحه: أهل العلم يستحبون حمد الله عند تمام الأكل والأخذ بهذا الحديث وشبهه ، فقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك أنواع من الحمد والشكر كان يقول إذا فرغ، وقد روى عنه عليه السلام أنه قال:من سمى الله على اول طعامه وحمده إذا فرغ منه لم يسئل عن نعيمه. (شرح صحيح البخارى لابن بطال:۹/ ۵۰۷، باب مايقول اذا فرغ من طعامه،ط: الرياض).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن عائشةؓ أنه قدم إليها طعام فقالت: ائتدموه ، فقالوا: وما إدامه قالت: تحمدون الله عليه إذا فرغتم . (مصنف ابن ابی شيبة :۱۲/۴۰۵).

معجم ابن الاعرابی میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مائدة عليها أربع خصال إلا أكملت، إذا أكل قال: بسم الله ، وإذا فرغ قال: الحمد لله ، وكثرت عليه الأيدى، وكان أصلها حلالاً . (معجم الصحابة لابن الاعرابى ،رقم :۹۹۸،وفيه عمروبن جميع متهم بالوضع).

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً بطعام سخن فأكل فلما فرغ قال:" الحمد لله ، ما دخل بطني طعام سخن منذ كذا وكذا ". (ابن ماجه ،رقم : ۴۱۴۰، قال البوصيرى فى الزوائد: إسناده حسن).

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الرجل ليضع طعامه فما يرفع حتى يغفر له ، قالوا: يا رسول الله ، وماذاک ؟ قال: يقول: بسم الله إذا وضع طعامه ، وإذا رفع قال:" الحمد لله كثيراً ". (إسناده ضعيف، عمل اليوم والليلة لابن السنى ، رقم :٤٨٤).

الفردوس بماثور الخطاب میں ہے:

الحسن بن علي رضي الله عنه: إذا دخل الرجل بيته فقال: السلام عليكم ووضع طعامه فقال: بسم الله، فإذا فرغ قال: الحمد لله قال الشيطان ليس لي هاهنا رزق ولا مبيت. (رقم الحديث:١١٥٤).

کتبِ فقہ کی عبارت حسبِ ذیل درج ہے:

وسُنَنُ الطعام البسملة في أوله ، والحمدلة في آخره . (الاختيارلتعليل المختار: ٤/١٨٦،ط:بيروت).

(وكذا فى فتاوى الشامى: ٦/٣٤٠،سعيد، ومجمع الانهرفى شرح ملتقى الابحر:٤/١٨١،ط: بيروت، والفتاوى الهندية:٥/٣٣٧،وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٧١،ط: كوئته).

مذکورہ بالا احادیث ،شروح اور کتبِ فقہ کی عبارات کا خلاصہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد مطلق حمد مسنون ہے،اورالحمدللہ کہنے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی، البتہ افضل یہ ہے کہ مذکورہ بالا ادعیہ میں سے مختلف دعاؤں کا اہتمام کیا جائے ،اگرکسی کوسب دعائیں یادہوں توسب پڑھنا چاہئے ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانے کے درمیان دعا کا حکم:

سوال: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جو شخص کھانا کھانے کے درمیان یہ دعا پڑھے: " **اللّٰهم لک الحمد ولک الشکر** "، تو اس کو ہر مرتبہ میں ایک دن کے روزے کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کھانا کھانے کے درمیان میں مطلق حمد بیان کرنے اور شکریہ ادا کرنے کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے البتہ خصوصیت کے ساتھ سوال میں مذکور دعا کسی حدیث میں صراحۃً وارد ہوئی ہو نظر سے نہیں گزری، تاہم اس میں بھی حمد اور شکر مذکور ہے، لہذا اس کو پڑھنا درست ہے لیکن خاص اسی دعا کے پڑھنے کو سنت کہنا اور مخصوص فضیلت کا اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے طاعم شاکر اجر وثواب میں صائم صابر کی طرح ہے۔ سنن ترمذی میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعم الشاكر بمنزلة الصائم الصابر. قال أبوعيسى: هذا حديث حسن غريب، (٢٤٨٦)، **وكذا في سنن ابن ماجه،** (١٧٦٤)، **وسنن الدارمي،** (٢٠٢٤) **وصحيح ابن حبان،** (٣١٥)، **وصحيح ابن خزيمة،** (١٨٩٨)، **ومسند أحمد،** (٧٨٠٦)، **ومستدرك حاكم:** (٤/١٣٦/٧١٩٤).

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله ليرضى عن العبدان يأكل الأكلة، فيحمده عليها، أويشرب الشربة، فيحمده عليها. (رواه مسلم: ٢٧٣٤).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن سعد بن مسعود الثقفي قال: إنما سمى نوح عبداً شكوراً لأنه إذا أكل وشرب حمد الله. رواه الطبراني وتابعيه سعد بن سنان لم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح.

(مجمع الزوائد: ٥/٢٩، دارالفكر). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم:

سوال: کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ہاتھ دھو کر تولیہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: کھانا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا مسنون ہے لیکن کلی کرنا سنت نہیں

ہے ہاں مکروہ بھی نہیں ہے اور کھانے سے قبل ہاتھ دھوکر پونچھا نہیں جائیگا بلکہ کھانا کھانے کے بعد تولیہ استعمال کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: قرأت في التوراة أن بركة الطعام الوضوء بعده، فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته بما قرأت في التوراة، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده . (ترمذی شریف: ۱۸۴٦،وابوداود شریف ،رقم ۳۷٦۳،قال ابوداود : وهوضعيف ،وابن ابی شيبة ،٦٢٤٦،ومستدركِ حاكم ،٦٥٤٦).

وأخرج الطبراني في "الأوسط " (٧١٦٦) **بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: الوضوء قبل الطعام مما ينفي الفقر وهو من سنن المرسلين .**

قال الهيثمي: وفيه: نهشل بن سعيد وهومتروك . (مجمع الزوائد:٥/٢٤،دارالفكر).

وفي شرح السنة للإمام البغوي: والمراد منه: غسل اليدين . قال قتادة: من غسل يديه فقد توضأ. (شرح السنة :١/٣٥٠،باب ترك الوضوء مما مست النار،ط: المكتب الاسلامی).

وفي المغني للعراقي: وللطبراني في أوسط ، من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ: الوضوء قبل الطعام و بعده مماينفي الفقر، ولأبي داود والترمذي من حديث سلمان...وكلها ضعيفة. (المغنی عن حمل الاسفار،رقم:١٣٠٠،كتاب آداب الاكل).

و في تذكرة الموضوعات للفتني: والكل ضعيف... موضوع عند الصغاني. (باب آداب الطعام ،ص١٤١).

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يأكل وهوجنب غسل يديه. قال شعيب: حديث صحيح صالح بن أبي الاخضر وإن كان ضعيفاً متابع في الروايات الواردة في تخريجها ، و باقي رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين . (مسند احمد رقم:٢٥٥٩٨، وسنن ابن ماجه،٥٩٣،ومسنداسحاق بن راهويه،٨٢٢).

وفي الزوائد للبوصيري: عن عائشة رضی اللہ عنہا، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن

یأكل غسل يديه، هذا إسناد ضعيف لضعف صالح بن أبى الأخضر. (٥/٢٩٣،رقم:٤٨٢٥،وكذا فى المطالب العالية،رقم:٢٤٠٦).

مذکورہ بالا حضرت عائشہؓ کی روایت شواہد اور متابعات کی وجہ سے صحیح ہے،مگر بعض میں لفظ ''وهو جنب'' مذکور ہے اور بعض میں مذکور نہیں ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

وسنة الأكل...وغسل اليدين قبله لنفى الفقر ولا يمسح يده بالمنديل ليبقى أثر الغسل وبعده لنفى اللمم ويمسحها ليزول أثر الطعام وجاء أنه بركة الطعام...وهل غسل فمه للأكل سنة كغسل يده؟ الجواب: لا، لكن يكره للجنب قبله بخلاف الحائض. (فتاوى الشامى:٦/٣٤٠،سعيد).

وفى الطحطاوي على الدر: وغسل الفم قبل الأكل ليس بسنة. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار:٤/١٧١،كوئته).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفى البرهانية: والسنة ان يغسل الأيدى قبل الطعام وبعده، وفى واقعات الناطفى: ...وإذا غسل لا يمسح بالمنديل، لكن يترك ليجف، ليكون أثر الغسل باقياً وقت الأكل والأدب فى الغسل بعد الطعام أن يبدأ بالشيوخ ويمسح يده بالمنديل، ليكون أثر الغسل زائلاً بالكلية. وفى اليتيمة: وسئل والدي عن غسل الفم للأكل، هل هو سنة كغسل اليد؟ فقال: لا. (الفتاوى التاتارخانية:١٨/١٣٥،الكراهة فى الاكل ومايتصل به).

وللمزيد راجع: (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٧،والبحرالرائق: ٨/٢٠٩،بيروت).

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا انسانی زندگی کے معمولات میں ہے۔یہ کبھی کہاں اور کبھی کہاں ہاتھ لگاتا ہے تو چونکہ ہاتھوں پر جراثیم چپکے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے حکمِ شرعی ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھولو۔

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ اس کو کپڑے وغیرہ سے صاف نہ کرو اس لیے کہ اس کپڑے پر لگے ہوئے جراثیم پھر

کہیں ہاتھوں کو نہ لگ جائیں۔(سنتِ نبوی اور جدید سائنس:۱/۸۹)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مکشوف الرأس کھانا کھانے کا حکم:

سوال: کھانا کھاتے وقت سر کھلا رکھ کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص مکشوف الرأس کھانا کھاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مکشوف الرأس کھانا کھانا جائز اور درست ہے، فقہ کی کتابوں میں لاباس آتا ہے یعنی کوئی حرج نہیں ہے، ہاں کبھی لابأس خلافِ اولیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لہذا اس کو خلافِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ولا بأس بالأكل متكئاً أو مكشوف الراس في المختار. (فتاوى الشامي: ٣٤٠/٦،سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس وهو المختار كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ٣٣٧/٥). (وكذا في البحرالرائق: ١٩٤/٨،ط: ماجديه).

قال في رد المحتار: فكلمة لا بأس وإن كان الغالب استعماله فيما تركه أولىٰ. (فتاوى الشامي: ١١٩/١، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کھاتے وقت بیٹھنے کا سنت طریقہ:

سوال: کھانا کھاتے وقت بیٹھنے کے پسندیدہ طریقے کتنے ہیں اور کون سے ہیں؟ کیا تشہد کے طریقہ پر بیٹھنا سنت ہے یا نہیں اور اس کی کیا ہیئت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ نشست چند طریقہ سے منقول ہے:(۱) دونوں

گھٹنوں اور دونوں قدموں کو ملا کر بیٹھتے تھے جیسے نمازی بیٹھتا ہے لیکن ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنے پر اور ایک قدم دوسرے قدم پر ہوتا تھا[اس ہیئت کو عربی میں تورک کہتے ہیں]۔(عبدالرزاق فی المصنف).

(۲) دوسرا یہ کہ بایاں پاؤں بچھالیا جاوے اور داہنا گھٹنہ کھڑا کر لیا جاوے۔(رواہ ابن الضحاک فی الشمائل من حدیث انس بسند ضعیف).

(۳) تیسرا طریقہ ہے دونوں گھٹنے نماز کی نشست کی طرح بچھا لیے جاویں۔(أبو الشیخ فی أخلاق النبی، کذا فی تخریج العراقی)۔(آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ص۴۰،ط:ادارۂ اسلامیات،لاہور)۔

(۴) اُکڑوں۔بعض احادیث میں کھجور کھاتے وقت یہ طریقہ منقول ہے۔اس کو اقعاء کہتے ہیں اس کی دو کیفیتیں ہیں: (۱) مقعد اور تلووں پر بیٹھ کر ٹانگوں کو کھڑا کر کے کھانا۔(۲) یا پنجوں پر بیٹھ کر پاؤں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا،بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ صرف کھجور تناول فرماتے ہوئے ثابت ہے۔

حوالہ جات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال ابن حجر فی الفتح: فالمستحب في صفة الجلوس للأكل أن يكون جاثياً على ركبتيه وظهورقدميه ، أو ينصب الرجل اليمنى ويجلس على اليسرى . (فتح الباری :۵۴۲/۹،ط: دارالمعرفة ،بیروت). (وکذا فی عمدة القاری: ۴۰۸/۱۴،باب الاکل متکئاً ،والفجرالساطع علی الصحیح الجامع :۱۷۱/۷،وغذاء الالباب :۷۸/۲،وسبل الهدی والرشاد :۱۸۱/۷،ط:بیروت،والمواهب اللدنیة:۴۱۱/۲،المکتب الاسلامی، وتحفةالاحوذی :۵۵۸/۵).

تحفۃ الاحوذی میں مرقوم ہے:

قوله أما أناْ فلا آكل متكئاً ، سبب هذا الحديث قصة الأعرابى المذكور في حديث عبد اللّٰه بن بسر عند ابن ماجه والطبراني بسند حسن قال: أهديت للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم شاة فجثا على ركبتيه يأكل فقال له : أعرابي ما هذه الجلسة فقال: إن اللّٰه جعلني عبداً كريماً ولم يجعلني جباراً عنيداً ، قال بن بطال : إنما فعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تواضعاً للّٰه. (تحفة الاحوذی :۴۵۳/۵،وکذا فی الفتح الباری :۵۴۱/۹،ط:بیروت).

قال ابن القیمؒ: و يذكر عنه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان يجلس للأكل متوركاً على

ركبتيه ويضع بطن قدمه اليسرى على ظهر قدمه اليمنى تواضعاً لربه عز وجل وأدباً بين يديه واحتراماً للطعام وللمؤاكل قال: فهذه الهيئة أنفع هيئات الأكل وأفضلها لأن الاعضاء كلها تكون على وضعها الطبيعي الذى خلقها الله سبحانه عليه مع ما فيها من الهيئة الأدبية . (زاد المعاد : ٢٢١/٤، فى هديه صلى الله عليه وسلم فى هيئة الجلوس للأكل ، مؤسسة الرسالة، والطب النبى ،١٧٢، دارالفكر).

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم مقعياً يأكل تمراً. (رواه مسلم ، رقم :٢٠٤٤).

☆ المقعي : الذى يلصق أليته بالأرض وينصب ساقيه . (كذا فى رياض الصالحين،باب كراهية الاكل متكئاً، وفى تعليقات آداب البيقهى :٩٣/٢،واخلاق النبى لابى الشيخ :٤٢٧/٢،والاوسط لابن المنذر، رقم:١٤٤٣، والنهاية فى غريب الاثر:٨٩/٤،ط:بيروت).

وقيل: الإقعاء هو أن يضع أليته على عقبيه . (كذا فى النهاية فى غريب الاثر:٨٩/٤،والاوسط لابن المنذر،١٤٤٣).

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قدمنا إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تمراً، فجثا على ركبتيه، فأخذ قبضة ، فقال: اذهب بهذا إلى فلانة وأخذ قبضة ، فقال : اذهب بهذا إلى فلانة...ثم أخذ قبضة منه يأكل ويلقى النوى بشماله ....(الزوائد للبوصيرى:٤٨٩٥/٣٣٠/٥،ط:الرياض).

عن عبد اللّٰه بن بسر رضی اللہ عنہ قال: أهديت للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم شاة فجثا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على ركبتيه يأكل فقال أعرابي: ما هذه الجلسة فقال: إن اللّٰه جعلني عبداً كريماً ولم يجعلني جباراً عنيداً . (ابن ماجه ،رقم : ٣٢٥٤).

قوت القلوب میں ہے:

وربما جثا للأكل على ركبتيه وجلس على ظهر قدميه ونصب رجله اليمنى وهى جلسة العرب للأكل إلى اليوم . (قوت القلوب :٣٠٧/٢).

تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

إن المرأ ينبغي له ان يجلس على الطعام جلوساً متواضعاً ويجتنب هيئة المتكبرين...وذكر العلماء أن أدب الطعام أن يجلس الرجل جاثياً على ركبتيه وظهور قدميه ، أو ينصب الرجل اليمنى و يجلس على اليسرى، ذكره العيني في العمدة ، والحافظ في الفتح. (تكملة فتح الملهم :٤/٤٨ ، باب استحباب تواضع الآكل ، وصفة قعوده).

مظاہر حق جدید میں ہے:

اس طرح بیٹھ کر کھایا جائے کہ یا تو (۱) دوزانو ہو یا (۲) بصورتِ اقعاء ہو یعنی دونوں کولھے ٹیک لے اور دونوں زانو کھڑے کرلے یا (۳) دونوں پاؤں پر بیٹھے یعنی اکڑوں اور یا (۴) داہنا زانو کھڑا کرلے اور بائیں زانو پر بیٹھ جائے۔ (مظاہر حق جدید: جلدِ چہارم، ص۸۴، ط؛ دارالاشاعت)۔

حلال وحرام میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طریقوں سے کھانا ثابت ہے۔ اکڑوں، ایک پاؤں بچھا کر اور دوسرا اٹھا کر کھانا، تورک کے ساتھ بیٹھنا۔ (حلال وحرام، ص۱۱۰)۔

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

احادیث میں کھانا کھانے کے تین انداز بتائے گئے ہیں:

(۱) اکڑوں بیٹھنا...۔ (۲) ایک زانو بیٹھا...۔ (۳) دوزانو بیٹھنا...۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس: ۱/۹۳).

اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میں بندہ ہوں اور بندوں کے مانند بیٹھتا ہوں اور ایسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اس قسم کی تھی کہ گویا گھٹنوں کے بل ابھی کھڑے ہو جائیں گے) یعنی اکڑوں بیٹھ کر۔ (زادالمعاد)۔

صاحبِ مواہب کہتے ہیں کہ کھانے کے لیے اس طرح بیٹھنا مستحب ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کرے اور دونوں قدموں کی پشت پر نشست کرکے یا اس طرح کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع وادب کی خاطر بائیں قدم کے اندر کی جانب کو

داہنے قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔(اسوۂ رسول اکرم،ص۱۱۵)۔

وللاستزادة انظر: (الطب النبوي، ص:۱۷۲، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الشامي: ۱۸۰/۷، ط: بيروت، والانوار فی شمائل النبی المختار للإمام البغوی:۳۲۴/۱، وقوت القلوب للشيخ ابی طالب المكی :۳۰۷/۲، وتخريج العراقی علی الاحياء:، وشرح رياض الصالحين:۱۰۶۷/۲، للشيخ محمد بن صالح العثيمين، وسلسلة الآداب الاسلامية لمحمدصالح المنجد :۲۵/۹،وشمائل کبریٰ : ۴۲/۱، ط: زمزم، ومدارج النبوة ، وزاد المعاد: ۲۲۰/۴، فی هديه صلی الله عليه وسلم فی هيئة الجلوس للأكل). **والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔**

تکیہ لگا کر یا چارزانو بیٹھ کر کھانا کھانے کا حکم:

سوال: تکیہ لگا کر کھانا کھانا مکروہِ تنزیہی ہے یا تحریمی یا جائز ہے؟اور چارزانو بیٹھنا تکیہ میں شامل ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تکیہ لگا کر کھانا اگر تکبر کی بنا پر ہو تو مطلقاً ناجائز ہے اور اگر عذر کی بنا پر ہو تو بلا کراہت جائز ہے،اور اگر نہ تو تکبر کی وجہ سے اور نہ عذر کی وجہ سے بلکہ فقط استراحت کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ یہ طریقہ تکثیر طعام کی طرف مفضی ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ لگا کر کھانا تناول فرمایا تھا۔روایات ملاحظہ ہوفرمایئے:

عن فضيل بن عياض عن عبد العزيز بن رفيع عن مجاهد ، قال: ما أكل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم متكئاً قط إلا مرة ، قال : اللّٰهم إني عبدک و رسولک . (رواه ابن ابی شيبة فی مصنفه مرسلاً: ۲۵۰۰۴/۴۰۷/۱۲،باب من كان يأكل متكئاً).

وأيضاً رواه هناد بن السری فی " الزهد " (۸۰۱)، **وأخرجه ابن حجرؒ فی " المطالب العالية"** (۲۴۶۵) **وفی" التلخيص الحبير"** (۱۴۴۹) ، **والبوصيری فی "الزوائد"** (۴۸۵۰/۳۰۵/۵ و۴۸۵۱).

وروى ابن شاهين في" ناسخ الحديث ومنسوخه"(٦٣٨) بسنده عن مجاهد قال: ما أكل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم متكئاً إلا مرة ففزع فجلس ثم قال: اللّٰهم إني عبدك ونبيك ، والتشديد في هذا على وجه الاختيار من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا على وجه التحريم . وآداب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولىٰ أن تستعمل وما تركه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلا خير فيه وقد رخص فى الأكل متكئاً جماعة منهم ابن عباس رضي الله عنه وابن سيرينؒ وإبراهيمؒ والزهريؒ كذلك . (ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين،ص٤٧٧).

وروى الحارث بن محمد بن أبي أسامة في" مسنده " (٥٢٢) ، قال: حدثنا محمد بن عمر، ثنا هاشم بن عامر الأسلمي ، عن عبد اللّٰه بن سعد ، عن أبيه قال: كنت دليل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من العرج إلى المدينة فرأيته يأكل متكئاً .

و نقل عنه ابن حجر فى المطالب العالية " (٢٤٦٦) ، والبوصيرى فى "الزوائد" (٤٨٥٤/٣٠٦/٥، باب الاكل متكئاً). وقال: هذا إسناد ضعيف ، محمد بن عمر الواقدى كذاب .

نیز بعض صحابہ سے بھی کھاتے وقت تکیہ لگا کر بیٹھنا ثابت ہے ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

قال ابن أبي شيبة : حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن يزيد بن أبي زياد قال: أخبرني من رأى ابن عباس رضي الله عنه يأكل متكئاً .

و حدثنا هشام ، عن حصين قال: لما قدم خالد بن الوليد هاهنا إذا هو بمسلحة لآل فارس عليهم رجل يقال له : هزار مرد ، قال : فذكروا من عظم خلقه وشجاعته ، قال : فقتله خالد بن الوليد ، ثم دعا بغداء ه فتغدى وهو متكئ على جيفته ! يعني جسده .

و حدثنا أبو خالد الأحمر، عن حجاج ، عن عطاء قال: إن كنا نأكل ونحن متكئون .

و حدثنا أبو أسامة ، عن أبي هلال ، قال : رأيت ابن سيرين يأكل متكئاً .

حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حسام بن مصك ، عن ابن سيرين قال: دخلت على عبيدة فسألته عن الرجل يأكل متكئاً ؟ فأكل متكئاً. (مصنف ابن ابی شیبة : ٤٠٨/١٢-٤٠٩،باب

من کان یأکل متکئاً،المجلس العلمی).

وكذا في ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين (٤٧٨)، **وزاد فيه عن عبد الرزاق قال: أخبرنا معمر قال: سألت الزهری عن الأكل متكئاً قال: لا بأس به .** (وكذا فی مصنف عبدالرزاق،رقم: ١٩٥٤٩).

کتبِ فقہ کی عبارات سے بھی جواز مترشح ہوتا ہے:

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

لا بأس بالأكل متكئاً إذا لم يكن عن تكبر . (الفتاوی السراجية ،ص ٣٢٧،ط: زمزم).

فتاوی الشامی میں ہے:

ولا بأس بالأكل متكئاً . (ردالمحتار: ٦/٣٤٠، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لا بأس بالأكل متكئاً إذا لم يكن بالتكبر و فی الظهيرية هو المختار كذا فی جواهر الأخلاطي . (الفتاوی الهندية :٥/٣٣٧).

وللاستزادة انظر: (المحيط البرهانی : ٦/الفصل الثانی عشر فی الكراهية فی الاكل ،والموسوعة الفقهية الكويتية: ٤٥/٢٧٢،ط:وزارة الاوقاف،والفتاوی البزازيةعلی هامش الفتاوی الهندية:٦/٣٦٥).

لیکن حدیث شریف سے تکیہ لگا کر کھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن علی بن الأقمر سمعت أبا جحيفة يقول: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : لا آكل متكئاً . (رواه البخاری ،رقم : ٥٣٩٨).

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : لا تأكل متكئاً . رواه الطبراني فی الأوسط ورجاله ثقات .**(مجمع الزوائد: ٥/٢٤،دارالفكر).

قال في فتح الباري : وكان سبب هذا الحديث قصة الأعرابی المذكور في حديث عبد الله بن بسر عند ابن ماجه والطبراني بسند حسن قال: أهديت للنبي صلی الله عليه و سلم شاة فجثا علی ركبتيه يأكل فقال له أعرابي : ما هذه الجلسة فقال: إن الله جعلني عبداً

کـریماً ولم یجعلني جباراً عنیداً ، قال بن بطال : إنما فعل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم تواضعاً للّٰه . (فتح الباری:۹/٥٤١،ط:دارالمعرفة،بیروت).

تکیہ لگا کر کھانے کی کراہت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے،اس کے علاوہ یہ زیادہ کھانے کا باعث ہے۔ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

واختـلف السـلف فی الحکم متکئاً فزعم ابن القاص أن ذلک من الخصائص النبویة وتعقبه البیهقي فقال: قد یکره لغیره أیضاً لأنه من فعل المتعظمین وأصله مأخوذ من ملوک العـجـم فإن کان بالمرء مانع لایتمکن معه من الأکل إلا متکئاً لم یکن في ذلک کراهة ... وقد أخرج ابن أبي شیبة عن بن عباس رضی اللّٰه عنه وخالد بن الولید رضی اللّٰه عنه وعبیدة السلماني ومحمد بن سیرین وعطاء بن بسار والزهری جواز ذلک مطلقاً ...

واختلف في علة الکراهة ، وأقوی ما ورد فی ذلک ما أخرجه ابن أبي شیبة من طریق إبـراهیـم الـنـخعي قال:" کانوا یکرهون أن یأکلوا اتکاء ة مخافة أن تعظم بطونهم ...الخ".

(فتح الباری :۹/٥٤١،دارالمعرفة ،بیروت).

(وکذا فی عمدة القاری : ١٤/٤٠٧ـ٤٠٨ ،دارالحدیث ،ملتان).

شرح معانی الآثار میں ہے:

عـن إسمعیل الأعور قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یأکل متکئاً فنزل علیه جبـریـل عـلیـه السلام فقال: انظروا إلی هذا العبد کیف یأکل متکئاً قال: فجلس رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ، فقد یجوز أن یکون هذا هوالمعنی الذي قال : لا آکل متکئاً لأنه فعل الـمـلوک الجبابرة وفعل الأعاجم فکره ذلک ورغب فی فعل العرب. (شرح معانی الآثار،رقم : ٦٨٦٤، باب الشرب قائماً).

نیز اتکاء کی کیفیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

واختـلف فـي صـفة الاتـکـاء فقیل: أن یتمکن فی الجلوس للأکل علی أی صفة کان

وقيل: أن يميل على أحد شقيه وقيل : أن يعتمد على يده اليسرى من الأرض . (فتح الباری :۹/ ۵٤١،دارالمعرفة ، بيروت).

مرقات میں ہے:

ونقل في الشفاء عن المحققين أنهم فسروه بالتمكن للأكل والقعود في الجلوس كالمتربع المعتمد على وطاء تحته لأن هذه الهيئة تستدعي كثيرة الأكل وتقتضي الكبر.

(مرقاة المفاتيح: ٨/ ١٦٤، ط: امداديه ،ملتان).

النهايه في غريب الحديث والاثر میں ہے:

المتكئ في العربية كل من استوى قاعداً على وطاء متمكناً ، والعامة لاتعرف المتكئ إلا من مال في قعوده معتمداً على أحد شقيه والتاء فيه بدل من الواو وأصله من الوكاء وهو ما يشد به الكيس وغيره كأنه أوكأ مقعدته وشدها بالقعود على الوطاء الذى تحته . (النهاية فی غريب الحديث والاثر: ١/ ١٩٣،المكتبة العلمية).

جمع الوسائل میں ہے:

قال ميرك : اعلم أن المحققين من العلماء قالوا: الاتكاء على أربعة أنواع : الأول: الاتكاء على أحد الجنبين ، والثاني: وضع إحدى اليدين على الأرض والاتكاء عليهما، والثالث: التربع على وطاء والاستواء عليه، والرابع: استناد الظهر على وسادة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل: ١/ ١٨٥،اداره تاليفات).

بذل المجهود میں ہے:

قال الخطابي: يحسب أكثر العامة أن المتكيء هو المائل المعتمد على أحد شقيه لايعرفون غيره ، وكان بعضهم يتأول هذا الكلام على مذهب الطب ودفع الضرر عن البدن ... وقال الشيخ : وليس معنى الحديث ما ذهبوا إليه وإنما المتكئ ههنا هو المعتمد على الوطء الذي تحته ، فكل من استوى قاعداً على وطئ فهو متكئ ... (بذل المجهود: ١١/ ٤٩٦، دار البشائر الاسلامية).

تکملة فتح الملهم میں ہے:

أما الجلوس متربعاً بدون إسناد الظهر إلى ما خلفه أو الميلان على أحد الشقين فالظاهر أنه جائز بدون كراهة لعدم ما يدل على كراهته ، أما ما ذكره الخطابي من إدخاله فى الاتكاء فلم أره عند غيره. (تكملة فتح الملهم:٤/س٤٨).

وللمزيد راجع : (زادالمعاد: ٤/٢٠٢، مؤسسة الرسالة،وفيض البارى :٤/٣٣٤،والدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٧٥٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

الگ برتن میں کھانے سے اجتماع کا حکم:

سوال: اگر ساتھی ایک ساتھ بیٹھ کر الگ الگ برتن میں کھانا کھالیں تو اجتماعی کھانے کا ثواب ملے گا یانہیں؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع کے لفظ سے مقصود لوگوں کا ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا ہے اس سے ایک برتن میں کھانا لازم نہیں آتا، ہاں یہ بات الگ ہے کہ صحابہ کرام کا عام معمول ایک برتن میں کھانے کا تھا، لیکن اجتماعیت کے لیے ایک برتن ضروری نہیں بلکہ ایک دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا مقصود ہے اور یہ برکت کا باعث ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے ایک مرتبہ عدم شکم سیری کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے کا حکم دیا۔ ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں روایت ہے:

عن وحشي بن حرب عن أبيه عن جده أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا : يا رسول الله ! إنا نأكل ولا نشبع ، قال: فلعلكم تفترقون قالوا: نعم ، قال: فاجتمعوا على طعامكم واذكروا اسم الله عليه يبارك لكم فيه . (رواه ابوداودبسند حسن ،رقم: ٣٧٦٦).

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ! ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، انہوں نے کہا ہاں ! آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا مل کر کھاؤ، اوراللہ کا نام لے کر کھاؤ، اس میں برکت ہوگی۔

(ورواه ابن ماجه ، رقم: ٣٢٨٦،والبيقهى فى الشعب ،رقم: ٥٤٤٩،واحمد فى مسنده ،رقم: ١٦٠٧٨، والحاكم فى المستدرك،رقم: ٢٥٠٠).

وفي صحيح ابن حبان قال: تجتمعون على طعامكم أو تتفرقون ؟ قالوا: نتفرق، ... الخ . (رواه ابن حبان فى صحيحه ،رقم: ٥٢٢٤،قال الشيخ شعيب : حسن بشواهده واسناده ضعيف).

عن سالم بن عبد الله بن عمرقال: سمعت أبي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :كلوا جميعاً ولا تفرقوا ، فإن البركة مع الجماعة . (رواه ابن ماجه ،رقم: ٣٢٧٨)قال البوصيرى : هذا اسنادضعيف ۔(مصباح الزجاجة:١٢/٤).

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مل کر کھایا کرو، الگ الگ مت کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو علماء نے خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے لیکن وہ الگ پلیٹ میں کھاتے تھے یہ ان کا عام دستور تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین کیا آپ ہمیں حرام کھلاتے ہیں تو اس کے بعد سے پھر ایک پلیٹ میں کھانا شروع کیا۔ ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابن زنجویہ میں ہے:

الحضرمي الحمصي ، عن أبيه قال: كنا نأكل مع عمر بن عبد العزيز فكان يأكل من صحفة ونأكل من أخرى ، فقلت له مرة : يا أمير المؤمنين ، أنأكل من صحفتک؟ قال: نعم فلما أكلت قلت: يا أمير المؤمنين ، والله لئن كان ما تأكل حلالاً ، وما تطعمنا حراماً ، ما ينبغي لک أن تطعمنا حراماً قال: فجذب صحفتنا إليه ودفع صحفته إلينا، ثم عاد يأكل معنا من صحفة واحدة . (كتاب الاموال لابن زنجويه، رقم: ٢٠٣٣). (وكذا فى مختصرتاريخ مدينة دمشق :٤٢٣/٢).

مزید یہ کہ الگ کھانے میں کھانے کی صحیح مقدار بھی معلوم ہوتی ہے۔

نیز فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں بیٹھ کر الگ الگ برتن میں کھانا پینا اجتماعی کھانے

پینے کے حکم میں ہے، اور عرف میں بھی ساتھ بیٹھ کر کھانا کہلاتا ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإن حلف لا يشرب مع فلان شرباً فشربا في مجلس من شراب واحد حنث وإن كان الإناء الذي يشربان فيه مختلفاً ، وكذا لو شرب الحالف من شراب وشرب الآخر من شراب غيره وقد ضمهما مجلس واحد ؛ لأن المفهوم من الشراب مع فلان في العرف هو أن يشربا في مجلس واحد اتحد الإناء والشراب أو اختلفا بعد أن ضمهما مجلس واحد يقال: شربنا مع فلان ، وشربنا مع الملك ، وإن كان الملك يتفرد بالشرب من إناء .

(بدائع الصنائع: ٦٦/٣،سعيد). (وكذا في الفتاوى الهندية:٩٣/٢،والمبسوط للامام السرخسي :٨ /٣٣١،ط: بيروت،والمبسوط للامام محمد:٣١٦/٣،والمحيط البرهاني :٥٢٧/٤،مكتبه رشيديه).

محیط برہانی میں ہے:

وإن حلف لا يأكل مع فلان طعاماً ، فأكل هذا من إناء ، وفلان من إناء آخر في ذلك المجلس لا يحنث ، هكذا ذكر في شرح مختصر عاصم في باب كفارة اليمين بالشراب ، وفي شرح الكافي للصدر الشهيدؒ في باب اليمين في الشراب : أنهما إذا أكلا من مائدة واحدة حنث وإن اختلف قصعهما وطعامهما . (المحيط البرهاني : ٢٠٠/٦، ط:المجلس العلمي).

عام طور پر طبعاً بھی لوگ مرغن غذائیں ایک پلیٹ میں کھانا پسند نہیں کرتے ،لہذا لوگوں کی رعایت کرنا طبعی امور میں زیادہ مناسب ہے ورنہ اجتماعی کھانے کی برکت سے عام لوگ محروم ہو جائیں گے۔

مل کر کھانا کھانے کا طبی فائدہ:

پیتھالوجی (pathology) کے ایک پروفیسر نے انکشاف کیا ہے کہ جب مل کر کھانا کھایا جاتا ہے تو تمام کھانے والوں کے جراثیم کھانے میں مل جاتے ہیں جو دوسرے تمام امراض کے جراثیموں کو ختم کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ کھانا بے ضرر بن جاتا ہے اور کھانے میں بعض اوقات شفاء کے جراثیم مل کر تمام کھانے کو شفاء بنا دیتے ہیں جو کہ معدہ کے امراض کے لیے بے حد مفید ہیں۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس :۹۱/۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میز، کرسی پر کھانا کھانے کا حکم:

سوال: کرسی اور میز پر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟ مکروہِ تنزیہی ہے یا تحریمی یا مباح، مدلل بیان کیجئے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ کا مزاج اس قسم کے مسائل میں توسع اور فراخی پر ہے زیادہ تکلّفات اور شدت کا رویہ مزاجِ شریعت نہیں، بنابریں میز اور کرسی پر کھانا جائز اور درست ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ کرسی پر ٹیک نہ لگائے بلکہ کھانے کی طرف جھکتے ہوئے متواضعاً کھانا کھایا جائے، تاہم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں زمین پر بیٹھ کر کھانے کا معمول بنانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن قتادة عن أنس رضي الله عنه قال: ما علمت النبي صلى الله عليه وسلم أكل على سكرجة قط ولا خبز له مرقق قط ولا أكل على خوان قط قيل: لقتادة فعلام كانوا يأكلون قال: على السفر [السفرة ما يوضع عليها الطعام جلداً كان أو غيره]. (صحيح البخاری، رقم: ٥٣٨٦، باب الخبز المرقق والاكل على الخوان والسفرة).

وعن سعيد بن جبير رحمه الله قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنه يقول: أهدت خالتي أم حفيد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم سمناً وأقطاً وأضباً فأكل من السمن والأقط وترك الضب تقذراً وأكل على مائدة رسول الله صلى الله عليه وسلم ...الخ. (رواه مسلم: ١٥١/٢، ط: فيصل).

وعن يزيد بن الأصم قال: دعانا عروس بالمدينة...أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو عند ميمونة رضي الله عنها وعنده الفضل بن عباس رضي الله عنه وخالد بن الوليد رضي الله عنه وامرأة أخرى إذا قرب إليهم خوان عليه لحم ...الخ. (رواه مسلم: ١٥١/٢، ط: فيصل).

قال الإمام النووي رحمه الله: وليس المراد بهذا الخوان ما نفاه فى الحديث المشهور في قوله: ما أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم على خوان قط بل شيء من نحو السفرة.

(الشرح الكامل :٢/ ١٥١).

وعن حميد أنه سمع أنساً يقول : قام النبى صلى الله عليه وسلم يبني بصفية فدعوت المسلمين إلى وليمة أمر بالأنطاع فبسطت فألقى عليها التمر والأقط والسمن . (رواه البخاری ،رقم: ٥٣٨٧،باب الخبزالمرقق والاكل على الخوان والسفرة).

درج کردہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کیونکہ اکثر روایات کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ آپ کے خادمِ خاص تھے، تقریباً دس سال آپ کی خدمت سے مشرف ہوئے، لہذا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو احوال سے بخوبی واقف تھے۔

ہاں کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہو لہذا اس طرح کھانا بھی جائز ہوگا۔لیکن تکیہ لگا کر کھانے سے پرہیز کرے۔زادالمعاد میں ہے:

صح عنه أنه قال: " لا آكل متكئاً "، وقال: " إنما أجلس كما يجلس العبد ، وآكل كما يأكل العبد ". (زادالمعاد:٤/ ٢٢٠،ط: مؤسسة الرسالة).

تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

إن المرأ ينبغي له أن يجلس على الطعام جلوساً متواضعاً ويجتنب هيئة المتكبرين.

(تكملة فتح الملهم :٤/٤٨، باب استحباب تواضع الآكل ، وصفة قعوده).

اشکال: بعض حضرات میز پر کھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور دلیل میں درجِ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

عن قتادة عن أنس رضي الله عنه قال: ما علمت النبي صلى الله عليه وسلم أكل على سكرجة قط ولا خبز له مرقق قط ولا أكل على خوان قط قيل: لقتادة فعلام كانوا يأكلون قال : على السفر . (صحيح البخاری،رقم: ٥٣٨٦، باب الخبزالمرقق والاكل على الخوان والسفرة).

اس روایت میں خوان سے میز مراد لیتے ہیں۔

الجواب: خوان کے معنی مختلف ہیں: (ا) **قال العيني في العمدة : وهو طبق كبير من نحاس تحته كرسي من نحاس ملزوق به، طوله قدر ذراع يرص فيه الزبادى ويوضع بين**

یدی کبیر من المترفین ولا یحمله إلا اثنان فما فوقهما. (عمدة القاری: ۱۴/۳۹۵،ط: دارالحدیث، ملتان).

یعنی بڑی میز جس کے نیچے تانبے کی کرسی ہو، اس پر خوشبو چپکا دی جاتی ہے، اور خوشحال لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شمائلِ کبریٰ: ۱/ ۳۹۔۴۱، بعنوان میز یا ٹیبل پر کھانا خلافِ سنت ہے، ط: زمزم)۔

(۲) شاہ صاحب نے فیض الباری میں خوان کے معنی میز سے نہیں فرمائے۔ ملاحظہ ہو:

والخوان هو الصینی (خوانچہ، جس کو بعض لوگ کشتی بھی کہتے ہیں) من خشب، ولیس بطاولة (میز) ولا بمنضدة (ٹپائی). (فیض الباری: ۴/۳۳۳).

النہایہ میں ہے: **خوان هوما یوضع علیه الطعام عند الأكل .** (النهاية:۲/۱۸۳).

لغت کی کتابوں میں بھی خوان کا ترجمہ مطلق دسترخوان سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (القاموس الوحید: ۱/ ۴۸۷)۔

اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ دسترخوان پر جب کھانا موجود ہو تو وہ مائدہ ہے، کھانا جب تک نہ رکھا جائے تو اس کو خوان کہتے ہیں۔

فقہ اللغہ میں ہے: **ولا یقال مائدة إلا إذا کان علیها طعام وإلا فهي خوان .** (فقه اللغة: ۶۲، وکذا فی لسان العرب).

معلوم ہوا کہ خوان کا معنی میز محقق نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کا معنی میز ہی محقق ہو تو ابن ماجہ کی روایت میں آتا ہے کہ خوان حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک خوان یا میز پر کھانا جائز تھا اور عہد نبوی میں خوان مفقود تھا ممنوع نہیں تھا، ہاں پر تکلف میز امراء کی چیز ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ملاحظہ ہو:

عن قتادة قال: کنا نأتي أنس بن مالک رضی اللہ عنہ **(قال إسحاق وخبازه قائم وقال الدارمي وخوانه موضوع) فقال: یوماً کلوا، فما اعلم رسول الله صلی الله علیه وسلم رأی رغیفاً مرققاً بعینه حتی لحق بالله ...الخ .** (رواه ابن ماجه،واسناده صحيح،رقم ۳۳۳۹).

اگر مذکورہ روایت میں خوان سے میز مراد ہو تب بھی اس روایت سے خوان کے استعمال کی نفی معلوم ہوتی ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلف کے عادی نہیں تھے اور اس میں تکلف ہے، اس لیے استعمال نہیں فرمایا، اس کے باوجود اس کے استعمال سے منع فرمانا ثابت نہیں ہے۔

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں اور اشیاء بھی مذکور ہیں جن کی کراہت کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اشکال: (۲): بعض اکابر حضراتؒ نے تشبہ بالکفار کی وجہ سے میز اور کرسی پر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۸۲ طبع جدید، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۹۷، جامعہ فاروقیہ وامداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۶۶، واحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۲۱، وغیرہ)۔

الجواب: حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز عام ہو جائے تو تشبہ کا شبہ اس میں باقی نہیں رہتا جب کہ عجب اور تکبر کی نیت نہ ہو۔ نیز جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا تو تشبہ بالکفار نہیں رہا۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ میں سائیکل کی سواری کے تحت رقمطراز ہے:

اس سواری میں گو ظاہراً تشبہ کا بھی شبہ ہو سکتا ہے، مگر عند التامل اس کا عام ہو جانا اس شبہ کا مزیل ہے، اب صرف یہ عارض اس میں محتمل رہا کہ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے، سو اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس کو عجب نہیں اس کے لیے کچھ حرج نہیں، البتہ بعض مباحات صلحاء و ثقات کے مناسبِ حال نہیں ہوتے ... لہذا تحرز اولیٰ ہے، جب کہ صرف مصلحت کا درجہ ہو ضرورت کا نہ ہو اور اگر ضرورت ہو تو ... اس صورت میں خلافِ اولیٰ بھی نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۶۷)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

(میز پر کھانا) یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، جہاں یہ کفار و فساق کا شعار ہے، وہاں بالکل ممنوع ہے، جہاں شعار نہیں بلکہ عام ہے کہ صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے وہاں اس میں اس درجہ تشدد نہیں، بلکہ فی الجملہ خفت ہے، لیکن خلافِ سنت پھر بھی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۹۷، جامعہ فاروقیہ)۔

اب یہ طریقہ صالحین میں بھی عام ہے۔

حضرت تھانویؒ تشبہ کی تعریف اور رفع تشبہ کی پہچان کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہواور یہ معلوم ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہوتو تشبہ ہوگا ورنہ نہیں۔(حسن العزیز،ص۲۱۳)۔

پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں نے کی ہے۔مگر جب تک یہ خصوصیت ہےاس وقت تک منع کیا جائے گا۔اوراگرخصوصیت نہ رہےتو ممانعت بھی نہ ہوگی۔(حیاۃ المسلمین،ص۲۲۴)۔

فقہ حنفی کے اصول وضوابط میں ہے:

تشبہ بالکفار امورِ مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعارِقومی میں مکروہِ تحریمی ہے۔باقی ایجادات اورانتظامات میں جائز ہے۔وہ حقیقۃً تشبہ ہی نہیں۔(فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۵۲)۔

معلوم ہوا کہ کرسی اور میز پر کھانا علی الاطلاق ممنوع اور مکروہ نہیں ہے بلکہ کفار وفساق کے ساتھ تشبہ ہو یا اس میں عجب وتکبر کی نیت ہوتو ممنوع اور مکروہ ہے،لیکن اگر دونوں وجوہات سے خالی ہوتو پھر جواز اور مباح میں کلام نہیں ہے۔اورفی زماننا اس کا عام رواج ہے،جس میں کسی فرقہ وقوم کی تخصیص نہیں ہے بنابریں اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ہاں زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا یہ دائمی سنت ہےاس کا اختیار کرنا محبت کی دلیل ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم:

سوال: کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا کیسا ہےاگر مسنون ہےتواس کی کیا دلیل ہے؟ نیز چاٹنے کی صحیح ترتیب کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا مسنون ہےاور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أكل أحدكم فلا يمسح يده

حتی یلعقها أو یلعقها. (رواہ البخاری ،رقم: ٥٤٥٦،باب لعق الاصابع قبل ان یمسح بالمندیل).

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا مسنون ہے، اور بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کو معلوم نہیں ہے کہ کھانے کے کونسے حصے میں برکت ہے، ہوسکتا ہے کہ اس حصہ میں برکت ہو جو اس کی انگلیوں پر لگا ہوا ہے لہذا چاٹنے سے برکت حاصل ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو ابن حبان کی روایت میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول : " إذا طعم أحدكم فسقطت لقمته من يده فليمط ما رابه منها وليطعمها ولا يدعها للشيطان ولا يمسح يده بالمنديل حتى يلعق يده فإن الرجل لا يدري في أى طعامه يبارك له وأن الشيطان يرصد الناس أو الإنسان على كل شيء حتى عند مطعمه أو طعامه ولا يرفع الصحفة حتى يلعقها أو يلعقها فإن في آخر الطعام البركة . (روابن حبان فی صحیحه،رقم: ٥٢٥٣،قال الشیخ شعیب : حدیث صحیح).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے صاف کرلے اور کھالے، شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور فراغت پر انگلیوں کو چاٹ لے، اسے کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں برکت ہے۔ اور شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس آتا ہے حتی کہ کھانے کے وقت بھی آتا ہے، اور برتن مت اٹھاؤ یہاں تک کہ اس کو چاٹ لو، یا دوسرے کو چٹا دو، اس لیے کہ کھانے کے آخری حصہ میں برکت ہوتی ہے۔

وفي حديث ابن ماجة قال : لا يمسح أحدكم يده حتى يلعقها ، فإنه لا يدري في أى طعامه البركة. (رقم: ٣٢٧٠) **قال محمد فؤاد عبد الباقي: قوله فإنه لا يدري في أى طعامه البركة أى لا يدري أن البركة فيما على الأصابع أو في غيره فينبغي أن لا تضيع .**

انگلیوں کے چاٹنے کی صحیح ترتیب:

انگلیوں کے چاٹنے کی صحیح ترتیب جو روایات میں وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے درمیان والی سب سے بڑی انگلی کو چاٹا جائے، اس کے بعد شہادت کی انگلی کو، پھر انگوٹھے کو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ

مبارکہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اس لیے روایات میں تین ہی کا ذکر اس ترتیب سے ملتا ہے، اگر چوتھی یا پانچویں بھی استعمال ہو تو اسے انگوٹھے کے بعد چاٹ لیا جائے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أنه ينبغي في لعق الأصابع الابتداء بالوسطى ثم السبابة ثم الإبهام كما جاء في حديث كعب بن عجرة رضی اللہ عنہ **رواه الطبراني في الأوسط قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه الثلاث قبل أن يمسحها بالإبهام والتي تليها والوسطى ثم رأيته يلعق أصابعه الثلاث فليعق الوسطى ثم التي تليها ثم الإبهام، وكان السبب في ذلك أن الوسطى أكثر الثلاثة تلويثاً بالطعام لأنها أعظم الأصابع وأطولها فينزل في الطعام منه أكثر مما ينزل من السبابة، وينزل من السبابة في الطعام أكثر من الإبهام لطول السبابة على الإبهام و يحتمل أن يكون البدء بالوسطى لكونها أول ما ينزل في الطعام لطولها.** (عمدة القاری: ۱۴/۴۵۳، باب لعق الاصابع، ط: دارالحدیث، ملتان).

روى الطبراني في الأوسط (۱٦٤٩) **بسنده عن محمد بن كعب بن عجرة عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه ثلاث بالإبهام والتي تليها والوسطى ثم رأيته يلعق أصابعه الثلاث قبل أن يمسحها ويلعق الوسطى ثم التي تليها ثم الإبهام.**

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں انگوٹھے، شہادت اور بیچ کی انگلی سے کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا، پھر میں نے ان تینوں کو چاٹتے ہوئے دیکھا اس طور پر کہ پہلے بیچ والی کو پھر اس کے بعد والی شہادت کی انگلی کو پھر انگوٹھے کو چاٹا۔

قال الهيثمي في "المجمع" (۲۸/۵، دارالفکر) **: رواه الطبراني في الأوسط وفيه الحسين بن إبراهيم الأذني ومحمد بن كعب بن عجرة ولم أعرفهما وبقية رجاله ثقات.**

البحر الرائق میں ہے:

ومن السنة لحس القصعة وأن يلعق أصابعه قبل أن يمسحها بالمنديل وتركه من أثر العجم والجبابرة. (البحر الرائق:۸/۲۰۹).

(وكذا في ردالمحتار: ٦/٣٤٠،سعيد،والفتاوى الهندية:٥/٣٣٧،والمحيط البرهاني:٥/٢٠٤،والنتف في الفتاوىٰ،ص٢٤٣).

اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

بعض روایات میں ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے اس کے بعد شہادت کی انگلی اس کے بعد انگوٹھا۔ (خصائص نبوی)۔(اسوۂ رسول اکرم،ص۱۱۶)۔

انگلیاں چاٹنے کا طبی فائدہ:

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

انگلیوں کا چاٹنا بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ رطوبت ہاضم انگلیوں پر لگی رہتی ہے کچھ تو کھانے کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور باقی انگلیوں پر لگی ہوئی کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے سے منہ میں چلی جاتی ہے۔

اگر انگلیوں کو چاٹا جائے تو آنکھوں، دماغ اور معدے پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔

ایک فزیشن نے بتایا کہ میری تحقیق ہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا واقعتاً دل کے امراض، معدے کے امراض اور دماغی امراض کے لیے مفید اور بطور علاج ہے تجربہ شرط ہے۔(سنتِ نبوی اور جدید سائنس:۱/۱۱۲)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانے کے بعد برتن کی صفائی کا حکم:

سوال: کھانا کھانے کے بعد برتن کی صفائی صرف دو انگلیوں سے مسنون ہے یا مطلق صفائی مقصود ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف دو انگلیوں کو استعمال کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ مطلق برتن کی صفائی مسنون ہے اس میں کوئی خاص ترتیب یا انگلیوں کے استعمال کی کوئی خاص تعداد احادیث میں منقول ہو ہماری نظر سے نہیں گزری۔

مطلق صفائی کی روایات ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أنس رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان إذا أكل طعاماً لعق أصابعه الثلاث قال: وقال: إذا سقطت لقمة أحدكم فليمط عنها الأذى وليأكلها ولا يدعها للشيطان وأمرنا أن نسلت القصعة قال: فإنكم لا تدرون في أى طعامكم البركة. (رواه مسلم، رقم: ٢٠٣٤، والترمذى، رقم:١٨٠٣، وابوداود، رقم: ٣٨٤٧، واحمد، رقم:١٤٠٨٩).

قوله: نسلت: سلت القصعة: إذا مسحها من أثر الطعام.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالے، شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور ہمیں برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا، فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔

(۲) عن أبى اليمان المعلى بن راشد قال: حدثتنى جدتي أم عاصم وكانت أم ولد لسنان بن سلمة قالت: دخل علينا نبيشة الخير ونحن نأكل في قصعة فحدثنا أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أكل في قصعة ثم لحسها استغفرت له القصعة. (إسناده ضعيف، سنن الترمذى، رقم: ١٨٠٤، وسنن ابن ماجة، رقم: ٣٢٧١، وسنن الدارمى، رقم: ٢٠٧٠، باب فى لعق الصحفة، ومسند احمد، رقم: ٢٠٧٢٤، **قال شعيب: إسناده ضعيف لجهالة حال أم عاصم**، وشعب الايمان، رقم: ٥٤٧٣).

حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو برتن میں کھائے اور اسے صاف کرے تو برتن اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

(۳) عن نبيشة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أكل في قصعة ثم لحسها تقول القصعة: أعتقك اللّٰه من النار كما أعتقتني من الشيطان. (رواه رزين، مشكاة المصابيح، رقم: ٤٢٤٢).

حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو برتن میں کھائے پھر اسے صاف کرلے تو برتن کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ سے آزاد کردے جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے آزاد کردیا۔

مجمع الزوائد میں ہے:

(۴) و عن العرباض بن سارية قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من لعق الصحفة ولعق أصابعه أشبعه الله فى الدنيا والآخرة . رواه الطبراني عن شيخه إبراهيم بن محمد بن عرق وضعفه الذهبى. (مجمع الزوائد :۲۷/۵، دارالفکر، رقم : ۷۹۳۸).

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے برتن کو صاف کیا اور انگلیوں کو چاٹا، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سیر کردیگا۔

عمدۃ القاری میں ہے:

ما المراد باستغفار القصعة ؟ يحتمل أن الله تعالىٰ يخلق فيها تمييزاً أو نطقاً تطلب به المغفرة ، وقد ورد في بعض الآثار أنها تقول : آجرک الله كما آجرني من الشيطان، ولا مانع من الحقيقة ، ويحتمل أن يكون ذلک مجازاً كنى به . (عمدة القارى: ۴۵۴/۱۴، وذكره السيوطى فى الجامع الصغير و رمز له بالحسن).

یعنی حقیقت پر محمول ہے کہ پلیٹ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے محفوظ کردے جیسے آپ نے مجھے محفوظ کیا یا مجاز ہے یعنی پلیٹ کا صاف کرنا مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال عليه الصلاة والسلام : من أكل من قصعة ثم لحسها تقول له القصعة أعتقک الله من النار كما أعتقتني من الشيطان وفي رواية احمد : استغفرت له القصعة ، ومن السنة ... ولعق القصعة . (فتاوى الشامى: ۳۴۰/۶،سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

وفى الخلاصة : و من السنة لعق القصعة . (البحرالرائق: ۸/،ط: كوئته). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ۳۳۷/۵،والمحيط البرهانى: ۲۰۴/۵،ط:داراحياء التراث العربى،والنتف فى الفتاوىٰ،ص۲۴۳،ط:بيروت).

برتن کو صاف کرنے کا طبی فائدہ:

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

...اور طریقہ یہی ہے کہ پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرلیا جائے۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ کھانے کی پلیٹ یا برتن کے پیندے میں وٹامنز (Vitamins) اور خاص طور پر کھانے کے پیندے میں موجود وٹامنز بی کمپلکس (Vitamins - B - Complex) اور ایسے غذائی اجزاء ہوتے ہیں جو تمام کھانے میں کم اور اس پیندے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اغذیہ میں موجود معدنی نمکیات (Mineral salts) تو صرف پیندے ہی میں ہوتے ہیں۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس: ۱/ ۹۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دسترخوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کے اٹھنے کا حکم:

سوال: دسترخوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کا اٹھنا مکروہ ہے یا جائز؟ احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: دسترخوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کے اٹھنے کے بارے میں بعض ضعیف روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن فقہ احناف میں یہ جزئیہ دستیاب نہیں ہوا، البتہ کتبِ شافعیہ وغیرہ میں اس کی ممانعت مصرح ہے، بایں وجہ دسترخوان اٹھانے سے پہلے اٹھنا خلافِ اولیٰ کے قبیل سے ہوگا، البتہ مہمان یا میزبان کو کسی عذر یا کسی ضرورت کی وجہ سے دسترخوان اٹھانے سے پہلے اٹھنا پڑے تو اس کی اجازت ہے۔

روایت ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی أن یقام عن الطعام حتی یرفع. (رواہ ابن ماجه، رقم: ۳۲۹٤).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان پر سے اٹھنے سے منع فرمایا ہے تاوقتیکہ دسترخوان نہ اٹھالیا جائے۔

قال البوصیری في مصباح الزجاجة: هذا إسناد ضعیف لضعف منیر بن الزبیر و

تدليس الوليدبن مسلم ومكحول لكن رأيت فی مسند الشاميين للطبرانی تصريح الوليد بن مسلم ومكحول بالتحديث فزالت تهمة تدليسهما فلم يبق في ضعف رجال الإسناد إلا منير بن الزبير. والله أعلم. (مصباح الزجاجة:۲/۷۸).

قال الإمام الطبراني في مسند الشاميين (رقم: ۳۵۰۴): **حدثنا الحسين بن إسحاق ثنا علي بن بحر ثنا الوليد بن مسلم ثنا أبوذر منير بن الزبير المشجعی الأردني أنه سمع مكحولاً عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لا يقام عن الطعام حتی يرفع.**

قال فی التقريب: منير الشامی، أبوذر الأردني، ضعيف. (ترجمة:۶۹۲۰)

وكذا رواه البيهقی فی شعب الإيمان (رقم: ۵۶۵۰).

دوسری روایت ملاحظہ ہو:

عن عروة بن الزبير عن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "إذا وضعت المائدة فلا يقوم رجل حتی ترفع المائدة، ولايرفع يده وإن شبع حتی يفرغ القوم، وليعذر، فإن الرجل يخجل جليسه فيقبض يده، وعسی أن يكون له فی الطعام حاجة. (سنن ابن ماجه، رقم: ۳۲۹۵).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب دسترخوان لگادیا جائے تو کوئی آدمی نہ اٹھے یہاں تک کہ دسترخوان نہ اٹھالیا جائے، اورکھانے سے اپنے ہاتھ کو نہ روکے اگرچہ پیٹ بھر جائے، یہاں تک کہ لوگ فارغ ہوجائیں، کیونکہ اس کے اٹھنے سے ساتھی شرمندہ ہوگا، وہ بھی اپنے ہاتھ کو کھانے سے روک لے گا، حالانکہ اسے مزید کھانے کی خواہش ہوگی۔

قال البوصيري: هذا إسناد ضعيف فيه عبد الأعلی بن أعين أخو حمران وقد ضعفه العقيلی وابن حبان والدارقطنی. (مصباح الزجاجة: ۲/۷۸).

قال فی التقريب(ترجمة :۳۷۲۹): **عبد الأعلی بن أعين الكوفي، مولی بنی شيبان ضعيف.**

قوله : و ليعذر : في النهاية : الإعذار المبالغة في الأمر، أى ليبالغ في الأكل .

وكذا رواه البيقهى فى الشعب؛ (رقم: ٥٤٧٧).

فقہ مالکی میں ہے:

قال ابن عبد البر في " الكافي في فقه أهل المدينة المالكي" (١١٣٩/٢): **ولا يقام عن الطعام حتى يرفع .**

وكذا في الفقه الحنبلي .انظر: (الاقناع فى فقه الامام احمدبن حنبل:٢٣٧/٣،ط: بيروت،والشرح الكبير: ١٢٦/١١،دارالكتاب العربى)۔

فقہ شافعی میں ہے:

قال في حاشية الجمل : ولايقوم حتى يرفع المائدة إلا أن يكون الأكل بالنوبة .

(حاشية الجمل: ٥٣٧/٨،دارالفكر).

قال في شرح البهجة الوردية : ولا يقوم حتى ترفع المائدة إلا أن يكون الأكل بالنوبة. (٢٢٥/١٥). (وكذا فى احياء علوم الدين : ٦/٢). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میٹھا کھانے میں تقدیم وتاخیر کا حکم:

سوال: صحابہ کرام یا عہدِ نبوی میں کھانے میں میٹھا پہلے کھایا جاتا تھا یا بعد میں؟ جواز تو دونوں طرح ہے مگر زیادہ بہتر کیا ہے؟ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر دو کھانے جمع نہیں ہوتے تھے، نیز اکثر اوقات آپ کے ہاں فاقے ہوتے تھے لیکن بعض اوقات کسی صحابی کے گھر پر مہمانی کے وقت یا ازواج مطہرات کے ولیمہ کے وقت مختلف قسم کا کھانا احادیث سے ثابت ہے اس میں کیا ترتیب ہوتی تھی، برائے مہربانی مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض ازواجِ مطہرات کے ولیمہ کی کیفیت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مدعو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میٹھا بعد میں تناول فرمایا۔ نیز بعض علماء نے بھی میٹھا بعد میں کھانے کو ترجیح دی ہے مزید

براں طبی فوائد کے اعتبار سے بھی میٹھا بعد میں کھانا صحت کے لیے زیادہ موزون ہے، بنابریں میٹھا بعد میں کھانا بہتر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میٹھا پہلے کھانا مکروہ ہے بلکہ بالکل جائز اور درست ہے ہاں میٹھا ختام المسک ہوتو بہتر ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد العزيز بن صهيب قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: ما أولم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على امرأة من نسائه أكثر أو أفضل مما أولم على زينب فقال: ثابت البناني: بما أولم قال: أطعمهم خبزاً ولحماً حتى تركوه. (رواه مسلم: ١/٤٦١، ط: فيصل).

وعن أنس رضي الله عنه قال: ما أولم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على شيء من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة. (رواه البخاری، رقم: ٥١٦٨).

بوب الإمام البخاري رحمه الله في صحيحه، فقال: باب الهدية للعروس، وقال إبراهيم عن أبي عثمان واسمه الجعد عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: مر بنا في مسجد بني رفاعة فسمعته يقول: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا مر بجنبات أم سليم دخل عليها فسلم عليها ثم قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عروساً بزينب فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هدية فقلت لها: افعلى فعمدت إلى تمر وسمن وأقط فاتخذت حيسة في برمة فأرسلت بها معي إليه فانطلقت بها إليه فقال لي ضعها ثم أمرني، فقال: ادع لي رجالاً سماهم ادع لي من لقيت قال: ففعلت... الخ. (رواه البخاری تعليقاً: ٢/٧٧٥، ط: فيصل).

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری ذبح فرمائی اور گوشت، روٹی کھلائی اور بعض میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی یا حقیقی خالہ تھیں انہوں نے حیس (مختلف چیزوں سے بنا ہوا حلوہ) بھیجا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حلوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھلایا۔

لیکن شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ پہلے گوشت اور روٹی کھلائی

پھر جب حلوہ آیا تو حلوہ کھلایا نیز بلانے کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا باہر سے صرف ان لوگوں کو بلاؤ جو کھانے میں شریک نہیں تھے تو وہ لوگ بھی آئے جنہوں نے کھانا کھایا تھا۔

دوسری تطبیق یہ دی ہے کہ ممکن ہے کہ حلوہ بھی اسی وقت حاضر ہوا جب لوگ گوشت روٹی کھانے میں مشغول تھے لہذا ساتھ ساتھ کھایا گیا۔

ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

والأولى أن يقال لا وهم في ذلک فلعل الذين دعوا إلى الخبز واللحم فأكلوا حتى شبعوا و ذهبوا ولم يرجعوا ولما بقى النفر الذين كانوا يتحدثون جاء أنس رضی اللہ عنہ بالحيسة فأمر بأن يدعو ناساً آخرين ومن لقي فدخلوا فأكلوا أيضاً حتى شبعوا ، واستمر أولئک النفر يتحدثون و هو جمع لابأس به، وأولى منه أن يقال أن حضور الحيسة صادف حضور الخبز واللحم فأكلوا كلهم من كل ذلک . (فتح الباری : ۹/ ۲۲۷).

حافظ ابن حجرؒ نے دوسری تاویل کو اولیٰ قرار دیا ہے۔لیکن امام قرطبی اور امام غزالیؒ نے پہلی تاویل کو اولیٰ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

ترتيب الأطعمة بتقديم الفاكهة أولاً إن كانت فذلک أوفق فى الطب فإنها أسرع استحالة فينبغي أن تقع في أسفل المعدة وفى القرآن تنبيه على تقديم الفاكهة في قوله تعالىٰ: ﴿ وفاكهة مما يتخيرون ﴾ ثم قال: ﴿ولحم طير مما يشتهون ﴾ ثم أفضل ما يقدم بعد الفاكهة اللحم والثريد فقد قال صلى الله عليه وسلم : فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام ، فإن جمع إليه حلاوة بعده (أى بعد الخبز واللحم) فقد جمع الطيبات . (احياء علوم الدين:۲/ ۲۳۸، کتاب آداب الاکل).

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

فالذي تخلص هنا من معانى الطيبات تقديم الفاكهة أولاً ثم اللحم وخيره السمين وخير اللحم السمين ما كان نضيجاً قد أجيد طبخه بتوابل ثم الماء البارد وحده أو مخلوطاً

بعسل أو سكر أونقع فيه الزبيب ثم الحلاوة ثم غسل اليد بالماء، فكل ذلک داخل فی حد الطيبات. (اتحاف السادة :۵/۲۵۵).

امام غزالیؒ کی عبارت سے کھانے کی ترتیب اس طرح مستفاد ہوتی ہے کہ اگر کھانے میں پھل میوے وغیرہ ہوں تو ان کو مقدم کیا جائے ،پھر گوشت روٹی وغیرہ بعد میں اور میٹھا کھانا بالکل آخر میں کھایا جائے ،اس ترتیب پر گویا تمام طیبات کو جمع کر دیا۔

قال الإمام القرطبي : قلت: أولى من التوهيم أن يقال القصة واحدة ، ليس فيها وهم ، فإنه يمكن أن يقال: اجتمع في تلك الوليمة الأمران ، فأكل قوم الخبز واللحم حتى شبعوا وانصرفوا ، ثم أنه لما جاء الحيس استدعى الناس وجرى ما ذكر ، وهذا كله والمتحدثون في بيته جلوس لم يبرحوا إلى أن خرج النبي صلى الله عليه وسلم ودار على بيوت أزواجه على ما تقدم ، وليس في تقدير هذا بعد ، ولا تناقض ، وإذا أمكن هذا حملناه عليه ، وكان أولىٰ من تطريق الوهم للثقات والأثبات ، من غيرضرورة تدعو إليه ، ولا أمر بين يدل عليه ، والله أعلم. (المفهم لمااشكل من تلخيص كتاب مسلم :۱۷/۱۳).

امام قرطبی کی تطبیق سے واضح ہوتا ہے کہ ولیمہ میں دو باتیں جمع ہوئیں (۱) گوشت روٹی کھلائی گئی اور اکثر لوگ منتشر ہوئے۔(۲) پھر جب حلوہ آیا تو مجمع دوبارہ بلایا گیا اور حلوہ بعد میں کھایا گیا۔

دیگر بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پھل بعد میں تناول فرمایا۔ملاحظہ ہو:

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبيد الله بن عكراش عن أبيه عكراش بن ذؤيب قال: بعثني بنومرة بن عبيد بصدقات أموالهم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقدمت عليه المدينة فوجدته جالساً بين المهاجرين والأنصار قال: ثم أخذ بيدي فانطلق بي إلى بيت أم سلمة فقال: هل من طعام؟ فأتيناه بجفنة كثيرة الثريد والوذر وأقبلنا نأكل منها فخبطت بيدي من نواحيها وأكل رسول الله صلى الله عليه وسلم من بين يديه فقبض بيده اليسرى على يدى اليمنى ثم قال:

یا عکراش کل من موضع واحد فإنه طعام واحد ثم أتینا بطبق فیه ألوان الرطب أومن ألوان الرطب عبید اللّٰہ شک ، قال: فجعلت آکل من بین یدی وجالت ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی الطبق وقال: یاعکراش کل من حیث شئت فإنه غیر لون واحد ...الخ. (رواه الترمذی ، رقم:۱۸۴۸،وقال: هذا حدیث غریب لانعرفه الامن حدیث العلاء بن الفضل وقدتفرد العلاء بهذا الحدیث ولانعرف لعکراش عن النبی صلی الله علیه وسلم الاهذا الحدیث،وابن ماجة،رقم: ۳۲۷٤).

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید بھوک کی حالت میں پہلے پھل کھائے بعد میں گوشت وغیرہ کھایا۔

صحیح ابن حبان ،شعب الایمان وغیرہ میں طویل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (بیہقی وغیرہ میں ابوالہیثم بن التیہان کا ذکر ہے) کے گھر تشریف لے گئے تو پہلے کھجور پیش کیے پھر بکری ذبح کی گئی اور بعد میں گوشت روٹی تناول فرمائی۔

ملاحظہ ہوصحیح ابن حبان میں ہے:

عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: خرج أبوبکر رضی اللہ عنہ بالهاجرة إلی المسجد فسمع بذلک عمر رضی اللہ عنہ فقال: یا أبابکر رضی اللہ عنہ ما أخرجک هذه الساعة ؟ قال : ما أخرجني إلا ما أجد من حاق الجوع قال: وأنا واللّٰہ ما أخرجني غیره فبینما هما کذلک إذ خرج النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم...فانطلقوا حتی أتوا باب أبي أیوب الأنصاری...إلی قوله قال: فانطلق فقطع عذقاً من النخل فیه من کل التمر والرطب والبسرفقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما أردت إلی هذا إلا جنیت لنا من تمره ؟ فقال: یا نبي اللّٰہ أحببت أن تأکل من تمره ورطبه وبسره ولأذبحن لک مع هذا ...فأخذ عناقاً أو جدیاً فذبحه وقال لامرأته: اخبزی واعجني لنا وأنت أعلم بالخبز فأخذ الجدی فطبخه وشوی نصفه ، فلما أدرک الطعام وضع بین یدی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم وأصحابه فأخذ من الجدی فجعله في رغیف ...الخ. (رواه ابن حبان فی صحیحه،رقم: ٥٢١٦). (وکذا رواه البیهقی فی الشعب،رقم: ٤٢٨٤).

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مہمانی پھل وغیرہ میٹھی چیز سے ہوئی بعد میں گوشت روٹی کھائی گئی۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے نبیذ جو میٹھا ہوتا ہے کھانے کے بعد پینا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں ہے:

عن عائشةؓ أنها كانت تنبذ للنبي صلى الله عليه وسلم غدوة فإذا كان من العشى فتعشى شرب على عشائه وإن فضل شيء صببته أوفرغته ثم تنبذ له بالليل فإذا أصبح تغدى فشرب على غذاءه قالت: نغسل السقاء غدوة وعشية فقال لها : أبي مرتين في يوم قالت: نعم . (رواه ابوداود، رقم: ٣٧١٤، اسناده حسن).

وكذا رواه أحمد في مسنده ، رقم: ٢٤٩٣٠، وقال شعيب: حديث صحيح وهذا إسناد ضعيف لجهالة حال عمرة عمة مقاتل بن حيان فقد انفرد بالرواية عنها مقاتل .

خلاصہ یہ ہے کہ پھل، میوہ وغیرہ ابتدا میں کھانا اچھا ہے، اور میٹھا کھانا بعد میں کھانا بہتر ہے۔ تاہم دونوں طرح بالکل جائز اور درست ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

چمچے اور پانچ انگلیوں سے کھانے کا حکم:

سوال: عام طور پر چاول اور سالن ملا کر پانچ انگلیوں سے کھاتے ہیں، جب کہ اس صورت میں کھانا تین انگلیوں سے نہیں کھایا جاتا تو کیا چمچے سے کھانا بہتر ہے یا نہیں؟ کیا چمچے سے کھانا اور پانچ انگلیوں سے کھانا برابر ہے؟

الجواب: کھانا کھانے کے تین درجے ہیں: (۱) تین انگلیوں سے کھانا اور یہ مسنون ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دائمی عمل ہے۔ (۲) پانچ انگلیوں سے کھانا بلاضرورت خلافِ اولیٰ ہے ہاں بوقتِ ضرورت مثلاً کھانا رقیق ہے تو پھر درست ہے۔ (۳) چمچے سے کھانا یہ بھی جائز اور مباح ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ پانچ انگلیوں کے ڈبونے سے چمچے سے کھانا بہتر ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن كعب رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يأكل بثلاث أصابع فإذا فرغ

لعقها. (رواه مسلم ،رقم: ٢٠٣٢). (وكذا رواه ابوداود، رقم: ٣٨٥٠، والدارمی ، رقم: ٢٠٧٦، واحمد فی مسنده ، رقم: ٢٧١٦٩، والبزار، رقم: ٣٨٢٠، وابن ابی شيبة فی مصنفه ، رقم: ٢٤٩٥٥، والطبرانی فی الكبير، رقم: ١٥٥٤٤).

قال ابن حجرؒ فی الفتح : فيحتمل أن يكون أطلق على الأصابع اليد، ويحتمل وهو الأولى أن يكون المراد باليد الكف كلها فيشمل الحكم من أكل بكفه كلها أو بأصابعه فقط أو ببعضها، وقال ابن العربی في شرح الترمذی: يدل على الأكل بالكف كلها أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتعرق العظم وينهش اللحم ، ولا يمكن ذلک عادة إلا بالكف كلها ، وقال شيخنا فيه نظر، لأنه يمكن بالثلاث ، سلمنا لكن هو ممسک بكفه كلها لا آكل بها، سلمنا لكن محل الضرورة لا يدل على عموم الأحوال ، ويؤخذ من حديث كعب بن مالکؓ أن السنة : الأكل بثلاث أصابع وإن كان الأكل بأكثر منها جائزاً ، ...فإن اضطر إلى ذلک لخفة الطعام وعدم تلفيفه بالثلاث فيدعمه بالرابعة أو الخامسة ، وقد أخرج سعيد بن منصور من مرسل ابن شهاب أن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا أكل أكل بخمس، فيجمع بينه وبين حديث كعب باختلاف الحال . (فتح الباری :٩/٥٧٨،باب لعق الاصابع).

عمدۃ القاری میں ہے:

وقال ابن العربی: فإن شاء أحد أن يأكل بالخمس فليأكل فقدكان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتعرق العظم وينهش اللحم ولايمكن ذلک فی العادة إلا بالخمس كلها ... والأمر فيه أن السنة أن يأكل بالأصابع الثلاث وإن أكل بالخمس فلا يمنع ، ولكنه يكون تاركاً للسنة إلا عند الضرورة فافهم . (عمدة القاری:٤٥٤/١٤،دارالحديث ، ملتان). (وكذا قال المناوی فی فيض القدير:رقم: ٦٩٤٢). **مزید ملاحظہ ہو:** (شمائل کبری:۱/۳۵)۔

پانچ انگلیوں سے کھانے کے بارے میں امام زہری کی مرسل روایت ہے۔ملاحظہ ہو:

قال ابن أبي شيبة : حدثنا معن بن عيسى، عن محمد بن عبد اللّٰه بن أخی الزهری ، قال: أخبرتني أختي ؛ أنها رأت الزهری يأكل بخمس، فسألته عن ذلک ؟ فقال: كان النبي

صلى الله عليه وسلم يأكل بخمس . (مصنف ابن ابی شیبة :۲۴۹۵۳).

لیکن مراسلِ زہری محدثین کے نزدیک " **ليس بشي ء**" کے درجہ میں ہیں لہذا زیادہ مقبول نہیں ہیں۔

المدخل میں ہے:

وينبغي أن يأكل بثلاثة أصابع من يده اليمين وهى المسبحة والإبهام والوسطى إلا أن يكون ثريداً وما أشبهه فيأكل بالخمسة منها كذلك نقل عن السلف الماضين رضى الله عنهم أجمعين . (المدخل لابن الحاج المالکی:۱/ ۲۳۰،دارالفکر).

سلسلۃ الآداب الاسلامیہ میں ہے:

لو كان الإنسان يستطيع أن يأكل بثلاث أصابع والطعام يؤكل بثلاث أصابع ، لأن من الطعام ما يؤكل بثلاث أصابع ومنه ما لا يؤكل بثلاث أصابع ، فمثلاً ما كان متماسكاً كالثريد ، وكالتمر المخلوط بالسمن والزبد (حيس) هذا يمكن أن يأكل بثلاث أصابع ، لا داعي أن يأكل بالخمس أبداً فلو قيل لك: تأكله بثلاث أصابع أوتأكل بالملعقة أيهما هو السنة ؟ بثلاث أصابع أفضل ، لكن بين الخمس وبين الملعقة قد تكون الملعقة أقرب إلى السنة من الخمس، ثم أن الذين يستخدمون الخمس ليسوا سواء ، فبعضهم يستخدمها استخداماً جيداً ، وبعضهم يستخدمها استخداماً في غاية الرداءة ... (سلسلة الآداب الاسلامية : ۷۳/۹، لمحمدصالح المنجد).

غذاءالالباب میں ہے:

فائدة : لا بأس بالأكل بالملعقة كما فى الإقناع وغيره ، وذكر الجلال السيوطى فى الأوائل أن أول من اتخذ الملعقة سيدنا إبراهيم الخليل عليه وعلى نبينا أفضل الصلاة وأتم التسليم. (غذاء الالباب:۲/ ۷۴،للشیخ السفارینی الحنبلی،ط: بیروت).

الاقناع میں ہے: **ولا بأس بالأكل بالملعقة** . (الاقناع :۳/ ۲۳۳،ط:بیروت).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

السنة : الأكل بثلاثة أصابع ، قال عياض : والأكل بأكثر منها من الشره وسوء الأدب ولأنه غير مضطر لذلك لجمعه للقمة وإمساكها من جهاتها الثلاث : وإن اضطر إلى الأكل بأكثر من ثلاثة أصابع ، لخفة الطعام وعدم تلفيقه بالثلاث يدعمه بالرابعة أو الخامسة هذا إن أكل بيده ، ولا بأس باستعمال الملعقة ونحوها . (الموسوعة : ٦/ ١٢١، وزارة الاوقاف).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

... پانچوں انگلیوں سے کھانا جائز ہے...(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۸۳، طبع جدید)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ہاتھ سے کھانا سنت ہے، چمچے کے ساتھ کھانا جائز ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۸۶، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

چمچوں اور کانٹوں سے کھانا اور بلاضرورت ان کا بالخصوص کانٹوں کا استعمال کرنا مسنون طریقہ کے خلاف ہے اور ایک گونہ مکروہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے تناول فرمایا کرتے تھے... **كما ورد في الترمذي وابن ماجه وغيرهما عن أبي هريرة يدل على هذا**... ہاں کسی ضرورت کی وجہ سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۴۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانا کھانے کے اوقات:

سوال: دن میں کتنی مرتبہ اور کس وقت کھانا کھانا چاہئے؟ ایک شخص بقدر استطاعت سنت نبوی کی اتباع کی کوشش کرتا ہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دن رات میں کتنی مرتبہ کھانا کھانا ثابت یا مستحب ہے؟

الجواب: کھانا کھانے کے اوقات کے بارے میں احادیث میں دولفظ ملتے ہیں: (۱) غدا، یعنی صبح کا کھانا (۲) عشاء، یعنی شام کا کھانا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن رات میں صرف دومرتبہ صبح اور شام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا ثابت ہے وہ بھی میسر ہو ورنہ اکثر تو کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان میں ہے:

عـن أنس بن مالكـ رضی اللہ عنہ : أن رسـول الـلّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يجمع له غداء ولا عشـاء مـن خبـز ولـحـم إلا عـلـى ضفف. قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. (رقم ٦٣٥٩).

مسند ابی عوانہ میں ہے:

عـن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ قـال: أخـذ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بيدى ذات يوم فـذهب بي إلى منزله فلما انتهينا قال: " ائتونا غداء أو عشاء " قال: فأخرج إليه فلق من خبز فـقـال: هـل مـن أدم قالوا: لا إلا بشيء من خل، قال: ادنه فإن الخل نعم الأدم هو قال جابر: فما زلت أحب الخل منذ سمعته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (٨٣٦٤).

ورواه أحمد (رقم:١٥٢٩٣) **قـال شـعيـب الأرنؤوط: حديث صحيح وهذا إسناد قوي عـلـى شـرط مسـلـم رجـاله ثقات رجال الشيخين غير طلحة بن نافع فمن رجال مسلم وهو صدوق لا بأس به .**

ابن ماجہ میں ہے:

عـن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قـال: مـا كـنـا نـقيل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة. (رواه البخاري، رقم:٨٣٩،ومسلم،رقم:٨٥٩).

ترمذی میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قـال: كـان رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يبيت الليالى المتتابعة طاوياً وأهله لا يجدون عشاء وكان أكثرخبزهم خبز الشعير. (رواه الترمذى ،رقم:٢٣٦٠،وقال: هذا حديث حسن صحيح).

مسند ابی یعلی میں ہے:

عـن عـائشة رضـي الـلّٰـه تعالىٰ عنها قالت: ما شبع آل محمد غداء ولا عشاء من خبز

الشعير ثلاثة أيام متتابعات حتى لحق بالله . قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح. (مسند ابی یعلی ، رقم: ٤٥٤٠).

وفي رواية عنها أنها قالت: ما شبع آل محمد يومين من غداء أو عشاء حتى مضى لسبيله . (تهذيب الآثار، رقم : ٤٥٤).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ربما دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بغداءه فلا يجده ، فيفرض عليه صوم ذلك اليوم . (مصنف ابن ابی شيبة : ٩١٩٨/١٦٤/٦،المجلس العلمی).

عن منصور بن زاذان ، عن الحسن قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يواسي الناس بنفسه ، حتى جعل يرقع إزاره بالأدم ، وما جمع بين عشاء وغداء ثلاثة أيام ولاء حتى قبضه الله . (مصنف ابن ابی شيبة:٣٥٥٦٨/١٢٩/١٩).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها كانت تنبذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم غدوة فإذا كان من العشي فتعشى شرب على عشاءه فإن فضل شيء صببته أو فرغته ثم تنبذ له بالليل فإذا أصبح تغدى فشرب على غداءه قالت: تغسل السقاء غدوة عشية فقال لها أبي مرتين في يوم قالت: نعم. (السنن الكبرى للبيهقی:٣٠٠/٨،دارالمعرفة).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنا ننبذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم في سقاء يوكى أعلاه وله عزلاء ننبذه غدوة فيشربه عشاء وننبذه عشاء فيشربه غدوة . (رواه مسلم : ١٦٨/٢،باب اباحة النبيذ).

یعنی جو نبیذ صبح بنایا جاتا تھا اس کو شام کے کھانے کے بعد نوش فرماتے تھے اور جو شام کو بنایا جاتا اس کو صبح کے کھانے کے بعد استعمال فرماتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام روایات میں غدا، اور عشا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور لغات الحدیث میں مرقوم ہے:

’’**غداء**‘‘ صبح کا کھانا، اور ’’**عشاء**‘‘ شام کا کھانا۔ (لغات الحدیث:۳/۱۱۳و۱۲۰،آرام باغ کراچی)۔

تفسیر جلالین میں ہے:

قولہ تعالیٰ: ﴿ ولهم رزقهم فيها بكرة وعشياً ﴾ أي على قدرهما في الدنيا. (تفسير جلالين، سورة مريم، الاية: ٦٢).

معارف القرآن میں ہے:

صبح شام کی تخصیص کی وجہ انسانی عادت وفطرت کی بنا پر ہے کہ وہ صبح شام کھانے پینے کا عادی ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرما کر کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا کھانا دن میں دومرتبہ ہوتا ہے صبح اور شام۔ (معارف القرآن: ٦/٤٦)۔

لیکن کبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کئی کئی دن فاقہ گزرتا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

روٹی کو چھری سے کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا روٹی یا بریڈ کو چھری سے کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: روٹی کو چھری سے کاٹنا بہتر نہیں کیونکہ عام روٹیوں کو بآسانی ہاتھ سے توڑ سکتے ہیں ہاں بریڈ کو چھری سے کاٹنا صحیح ہے کیونکہ ہاتھ سے توڑنے سے بدنمائی کے علاوہ ضیاع کا خطرہ ہے، جب کہ عام روٹیوں میں یہ خطرہ نہیں، ہاں اگر بہت بڑی روٹی ہو تو اس کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ ہر ایک کو بقدرِ کفایت مل جائے، یاد رہے روٹی کو چھری سے کاٹنے کی روایات ضعیف ہیں اور خلافِ اولیٰ پر محمول ہیں۔

ضعیف روایات ملاحظہ ہوں:

روى الطبراني في "الكبير" (٦٢٤) **بسنده عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا تقطعوا الخبز بالسكين كما تقطعه الأعاجم وإذا أراد أحدكم أن يأكل اللحم فلا يقطعه بالسكين ولكن ليأخذه بيده فلينهشه بفيه فإنه أهنأ وأمرأ.**

(جب کہ بعض صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کو چھری سے کاٹ کر تناول فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمان کے سامنے پیش فرمایا)۔

والبیهقي في شعب الإيمان (٦٠٠٧)،**قال الهيثمي: فيه عبادبن كثير الثقفى و هو ضعيف** . (مجمع الزوائد:٥/٣٧، دارالفکر).

(٢) عن أبي هريرة رضي الله عنه **قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يقطع الخبز بالسكين وقال : أكرموه فإن اللّٰه تعالىٰ قد أكرمه . قال الدارقطني تفرد به نوح وهو متروك** . (الآلی المصنوعة:٢/١٨١). وكذلك قال مسلم بن الحجاج وابوحاتم الرازى : هومتروك.(الموضوعات لابن الجوزى:٢/٢٩٢).

درمختار میں ہے:

وجاء لا تقطعوا الخبز بالسكين وأكرموه فإن اللّٰه أكرمه ، وقال فى الشامية : قوله وجاء الخ، قال شيخ مشايخنا الشيخ إسماعيل الجراحي فى الأحاديث المشتهرة "لا تقطعوا الخبز..." قال صغاني موضوع ، وفى المجتبى : لا يكره قطع الخبز واللحم بالسكين ، واللّٰه أعلم. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٨٤،سعيد).

وفى الفتاوى الهندية: قال علاء الترجماني يكره قطع الخبز بالسكين وقال أبوالفضل الكرماني وأبوحامد لا يكره كذا فى القنية . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٤١، فى الكراهية فى الاكل).

وللاستزادة انظر: (الموسوعة الفقهية الكويتية : ٦/١٢٣،ط: وزارة الاوقاف،والمحلى لابن حزم : ٥/٤٩٥،والآداب الشرعية لابن مفلح :٣/٣٥٧،وسلسلة الآداب الاسلامية: ٩/٦٢). **واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

مرغی چاول کے ساتھ کھانے کا حکم:

سوال: عام لوگ چاول اور مرغی کو پسند کرتے ہیں،ایک صاحب نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاول اور مرغی کا کھانا الگ الگ یا ایک ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرغی کھانا ثابت ہے البتہ چاول کھانے سے متعلق کوئی

روایت ہماری نظر سے نہیں گزری ہاں بعض ضعیف روایات میں چاول کو سید الطعام میں شامل کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن زهدم قال : كنا عند أبي موسى الأشعرى و كان بيننا وبين هذا الحى من جرم اخاء فأتى بطعام فيه لحم دجاج وفى القوم رجل جالس أحمر فلم يدن من طعامه قال : ادن فقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل منه ...(رواه البخارى ،رقم: ٥٥١٨).

(وأيضاً رواه مسلم ،رقم: ١٦٤٩، وابن حبان فى صحيحه، رقم: ٥٢٥٥، والترمذى، رقم:١٨٢٧، وغيرهم من المحدثين).

وعن علي رضي الله عنه مرفوعاً سيد طعام أهل الدنيا اللحم والأرز. (جمع الوسائل فى شرح الشمائل:١/٢١٠، ط:اداره تاليفات اشرفيه).

قال السخاويؒ: عن علي رضي الله عنه رفعه بلفظ : سيد طعام أهل الدنيا اللحم ثم الأرز أخرجه أبونعيم فى الطب النبوى، وعن صهيب بلفظ سيد الطعام فى الدنيا والآخرة اللحم ثم الأرز وسيد الشراب فى الدنيا والآخرة: الماء . أخرجه الديلمى من الحاكم ثم من طريق هشيم عن عبد الحميدبن صيفى بن صهيب عن أبيه عن جده به مرفوعاً . (المقاصدالحسنة،ص٣٩٣).

وللمزيد انظر: (كشف الخفاء:١/٤٦١،١٥٤،وتنزيه الشريعة:٢/٣٠٤).

قال أبو نعيم فى " الطب النبوى" (٨٤٩/٧٣٥/٢) **حدثنا عبد الله بن محمد بن عثمان حدثنا عبد الله بن محمد بن عامر الطائى حدثنى أبى حدثنى على بن موسى عن أبيه موسى عن جعفر بن محمدعن أبيه محمد عن أبيه على عن أبيه الحسين عن أبيه على رضوان الله تعالىٰ عليهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : سيد طعام الدنيا اللحم ثم الأرز.**

قال المناوى في " فيض القدير" (رقم:٤٧٥٧)**...أبونعيم فى الطب النبوى من حديث عبد الله أحمد بن عامر الطائى ...وعبد الله هذا ضعيف جداً قال الذهبى فى كتاب الضعفاء والمتروكين : عبد اللّه بن أحمد بن عامرعن أبيه عن أهل البيت له نسخة باطلة ، ولهذا**

أورده ابن الجوزی فی الموضوعات .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ چاول والی حدیث انتہائی ضعیف ہے۔

قال ابن القیم فی "الطب النبوی" (۲۱۹) : أرز: فیه حدیثان باطلان موضوعان علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أحدهما: أنه لو کان رجلاً ، لکان حلیماً "، الثانی : " کل شيء أخرجته الأرض ففیه داء وشفاء إلا الأرز فإنه شفاء لا داء فیه " ، ذکرناهما تنبیهاً وتحذیراً من نسبتهما إلیه صلی اللّٰه علیه وسلم . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کچا گوشت کھانے کا حکم:

سوال: کچا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہے اور کوئی اس کا غیر مطبوخ گوشت کھاتا ہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے انسان کی صحت وتندرستی کا خیال کرتے ہوئے ضرررساں اشیاء کے کھانے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ کوئی چیز پاک ہو اور حلال بھی ہو لیکن ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہے بنابریں اگر کچا گوشت جسمِ انسانی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو تو اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر نقصان کا اندیشہ نہیں ہے تو پھر کچا گوشت کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو الموسوعہ میں ہے:

ما یحرم أکله لأسباب مختلفة : یظهر من الاستقراء وتتبع تعلیلات فقهاء المذاهب فیما یحکمون بحرمة أکله أنه یحرم أکل شيء مهما کان نوعه لأحد أسباب خمسة :-

السبب الأول : الضرر اللاحق بالبدن أو العقل : ولهذا أمثلة کثیرة : منها: الأشیاء السامة ... ومنها: الأشیاء الضارة وإن لم تکن سامة ، وقد ذکرمنها فی کتب الفقه : الطین ، والتراب ، والحجر ، والفحم ، علی سبیل التمثیل ، وإنما تحرم علی من تضره . ولاشک

أن هـذا الـنوع يشمل ماكان من الحيوان أو النبات أو الجماد، ويعرف الضار من غير الضار من أقوال الأطباء والمجربين .

ولا فـرق فـى الـضـرر الـحاصل بالسميات أو سواها بين أن يكون مرضاً جسمانياً أيا كان نوعه ، أو آفة تصيب العقل كالجنون والخبل. (الموسوعة الفقهية : ١٢٥/٥، ط:وزارة الاوقاف).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أكـل الـطيـن مـكـروه هكذا ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه اللّٰه تعالىٰ وذكر شمس الأئـمة الحلواني في شرح صومه : إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علة أو آفة لا يباح لـه التناول وكذلك هذا في كل شيء سوى الطين وإن كان يتناول منه قليلاً أو كـان يـفـعل ذلك أحياناً لا بأس به كذا في المحيط ...وكراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء . (الفتاوى الهندية:٣٤١/٥). (وكذا في المحيط البرهاني : ٢٠٦/٥،الفصل الثاني عشر في الكراهية في الاكـل ،ط: داراحيـاء الـتـراث الـعـربـي ، ونصاب الاحتساب ،ص١٤٨ ،الباب العاشر،في الاحتساب في الاكل والشرب والتداوي، ونفع المفتي والسائل ، ص: ٣٧٩، ما يتعلق بالاكل والشرب،ط:دارابن حزم).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: أي ماء طهور يجوز الوضوء به ، ولا يجوز شربه ؟

الاستبشـار : هو ماء مات فيه ضفدع بحري ، وتفرق أجزاؤه فيه ، فإنه لا يجوز شربه لـضـرره ، وإن جـاز الوضوء لطهارته . كذا في الغاز الأشباه والنظائر. (نفع المفتي والسائل ،ص ٣٨٠،ط: دارابن حزم).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

فقہاء نے مٹی کھانے سے منع فرمایا، اس لیے کہ وہ صحت کے لیے مضر ہے اور صحت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کی حفاظت ہر انسان کا اسلامی اور انسانی فریضہ ہے، لیکن اس کی اتنی مقدار جو صحت کے لیے مضر نہ ہو، کھالی جائے تو گناہ نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:١٨٢/٦)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

انڈا کھانے کا حکم:

سوال: اگر کسی حدیث میں انڈے کا کھانا ثابت ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں؟

الجواب: صحیح حدیث میں انڈے کا تذکرہ ملتا ہے البتہ انڈا کھانے سے متعلق کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔

ملاحظہ ہو صحیحین کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة ﷛ أن رسـول الله صلى الله عليه وسلم قال: ” من اغتسل يوم الجمعة غسـل الـجنابة . ثم راح في الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة ، ومن راح فى الساعة الثانية ، فكـأنـمـا قـرب بـقرة ، ومن راح فى الساعة الثالثة ، فكأنما قرب كبشاً أقرن ، ومن راح فى الساعة الرابعة ، فكأنما قرب دجاجة ، ومن راح فى الساعة الخامسة ، فكأنما قرب بيضة ، فإذا خرج الإمام ، حضرت الملائكة يستمعون الذكر . (متفق عليه).

عن أبي هريرة ﷛ قـال: قـال رسـول الله صل الله عليه وسلم : لعن السارق ؛ يسرق البيضة ، فتقطع يده ، يسرق الحبل ، فتقطع يده . (متفق عليه).

انڈا کھانے کی حدیث اگرچہ صراحۃً ہمیں نہیں ملی لیکن مندرجہ ذیل دلائل سے اس کھانا ثابت ہوتا ہے:

(۱) انڈے کے کھانے پر اجماع ہے اور امت کا تعامل ہے، ایسی چیزوں میں کسی حدیث کی چنداں حاجت نہیں ہوتی۔ مثلاً بھینس کا دودھ استعمال کرنے میں، یا تراویح میں ختمِ قرآن پر امت کا تعامل ہے، اگرچہ صراحۃً کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی تناول فرمائی اور انڈا مرغی کا جز ہے، اور یہ اعضائے محرمہ اور مکروہہ میں سے بھی نہیں ہے۔

(۳) حدیثِ بالا میں ماقبل میں سب چیزیں ماکولات کے قبیل سے ہیں، مثلاً اونٹ، گائے، مینڈھا، مرغی وغیرہ تو یقیناً انڈا بھی ماکول ہے۔

(۴) دوسری حدیث سے مترشح ہوتا ہے کہ معمولی کھانے کی چیز چوری کر کے مستحق قطع بن رہا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانے میں انڈے کے چھلکے کا حکم:

سوال: پکاتے وقت انڈے کا چھلکا برتن میں گر گیا اور چھلکے کو فوراً نکالدیا اور انڈے کو کھالیا، کیا ایسے انڈے کا کھانا صحیح ہے؟ یادرہے کہ چھلکا بالکل صاف تھا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ انڈا کھانا درست ہے، کیونکہ انڈے کا چھلکا پاک ہے، ہاں اگر اس پر کوئی ظاہری نجاست ہوتو تھوڑے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوجائیگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

البيضة الرطبة أو السخلة إذا وقعت من الدجاجة أو الشاة فى الماء لا تفسده . (فتاوى الشامى: ۲۱۲/۱، فصل فى البئر،سعيد).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

بيضة سقطت من الدجاجة في مرقة أو ماء لا يفسد ذلك الماء . (فتاوىٰ قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ۱۲/۱،فصل فيمايقع فى البئر).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: البيضة إذا وقعت من الدجاجة وهي رطبة فوقعت فى المرقة ، هل تنجس ؟ الاستبشار: لا تنجس ،...الخ. (نفع المفتى والسائل،ص۹٤). (وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:٤/٢٢). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیلا کھانے کا طریقہ:

سوال: کیلا کھانے کا کیا طریقہ ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھاتے وقت تین حصوں میں تقسیم کرے

پھر کھائے، کیا یہ طریقہ وارد ہے؟

الجواب: کیلے کو داہنے ہاتھ سے پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چھلکا اتارے اور بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے اور کھانے میں اسراف نہ کرے اگر دوست موجود ہو تو اس کو بھی کھلائیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمربن أبي سلمة رضي الله عنه قال : قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:" سم الله وكل بيمينك ، وكل مما يليك ". متفق عليه .

وعن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه أن رجلاً أكل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ، بشماله ، فقال : كل بيمينك ، قال : لا أستطيع ! قال: لا استطعت ، ما منعه إلا الكبر ، قال: فما رفعها إلى فيه . (رواه مسلم، رقم ۲۰۲۱).

قال الإمام النووی رحمه الله فی باب التسمية عند الأكل والشرب من الأذكار (ص۲۷۵،ط: بیروت): **فصل : من أهم ما ينبغي أن يعرف صفة التسمية وقدر المجزئ منها، فاعلم أن الأفضل أن يقول: بسم الله الرحمن الرحيم ، فإن قال: بسم الله ، كفاه وحصلت السنة .**

وفی الطحطاوی علی الدر المختار: قوله وسنة الأكل البسملة فی أوله...وإذا قلت: بسم الله فارفع صوتک حتی تلقن من معک تتارخانية . (۱۷۱/٤،ط: کوئٹه). **(وكذا فی فتاوی الشامی: ٦/۳۴۰،سعيد، ومجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ۴/۱۸۱،ط: بيروت، والاختيار لتعليل المختار: ۴/۱۸٦،ط: بيروت).**

قال العلامة العيني رحمه الله فی عمدة القاری: وأصرح ما ورد فی صفة التسمية مارواه أبوداود والترمذی من طريق أم كلثوم عن عائشة رضي الله عنها مرفوعاً: إذا أكل أحدكم الطعام فليقل: بسم الله...قال العلماء:...وتحصل التسمية بقوله: بسم الله فإن أتبعها بالرحمن الرحيم كان حسناً . (عمدة القاری: ۳۸٦/١٤،كتاب الاطعمة ،باب التسمية علی الطعام).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن سعد بن مسعود الثقفي قال: إنما سمى نوح عبداً شكوراً لأنه إذا أكل وشرب حمد الله. رواه الطبراني وتابعيه سعد بن سنان لم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح.

(مجمع الزوائد:۵/۲۹،دارالفکر). **واللہ ﷻ اعلم۔**

دستر خوان پر چلنے کا حکم:

سوال: دستر خوان پر چلنا یا اوپر سے کودنا جب کہ کھانا موجود ہو یا موجود نہ ہو چہ حکم دارد؟

الجواب: کتبِ فقہ میں صریح جزئیہ دستیاب نہیں ہوا البتہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہِ تنزیہی ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ لقمہ گر جائے تو دستر خوان سے اٹھا کر کھالے اور چلنے سے دستر خوان خراب ہوگا اور لقمہ کھایا نہیں جائیگا، اور بعض احادیث سے خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ برکت وسط طعام میں نازل ہوتی ہے اور مقامِ نزولِ برکت پر چلنا بے ادبی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وقعت لقمة أحدكم فليأخذها فليمط ما كان بها من أذى وليأكلها ولا يدعها للشيطان ...الخ. (رواه مسلم ،رقم: ۲۰۳۳).

دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "البركة تنزل وسط الطعام فكلوا من حافتيه ولا تأكلوا من وسطه. رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن صحيح.

(رقم: ۱۸۰۵). **واللہ ﷻ اعلم۔**

جلی ہوئی روٹی اور سڑا ہوا سالن کھانے کا حکم:

سوال: جلی ہوئی روٹی یا جلا ہوا بریڈ کھانے کا کیا حکم ہے؟ نیز سڑے ہوئے سالن کھانے کی اجازت

ہے یا نہیں؟

الجواب: روٹی اگر سخت جلی ہوئی ہے تو صحت کے لیے مضر ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ ہے، لیکن اگر ہلکی سی جلی ہو اور صفائی کر کے کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ نیز سالن سڑ کر بہت زیادہ خراب ہو چکا اور بدبو آنے لگی تو اس کھانا بھی مکروہ ہے بلکہ تغیر پذیر ہونے سے ناپاک ہوجاتا ہے تو اس کھانا ناجائز ہوگا، ہاں ہلکا سا خراب ہوا ہو اور بدبو بھی محسوس نہیں ہوتی تو بوقتِ ضرورت اس کے کھانے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وإن ناول الطعام الفاسد أو الخبز المحترق فذلک جائزعندهم لأنه مأذون بذلک عادة . (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ٤٠٦/٣). (**وكذا فی الجوهرة : ۲۸۹/۳،والفتاوی الهندية:۳۴۴/۵،وردالمحتار:۵/،سعيد**).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أكل الطين مكروه هكذا ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه الله تعالىٰ وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه : إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلک علة أو آفة لا يباح له التناول وكذلک هذا في كل شيء سوى الطين وإن كان يتناول منه قليلاً أو كان يفعل ذلک أحياناً لا بأس به كذا فی المحيط ...وكراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء . (الفتاوى الهندية:٣٤١/٥). (**وكذا فی المحيط البرهانی : ۲۰۶/۵،الفصل الثانی عشر فی الكراهية فی الاكل ،ط: داراحياء التراث العربی ، ونصاب الاحتساب ،ص ۱۴۸،الباب العاشر،فی الاحتساب فی الاكل والشرب والتداوی، ونفع المفتی والسائل ، ص: ۳۷۹، ما يتعلق بالاكل والشرب،ط:دارابن حزم**).

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أبي ثعلبة الخشنی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا رميت بسهمک فغاب عنک فأدركته فكله مالم ينتن . (رواه مسلم،رقم: ١٩٣١).

وفي رواية له عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كله بعد ثلاث إلا أن ينتن فدعه.

(رواه مسلم،رقم: ۱۹۳۱).

واللحم إذا أنتن يحرم أكله والطعام إذا تغير واشتد تنجس . (الفتاوی الهندية:۵/۳۳۹).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

تنبيه : قال في النهاية : الاستحالة إلى فساد لا توجب نجاسة فإن سائر الأطعمة تفسد بطول المكث ولا تنجس ، لكن يحرم الأكل في هذا الحالة للإيذاء لا للنجاسة كاللحم إذا أنتن يحرم أكله ولا يصير نجساً . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۲٦،ط: بولاق). (وكذا في البحرالرائق: ۱/۱۱۹،والموسوعة:۳۵/۲۰۹).

وفي الأشباه والنظائر: المرقة إذا أنتنت لا تتنجس والطعام إذا تغير واشتد تغيره تنجس وحرم . (الاشباه والنظائر: ،كتاب الطهارة).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار : المرقة إذا تغيرت وأنتنت ، هل يجوز أكلها ؟

الاستبشار : إن تغيرت تغيراً فاحشاً يحرم أكلها ، في القنية (صج): أى صلاة الجلابي : الطعام إذا تغير واشتد تغيره تنجس ، وفي كتاب الاشربة : ان بالتغير لا يحرم ، قال (مت) : أى مجد الأئمة الترجماني: فيحمل ما ذكره الجلابي على نهاية التغير، وما ذكره في الأشربة على نفس التغير . (نفع المفتی والسائل،ص۳۷۵،مايتعلق بالاكل والشرب).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

اگر کوئی چیز سڑ جائے اوراس میں بدبو پیدا ہوجائے ،...اگر اس سے نقصان پہنچ سکتا ہوتو اس کا کھانا حرام ہوگا،اس لیے کہ صحت انسانی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے،اوراس کی حفاظت شرعی فریضہ ہے،اسی لیے فقہاء نے سڑے ہوئے گوشت کے کھانے کوحرام قرار دیا ہے...موجودہ دور میں آج کل کی میڈیکل معلومات کی روشنی میں ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون کون سی چیزیں سڑنے کے بعد صحتِ انسانی کے لیے مضر ہوجاتی ہیں،ایسی تمام چیزیں حرام سمجھی جائیں گی۔(کتاب الفتاویٰ:٦/۱۸۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ سالن وغیرہ سڑ جانے سے ناپاک نہیں ہوتے ہاں ان کا کھانا حرام ہے لیکن بعض نے ناپاک ہونے کا قول اختیار کیا ہے، قنیہ میں تطبیق یوں دی ہے کہ اگر سالن بہت زیادہ خراب ہوکر بدبودار ہوجائے تو ناپاک ہوجائیگا، لیکن اگر بہت زیادہ خراب نہ ہوتو ناپاک نہیں ہوگا اگرچہ اس کا کھانا دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔

ہاں اگر ہلکا سا خراب ہوا ہوتو اس کا کھانا جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

قوله مالم ينتن... قال علماؤنا وهذا على طريق الاستحباب وإلا فالنتن(الخفيف) لا أثر له في الحرمة قال ابن الملك وقد روى أنه عليه السلام أكل متغير الريح ، وقال النووى: النهي عن أكل المنتن محمول على التنزيه لا على التحريم وكذا سائر الأطعمة المنتنة إلا أن يخاف فيها ضرر. (المرقاة:۸/۱۱۱،ط: امداديه ملتان).

(وكذا فى تكملة فتح الملهم:۳/۴۹۷). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کیڑے والے پھل کھانے کا حکم:

سوال: اگر پھلوں میں کیڑے پڑ جائیں تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پھلوں میں کیڑے ہوں اور نظر آتے ہوں تو ان کا کھانا ناجائز ہے، کیڑا نکال کر کھانا چاہئے ہاں اگر ان میں اب تک روح اور حرکت نہیں تو پھلوں کے ساتھ تبعاً کھا سکتے ہیں اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مطالب المؤمنین سے نقل فرمایا کہ نکالنا اور اجتناب کرنا مشکل ہوتو بھی کھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة ، خانية وغيرها ، قال الطحطاوي : ويؤخذ منه أن أكل الجبن أوالخل أوالثمار كالنبق(بيرى) بدوده لايجوز إن نفخ فيه الروح . (فتاوى الشامى: ۳۰۶/٦،سعيد). (وكذا فى مجمع الانهر: ١٦١/٤،بيروت).

الفقه على المذاهب الأربعة میں ہے:

الحنفية : قالوا: يباح أكل الدود الذي لا ينفخ فيه الروح سواء كان مستقلاً أو مع غيره وأما الدود الذي تنفخ فيه الروح فإن أكله لا يجوز سواء كان حياً أو ميتاً مستقلاً أو مع غيره ومثله السوس. (الفقه على المذاهب الاربعة:۲/۶، کتاب الحظروالاباحة ، مكتبة الثقافة).

نفع المفتى والسائل میں ہے:

الاستفسار: هل يحل أكل الدودة التي تكون في التفاح وغيره معه ؟

الاستبشار: نعم ، لتعسر الاحتراز منه ، وأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم الذباب ، كذا في مطالب المؤمنين. (نفع المفتى والسائل،ص۱۴۷).

شامی میں ہے:

وفي التاتارخانية : دود لحم وقع في مرقة لا يتنجس ولا تؤكل المرقة إن تفسخ الدود فيها ، أي لأنه ميتة وإن كان طاهراً ، قلت: وبه يعلم حكم الدود في الفواكه والثمار.

(ردالمحتار: ۳۴۹/۱،سعید).

مزید براں پھل کے کیڑوں کی حرمت منصوص بھی نہیں ہے۔ملاحظہ ہوامدادالاحکام میں ہے:

قلت: ولا يخفى أن دود الطعام والثمار ليس من حشرات الأرض المنصوص حرمتهما في المذهب وإنما أخذ الطحطاويؒ تحريمه من مفهوم عبارة قاضي خان وغيره فليس من المنصوص تحريمه في المذهب وقد ذهب الشافعية إلى أكل دود الفاكهة معها فكذا دود الطعام إذا تعسر تميزه ۔(امدادالاحکام:۴/ ۳۰۸)۔

راجح قول:

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ روح پھونکے جانے کے بعد کیڑے مکوڑے کھانا ناجائز ہے اور علامہ لکھنویؒ نے بحوالہ مطالب المؤمنین بچنا مشکل ہونے کی وجہ سے تبعاً کھانا جائز قرار دیا ہے،لیکن مطالب المؤمنین ضعیف کتاب ہے،اس کے برعکس علامہ شامیؒ وغیرہ نے عدمِ جواز نقل کیا ہے،یہی راجح ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفی التاتارخانیة : دود لحم وقع فی مرقة لا ینجس ولا یؤکل المرقة إن تفسخ الدود فیھا، أی لأنه میتة وإن کان طاھراً ، قلت: وبه یعلم حکم الدود فی الفواکه والثمار . (فتاوی الشامی: ۳٤۹/۱،سعید).

وفیه أیضاً: ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ینفخ فیه الروح لأن مالا روح له لا یسمی میتة ، خانیة وغیرھا، قال ط : ویؤخذ منه أن أکل الجبن أو الخل أو الثمار کالنبق بدوده لایجوز إن نفخ فیه الروح . (فتاوی الشامی : ۳۰٦/٦،سعید). (وکذا فی البحرالرائق: ۲۰۹/۸ ،بیروت،والفتاوی الهندیة:۳۳۹/۵و ۲۹۰).

احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے،نفع المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں ۔(۵۳۰/۸)۔

معلوم ہوا کہ جب تک پھل کے کیڑوں میں روح نہ پڑی ہو علتِ تعسر کی وجہ سے کھانے کی گنجائش ہے۔ علامہ لکھنویؒ کی عبارت کا یہی محمل ہے۔

مطالب المومنین پر تبصرہ ملاحظہ ہو:

علامہ لکھنویؒ الجامع الصغیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ومن الکتب الغیر المعتبرة : ... وکذا مطالب المؤمنین ، نسبه ابن عابدین في" نتقیح الفتاوی الحامدیة" إلی الشیخ بدرالدین بن تاج بن عبدالرحیم اللاھوری . (النافع الکبیرلمن یطالع الجامع الصغیر: ۲۹، ادارة القرآن).

وفي تنقیح الفتاوی الحامدیة : وفي کتاب مطالب المؤمنین من کتب أئمتنا الحنفیة للشیخ بدر الدین بن تاج بن عبدالرحیم اللاھوری من فصل في إحراق وقتل الحیوانات ...

(تنقیح الفتاوی الحامدیة:۳٦۲/۲، دارالاشاعة العربیة).

العرف الشذی میں شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

...وقال مصنف الفتاوی الهندیة : أن صوم الدهر وصوم الوصال واحد هذا غلط ... وباب الحظر والإباحة من تلک الفتاوی مملوء ة من الروایات الضعیفة فإن مأخذه کتاب

مطالب المؤمنين للمولوى بدر الدين اللاهورى وهو رجل غير معتمد عليه . (العرف الشذى :۲/۱۲۰،بيروت).

وقال في " فيض البارى ": ...ومصنف مطالب المؤمنين ليس من الكبار ليثق به . (فيض البارى :۱/۳۱۱،مكتبة العزيزية).

وللمزيد راجع : (قواعدالفقه ،ص ۵۷۴،دارالكتاب ،ديوبند،وقواعد واسس فى السنة والبدعة ـ۱/۱۹۱، والقول المبين فى اخطاء المصلين ،ص ۲۴۰،وموسوعة البحوث والمقالات العلمية،ص ۳۹).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیکڑے کے تیل میں تلی ہوئی مچھلی کھانے کا حکم:

سوال: ایک مشہور ہوٹل [ocean basket] ہے جہاں لوگ مچھلی وغیرہ کھانے جاتے ہیں، وہاں پر اخطبوط، کیکڑا وغیرہ بھی کھائے جاتے ہیں، بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کیکڑے کے بچے ہوئے تیل میں مچھلی تلی اور وہ حنفی المذہب کے سامنے پیش کی تو وہ شخص اس مچھلی کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حنفی مذہب میں کیکڑا کھانا ناجائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حنفی المذہب شخص کے لیے کیکڑے کے بچے ہوئے تیل میں تلی ہوئی مچھلیاں کھانا جائز اور درست ہے، کیونکہ مذہبِ احناف کے مطابق تمام سمندری جانور جن میں دمِ مسفوح نہیں ہے پاک ہیں، پانی یا مائع چیز میں گر کر مرنے سے وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی، لہذا تیل بھی ناپاک نہیں ہوگا طاہر ہی رہے گا، بنابریں اس میں تلی ہوئی مچھلیوں کا کھانا جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا سلمان كل طعام وشراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فهو الحلال أكله وشربه وضوؤه "، ...قال أبو أحمد : الأحاديث التي يرويها سعيد الزبيدى عامتها ليست بمحفوظة . (رواه البيهقى فى

الکبری:۱/ ۲۵۳،وضعفه).

ورواه الدارقطنی (۱/ ۳۷) **وضعفه . قال الشیخ ابن الهمامؒ : والحدیث مع هذا لاینزل عن الحسن .** (فتح القدیر:۱/ ۸۳، دارالفکر).

وللمزید من البحث راجع: (البدرالمنیر: ۱/ ۴۵۵،الحدیث الرابع،والتلخیص الحبیر: ۱/ ۱۶۳/ ۱۳، ونصب الرایة: ۱/ ۱۱۵).

بدائع الصنائع میں ہے:

والسرطان و نحو ذلک فإن مات فی الماء لاینجسه فی ظاهر الروایة وذکر الکرخيؒ عن أصحابنا أن کل ما لا یفسد الماء لا یفسد غیر الماء وهکذا روی هشام عنهم وهذا أشبه بالفقه. (بدائع الصنائع : ۱/ ۷۹،سعید).

البحرالرائق میں ہے:

وموت ما لا دم له فیه کالبق والذباب والزنبوروالعقرب والسمک والضفدع والسرطان أی موت حیوان لیس له دم سائل فی الماء القلیل لا ینجسه ...وموت ما یعیش فی الماء لا یفسده کالسمک والضفدع والسرطان . (البحرالرائق: ۱/ ۸۸،ط: الماجدیة).

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

وفي غیر الماء قیل: غیر السمک یفسده ...و قیل : لا یفسده لعدم الدم وهو الأصح . (الهدایة : ۱/ ۳۷).

وفي مجمع الأنهر: واختلف في إفساد غیر الماء کالمائعات والصحیح أنه لا یفسد وکذا الإلقاء فی الماء بعد الموت. (مجمع الانهر:۱/ ۵۰،ط: بیروت).

وللاستزادة انظر: (المبسوط للامام السرخسیؒ : ۱/ ۵۷، و الفتاوی الهندیة: ۱/ ۲۴، ورد المحتار: ۱/ ۱۸۵، سعید، والجوهرة النیرة : ۱/ ۱۶، والعنایة علی الهدایة: ۱/ ۸۳،دارالفکر، وتبیین الحقائق: ۱/ ۲۳، والموسوعة: ۲۵/ ۳۶، والجامع الصغیر،ص۷۷،ط: عالم الکتب). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پڑوسی کے درخت کے پھل کھانے کا حکم:

سوال: اگرکسی کے گھر میں پھل والا درخت ہواوراس کی کچھ شاخیں دوسرے شخص کے گھر میں لٹک رہی ہوں تو دوسرے شخص کوان شاخوں کے پھل کوتوڑنااورکھاناجائزہے یانہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ پھل توڑنے اورکھانے کامدارعرف پرہے اگرعرفاً اجازت ہوتوتوڑنااور کھاناجائزاوردرست ہےورنہ صراحۃً اجازت لیناضروری ہوگا۔ بلااجازت کے پھل توڑنااورکھاناناجائزہوگا۔ ملاحظہ ہوفتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وعن محمد بن سلمةؒ شجرة مثمره في أرض رجل وأغصانها خارجة إلى الطريق فتناثر من ثمرها فى الطريق قال: قد وسع في هذا من العلماء السلف من لا يشک في زهدهم وعلمهم فلا نخالفهم . (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/٤٠٣).

وفى الفتاوى البزازية : الثمار لو على الأشجارلا يأخذه بحال إلا بإذن إلا إذا كثرت وعلم أنه لايطيق (لايشق) عليه له الأكل لا الحمل وكذا إن ساقطة من الشجر فى المصر إلا أن يعلم رضا مالكها نصاً أو دلالة . (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:٦/٣٦٦).

وفى الهندية: وأما إذا كانت على الأشجار فالأفضل أن لا يأخذه من موضع ما إلا بالإذن إلا أن يكون موضعاً كثير الثمار يعلم أنه لايشق عليهم أكل ذلک فيسعه الأكل ولايسعه الحمل. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٤٠). (وكذا فى الخلاصة : ۴/۳۶۴، والبحر الرائق:۸/۱۸۴، والمحيط البرهاني:۵/۲۰۵،وداراحياء التراث العربي).

لیکن فی زماننا چونکہ عام طورپرکھانے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ پھلوں کوفروخت کیاجاتاہے،اس وجہ سے صریح اجازت کے بغیرنہیں کھاناچاہیے۔ ملاحظہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال جمهور العلماء وفقهاء الأمصار، ومنهم الأئمة أبوحنيفةؒ ومالکؒ والشافعيؒ وأصحابهم: لا يجوز لأحد أن يأكل من بستان أحد ولايشرب من لبن غنمه إلا بإذن صاحبه

اللّٰھم إلا إذا کان مضطراً ، فحینئذٍ یجوز لہ ذلک قدر دفع الحاجۃ. (عمدۃ القاری: ۱۷٤/۹ ،دار الحدیث ، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سویا سوس (چٹنی) کھانے کا حکم:

سوال: مندرجہ ذیل طریقہ پر بنا ہوا سویا سوس حلال ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے کہ یہ چٹنی وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے۔

سویا سوس کے مکونات [ingredients]:

(۱) گیہوں۔(۲) نمک۔(۳) پانی۔(۴) سویا کی پھلی۔

بنانے کا طریقہ:۔

(۱) سویا کی پھلی کو پہلے پانی میں بھگویا جاتا ہے اور پھر تیز درجہ حرارت (ٹمپریچر) پر بھاپ دیا جاتا ہے۔

(۲) گیہوں کو تیز ٹمپریچر پر بھونا جاتا ہے پھر اس کو پیسا جاتا ہے۔

(۳) نمک کو پانی میں پگلایا جاتا ہے۔

(۴) بھانپ دیا ہوا سویا بن اور گیہوں کو ملایا جاتا ہے اور تین دن تک چھوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ سویا سوس کی بنیاد بنے، اس بنیاد کو شویو کو جی [shoyu koji] کہا جاتا ہے۔

(۵) اس بنیاد کو پھر نمک والے پانی کے ساتھ ملایا جاتا ہے، اس ملاوٹ کو مورومی [moromi] کہا جاتا ہے۔

(٦) مورومی [moromi] کو چند ماہ تک چھوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خود بخود جوش مارنے لگے جس کی وجہ سے ایک نرم جسم دار چیز وجود میں آئے۔

اس وقت جب کہ مورومی [moromi] خود بخود جوش مار کر شراب میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر اس نرم جسم دار چیز کا حصہ بن جاتا ہے اور اخیر میں (فلٹر وغیرہ کے بعد) سویا سوس میں تین فیصد تک پایا جا سکتا ہے۔

(۷) جوش مارنے کے بعد اس نرم چیز پر دباؤ (پریشر) ڈالا جاتا ہے اور کپڑوں کی تہہ میں چھنا (فلٹر کیا)

جاتا ہے تا کہ یہ نرم جسم دار چیز الگ ہوجائے اور صرف سیال سویا سوس باقی رہے۔

(۸) اس سیال سویا سوس کو پھر ۱۲۰ ڈگری آگ پر جوش دیا جاتا ہے تا کہ اس میں سے جراثیم وغیرہ ختم ہوجائے اور پھر اس کو بوٹل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا سوس حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ آخر میں جو سویا سوس بنتا ہے اس میں تین فیصد شراب ہے لیکن یہ شراب سویا کی پھلی اور گیہوں کے ملانے سے وجود میں آئی ہے، اس لیے امام صاحبؒ کے قول کے مطابق اس کے کھانے کی گنجائش ہوگی، اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ سے بنی ہوئی شراب استعمال کرنا جائز ہے، جب تک مسکر نہ ہو متاخرین علماء نے عمومِ بلویٰ کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

مولانا فتح محمد صاحبؒ نے عطر ہدایہ میں ہے لکھا ہے کہ یہ دلیل کہ اکثر انگریزی دوائیں شراب سے مرکب ہوتی ہے کافی نہیں اس لیے کہ شراب وہی ہے جو طرب اور سرور کے لیے موضوع ہو نہ وہ کہ زہر کی طرح مہلک ہو میری تحقیق میں جو تیز جو ہر انگریزی دوا میں ملایا جاتا ہے اور وہ اپنی اصطلاح میں اسے شراب کہتے ہیں ہرگز شراب نہیں ہوسکتا اس لیے کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوسرے اشربہ کی طرح پینے کی چیز نہیں ہے اگر استعمال ہوتو مثل زہر کے مہلک ہے پس ایسی شئ خمر کے حکم میں نہیں ہے رہا یہ امر کہ اس کے چند قطرے پانی وغیرہ میں ملا کر پینے سے سکر پیدا ہوتا ہے قبل از ترکیب موجبِ حرمت نہیں مثل ایسے شیروں کے جو ادنیٰ ترکیب سے شراب بن سکتے ہیں نہ یہ حرام ہیں نہ نجس۔ (عطر ہدایہ، ص ۹۶، ط: مکتبہ عصریہ)۔

بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے کہ عام طور پر جو دوا میں ڈالا جاتا ہے اس کو ایتھائیل الکحل کہا جاتا ہے اور اس کا دوسرا نام ایتھنل ہے اور عام طور پر جب الکحل بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتا ہے اور دوائیوں میں اس کا استعمال گھولنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ ہی وہ چیز ہے جو شراب وغیرہ میں نشہ پیدا کرتی ہے۔

ایتھنل [ethanol] کی تعریف لغت میں درجِ ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:

A COLORLESS VOLATILE FLAMMABLE LIQUID C2 H5 OH THAT IS THE INTOXICATING AGENT IN FERMENTED AND DISTILLED LIQUOURS (AS

BEER WINE WHISKY) CALLED ALSO ETHYL ALCOHOL.

(Websters High School Dictionary)

خلاصہ یہ ہے کہ ایتھنل ایک بے رنگ سیال چیز ہے جس میں جلنے کی صلاحیت ہے اور جلدی بخارات بن کر اڑ جاتی ہے اور شراب میں نشہ پیدا کرتی ہے۔

انکاٹا انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

ETHYL ALCOHOL OR ETHANOL C2 H5 OH, IS A CLEAR COLORLESS LIQUID, WITH A BURNING TASTE AND CHARACTERISTIC AGREEABLE ODOUR . (Microsoft Encarata 2008)

اس تعریف میں ایک زائد چیز یہ ہے کہ جس طرح ایتھنل میں جلنے کی صلاحیت ہے اسی طرح اس کے مزہ میں بھی جلن ہے۔

جو ایتھنل پینے کے لیے بنایا جاتا ہے اس کو چاول یا جو وغیرہ خمیر [yeast] کے ساتھ ملایا جاتا ہے تا کہ جوش پیدا ہو [fermentation] جس سے پھر ایتھنل پیدا ہوتا ہے البتہ اس کی مقدار بہت ہی کم بنتی ہے اس میں ایتھنل کی مقدار ۷ سے ۱۲ فیصد بنتی ہے۔

کمرشل ایتھنل میں ۹۵ فیصد ایتھنل ہوتا ہے اس کو بنانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر مذکور شئی کو خاص طور پر گرم اور ٹھنڈا کیا جاتا ہے [distillation] تا کہ دوسری چیزیں علیحدہ ہو جائے جس کی وجہ سے ۹۵ فیصد ایتھنل اور ۵ فیصد پانی ہوتا ہے اس کے بعد پانی کو بھی الگ کر دیا جاتا ہے تا کہ ۱۰۰ فیصد ایتھنل ہو جائے۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ ۱۰۰ فیصد ایتھنل پیا نہیں جا سکتا اس میں انسانی آنتوں کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہے اور اس بات کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ پھیپھڑے کام کرنا چھوڑ دے۔

اسی طرح ۱۰۰ فیصد نہ ہو بلکہ جتنی زیادہ مقدار شراب میں ہو گی اتنا زیادہ نقصان ہو گا۔

بعض سائنس داں نے لکھا ہے کہ الکحل کو تھوڑا استعمال کرنا فائدہ مند ہے اور صحت کے لیے بھی مفید ہے حتی کہ دل کی بیماری [coronary heart disease] سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔ البتہ زیادہ مقدار میں دیر تک استعمال کرنے سے بہت ساری بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے جگر کا نقصان، دل کے عضلہ کا نقصان، اسی

طرح موت واقع ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے واضح ہوا کہ خالص ۱۰۰ فیصد اتھنل جسم کے لیے مضر ہے اوراس کو پیا بھی نہیں جاسکتا۔

البتہ شراب وغیرہ میں جوسکر ہوتا ہے وہ بعینہٖ اسی اتھنل کا اثر ہوتا ہے بلاکسی چیز کے ملائے جیسا کہ اس کی تعریف سے پتا چلتا ہے، سکر پیدا کرنے کے لیے اس کو کسی چیز سے ترکیب دینے کی ضرورت نہیں ہے، لہذا اس کو شیروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ترکیب سے پہلے ہی سکر کی صلاحیت ہے، ہاں دواؤں اور بعض مشروبات میں الکحل استعمال ہوتا ہے وہ بہت قلیل مقدار میں ہوتا ہے اس وجہ سے نشہ آور نہیں ہوتا اورامام صاحبؒ کے نزدیک اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔متاخرین علماء نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وأما غير الأشربة الأربعة ، فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفةؒ .

و بهـذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Al cohols) التـي عمت بها البلوى اليوم ، فـإنهـا تستـعمل في كثير من الأدوية والـعـطـور والـمركبات الأخرى ، فإنها إن اتخذت من الـعـنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها ، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل عـلـى مـذهب أبي حنيفةؒ ، ولا يحرم استعمالها للتداوى أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حـد الإسـكـار ، لأنهـا إنـمـا تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ، ولا يحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفةؒ .

وإن مـعـظـم الـكـحـول التـي تستـعمل اليوم فى الأدوية والعطور وغيرها لاتتخذ من الـعـنـب أو التـمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره ،كما ذكرنا في باب بيـع الـخـمر من كتاب البيوع ، وحينئذٍ هناک فسحة فى الأخذ بقول أبي حنيفةؒ عند عموم البلوى. والله أعلم. (تكملة فتح الملهم:٣/٦٠٨،ط: دارالعلوم كراتشى).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اسپرٹ اگرانگور کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہوتو بالاتفاق نجس ہے اوران کے سواکسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہوتو شیخینؒ کے نزدیک پاک اورامام محمدؒ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لیے انگوراور کھجوراستعمال نہیں کی جاتی لہذا شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے، حضراتِ فقہاءؒ نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بناپرامام محمدؒ کے قول کومفتیٰ بہ قراردیاہے مگرآج کل ضرورتِ تداوی وعمومِ بلویٰ کی رعایت کے پیشِ نظر شیخینؒ کے قول پرطہارت کا فتویٰ دیاجاتاہے ویسے بھی اصول فتویٰ کے لحاظ سے قولِ شیخینؒ کو ترجیح ہوتی ہے الا العارض۔(احسن الفتاویٰ:۲/۹۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (نظام الفتاویٰ:۱/۳۵۳، وبہشتی زیور:۹/۶۷۷، دارالاشاعت)۔واللہ ﷻ اعلم۔

حرام غذا کھانے والی مرغی کھانے کاحکم:

سوال: اگرمرغیوں کے کھانے میں گوشت یاخنزیر کے اجزاء کوملادیاجائے تو یہ مرغیوں کی حلت میں کوئی اثرڈالے گایانہیں یعنی ایسی مرغیاں کھاناحلال ہے یانہیں؟

الجواب: مرغیوں کی غذامیں حرام گوشت یاخنزیر کے اجزاءموجود ہوں تواگران کی وجہ سے گوشت متاثرہوتاہے مثلاً بدبووغیرہ تو ایسی مرغیوں کا گوشت کھاناجائزنہیں ہے،اوراگرگوشت متاثرنہیں ہوابلکہ صاف ستھراہے تواس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن کسی مسلمان کے لیے جائزنہیں ہے کہ قصداً مرغیوں کو خنزیرکھلائے۔

ملاحظہ ہوفتاوی بزازیہ میں ہے:

وفي النوادر: جدي غذي بلبن الخنزير لا بأس بأكله فعلى هذا لا بأس بأكل الدجاج لأن لحمه لا يتغير وما غذي به صارمستهلكاً لايبقى له أثر و ما روي عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: يحبس الدجاج ثلاثة للتنزيه وإنما يشترط ذلک فی الجلالة التي لا تأكل إلا الجيف وما يخلط ويأكل غيره أيضاً على وجه لا يظهر أثره في لحمه لا بأس به. (الفتاوى البزازيةعلى هامش الفتاوى الهندية: ۳۰۲/۶).

درمختار میں ہے:

ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لأن لحمه لايتغير وما غذي به يصير مستهلكاً لايبقى له أثر . (الدرالمختار: ٦/٣٤١،سعيد).

وفي رد المحتار: قوله لأن لحمه لا يتغير الخ ، كذا في الذخيرة وهو موافق لما مر من أن المعتبر النتن لكن ذكر الخانية أن الحسن قال : لا بأس بأكله وأن ابن المبارك قال: معناه إذا اعتلف أياماً بعد ذلک كالجلالة وفي شرح الوهبانية عن القنية راقماً أنه يحل إذا ذبح بعد أيام وإلا لا . (ردالمحتار: ٦/٣٤١،سعيد).

تبیین الحقائق میں ہے:

لا بأس بأكل الدجاج لأنه يخلط ، ولا يتغيرلحمه وروي أنه عليه الصلاة والسلام كان يأكل الدجاج ، وما روي أن الدجاج يحبس ثلاثة أيام ثم يذبح فذاک على سبيل التنزه لا ، أنه شرط . (تبيين الحقائق: ٦/١٠،ط: دارالكتب الاسلامى).

وفي موسوعة الفقهية : قال ولا يكره أكل الدجاجة المخلاة وإن كانت تتناول النجاسة ، لأنها لايغلب عليها أكلها ، بل تخلطها بالحب ، وقيل: إنما تكره ، لأنها تنتن كما تنتن الإبل ، والحكم متعلق بالنتن ، ولهذا قالوا فى الجدى إذا ارتضع بلبن خنزير حتى كبر أنه لايكره أكله ، لأن لحمه لا يتغير ولا ينتن ، وهذا يدل على أن العبرة للنتن لا لتناول النجاسة . والأفضل أن تحبس الدجاجة المخلاة حتى يذهب ما في بطنها من النجاسة ، وذلک على سبيل التنزه. (الموسوعة الفقهية : ١٤٩/٥).

وللمزيد راجع: (البحرالرائق: ٢٠٨/٨،دارالمعرفة،والجوهرة النيرة: كتاب الصيد والذبائح، وبدائع الصنائع: ٤٠/٥،سعيد،وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص٢٢،ط:بولاق).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیڑے، مکوڑے کھانے کا حکم:

سوال: ہمارے جنوبی افریقہ کی حلال کمیٹی سنہا [SANHA] شعبہ تحقیق میں بعض چیزیں ہمارے سامنے آئیں، جن کا شرعی حکم معلوم کرنا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اس سے تیار شدہ اشیاء پر حکم لگایا جا سکے۔

(۱) کیڑے، مکوڑے کھانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

مثلاً ایک کیڑا جس کا نام گونگا ہے یا اور کوئی کیڑا، [یہ گونگا کیڑا اپٹسبرگ سے بوٹسوانہ تک بہت زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے، یہ کیڑا عموماً درخت پر رہتا ہے اور درخت کے پتے کھاتا ہے، مقامی لوگ اسے ہر طرح سے پکا کر کھاتے ہیں نیز بغیر پکائے بھی کھاتے ہیں]۔

فقہاء نے کیڑے مکوڑوں کو خبائث میں شمار کیا ہے۔ لیکن عدمِ حلت کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب: حشرات الارض کا کھانا ناجائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾.

وفي أحكام القرآن للجصاص: ويحرم عليهم الخبائث، حدثنا محمد بن بكر ثنا أبو داود ...عن عيسى بن نميلة عن أبيه قال: كنت عند ابن عمر رضي الله عنه فسئل عن أكل القنفذ فتلا: ﴿قل لا أجد فيما أوحي إلى محرماً على طاعم يطعمه﴾ الآية، فقال شيخ عنده سمعت أباهريرة رضي الله عنه يقول: ذكرعند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: خبيثة من الخبائث، فقال ابن عمر رضي الله عنه: إن كان قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هذا فهو كما قال، فسماه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم خبيثة من الخبائث فشمله حكم التحريم بقوله تعالىٰ: ويحرم عليهم الخبائث، والقنفذ من حشرات الأرض فكل ما كان من حشراتها فهومحرم قياساً على القنفذ. (احکام القرآن ۳/ ۲۰).

قال فی البدائع: وأما الذي يعيش فى البر فأنواع ثلاثة ماليس له دم أصلاً وماليس له دم سائل وماله دم سائل ...ونحوها لايحل أكله إلا الجرا د خاصة لأنها من الخبائث

لاستبعاد الطبائع السليمة إياها وقد قال الله تبارک وتعالىٰ : ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾...

وكذلک [أی لايحل أكله] ما ليس له دم سائل مثل الحية والوزغ وسام أبرص وجميع الحشرات وهوام الأرض ... (بدائع الصنائع: ٣٦/٥،سعيد).

قال الطحطاوي: قوله ولا الحشرات ، وكذلک الهوام ...قال الاتقانی: جمع الهوام وهی الدابة من دواب الأرض وجميع الهوام نحو اليربوع وابن عرس والقنفذ مما يكون سكناه الأرض والجدر مكروه أكله لأن الهوام مستخبثة وقد قال تعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾ ولأنها تتناول النجاسات فی الغالب وذلک من أسباب الكراهة ...الخ. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ١٥٥/٤،ط: کوئته،والفتاوی الهندية: ٢٨٩/٥،والفقه الاسلامی وادلته : ٥٠٨/٣).

واللہ ﷻ اعلم۔

شیلک [SHELLAC] کھانے کا حکم:

سوال: کیڑے مکوڑوں سے حاصل شدہ رطوبات کا کیا حکم ہے؟

ایک کثیر الاستعمال رطوبت شیلک [SHELLAC] ہے، ہماری تحقیق کے مطابق یہ رطوبت خالص کیڑے کی نہیں بلکہ جس درخت پر یہ کیڑا ہوتا ہے اس درخت کے بعض اجزاء بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔

کیا خالص کیڑے کی رطوبت اور کیڑے کے اجزاء کے ساتھ مخلوط رطوبت میں کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

شیلک کے متعلق ضروری وضاحت:

شیلک [SHELLAC] ایک اجزائے ترکیبی ہے جو (lac) لاکھ نامی کیڑے کا لعاب ہے۔

لاکھ نامی کیڑا اپنا لعاب درختوں پر بناتا ہے اور یہ لعاب سخت مادہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اس سخت مادہ کو جب درختوں سے اتارا جاتا ہے تو بعض اوقات لاکھ کے مرے ہوئے کیڑے اور اس کے انڈے بھی اس مادہ کے ساتھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں، پھر اس مادہ کو آگ پر پگھلانے کے بعد اس مواد کو فلٹر کیا جاتا ہے، اور ۹۰ فیصد تک یقین ہوتا ہے کہ اس فلٹر شدہ مواد میں مذکورہ کیڑے کے اجزاء باقی نہیں رہے ہوں گے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ

پگھلانے کی وجہ سے ان مردہ کیڑوں کے جسم کا مادہ بھی اس مواد میں شامل ہو گیا ہو۔

کیا مذکورہ طریقہ سے حاصل شدہ مواد کا کھانا حلال ہے؟

☆ اس کیڑے کے مؤنث مادے میں ایک قسم کا پانی ہوتا ہے اسے (lace dye) لیس ڈائے کہتے ہیں یہ لیس ڈائے، بھی کھانے کی چیزوں میں بطورِ رنگ استعمال ہوتا ہے، لیکن اس رطوبت سے رنگ بنانے کا خاص طریقہ ہے۔

اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ رطوبت کیڑے سے نکلتی ہے تو اس کے اردگرد ایک قسم کا غلاف/ پردہ ہوتا ہے اسے پیسا جاتا ہے اور چھلنی کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے پھر بڑے بڑے مٹکوں میں رکھ کر بار بار دھویا جاتا ہے، پھر رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ رنگ کھانے کی مختلف چیزوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً:

(الف) دوائیاں وغیرہ، گولی، کیپسول وغیرہ پر یہ رنگ چڑھاتے ہیں تاکہ کھل نہ جائے۔

(ب) مٹھائیاں وغیرہ پر یہ رنگ محض زینت کے لیے لگایا جاتا ہے۔

(ج) پھل:۔ سیب وغیرہ کو چمکانے کے لیے یہ رنگ استعمال ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب اس رنگ کے استعمال کا، اور اس سے تیار شدہ اشیاء کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

تنبیہ: ایک اندازہ کے مطابق شیلک کی سالانہ کھپت تقریباً پچاس ہزار ٹن ہے۔ اتنی کثرت سے دواؤں اور غذاؤں میں استعمال ہوتا ہے۔

کیا کیڑے مکوڑے سے حاصل شدہ اشیاء حلال ہیں یا حرام؟

فی زمانناکیڑے مکوڑوں کو پیس کر اس سے حاصل شدہ رطوبت سے رنگ نکالا جاتا ہے اس رنگ کے استعمال کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

☆ کیڑے مکوڑوں سے حاصل شدہ رنگ جو اشیائے خوردنی میں استعمال ہوتا ہے، جس کو کوچینل، کارمن کہتے ہیں یہ کثیر الاستعمال ہے، اس کے بنانے کی ترکیب درجِ ذیل ہے:

کیڑے مکوڑوں کو ابلتے ہوئے پانی یا تیز دھوپ میں ڈالتے ہیں، پھر انہیں خاص طریقہ پر خشک کیا جاتا

ہے یہاں تک کہ ان کے جسم کا ۳۰ فیصد حصہ باقی رہ جاتا ہے یہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ وہ سڑ نہ جائیں، اس طرح سے ایک کلو رنگ حاصل کرنے کے لیے ایک لاکھ پچپن ہزار (۱۵۵۰۰۰) کیڑوں کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مختلف طریقوں سے رنگ تیار ہوتے ہیں اب رنگ تیار ہونے کے بعد اس رنگ کے استعمال کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: شیلک (SHELLAC) کے مذکورہ طریقہ سے حاصل شدہ مواد دواؤں اور غذاؤں میں استعمال کرنا حلال اور جائز ہے۔ نیز دیگر رطوبات کا استعمال کرنا بھی درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر جائز ہے۔

(پہلی وجہ) حشرات الارض اور ان کی رطوبات کی حرمت کی اصل علت استقذار ہے، یعنی گھن محسوس ہونا اور طبائعِ سلیمہ کا ان سے نفرت کرنا۔ اور اتنی کثیر مقدار کے مادہ میں اتنی قلیل مقدار کیڑوں کا پگھل کر اس مادے میں مل جانا عرفاً مستخبث (گھن) نہیں سمجھا جاتا، جب کہ ان کیڑوں کی حرمت کی دلیل ہی ان کا مستخبث ہونا ہے اور جب حرمت کی دلیل ہی باقی نہیں رہی تو حرمت کا قول بھی شرعاً درست نہ رہا الا یہ کہ کوئی اور علت یعنی نجاست یا ضرر یا نشہ وغیرہ ہو تو الگ مسئلہ ہے لیکن یہاں ندارد ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا سلمان كل طعام وشراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فهو الحلال أكله وشربه وضوؤه "، ...قال أبو أحمد : الأحاديث التي يرويها سعيد الزبيدى عامتها ليست بمحفوظة . (رواه البيهقی فی الكبرى: ۱/ ۲۵۳،وضعفه).

ورواه الدارقطنى (۱/ ۳۷) **وضعفه . قال الشيخ ابن الهمامؒ فى فتح القدير** (۱/ ۸۳،ط:دارالفكر) **: والحديث مع هذا لاينزل عن الحسن .**

وللمزيد من البحث راجع: (البدرالمنير: ۱/ ۴۵۵،الحديث الرابع،والتلخيص الحبير: ۱/ ۱۶۳/ ۱۳، ونصب الراية: ۱/ ۱۱۵).

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ جس کھانے یا پینے میں جانور (کیڑے، مکوڑے، مکھی، مچھر وغیرہ جن

میں دمِ سائل نہیں ہے) گرکر مر جائے تو اس طعام ومشروب کا کھانا پینا حلال ہے، اب ظاہر بات ہے کہ مرے ہوئے جانور کے کچھ اجزاء یقیناً کھانے، پینے میں گھل مل گئے ہوں گے۔لیکن چونکہ قلیل ہونے کی وجہ سے مستقذر نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

وما لم يذبح ذبحاً شرعياً أو مات فهو حرام ولا يحل إلا ميتتان : السمك والجراد ، وفي معناهما ما يستحيل من الأطعمة كدود التفاح والخل والجبن فإن الاحتراز منهما غير ممكن فأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم الذباب والخنفساء والعقرب وكل ماليس له نفس سائلة لا سبب في تحريمها إلا الاستقذار ولو لم يكن لكان لايكره فإن وجد شخص لايستقذره لم يلتفت إلى خصوص طبعه فإنه التحق بالخبائث لعموم الاستقذار فيكره أكله كما لو جمع المخاط وشربه كره ذلک وليست الكراهة لنجاستها فإن الصحيح أنها لاتنجس بالموت إذ أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن يمقل الذباب فى الطعام إذا وقع فيه... وربما يكون حاراً ويكون ذلک سبب موته ولو تهر ت نملة أوذبابة في قدر لم يجب إراقتها إذ المستقذر هو جرمه إذا بقي له جرم ولم ينجس حتى يحرم بالنجاسة وهذا يدل على أن تحريمه للاستقذار. (احياء علوم الدين : ۹۳/۲، اصناف الحلال ،ط:مصطفى البانى الحلبى).

امام غزالیؒ کی عبارت سے بخوبی واضح ہوا کہ حشرات الارض کی حرمت کی علت فقط استقذار ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ رقمطراز ہے:

جاننا چاہئے کہ شریعتِ مطہرہ میں استعمال کے منع ہونے کی وجہیں چار ہیں: (۱) نجاست جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ میں۔(۲) مضر ہونا جیسے سنکھیا میں اور (۳) استخباث یعنی طبیعتِ سلیمہ کا اس سے گھن کرنا جیسے کیڑے مکوڑوں میں اور (۴) نشہ لانا۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص ۹۸، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اور جب خبیث اور غیر خبیث ملجاویں تو اگر استخباث باقی رہے تو حرمت کا ورنہ حلت کا حکم ہوگا، جیسے دیگ

میں مکھی پڑ جائے کہ اگر مکھی شوربے میں حل نہیں ہوگئی تو اس مکھی کا کھانا جائز نہیں اور اگر وہ گھل مل گئی تو ایک دیگ میں مکھی کا مل جانا عرفاً مستخبث نہیں لہذا وہ شوربا حلال ہے حالانکہ اجزاء مکھی کے اس میں بالیقین موجود ہیں۔
(بہشتی زیور،نواں حصہ،ص۱۰۸،ط:دارالاشاعت)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

العرق إذا تقاطر فی العجین فالقلیل منه لایمنع الأکل . (الفتاوی الهندیة:۵/۳۳۹).

البحر الرائق میں ہے:

وسئل (علی بن أحمد) عن عرق الآدمی ونخامته ودمعه إذا وقع فی المرقة أوفی الماء هل یأکل المرقة ویشرب الماء قال: نعم ، مالم یغلب ویصیر مستقذراً طبعاً .
(البحرالرائق: ۸/۳۳۹،والفتاوی الهندیة:۵/۳۳۹).

مذکورہ بالاعبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیائے مستقذرہ کی قلیل مقدار جب کثیر مقدار شوربے یا پانی وغیرہ میں مخلوط ہوجائے تو عام طور پر مستقذر نہیں رہتی بلکہ مغلوب ہوجاتی ہے اس کی وجہ سے اس شوربہ وغیرہ کا کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: کیڑوں کے لعاب سے بعض پیدا شدہ چیزیں جن سے استقذار یعنی گھن نہ ہو حلال ہیں جیسے ابریشم، شکر تغال وغیرہ للنص علی حلة العسل ۔(بہشتی زیور،نواں حصہ،ص:۱۰۴،دارالاشاعت)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استخباث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے،طعام وشراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی ،لہذا بڑی دیگ میں مکھی گرجائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔
(احسن الفتاویٰ:۸/۱۲۹)۔

مذکورہ بالاعبارات کی روشنی یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شئ مستقذر غیر کے ساتھ مل کر گھل جائے اور جسم باقی نہ رہے اور استقذار بھی محسوس نہ ہو تو اس صورت میں اس کے حلال ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔

(**دوسری وجہ**) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مادہ سے کیڑوں کا علیحدہ کرنا انتہائی مشکل ہے بنابریں عمومِ بلویٰ کی وجہ سے شیلک ملی ہوئی غذا یا دوا کے استعمال کا حکم لگایا جائیگا۔

ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: هل يحل أكل الدودة التي تكون في التفاح وغيره معه ؟

الاستبشار: نعم، لتعسر الاحتراز منه، وأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم الذباب، كذا في مطالب المؤمنين. (نفع المفتي والسائل،ص۳۷۹).

لیکن راجح قول کے مطابق روح پھونکے جانے کے بعد کیڑے کا کھانا ناجائز ہے۔ **كما مر تفصيله۔**

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

سن آدمي طحن في وقر حنطة لايؤكل ولايؤكله البهائم بخلاف مايقشر من جلدة كفه قدر جناح الذباب أو نحوه واختلط بالطعام للضرورة. (الفتاوى الهندية: ۳۳۹/۵).

وفي البحر: واستدل مشايخنا أيضاً على أصل المسئلة بما عن سلمان رضي الله عنه قال: ياسلمان كل طعام وشراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فهوحلال أكله وشربه ووضوؤه. (البحرالرائق: ۱۶۱/۱،بيروت).

فیض القدیر میں ہے:

و جوز الشافعية أكل دود نحو الفاكهة معها حياً وميتاً إن عسر تمييزه ولايجب غسل الفم منه وظاهر هذا الحديث أن السوس يطلق عليه اسم الدود وعكسه. (فيض القدير: ۲۴۵/۵).

(**تیسری وجہ**) شہد کی مکھی پر قیاس کرتے ہوئے بھی شیلک کا استعمال جائز ہونا چاہئے، یعنی شہد کا استعمال منصوص ہے اور عموماً چھتہ سے نکالتے وقت شہد کی مکھیوں کی کچھ نہ کچھ ریزش بھی شامل ہوتی ہے جس کو شہد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، عام طور پر اس کا جدا کرنا مشکل ترین ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو احکام القرآن میں ہے:

قولہ تعالیٰ : ﴿ ويخرج من بطونها شراب مختلف ألوانه فيه شفاء للناس ﴾ فيه بيان طهارة العسل ومعلوم أنه لا يخلو من النحل الميت وفراخه فيه و حكم الله تعالىٰ مع ذلك بطهارته فأخبر عما فيه من الشفاء للناس . (احكام القرآن للامام الجصاصؒ:۳/۲۷۳).

(چوتھی وجہ) حشرات الارض کی حرمت منصوص اور مدلل بدلیل مستقل نہیں ہے، بلکہ بعلتِ استخباث و استقذار حرام کہا گیا ہے۔(روح المعانی:۵/۶۷،وفتاوی الشامی:۶/۳۰۵،سعید،والمبسوط :۱۱/۲۵۴،واحکام القرآن للجصاص : ۲۰/۳)۔

چنانچہ مالکیہ وغیرہ کے نزدیک حلال ہے لہذا مجتہد فیہ مسئلہ میں بوقتِ ضرورت گنجائش ہونی چاہئے۔ملاحظہ ہو:

مدونہ میں ہے:

ولقد سئل مالك عن شيء يكون فى المغرب يقال له الحلزون يكون فى الصحارى يتعلق بالشجر أ يؤكل ؟ قال : أراه مثل الجراد ما أخذ منه حياً فسلق أو شوى فلا أدري بأكله بأساً ، وما وجد منه ميتاً فلا يؤكل . (المدونة : ١/٥٤٢،ط: دارالكتب العلمية بيروت).

قال في مواهب الجليل : قال مالكؒ : حشرات الأرض مكروهة . (مواهب الجليل : ٣٤٩/٤).

قال فى الذخيرة : ولا بأس بأكل خشاش الأرض وهو مما إذا ذكيت ذكاة الجراد وتؤكل الضفادع... (الذخيرة : ١٠٣/٤،ط: بيروت).

وفى النتف فى الفتاوىٰ : وأما حشرات الأرض فإنها محرمة في قول أبي حنيفةؒ وأصحابه ومحللة في قول أبي عبد الله وسائر الناس إلا أنها مكروهة مثل الحية والضب ...الخ. (النتف فى الفتاوىٰ، ص ١٥٠، بيروت).

قال فى المجموع : مذهب العلماء فى حشرات الأرض ...مذهبنا أنها حرام وبه قال جمهور العلماء منهم ...أبوحنيفةؒ وأحمدؒ وداودؒ وقال مالكؒ : حلال . (المجموع :٩/١٦).

وفى المغنى لابن قدامة : من المستخبثات الحشرات كالديدان والجعلان وبنات

وردان والخنافس والفار والأوزاغ والحرباء ...وبهذا قال أبوحنيفةؒ والشافعیؒ ورخص مالکؒ وابن أبي ليلیؒ والأوزاعیؒ في هذا كله إلا الأوزاغ فإن ابن عبد البر قال هومجمع على تحريمه وقال مالک : الحية حلال إذا ذكيت واحتجوا بعموم الآية المبيحة. (المغنی : ١١/ ٦٤).

وللاستزادة انظر: (حاشية الدسوقی: ۱/۸۲، بيروت،والتاج والاكليل : ۱/۱۲۲،والفواكه الدوانی : ۱/۴۰۲،دارالفكر).

(پانچویں وجہ) اگراس میں انقلابِ حقیقت ہوجاتا ہے تو پھراس کا داخلی استعمال بالکل جائز اور درست ہے،اورانقلابِ حقیقت کی تفصیلات جلاٹین کے مسئلہ کے تحت ملاحظہ فرمالیں۔واللہ ﷻ اعلم۔

” آراء المتخصصین والمفتین فی تحقیق جلاتین“

جلاٹین کا شرعی حکم ماہر اطباء کی تحقیقات کی روشنی میں

سوال: جلاٹین کی فیکٹری میں جلاٹین مختلف کھالوں سے بنائی جاتی ہے، جن میں تقریباً ۹۰/ ۹۵ فیصد ان حیوانات کی کھالیں ہوتی ہیں، جو شرعی طریقے پر ذبح نہیں کیے جاتے، اوران کے تمام اجزاء غیر ماکول ہوتے ہیں، انہیں حیوانات کی کھالوں کو مختلف جگہوں پر مختلف مشینوں میں صاف کیا جاتا ہے، ان کے بال اتارے جاتے ہیں، ان کو چونے کے پانی میں رکھا جاتا ہے تا آنکہ وہ چمڑا بالکل صاف ہوجاتا ہے، پھر اس کو لوہے کے بڑے بڑے ٹینکوں میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے، پھر اس کو جما کر دھاگوں کی طرح اور پھر شکر کی طرح بنایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کیا اس قسم کی جلاٹین کو غذاؤں میں استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا کا مدار انقلابِ عین اور تبدیل ماہیت پر ہے، اگر کھالوں اور ہڈیوں کو مراحل سے گزارتے وقت تبدیل ماہیت کا تحقق ہوجاتا ہے تو اس کا کھانا اور غذاؤں میں استعمال کرنا جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ کیونکہ شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوجائے تو سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی چیز کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس چیز کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، وہی اس چیز کی حقیقت اور ماہیت ہیں۔

اور جلاٹین میں تبدیل ماہیت سے متعلق معاصرین اطباء کا اختلاف ہے۔ اکثر حضرات نے تحقیقات کے ذریعہ ثابت کردیا کہ جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلاٹین بنائی جاتی ہے، بلکہ وہ ایک نئی چیز میں تبدیل ہوجاتی ہے، اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہوگی۔ مگر بعض اطباء کی تحقیق یہ ہے کہ جلاٹین میں انقلابِ عین نہیں پایا جاتا۔ بنا بریں اختلاف کے پیش نظر اس قسم کے

جلاٹین کے استعمال سے بچنا اولیٰ اور احوط ہے۔

انقلابِ عین اور تبدیل ماہیت کی حقیقت:

انقلابِ حقیقت کا مطلب فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلا مفہوم اور مصداق یا تو بالکل فنا ہوکر دوسرے مفہوم اور حقیقت میں بدل جائے، یا اس کے مفہوم اور حقیقت کے بعض اجزاء اور مخصوص آثار فنا ہوجائے، ملاحظہ ہو محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة ،و تنتفى الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل ؟ فإن الملح غير العظم واللحم ، فإذا صار ملحاً ترتب حكم الملح . ونظيره في الشرع: النطفة نجسة وتصير علقة وهى نجسة ، وتصير مضغة فتطهر ، والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس ، فتصير خلاً فيطهر ، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المترتب عليها . وعلى قول محمدؒ فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس. (فتح القدير: ۱/۲۰۰،دارالفکر).

قال ابن رشد : إنه قد علم من ضرورة الشرع أن الأحكام المختلفة إنما هي لذوات المختلفة ، وأن الخمر غير ذات الخل ، والخل بإجماع حلال ، فإذا انتقلت ذات خمر إلى ذات الخل ، وجب أن يكون حلالاً كيفما انتقل. (بداية المجتهد: ۱/۳۴۹،کتاب الاطعمة).

البحر الرائق میں ہے:

السابع : انقلاب العين فإن كان فى الخمر فلا خلاف فى الطهارة وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع فى المملحة فتصير ملحاً يؤكل ، والسرقين والعذرة تحترق فتصير رماداً تطهرعند محمدؒ خلافاً لأبي يوسف وضم إلى محمدؒ أباحنيفةؒ فى المحيط وكثير من المشايخ اختاروا قول محمدؒ وفى الخلاصة وعليه الفتوىٰ، وفى فتح القدير : أنه المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة ...وفى المجتبى جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لأنه تغير والتغييريطهر عند محمدؒ ويفتى به للبلوى . (البحرالرائق: ۱/۲۲۷،کوئٹہ).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

المطهر الثامن ، انقلاب العين : فالخمر إذا صار خلاً يطهر ؛ لأنه شيء آخر . والخنزير والحمار وقع فى المملحة صار ملحاً يطهر، كما فى الهداية ، هذا عندهما، وعند أبي يوسفؒ : لا يطهر ، كذا قال العينيؒ عن الذخيرة ، وفي رسائل الأركان : أما انقلاب العين فتطهر الخمر اتفاقاً بالتخليل ، وفي غيرها خلاف، والفتوىٰ على قول محمدؒ انتهى ، مختصراً ، وفي خزانة الروايات عن التاتارخانية عن الظهيرية: العذرات إذا دفنت في موضع حتى صارت تراباً ، قيل: تطهر . انتهى . (نفع المفتی والسائل،ص۱۴۳،ط: دارابن حزم).

وفي إعانة الطالبين قال: المسک دم استحال طيباً ، والعلقة والمضغة أصلهما وهو المنى ، دم مستحيل ، واللبن أصله دم . قلت: فدم الغزال الذى يخرج منه الطيب تغير إلى غير ما طبع الدم ، فطبع الدم السيولة والرقة ، كما تغير المسک إلى غير وصف الدم ، فالدم لونه أحمر و رائحته غير رائحة المسک ، وكذلک الطعم مختلف ، ومثل هذا يقال فى العلقة والمضغة ، وفى اللبن ، اھ.

وكذلک قال أهل التفسير: قال ابن كثير في قوله تعالىٰ: ﴿فانظر إلى طعامک وشرابک لم يتسنه﴾ [البقرة:۲۵۹]، قال : فوجده طعامه لم يتغير منه شيء : لا العصير استحال ، ولا التين حمض ولا انتن ، اھ .

وكذلک قال أهل الحديث ، فقد قال ابن حجرؒ فى فتح البارى : تقريره أن اللبن خالط الفرث والدم ، ثم استحال فخرج خالصاً طاهراً ، اھ. قلت: يشير إلى قول اللّٰه تعالىٰ: ﴿نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ [النحل: ٦٦].

يبين أن طبع اللبن غير طبع الفرث ، وغيرطبع الدم سواء من حيث الرقة والسيولة أو من حيث الرائحة والطعم وغيرهما. ومن هنا عرفنا أن التعريف المختار للاستحالة اصطلاحاً هو: تغير الشيء من طبعه ووصفه إلى طبع آخر و وصف آخر. (ماخوذ من مجلة

المجمع الفقهی الاسلامی،ص۱۸۹۔۱۹۰،الاستحالة واحکامها فی الفقهی الاسلامی).

مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

الخمائر والجلاتين المتخذة من الخنزير: إن كان العنصر المستخلص من الخنزير تستحيل ماهيته بعملة كيماوية، بحيث تنقلب حقيقته تماماً، زالت حرمته ونجاسته، وإن لم تنقلب حقيقته بقي على حرمته ونجاسته، لأن انقلاب الحقيقة مؤثر في زوال الطهارة والحرمة عند الحنفية. (بحوث فی قضایافقهیة معاصرة:۱/۳٤۱،مکتبة دارالعلوم کراتشی).

للمزيد من البحث راجع: (بدائع الصنائع:۱/۸۵،سعید،و مجلة المجمع الفقهی الاسلامی، ص۱۸۹۔۱۹۰، الاستحالة واحكامها فی الفقهی الاسلامی،والموسوعة الفقهية:۱۰/۲۷۸،والفقه الاسلامی وادلته:۱/۱۰۰، دارالفکر ،وجدید فقہی تحقیقات،ازاسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا مرتبہ:حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ،ط:کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند).

انقلابِ حقیقت سے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر چشم کشا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

انقلابِ حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہٖ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہوجائے جیسے شراب سرکہ ہوجائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہٖ اپنی حقیقتِ خمریہ اور خون نے اپنی حقیقتِ دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقتِ منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقتوں میں متبدل ہوگئے حقیقت بدل جانے کا حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے کہ حقیقتِ اولیٰ منقلہ کے آثارِ مختصہ اس میں باقی نہ رہیں جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں پایا جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثارِ مختصہ بالکل زائل ہوجاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہوجانا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجبِ انقلاب نہیں جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکالی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دوتولہ شراب یا پیشاب ملا دیا جائے تو وہ پانی ناپاک ہے حالانکہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن چونکہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہٖ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لیے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چونکہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے

زیادہ اس لیے وہ روٹی میں محسوس نہیں پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب۔

اسی طرح حقیقتِ منقلبہ کی بعض کیفیات غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں جیسے شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے یا صابون میں قدرے دسومت روغن نجس کی باقی رہتی ہے کیونکہ رقت حقیقتِ خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقتِ دہنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے، پس انقلابِ عین کی وجہ سے تبدل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور واحتیاط سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات انقلاب واختلاط میں اشتباہ پیش آجاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق۔ (کفایت المفتی: ۲/۳۳۳، ط: دار الاشاعت، کراچی)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہے:

تبدیل ماہیت کا بیان: تبدیل ماہیت سے احکام بھی بدل جاتے ہیں مثلاً انگور کا پانی پاک ہے لیکن جب کہ وہ ایک دوسری یعنی شراب بن گیا تو وہ نجس ہوگیا اور شراب جب پھر دوسری چیز بن گئی، یعنی سرکہ ہوگئی تو پاک ہوگئی۔ تبدیل ماہیت کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز سے ایسی دوسری چیز بن جائے جس کا حکم شئ اول کے بالکل خلاف ہے، مثلاً ناپاک چیز ایک ایسی چیز کی طرف مستحیل ہوگئی کہ وہ چیز پاک ہے تو وہ ناپاک چیز پاک ہوگئی جیسے کھاد ناپاک ہے مگر جب مٹی ہوگیا تو مٹی ایک پاک چیز ہے تو وہ پاک ہوگیا، یا انڈا پاک ہے مگر خون بن گیا اور خون ایک ناپاک چیز ہے تو انڈا ناپاک ہوگیا اور جب اس خون کا مضغہ گوشت بن گیا تو گوشت پاک چیز ہے پھر پاک ہوگیا، اور اگر انقلاب ایسی چیز کی طرف ہوا جس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا قبل انقلاب کے تھا تو وہ ہی حکم رہے گا پاک تھی تو پاک ناپاک تھی تو ناپاک مثلاً پاک ہڈی جل کر راکھ ہوگئی تو انقلاب تو ہوا مگر حکم وہی رہا کیونکہ راکھ بھی پاک ہے، اور اگر نطفہ خون بن گیا تو انقلاب تو ہوا مگر ناپاک کا ناپاک کی طرف اور حکم بدستور رہا، ہاں جب مضغہ گوشت بن گیا تو پاک ہوگیا کیونکہ مضغہ گوشت پاک ہے اور اگر انقلاب ہی ناتمام ہوا تو یعنی دوسری چیز مغائر شئ اول کے نہیں بن گئی صرف ایک گونہ تبدیلی ہوگئی تو احکام نہ بدلیں گے جیسے ناپاک گیہوں کی روٹی پکالی کہ بجائے گیہوں کی صورت کے روٹی کی صورت پیدا ہوگئی لیکن یہ دوسری چیز بن جانا نہیں سمجھا جاتا۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص۷۸۲، ط: دار الاشاعت)۔

لیکن علامہ شامیؒ نے انقلابِ حقیقت سے اشیاء کی طہارت کوعمومِ بلویٰ کے ساتھ خاص کردیا ہے، یعنی جس چیز میں ابتلائے عام ہوگی وہاں تو طہارت کا حکم لگایا جائے گا لیکن جس چیز میں عام ابتلا نہ ہوتو وہاں طہارت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ ملاحظہ فرمایئے:

قد ذكر هذه المسألة العلامة قاسم في فتاواه ، وذكر الأدلة على ذلک بما لا مزيد عليه ، وحقق ودقق كما هو دأبه رحمه الله تعالىٰ ، فليراجع .

ثم هذه المسألة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذى عليه الفتوىٰ واختاره أكثر المشايخ خلافاً لأبي يوسفؒ كما فى شرح المنية والفتح وغيرهما. وعبارة المجتبى : جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمدؒ، ويفتى به للبلوىٰ ، ...وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أوكلب في قدر الصابون فصار صابوناً يكون طاهراً لتبدل الحقيقة .

ثم اعلم أن العلة عند محمدؒ هى التغير وانقلاب الحقيقة وأنه يفتى به للبلوى كما علم مما مر، ومقتضاه عدم اختصاص ذلک الحكم بالصابون، فيدخل فيه كل ماكان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه بلوى عامة ... (ردالمحتار: ۱/۳۱۶،باب الانجاس،سعید).

وقال في موضع آخر: وظاهره أن العلة الضرورة ، وصريح الدرر و غيرها أن العلة هي انقلاب العين ، لكن قدمنا عن المجتبى أن العلة هذه وأن الفتوىٰ على هذا القول للبلوىٰ، فمفاده أن عموم البلوىٰ علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين فتدبر .

(ردالمحتار: ۱/۳۲۶،باب الانجاس، سعید).

جلاٹین کے استعمال میں عمومِ بلویٰ کی وضاحت:

موجودہ دور میں جلاٹین کا استعمال کثرت سے ہورہا ہے اور بے حد عام ہر کس وناکس اس سے دوچار ہوتا ہے ہر ایک کو اس کے متعلق حلت وحرمت کا مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کا استعمال کس طرح عام ہے اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا آف برطانیکا کہتا ہے: جلاٹین کا استعمال جیلی والے گوشت،سوپ ٹافیاں وغیرہ

بنانے کے لیے شکل دئے ہوئے میٹھے کھانوں مثلاً جیلی اوراس طرح کے دیگر کھانے اور جھاگ دار غذاؤں مثلاً آئس کریم اور پانی کے ساتھ مختلف قسم کے روغن اور چکنائیوں کا مکسچر بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس کے متعلق دیگر واقفین اور ماہرین کے بیانات یہ ہیں:

ساؤتھ افریقہ کی ایک مسلم تنظیم ''ساؤتھ افریقن نیشنل حلال اتھارٹی'' نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ مختلف مٹھائیوں اور دودھ سے بنی اشیاء میں اس کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ دیگر ماہرین کہتے ہیں کہ سر اور چہرہ میں لگائی جانے والی مختلف قسم کی کریم میں اور آرائشی مصنوعات میں جلاٹین کا استعمال ہوتا ہے۔ دواؤں کی طرف آیئے، تو چھ سو سے زائد ایسی دوائیں ہیں جن میں جلاٹین کا استعمال ہوتا ہے ان دواؤں میں کیپسول اور کھانسی دور کرنے والی دوائیں زیادہ ہیں۔ ان کے علاوہ جلاٹین کا استعمال فوٹوگرافی کی فلم، کاغذ، رنگوں اور لیتھوگرافی (پتھر یا دھات سے چھپائی) کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کی معلومات میں بتایا گیا ہے کہ جلاٹین کی بے شمار خصوصیات ہیں، جیسے جیلی بنانا، کسی شئی کو گاڑھا کرنا اور اس کو جمانا، فلم بنانے کے لیے اس کی شکل پذیری میں معاون ہونا، اور اشیاء کو گاڑھا کرنا، کے باعث درجِ ذیل صنعتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے:

غذا (مٹھائیوں اور دودھ سے بننے والی اشیاء، گوشت کی مصنوعات وغیرہ)

دواؤں کی صنعت۔

فوٹوگرافی۔

بے شمار تکنیکی استعمالات۔

میڈیکل میں جلاٹین عام طور پر کیپسول بنانے میں استعمال ہوتی ہے اس سے نرم اور سخت دونوں قسم کے کیپسول بنائے جاتے ہیں ان کے علاوہ یہ پیسٹ سرکہ، کافی، کے بنانے میں بھی استعمال ہوتی ہے نیز مصنوعی جوس میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر اصغر علی جامعہ ہمدرد نئی دہلی کی پیش کردہ تحقیق)۔

ایک اور وضاحت یہ ہے کہ ماہرین کے مطابق سخت قسم کے کیپسول عام طور پر ہڈی اور خنزیر کے گوشت کی پرت سے بنائے جاتے ہیں، کیونکہ خنزیر کے گوشت سے بنی جلاٹین کیپسول میں شفافیت اور لچک پیدا کرتی ہے یہ تو جلاٹین کے استعمال کی عمومیت ہوئی، ظاہر ہے کہ شاید ہی کوئی بچ جائے جسے جلاٹین کسی نہ کسی طور پر استعمال

کرنے کی نوبت نہ آئے ورنہ ہر ایک کا سابقہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے۔(جدید فقہی تحقیقات ،ص،از ۱۸۲ تا ۱۸۳)۔

ماہر اطباء کی تحقیق کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

(۱) ڈاکٹر محمد اسلم پرویز:

کولاجن کا تعلق پروٹین کے خاندان سے ہے، اور پروٹین کی قسموں میں سے بھی ریشے کی پروٹین جو ہمارے پٹھوں میں پائی جاتی ہے، تمام ریڑھ دار جانور کے جسم میں موجود کل پروٹین کا ثلث کولاجن ہوتا ہے، جانوروں کے جسم سے زیادہ مقدار اسی پروٹین کی پائی جاتی ہے اس کے ریشے لیس دار ہوتے ہیں، یہ پانی میں نہیں گھلتے ہیں اور نا قابل ہضم ہوتے ہیں، دیگر پروٹین کی طرح یہ بھی ایمنو ایسیڈس سے بنا ہے، ایمنو ایسیڈس میں سے دو جس کا نام گلائسین اور ایلینین ہے ان کی جتنی مقدار کولاجن میں پائی جاتی ہے کسی اور پروٹین میں نہیں پائی جاتی، کولاجن میں پرولین نامی ایمینو ایسیڈ کی مقدار بھی زیادہ ہے، کولاجن میں ایک ایمینو ایسیڈ جس کا نام ہائڈروکسی پرولین ہے صرف کولاجن میں پایا جاتا ہے ایمینو ایسیڈ صرف کولاجن اور الاسٹین نامی دوسرے ریشے دار پروٹین میں پایا جاتا ہے ہائڈروکسی پرولین کی وجہ سے ان میں سختی سی ہوتی ہے کولاجن میں جو ایمینو ایسیڈ پائی جاتی ہے اس میں غذائیت بہت کم ہوتی ہے کولاجن کو تحلیل کر کے جلاٹین بنایا جاتا ہے اس تحلیل کو ہائیڈرولائسس کہتے ہیں یعنی تحلیل کا وہ خاص عمل جس میں پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ لائسس کا مطلب ہے توڑنا اور ہائیڈرو کا مطلب ہے پانی، یعنی پانی کی مدد سے کسی چیز کو تحلیل کرنا جلاٹین کی ظاہری ساخت ،شکل، رنگت، ذائقہ، بو ہر چیز کولاجن سے مختلف ہوتی ہے، کیونکہ کیمیائی عمل سے گزرنے کے بعد اور تحلیل ہونے کے بعد ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے، جلاٹین ایک الگ قسم کا کیمیائی مادہ اور پروٹین ہے جو کولاجن سے مختلف ہے، ایک سائنسی حقیقت ہے کہ جلاٹین کا مادہ اور جلاٹین بالکل الگ چیز ہے، کولاجن میں پائے جانے والا کوئی بھی مخصوص مادہ جلاٹین میں نہیں۔

(۲) ڈاکٹر عمر افضل:۔

ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کیمیائی عمل سے گزرنے کے بعد تحلیل ہو کر فقط ایک سیال مادہ باقی رہتا ہے جو ٹھنڈا ہونے پر جمایا جاسکتا ہے۔ تیار شدہ جلاٹین میں نہ تو کسی جانور کی کھال یا اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

(۳) ڈاکٹر اصغر علی:۔

جلاٹین بنانے کے تین طریقے ہیں: (الف) سوکھی ہڈی یا کھال کو صاف کرنے کے بعد اس کو 5%Hcl (ایک طرح کے تیزاب) میں دس سے پندرہ دن رکھا جاتا ہے تو ایک کیمیکل کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر اس کیمیکل کو چار، پانچ گھنٹے 10%Lime چونے میں رکھا جاتا ہے اس کے بعد چونے سے نکال کر اس کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں پھر خشک کر کے اس کی نمی کو اڑانے کے بعد پیس کر اس کا جلاٹین بناتے ہیں۔

(ب) بچھڑے کی کھال کو دھو کر 10%Lime چونا میں چھ سے بارہ گھنٹے تک رکھتے ہیں پھر چونے سے نکال کر اس کو گرم پانی میں ڈال کر دیتے ہیں، پھر مندرجہ بالا پہلے طریقہ کے مطابق جلاٹین بنا لیتے ہیں۔

(ج) خنزیر کی کھال کو صاف کر کے دھو کر 1-5%Hcl تیزاب میں دس سے تیس گھنٹے تک رہنے دیتے ہیں پھر مندرجہ بالا طریقہ سے جلاٹین حاصل کرتے ہیں۔ (ملخص از جدید فقہی تحقیقات، از ص ۷۱ تا ۹۵)۔

ہمیں ایک اور طبیب کی تحقیق موصول ہوئی جو عدمِ تبدیل حقیقت کے قائل ہیں۔

(۴) جناب ڈاکٹر محمد انصار حسین صاحب:۔

(جو کہ کھال کی ٹکنالوجی کے شعبہ سے متعلق ہیں) ان کی تحقیق کا خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

(۱) کھال کے تین پرت (تہہ) ہوتے ہیں، پہلی پرت میں بال اور مسامات ہوتے ہیں اور یہ پرت پوری کھال کا ایک فیصد ہوتی ہے۔

دوسری پرت کھال کی موٹائی کا ۹۸ فیصد ہوتی ہے، اسی پرت میں ایک خاص چیز ہوتی ہے جسے کولاجن کہتے ہیں۔

تیسری پرت گوشت کی ہوتی ہے، اس میں رگیں، نسیں اور پٹھے بھی ہوتے ہیں یہ پرت بھی کھال کا ایک فیصد ہوتی ہے۔

(۲) کولاجن ہی جلاٹین ہے۔ (۳) جلاٹین بنانے کے عمل میں تیزاب کا استعمال، چونے کے پانی میں رکھنا، ابالنا، گرم کرنا، اور تبخر کا عمل، یہ سب صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ مجموعی کھال میں کولاجن کے ساتھ جو غیر کولاجن والے اجزاء ہیں یعنی خون، چربی اور ریشے وغیرہ دور کیے جائیں اور خالص کولاجن حاصل کیا جائے، یہی

خالص اور شفاف کولاجن کو جلاٹین کا نام دیا جاتا ہے۔

(۴) جلاٹین بنانے کا عمل ایک کیمیائی عمل ہے لیکن اس عمل کا اثر کولاجن سے متصل اشیاء پر ہوتا ہے اور انہیں زائل کیا جاتا ہے، نفس کولاجن پر اس کیمیائی تبدیلی کا اثر نہیں ہوتا۔..الخ۔(ملخص از مقالہ: کولاجن جلاٹین اور تبدیل ماہیت)۔

اطباء کی تحقیقات پر معاصر علمائے کرام کی آراء:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ صاحب: بظاہر یہ صورت قلبِ ماہیت کی محسوس ہوتی ہے، اور تخلیل خمر پر اس کو قیاس کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ نہ صرف اس کے اوصاف بلکہ شکل وصورت میں بھی تبدیلی آچکی ہے۔

(۲) مولانا محمد عبید اللہ اسعدی صاحب: چمڑا یا ہڈی اگر خنزیر کا ہو تو محض پیسنے سے استعمال درست نہیں، دوسرے جانور کی ہڈی یا مدبوغ چمڑے کا استعمال درست ہے اگر جلاٹین میں چمڑے سے کشید کی کوئی شکل ہو تو دباغت کے بعد درست ہوسکتی ہے اور اگر جلاٹین یوں بنایا جائے کہ ہڈی سوکھ جائے یا چمڑے کی دباغت کے بعد پھر ان کو گلا کر دوسری شکل میں کر دیا جائے تو یہ قلبِ ماہیت ہے، نیز گلا کر دوسری شکل میں کرنے میں دباغت یا سوکھنے کی قید بھی نہ ہوگی۔

(۳) مولانا اختر امام عادل: جلاٹین کا معاملہ بھی سوال نامہ کے مطابق قلبِ ماہیت کا معلوم ہوتا ہے۔

(۴) مفتی جمیل احمد نذیری: جلاٹین بنانے کے طریقے جو ماہرین کی تحریروں سے معلوم ہوئے ان میں سے کسی بھی طریقہ پر انقلابِ ماہیت کی تعریف صادق نہیں آتی عدمِ انقلابِ ماہیت کے باوجود جلاٹین کی بعض صورتیں جائز ہیں:

(الف) خنزیر کے علاوہ جانور کی خشک ہڈی کا جلاٹین جائز ہے۔خواہ مذبوح ہو یا مردار۔

(ب) مذبوح جانور کی تر ہڈی اور کھال کا جلاٹین جائز ہے۔

(ج) ماکول اللحم کی آنت کا جلاٹین استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۵) مولانا ارشاد الحق اعظمی: اگر جلاٹین نجس چیز سے بنا ہو تو اس میں دو پہلو ہیں: نمبر (الف) جلاٹین اصلاً چپچپہ اور چکنا مادہ ہے جو زندگی کی علامت اور نجاست کا محل ہے اور مخصوص عمل سے اس کو محفوظ کیا گیا اس پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے نجس اشیاء سے بنا ہوا جلاٹین ناجائز ہے۔

(ب) جلاٹین کی پوزیشن اس غلاظت سے زیادہ واضح ہے جو مٹی اور پانی میں پڑ کر کیچڑ بن جائے اس پر علماء نے پاکی کا حکم لگایا ہے اس لیے یہ پاکی کے احتمال سے خالی نہیں، پھر ابتلائے عام بھی ہے اس لیے استعمال کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

(۶) مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی: صورتِ مسئولہ میں ذکر کردہ صورت قلبِ ماہیت کے تحت آئے گی، کیونکہ گلانے کے بعد چمڑا او ہڈی کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے قلبِ ماہیت کے اسباب میں سے احراق بھی ہے۔

(۷) مولانا ابوالعاص وحیدی: یقیناً جلاٹین کا جو عمل ہے وہ قلبِ ماہیت کے تحت آئے گا۔

(۸) مولانا محمد ارشاد القاسمی: جلاٹین بنانے کے تین طریقے سوال میں مذکور ہیں، یہ فقہی اصول اور جزئیات اور تعریفِ انقلاب میں پائے جانے کی وجہ سے انقلابِ ماہیت میں داخل ہیں اور ضرورتِ عامہ اور عمومِ بلویٰ کے پیشِ نظر اس کی نوعیت شکل، بو، مزہ، حالت اور کیفیت بدل جانے کی وجہ سے جائز ہے۔

(۹) مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی: سوال نامہ میں جلاٹین کی جیسی تصویر کشی کی گئی ہے اگر واقعہ میں ایسا ہی ہو تو بلاشبہ یہ انقلابِ عین اور قلبِ ماہیت کے تحت آئے گا، اور اس کی بیع اور اکل وشرب جائز ہوگا۔

(۱۰) مولانا محمد برہان الدین سنبھلی: اس فن کے بعض ماہرین نے راقم کو جنوبی افریقہ میں جلاٹین بنانے کی فیکٹری کا مشاہدہ کرایا کہ اس طریقہ سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے، لیکن وہاں کے بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ حقیقت نہیں بدلتی۔

(۱۱) مولانا زبیر احمد قاسمی: جلاٹین کی جو وضاحت اور تصویر کشی کی گئی اس کو قلبِ ماہیت اور تحولِ عین

کے تحت مانا جاسکتا ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر مولانا سلطان احمد اصلاحی: جلاٹین (ڈاکٹر اصغر علی صاحب کے مواد کی روشنی میں) استحالہ یا قلبِ ماہیت کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔

(۱۳) مولانا اعجاز احمد قاسمی: جلاٹین کی جو صورت سوال نامہ میں بیان کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مردار کے چمڑے ہاڈی کو عملِ تدبیغ، تطبیخ تشمیس، گلانے کی تدبیر نیز کیمیاوی عمل وغیرہ کے ذریعہ شئی کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔

(۱۴) مولانا خورشید احمد اعظمی: جلاٹین کے بارے میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر بعض علماء کے نزدیک جلاٹین میں تبدیلِ ماہیت نہیں ہوتی۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی تحقیقات)۔

(۱۵) مفتی تقی صاحب کے تفصیلی فتوے کا خلاصہ یہ ہے ان کے نزدیک ہڈی کے جلاٹین کو انفحہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کا استعمال درست ہے، البتہ کھال کے جلاٹین میں تبدیلِ ماہیت ہوتی ہے یا نہیں؟ تردد ہے۔

(از فتویٰ مفتی تقی صاحب،۱۴، شوال ۱۴۱۷ھ)۔

(۱۶) مفتی اشرف صاحب مفتی جامعہ محمودیہ اسپرنگ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں تبدیل ماہیت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ان کے ایک تفصیلی فتوے کا خلاصہ حسبِ ذیل درج کیا جاتا ہے:

...بقولِ ماہرین کولاجن سے جلاٹین بننے میں طبعی و کیمیائی تبدیلی وجود میں آتی ہے اور جلاٹین ایک نیا مرکب بنتا ہے جو کہ اپنی اصل یعنی کولاجن سے بالکل جدا ہوتا ہے۔

بی۔ٹیپس دوائی کی کمپنی کی "الشفاء الطبی" کی رپورٹ کے مطابق کھال اور جلاٹین اپنی اپنی طبعی و کیمیائی خصوصیات اور ظاہری شکل میں بالکل ایک جیسے نہیں ہیں، جلاٹین اور کولاجن دونوں مختلف ہیں۔

غذائی مواد تیار کرنے والے ماہرین کے مطابق کولاجن سے جلاٹین بننے کے عمل میں پوری طرح تبدیل ماہیت ہوجاتی ہے۔...اس لیے احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ جلاٹین طاہر اور حلال ہے، کیونکہ تبدیل ماہیت

کے ساتھ عمومِ بلویٰ بھی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا چودھواں فقہی سمینار مؤرخہ ۲۰-۲۲/ جون ۲۰۰۴ء کو ہندوستان کے علمی اور تاریخی شہر حیدرآباد کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم سبیل السلام میں منعقد ہوا، اس سمینار میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء، اربابِ افتاء، میڈیکل سائنس اور فارما وادویہ سازی کے ماہرین شریک ہوئے، جس میں کشمیر سے لے کر کیرالہ تک اور مشرقی ہندوستان سے لے کر وسطی ہندوستان تک ہر علاقہ کے مندوب موجود تھے، ہندوستان کے علاوہ کویت، سعودی عرب، ایران اور نیپال سے بھی اصحاب نظر علماء نے شرکت فرمائی۔ اس پس منظر میں جو قرار دادیں منظور ہوئیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ جلاٹین ایک نامیاتی (organic) مرکب ہے، جو ایک قسم کا پروٹین ہے، یہ جانوروں کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دیگر قسم کے پروٹین کولاجن (collagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے، جو کیمیائی اور طبعی طور سے کولاجن سے یکسر مختلف ایک نئی قسم کے پروٹین کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور خصوصیات میں بھی کولاجن سے جدا ہوتا ہے۔

۲۔ شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو ان کا سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی شئی کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس شئی کی شناخت ہوتی ہے، وہی اس شئی کی حقیقت و ماہیت ہیں۔

اکیڈمی کے سامنے فنی ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلاٹین بنایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش۔

ماہرین کی رائے میں اختلاف کے پیش نظر شرکائے سمینار میں سے مولانا بدر الحسن قاسمی نے حرام جانوروں کے اجزائے جسم سے حاصل شدہ جلاٹین کے استعمال سے گریز کرنے کو ترجیح دی۔

۳۔ فقہاء کے اختلاف اور غذائی اشیاء کی اہمیت ونزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے سمینار مسلمان صنعت

کاروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلاٹین تیار کریں، تاکہ اس کے حلال و پاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ (ماخوذ از جدید فقہی تحقیقات،ص ۳۷۔۳۸)۔

جلاٹین کے استعمال کا ایک دوسرا رخ:

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے جب جلاٹین کی فیکٹری میں جلاٹین تیار ہونے کے مراحل و کیمیاوی عملیات کا مشاہدہ فرمایا تو تبدیل ماہیت میں شبہ وخلجان پیش آیا جس کی وجہ سے عدمِ جواز کا مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ بعدازاں جمعیت العلماء جنوبی افریقہ کے بعض ذمہ دار حضرات نے دوبارہ اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دی تو دوبارہ جلاٹین کے بارے میں تحقیق فرمائی، اس کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل درج کی جاتی ہے:۔

اکثر جانور غیر مسلم اہل کتاب کے ہاتھ مذبوح ہیں، اور اہل کتاب کے ذبائح اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں بعض مشائخ کے نزدیک حلال ہیں (خنزیر کے استثناء کے ساتھ، نیز اگر کوئی سکھ یا مجوسی جانور کو ذبح کرے تو وہ یقیناً حرام ہے)، ہاں بعض کے نزدیک حرام ہیں، تو ان کے حلال ہونے میں شبہ ہوا، پھر فقہاء کی بعض عبارات سے جلاٹین میں تبدیل ماہیت معلوم ہوتی ہے، بعض مفتی حضرات نے جلاٹین میں حقیقت کی تبدیلی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جب کہ فقہاء کی دوسری عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ جلاٹین میں حقیقت نہیں بدلتی، تو اب تبدیل ماہیت میں شبہ ہوا، اگر ان دونوں شبہوں کو ملایا جائے تو فقہاء کی اصطلاح میں اس کو شبہۃ الشبہ کہتے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ شبہ کا اعتبار ہے لیکن شبہۃ الشبہ کا اعتبار نہیں۔

مثلاً: فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اگر دراہم راس المال معجّل ہو اور زعفران مسلم فیہ مؤجل ہو تو یہ جائز ہے، حالانکہ دونوں کے موزون ہونے کی وجہ سے شبہۃ الربا یعنی نسیئہ حرام ہونا چاہئے، لیکن جواباً کہتے ہیں کہ چونکہ ربا صرف ایک علت یعنی قدر مؤجل میں شبہ علت رہا ہے، اور دونوں کے وزن کے معیار میں بہت فرق کی وجہ سے شبہ، شبہۃ الشبہ میں تبدیل ہوگیا، اور شبہ معتبر ہے، شبہۃ الشبہ معتبر نہیں، لہذا نسیئہ جائز ہوا۔ ملاحظہ کیجئے: (ہدایہ: باب الربا،۳/۷۹)۔ **قال: فتنزل الشبهة فيه إلى شبهة الشبهة وهي غير معتبرة.**

پہلا مقدمہ (ذبائح اہل کتاب بلاتسمیہ بعض مشائخ کے نزدیک حلال ہیں، اگر چہ ہمارے نزدیک یہ قول مفتیٰ بہ نہیں ہے لیکن جلاٹین میں ابتلائے عام کی وجہ سے یہ قول کارآمد ہوگا) کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستذکار'' میں اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے:

وقد أجمعوا في ذبيحة الكتابي أنها تؤكل وإن لم يسم الله عليها إذا لم يسم عليها غير الله. (الاستذكار:١٥/٢١٧).

اگرچہ یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ **كما مر في الذبائح ۔**

قال ابن رشد الأندلسی فی ''بداية المجتهد'' (١/٣٣٠،الباب الخامس فيمن يجوز تذكيته ومن لاتجوز) : **إذا لم يعلم أن أهل الكتاب سموا الله تعالىٰ على الذبيحة : فقال الجمهور : تؤكل، و هو مروى عن عليؓ ولست أذكر في هذا الوقت خلافاً ...الخ .**

اس عبارت میں بھی جمہور کی طرف نسبت کرنے میں تسامح ہے۔

مزید براں امام نوویؒ نے بھی '' المجموع شرح المهذب''(٩/٧٨،دارالفكر) میں جمہور کی طرف نسبت کی ہے۔لیکن اس میں بھی تسامح ہوا ہے۔

مفتی رشید صاحب نے بھی جمہور کی طرف نسبت کی ہے۔ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ میں ہے:

کتابی نے اللہ کا نام چھوڑا اگر غیر اللہ کا نام نہیں لیا تو اس کی حلت میں اختلاف ہے عند الجمہو رحلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۷/۴۱۶)۔

البحر الرائق میں ہے:

قال فی العناية : الكتابی إذا أتی بالذبيحة مذبوحة أكلنا ، فلو ذبح بالحضور فلا بد من الشرط وهو أن لايذكر عليها غير اسم الله... وإن ذبح بين يديک فإن سمى الله تعالىٰ لا بأس بأكلها وكذا إذا لم يسمع منه شيء . (البحرالرائق: ٨/١٦٩،١٦٨،كوئته).

قرآن کریم سے بھی کتابی کے طعام اور ذبیحہ کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے: ﴿ **وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم** ﴾ **قال: أی مجاهد ذبيحتهم وهكذا قال إبراهيم وقال ابن عباسؓ إنما أحلت ذبائح اليهود والنصارى من أجل أنهم آمنوا بالتوراة والأنجيل كذا فی الدر المنثور.**

یاد رہے کہ آیتِ کریمہ: ﴿ **ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق** ﴾ سورۂ انعام

کی ہے جو مکی ہے اور مقدم ہے۔ اور آیتِ کریمہ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم﴾ سورۂ مائدہ کی ہے جو مدنی ہونے کے ساتھ مؤخر اور غیر منسوخ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه والحسنؒ والشعبيؒ لم ينسخ من المائدة شيء (در منثور) **وعن ابن عباس رضي الله عنه نسخ من هذه السورة آيتان: آية القلائد وقوله: فإن جاء وك فاحكم بينهم أو أعرض عنهم.** (درمنثور).

خلاصہ یہ ہوا کہ **وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم** غیر منسوخ ہے اور اس میں تسمیہ شرط نہیں ہے، جب کہ اس سے پہلے مسلمانوں کے شکار کا ذکر ہے اور اس میں تسمیہ کا ذکر موجود ہے: ﴿**فكلوا مما أمسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه ...**﴾ اس آیتِ کریمہ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ تسمیہ مسلمانوں کے لیے شرط ہے نہ اہل کتاب کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی عورت زہر آلود بکری کا گوشت لے کر آئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اس پر بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں؟

" أن يهودية أتت النبي صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة فأكل منها فجئى بها فقيل: ألا تقتلها قال: لا. (رواه البخاري: ۱/۳۵٦).

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ذبائح کے حلال ہونے کے لیے تسمیہ شرط نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف اکثر علمائے احناف اور حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ کتابی کے لیے بھی تسمیہ شرط ہے۔

قال العلامة بدر الدين العينى فى "البناية" (۱۰/٦۳۸،ط: رشيديه) **: فلو ترك الكتابي التسمية عمداً أو ذبح و سمى باسم المسيح لم تحل ذبيحته بإجماع الفقهاء وأكثر أهل العلم.**

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں، حضرت حکیم الامت نے امداد الفتاویٰ میں، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں، علامہ شامیؒ نے رد المحتار میں، ابن الملکؒ نے منیۃ الصیادین میں، ابن قدامہؒ نے المغنی میں، نیز صاحب ہدایہ، صاحب لباب، صاحب الاختیار، وغیرہ اکثر فقہاء نے کتابی کے لیے تسمیہ کو مشروط قرار دیا ہے۔

حوالہ جات ماقبل میں کتاب الذبائح کے تحت ''بعنوان: ذبائح اہل کتاب کا حکم، اور کتابی کا بوقتِ ذبح تسمیہ کا حکم، ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اب شبہ ہوا کہ کتابی کا ذبیحہ بلاتسمیہ حلال ہے یا حرام؟ بنابریں مشتبہ چیز سے اجتناب کرنا چاہئے۔

دوسرا مقدمہ (انقلابِ عین میں شبہ) کے دلائل ملاحظہ ہو:

فقہاء کی چند عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جلاٹین میں تبدیل ماہیت نہیں ہے جن کا ذکر اس مفصل فتویٰ میں کیا گیا ہے جو چند سال پہلے جمعیت العلماء کے فرمانے پر لکھا گیا تھا، لیکن بعض عبارتوں سے جلاٹین میں حقیقت کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ نفع المفتی والسائل میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:

الاستفسار: اختلط الماء والتراب أحدهما نجس، فصار طيناً، هل يحكم بنجاسته أم بطهارته؟

الاستبشار: فيه أقوال: والفتوىٰ على الاختلاف فى البناية للعينى: قيل: العبرة فيه للماء، وقيل للتراب، وقيل للغالب، وقيل: أيهما كان طاهراً، فالطين طاهر؛ وبه قال الأكثر، وقيل: وإن كانا نجسين، فالطين طاهر، لأنه صار شيئاً آخر كالكلب والخنزير إذا صارا ملحاً فى المملحة، انتهىٰ.

وفي خزانة الرويات عن التهذيب: إذا اختلطا وأحدهما نجس، بعضهم اعتبر التراب، والصحيح أنها نجس. انتهىٰ. وهكذا فى فتاوىٰ قاضيخان وفى الدرالمختار: العبرة للطاهر من ماء وتراب، به يفتى. انتهى؛ وفى البحر الرائق: فى البزازية الفتوىٰ على أن العبرة للطاهر أيهما كان، فهو مخالف لتصحيح قاضيخان، انتهىٰ. (نفع المفتی والسائل، ص: ۱۰۲، ط: دارحزم).

وفى البزازية قال: الماء والتراب إذا كان أحدهما طاهراً والآخر نجساً اختلطا وجعلا طيناً اختار الفقيه أبو الليث أن العبرة للنجس ترجيحاً للحرمة وقال محمد ابن سلام: العبرة للطاهر لأنه صار شيئاً آخر و هو قول محمدؒ وقد ذكر أن الفتوىٰ عليه. (الفتاوى البزازية

علی هامش الفتاوی الهندية: ٤/٢٣، الثامن فيما يصيب الثوب).

وفی الأشباه : والتراب الطاهر إذا جعل طيناً بالماء النجس، أو عكسه ، والفتوىٰ على أن العبرة للطاهر أيهما كان . (الاشباه والنظائر: ١/٢٣١، القاعدة الرابعة : المشقة تجلب التيسير).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مٹی کے ساتھ ناپاک پانی ملجائے تو طین بن جانے کو بعض فقہاء نے تبدیل حقیقت تسلیم کیا ہے اور اس کو "**کالکلب إذا صار ملحاً**"، فرمایا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جلاٹین میں کھالوں کی کیمیائی تبدیلی مٹی کی تبدیلی سے بدرجہا زیادہ ہے، مزید یہ کہ مختلف کیمیکلز کے ملانے سے بھی حقیقت کی کیمیائی تبدیلی کا ہونا سمجھ میں آتا ہے جیسے ناپاک قلعی (رانگا، tin) کو گلایا جائے تو بعض علماء کے نزدیک پاک ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو: (نفع المفتی والسائل، ص۱۴۶، المطہر الثالث عشر، ط: دار ابن حزم)۔

یہ طہارت غالباً حقیقت کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ورنہ یہ کوئی کھال نہیں کہ دباغت سے پاک ہوگئی ہو۔

لہذا جلاٹین میں شبہ، شبہۃ الشبہ میں تبدیل ہونے کی وجہ سے اس کے کھانے کی گنجائش ہوگی۔ نیز گلانے پگھلانے کے ساتھ اگر کیمیکلز بھی ڈالا جائے تو اس سے حقیقت کی تبدیلی بہت قرین قیاس ہے، ہاں اگر گدھے کے گوشت کو گلایا جائے تو اس میں سوائے پکانے کے اور کوئی عمل نہیں ہوا، لیکن جلاٹین میں ایسا نہیں بلکہ جلاٹین صابون کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے یعنی مائع چیز میں کیمیکلز وغیرہ ڈال کر جمایا گیا، یا شراب میں سرکہ ڈال کر کچھ دیر کے بعد شراب سرکہ بن گئی، غرض یہ کہ جلاٹین میں آگ کے عمل کے ساتھ کیمیکلز بھی کام کرتا ہے، بنابریں اس میں حقیقت کی کیمیائی تبدیلی ہوجاتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہڈیوں کے جلاٹین کا حکم:

سوال: جو جلاٹین مردار جانوروں کی ہڈیوں سے بنائی جاتی ہے اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قطع نظر اس سے کہ حقیقت تبدیل ہوجاتی ہے یا نہیں، ماکول اللحم جانوروں کی ہڈیوں سے بنائی ہوئی جلاٹین پاک اور حلال ہے، کیونکہ فقہاء کے نزدیک ہڈی "**مالا تحله الحياة**"، میں سے ہے یعنی جس چیز میں حیات نہیں ہے اس میں موت بھی اثر نہیں کرتی، لہذا اس کو میتۃ نہیں کہہ سکتے، چنانچہ فقہاء نے مردہ مرغی

کے انڈے اور مردہ گائے کے دودھ کو حلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

البيضة إذا خرجت من دجاجة ميتة أكلت، وكذا اللبن الخارج من ضرع الشاة الميتة كذا فى السراجية . (الفتاوى الهندية:٥/٣٣٩).

وقال الإمام الطحاويؒ في" مختصر اختلاف العلماء "(٣/٣٤٢)**: قال أبوحنيفةؒ : لبن الميتة وإنفحتها طاهران لايلحقهما حكم الموت وقال أبويوسفؒ ومحمدؒ والثوريؒ: يكره اللبن لأنه وعاء نجس وكذلك الإنفحة إذا كانت مائعة فإن كانت جامدة فلا بأس وقالوا: جميعاً فى البيضة إذا كانت من دجاجة ميتة فلا بأس بها وقال مالك: لا يحل اللبن فى ضروع الميتة وقال الثورى: اللبن لايموت ويكره لأجل أن وعائه ميتة ...الخ .**

کبیری میں ہے:

البيضة إذا وقعت من الدجاجة فى الماء أو فى المرقة لا تفسده ...وكذا الإنفحة وهي ما يكون في معدة الرضيع من أجزاء اللبن طاهرة عند أبي حنيفةؒ لا تفسد الماء ولا غيره ، وإذا خرجت من شاة ميتة سواء كانت جامدة أومائعة . (شرح منية المصلى،ص: ١٥٠، ط: سهيل اكيڈمى).

وفي مجمع الأنهر: وإنفحة الميتة ولبنها طاهر قال ابن الملك: إنفحة الميتة ... كرش الجدي أو الحمل الصغير لم يأكل بعد، يقال لها بالفارسية: ''پنیرمایہ'' يعنى إنفحة الميتة جامدة كانت أو مائعة طاهرة عند الإمام وكذا لبنها. (مجمع الانهر:١/٦٤).

وللمزيدراجع: (المبسوط للامام السرخسى :٢٤/٥٢، دارالفكر، والموسوعة الفقهية :٣٩/٣٨٨،وفقه السنة ، ص٢٤ ، والفتاوى السراجية،ص،والفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٦/٣٦٥).

مزید تفصیلات آنے والے مسئلہ ''پنیر،انفحہ'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔اوراگر حقیقت کی تبدیلی مسلم ہو جیسے ماقبل میں مفصل مذکور ہوا تو پھر تبدیلِ ماہیت کی بنا پر بھی جائز اور درست ہے۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

” أنفس البيان في حكم الأجبان “

پنیر مایہ (جبن، cheese) کھانے کا حکم

سوال: میتہ یا غیر شرعی طور پر مذبوح جانوروں کے انفحہ [rennet] سے جو پنیر تیار کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل ۔

الجواب: ماکول اللحم جانور اگر شرعی طور پر ذبح کیے گئے ہوں تو اس کے انفحہ [rennet] کی پاکی میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس سے بنائے ہوئے پنیر کا کھانا بالاتفاق جائز اور درست ہے، البتہ مردار کے انفحہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مطلقاً حلال ہے اور صاحبینؒ نے جامد اور مائع کے مابین فرق کیا ہے کہ مائع نجس ہے اور جامد دھونے کے بعد طاہر اور پاک ہے۔

اور اکثر مشائخ حنفیہؒ نے امام صاحبؒ کا قول اختیار کیا ہے۔ علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ، امام ابوبکر جصاصؒ نے تو صراحۃً امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، ان کے علاوہ دیگر حضرات کے طرزِ عمل سے مترشح ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا مذہب مختار ہے۔

مثلاً: صاحبِ ہدایہؒ نے التجنیس والمزید میں اور صاحبِ فتاوی ولوالجیہ نے اور صاحبِ خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ نے فقط امام صاحبؒ کے قول کو ذکر فرمایا ہے اور صاحبینؒ کے قول سے کوئی تعرض نہیں کیا یہ بھی علامتِ ترجیح ہے۔

ہمارے اکابر اور معاصرین علماء میں سے حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی نظام الدینؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مفتی تقی وغیرہ حضرات نے بھی حلال ہونے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے یا حلال فتویٰ پر دستخط فرمائے ہیں۔

عرب علماء میں سے مثلاً: شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز، شیخ یوسف برقانی، شیخ عبدالرزاق حلبی، شیخ ابوبکرالجزائری، شیخ احمد محمد عسال، شیخ عبدالحمید طہماز وغیرہ نے بھی حلت کا قول اختیار فرمایا ہے۔

مزید براں احادیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی فیکٹری میں بنے ہوئے پنیر کو تناول فرمایا اور یہ دریافت نہیں فرمایا کہ مذبوح جانور کا ہے یا میتہ کا نیز مائع انفحہ سے بنا ہے یا جامد سے، بلکہ مطلقاً تناول فرمانے کی تصریح موجود ہے۔

حوالہ جات درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

الجبن من مصادر لبن الحيوان الماكول، لقوله تعالىٰ:﴿نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ [النحل:٦٦].

قال الإمام أبوبكر الجصاص في كتابه "أحكام القرآن": قال ابوحنيفة: لبن الميتة وإنفحتها طاهران، لا يلحقهما النجاسة، وقال أبويوسف ومحمد والثورى: يكره اللبن لأنه في وعاء نجس وكذلك الإنفحة إذا كانت مائعة، فإن كانت جامدة فلا بأس؛ وقال مالك وعبد الله بن الحسن والشافعي: لايحل اللبن فى ضروع الميتة.

قال أبوبكر: اللبن لا يجوز أن يلحقه حكم الموت لأنه لاحياة فيه ويدل عليه أنه يؤخذ منها وهي حية فيؤكل، فلوكان ممايلحقه حكم الموت لم يحل إلا بذكاة الأصل كسائر أعضاء الشاة؛ وأيضاً فى قوله تعالىٰ:

﴿نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾[النحل:٦٦].

عام فى سائر الألبان، فاقتضى ذلك شيئين: أحدهما: أن اللبن لايموت، ولا يحرمه موت الشاة.

والثاني: أنه لا ينجس بموت الشاة، ولايكون بمنزلة لبن جعل فى وعاء ميت. (احكام القرآن:١/ ١٢٠،١١٩،باب منفحة الميت ولبنها ،ط: سهيل اكيڈمی).

پنیر کی حلت احادیث کی روشنی میں ہے:

(۱) روی ابن حبان في صحيحه (٥٢٤١) بسنده فقال: أخبرنا الحسن بن سفيان قال: حدثنا يحيى بن موسى البلخى (ثقة) قال: حدثنا إبراهيم بن عيينة (صدوق،صالح) قال: حدثنا عمرو بن منصور (ثقة) عن الشعبى(ثقة) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: أتي النبي صلى الله عليه وسلم بجبنة من تبوك فدعا بسكين فسمى وقطع .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن .

وأيضاً رواه أبوداود (٣٨٢١)، والبيهقي فى الكبرى(٢٠١٧٦)، وفى الصغرى(٣٩٩٧).

(۲) أخرج الإمام أحمد بن حنبل في مسنده (٢٧٥٥/٤٨٢/٤) بسنده ، فقال: حدثنا أسود حدثنا شريک (سيء الحفظ) عن جابر (ضعيف) عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أتي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بجبنة في غزاة فقال: أين صنعت هذه فقالوا: بفارس ونحن نرى أنه يجعل فيهاميتة فقال: اطعنوا فيها بالسكين واذكروا اسم اللّٰه وكلوا. ذكره شريک مرة أخرى فزاد فيه فجعلوا يضربونها بالعصي .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره ، وهذا إسناد ضعيف، شريک سيئ الحفظ، وجابر ـ وهو ابن يزيد الجعفي ـ ضعيف. وأخرجه الطبراني (١١٨٠٧) ، وابن عدى (٥٤٣/٢) ، والبيهقى (٦/١٠) من طرق عن شريک بن عبد اللّٰه ، بهذا الإسناد ؛ وقرن الطبرانى بشريک قيس بن الربيع (صدوق تغير لما كبر).

أخرجه الهيثمي فى زوائد مسند أبي يعلى (١٧١٩/٢) بهذا الإسناد. والبوصيرى فى الزوائد (رقم:٣٦٣٥/٣) وقال : مدار هذه الأسانيد على جابرالجعفي وهو ضعيف.

وقال الهيثمي : رواه أحمد والبزار والطبراني وقال: في غزوة الطائف وفيه جابر وقد ضعفه الجمهور وقد وثق وبقية رجال أحمد رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:٤٣/٥،باب ماجاء فى الجبن، دارالفكر).

(۳) أخرج الطبرانى فى الأوسط (١٥٧٤) قال: حدثنا أحمد قال:حدثنا محمد قال:

حـدثنا المعافی بن عمران عن هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن ميمونة زوج الـنبـي صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم قالت: سئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الجبن قال: "اقـطع بالسكين واذكر اسم اللّٰه وكل ".لم يرو هذاالحديث عن زيدالا هشام ولاعن هشام الا المعافی .

وأخرجه أيضاً البيهقي في شعب الإيمان (٥٩٥٤)، **وأبونعيم فی الحلية** (٢٩١/٨) ، **وابن الأثير في أسد الغابة** (٤١٦/٣).

قـال الهيثـمـي: فيـه أحمد بن الفرج الحجازی ، ضعفه محمد بن عوف وابن عدی ، ووثقه ابن أبي حاتم، وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:٤٣/٥،دارالفکر).

صحابہ کے آثار سے بھی حلت مستفاد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حـدثنا هشيم ، قال: أخبرنا أبوحمزة ، قال: سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہ وسئل عن الجبن ؟ قال: ضع السكين فيه ، واذكر اسم اللّٰه ، وكل .

حـدثنا هشيم ، عن أبي حيان الأزدی ، قال: سألت ابن عمر رضی اللہ عنہ عن الجبن ؟ فقال: ما يأتينا من العراق شيء هو أعجب إلينا منه .

حـدثنا أبو الأحوص ، عن أبي إسحاق ، عن قرظة ، قال: عمر رضی اللہ عنہ: كلوا الجبن فإنه لبأ [أول اللبن فی النتاج] **ولبن .**

حـدثنا أبو الأحوص ، عن أبي إسحاق، عن تملک ، قالت: سألت أم سلمة ؟ فقالت: ضعي فيه سكينک ، واذكری اسم اللّٰه جل وعز ، وكلي .

حـدثنا سلام ، عن سعيد بن مسروق ، عن منذر ، عن ابن الحنفية ، قالوا: كلوا الجبن عُرضاً . [قال فی النهاية : " كل الجبن عُرْضاً " ای اشتره ممن وجدته ولاتسأل عمن عمله من مسلم أوغيره].

حـدثـنـا يـحيى بن سعيد ، عن ابن عجلان ، عن ربيعة ، عن خالته ، قالت: جاء نا جبن من العراق ، فأرسلت إلى عائشة رضى اللّٰه تعالیٰ عنها، فقالت : كلي واطعميني .

حدثنا جرير، عن مغيرة ، عن أم موسى ، عن علي رضي الله عنه، قال: إذا لم تدروا من صنعه ، فاذكروا اسم الله عليه ، وكلوه .

حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن شقيق ، عن عمرو بن شرحبيل ، قال: ذكرنا الجبن عند عمر رضي الله عنه ، فقلنا له: إنه يصنع فيه أنافح الميتة ، فقال: سموا عليه وكلوه . (وكذا رواه عبد الرزاق فی مصنفه :٥٣٧/٤، قال أحمد: هذا أصح حديث فی هذا الباب).

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن جحش ، عن معاوية بن قرة ، عن الحسن بن علي رضي الله عنه ؛ أنه سئل عن الجبن ؟ فقال: لا بأس به ، ضع السكين ، واذكر اسم الله عليه وكل . [قال الهيثمی: ٥٦/٥ :رواه الطبرانی ، ورجاله رجال الصحيح].

حدثنا وكيع ، عن أبي جعفر الرازى ، عن الربيع ، عن أبى العالية ، عن سويد، غلام كان لسلمان رضي الله عنه وأثنى عليه خيراً، قال: لما افتتحنا المدائن خرج الناس فی طلب العدو ، قال: قال سلمان رضي الله عنه : وقد أصبنا سلة ، فقال: افتحوها فإن كان طعاماً أكلناه ، وإن كان مالاً دفعناه إلى هؤلاء ، قال : ففتحناها فإذا أرغفة حوارى ، وإذا جبنة وسكين ، قال: وكان أول ما رأت العرب الحوارى ، فجعل سلمان رضي الله عنه يصف لهم كيف يعمل ، ثم أخذ السكين وجعل يقطع ، وقال: بسم الله كلوا. (مصنف ابن ابی شيبة:١٢/٣٧٥-٣٧٧ ،ط: المجلس العلمی، ومصنف عبد الرزاق : ٥٣٨/٤- ٥٤٠، المكتب الاسلامی، بيروت، والسنن الكبرى للبيهقی : ٦/١٠، بيروت).

سنن کبریٰ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنا نأكل الجبن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وبعد ذلك لا نسأل عنه. (السنن الكبرى للبيهقی: ٧/١٠).

☆ أصح حديث فی هذا الباب حديث عمر بن الخطاب رضي الله عنه :

قال ابن أبي شيبة : حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن شقيق ، عن عمرو بن شرحبيل ، قال: ذكرنا الجبن عند عمر رضي الله عنه ، فقلنا له: إنه يصنع فيه أنافح الميتة ، فقال: سموا عليه وكلوه . (رواه ابن ابی شيبة فی مصنفه :٨/١٠٠/٢٤٩٠٨ ،وعبدالرزاق فی مصنفه :٥٣٧/٤).

قال القاریؒ : قال أحمد: أصح حديث في جبن المجوس هذا الحديث. (المرقاة: ۲/۸۰،امدادیه، ملتان).

قال ابن رجب الحنبلی في جامع العلوم والحكم: قال الإمام أحمد: أصح حديث فيه هذا الحديث يعني جبن المجوس. (ص:۲۸٤،دارالمعرفة ،بیروت).

(وكذا فی المغنی لابن قدمة: ۸۹/۱۱).

لیکن بعض آثار سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ممانعت والی روایات ملاحظہ ہوں:

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن إسرائيل عن مجزأة بن زاهرعن عطاء البصرى (وهو ابن عجلان، منكرالحديث)، **قال: كنت عند ابن عمر** رضی اللہ عنہ**...قلت: فالجبن، قال: يؤتى به من العراق فنأكله ونطعمه غلماننا قلت: فإنهم يجعلون فيه الميتة قال: فإن علمت أن فيه ميتة فلا تأكله.** (مصنف عبدالرزاق:۸۷۹۲/۵٤۱/٤).

قلت: إسناده ضعيف.

عبد الرزاق عن معمرعن رجل(مجهول) **أنه سأل سعيد بن المسيب عن الجبن فقال: إن علمت أن فيه ميتة فلا تأكله وإلا فَسَمِّ وكل.** (مصنف عبدالرزاق:۸۷۹٤/۵٤۱/٤).

قلت: إسناده ضعيف.

(۲) أخبرناه أبوبكرالأردستاني أنبأنا أبونصر العراقى حدثنا سفيان الجوهرى حدثنا على بن الحسن الهلالى حدثنا عبد الله بن الوليد (قال ابن معين: لااعرفه ،ولم اكتب عنه شيئاً)**حدثنا سفيان حدثنى إبراهيم العقيلى حدثنى عمي ثوربن قدامة قال: جاء نا كتاب عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه أن لا تأكلوا من الجبن إلا ما صنع أهل الكتاب.** (رواه البيهقى فى الكبرى: ۲۰۱۸۳/٦/۱۰).

(۳) حدثنا عبيدة بن حميد، عن منصور، عن عبيد بن أبى الجعد، عن قيس بن السكن، قال: قال عبد الله: لا تأكلوا من الجبن إلا ما صنع المسلمون وأهل الكتاب. (رواه

ابن ابی شیبة فی المصنف:١٢/٣٧٧/٢٤٩٠٠).

وأیضاً رواه البیهقی فی الکبری (٦/١٠)، **و الطبرانی فی الکبیر** (٨٩٨٠)،**وقال الهیثمی: رجاله ثقات** . (مجمع الزوائد:٥/٤٣، دارالفکر).

مذکورہ بالا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر اگرچہ سنداً قوی ہے لیکن موقوف ہے اور مرفوع روایات سے علی الاطلاق حلت معلوم ہوتی ہے اس لیے مرفوعات کو ترجیح ہوگی۔

روایات کے درمیان تطبیق ملاحظہ ہو:

(۱) حلت مرفوع روایات سے ثابت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تناول فرمایا۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ نے دونوں روایات کے مابین درجِ ذیل تطبیق دی ہے:

کراہت کی روایات اہل حجاز سے مروی ہے جن کا مجوسیوں سے کوئی تعلق نہیں، اس کے برخلاف حلت کی روایات اہل عراق سے مروی ہیں جو مجوسیوں کے علاقہ ہی میں رہتے تھے اور وہ ان کی مصنوعات کے بارے میں زیادہ باخبر تھے۔

(۳) ممانعت کے آثار اکثر سنداً ضعیف ہیں۔ اور حلت کی روایات سنداً اصح ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سنداً صحیح ہے تو یہ احتیاط اور تقویٰ پر محمول ہوگی۔

(۵) جن صحابہ کرام سے ممانعت مروی ہے وہ اس کے میتہ ہونے کی بنیاد پر ہے، یعنی وہ حضرات انفحہ کے میتہ ہونے کے قائل تھے، اس کے برخلاف آثار سے ثابت ہے اور اکثر حضرات کا مسلک ہے کہ لبن میں حیات نہیں تو موت بھی حلول نہیں کرتی۔

وقد روي عن عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه قال: اللبن لایموت . (الاوسط لابن المنذر:٢/٢٨٩).

وعن ربیع بن أنس عن أبی العالیة قال: سألوه عن الأنافح ، فقال: إن اللبن لایموت .

(مصنف عبدالرزاق:٤/٥٣٩).

جیسا کہ آیتِ کریمہ: ﴿**من بین فرث ودم لبناً خالصاً ...الخ.**﴾ کی تفسیر میں مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ بنابریں ممانعت کی روایات ہماری بحث سے خارج ہوں گی۔

قال الإمام ابن تيمية : الأظهر أن جبنهم (المجوس) حلال ، وأن إنفحة الميت ولبنها طاهر، وذلک لأن الصحابة لما فتحوا بلاد العراق أكلوا جبن المجوس، وكان هذا ظاهراً شائعاً بينهم ؛ وما ينقل عن بعضهم كراهة ذلک ففيه نظر، فإنه من نقل بعض الحجازيين وفيه نظر، وأهل العراق كانوا أعلم بهذا فإن المجوس كانوا ببلادهم ولم يكونوا بأرض الحجاز ، ويدل على ذلک أن سلمان الفارسي رضي الله عنه كان هونائب عمربن الخطاب رضي الله عنه على المدائن وكان يدعو الفرس إلى الإسلام ، وقد ثبت عنه أنه سئل عن شيء من السمن والجبن والفراء؟ فقال: الحلال ما أحل اللّٰه في كتابه، والحرام ما حرم اللّٰه في كتابه ، وما سكت عنه فهو مما عفا عنه ". (رواه الترمذی:۱/۳۰۳).

وقد رواه أبوداود مرفوعاً إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ومعلوم أنه لم يكن السوال عن جبن المسلمين وأهل الكتاب، فإن هذا أمر بين، وإنما كان السوال عن جبن المجوس ، فدل ذلک على أن سلمان كان يفتي بحلها ، وإذا كان روى عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم انقطع النزاع بقول النبى صلى اللّٰه عليه وسلم . (مجموع الفتاوی:۲۱/۱۰۳،۱۰۴،فصل فی لبن الميته وانفحتها).

وينظر: (مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۲۱/۱۰۲،ودقائق التفسيرلابن تيمية: ۲/۱۲).

قال الإمام أبوبكر الجصاص: فأباح النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في هذا الحديث (حديث ميمونة زوج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم) أكل الجميع منه، ولم يفصل بين ماصنع منه بإنفحة ميتة أو غيرها وقد روي عن علي وعمر وسلمان وعائشة وابن عمر وطلحة بن عبد اللّٰه وأم سلمة والحسن بن علي رضي الله عنهم إباحة أكل الجبن الذى فيه إنفحة الميتة. (احكام القرآن:۱/۱۲۰).

کتبِ فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

قال الإمام السرخسيؒ في المبسوط : ولا بأس بالجبن وإن كان من صنعة المجوس لما روي أن غلاماً لسلمان رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أتاه يوم القادسية فيها جبن وخبز وسكين

فجعل يقطع من ذلک الجبن لأصحابه فيأكلونه ...إلى قوله : ولأن الجبن بمنزلة اللبن ولا بأس بما يحلبه المجوس من اللبن إنما لا يحل ما يشترط فيه الذكاة إذا كان المباشر له مجوسياً أو مشركاً والذكاة ليست بشرط لتناول اللبن والجبن فهو نظير سائر الأطعمة والأشربة بخلاف الذبائح وهذا لأن الذكاة إنما تشترط فيما فيه الحياة ولا حياة فى اللبن وقد بينا ذلک فى النكاح...ألا ترى أن فى الأصل اللبن إنما يخرج من موضع النجاسة قال الله تعالىٰ : ﴿من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾[النحل:٦٦] وعلى هذا إنفحة الميتة عند أبي حنيفةؒ طاهرة مائعة كانت أو جامدة بمنزلة اللبن. (المبسوط : ٥١/٢٤،ط: دارالفكر،بيروت).

مجمع الانہر میں ہے:

وإنفحة الميتة ولبنها طاهر قال ابن ملک: إنفحة الميتة ...يقاله لها بالفارسية : ’’پنیرمایہ‘‘يعني إنفحة الميتة جامدة كانت أو مائعة طاهرة عند الإمام وكذا لبنها أما الإنفحة الجامدة فإن الحياة لم تحل فيها وأما المائعة واللبن فلأن نجاسة محلها لم يكن مؤثرة فيهما قبل الموت ولهذا لأن اللبن الخارج بين فرث ودم طاهراً فلا تكون مؤثرة بعد الموت .
(مجمع الانهر:١/٩٦،دارالكتب العلمية).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

اختلف الفقهاء فى الحكم بنجاسة إنفحة الميتة من الحيوان المأكول اللحم ، حيث قد تستعمل في صناعة الجبن ، وذلک على ثلاثة أقوال :

أحدهما : لجمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة في ظاهر المذهب ، وهو أنها نجسة ...

والثاني : لأبي يوسفؒ ومحمدؒ صاحبى أبي حنيفةؒ وهو أنها إن كانت مائعة فهي نجسة لنجاسة وعائها ، وإن كانت صلبة يغسل ظاهرها وتؤكل .

والثالث : لأبي حنيفةؒ وأحمدؒ في رواية عنه رجحها ابن تيميةؒ وهو أنها طاهرة ، لأن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم لما دخلوا المدائن أكلوا الجبن ، وهو يعمل بالإنفحة التي تؤخذ من صغار المعز ، وذبائحهم ميتة . (الموسوعة الفقهية: ٣٨٨/٣٩).

وقال الطحطاويؒ : ولبن وإنفحة...وقال أبوحنيفةؒ : ليستا بمتنجستين ، لأن الموت لايحلهما ، ...وهو ظاهر المذهب. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص١٦٩،ط: قديمى).

قال ابن عابدين الشاميؒ: وكذا الإنفحة هو المختار، وعندهما يتنجس وهو الاحتياط. (ردالمحتارعلى الدرالمختار: ٣٤٩/١، قبيل كتاب الصلاة، سعيد).

وللمزيد من البحث راجع : (غنية المتملى فى شرح منية المصلى،ص١٥٠،فصل فى الانجاس،ط:سهيل اكيڈمى، والفتاوى الهندية: ٢۴/١، والجوهرة النيرة : ١/، والفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:٢٢/۴، و٣٦٥/٦، وفتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١٢/١و٢١، وخلاصة الفتاوى: ۴۴/١، والفتاوى الولوالجية: ٣٨/١، والفتاوى التاتارخانية: ٢٢٣/١، وكتاب التجنيس والمزيد : ٢٣٥/١، واحكام القرآن للامام الجصاص: ١٢٠/١، وبدائع الصنائع: ٦٣/١،۴٣/٥، وتبيين الحقائق: ٢٦/١، والبحرالرائق: ١١٢/١، والمحيط البرهانى: ١۴٣/١، ونفع المفتى والسائل ،ص٣٧٩، و١١۴، والتفسيرلابن كثير: ٢١٩/١، والبحرالمحيط للزركشى:٣٥٦/۴).

علامہ شامیؒ کی عبارت سے شبہ اوراس کا جواب:

بعض حضرات کوعلامہ شامیؒ کی درجِ ذیل عبارت سے شبہ پیدا ہوااس کی وضاحت ملاحظہ ہو:

قال فى الدر المختار: وكذا كل ما لا تحله الحياة حتى الإنفحة واللبن على الراجح.

وفى رد المحتار: قوله على الراجح ،أى الذي هو قول الإمام ، ولم أر من صرح بترجيحه ، ولعله أخذه من تقديم صاحب الملتقى له وتأخيره قولهما كما هوعادته فيما يرجحه وعبارته مع الشرح : وإنفحة الميتة ولو مائعة ولبنها طاهر كالمذكاة خلافاً لهما لتنجيسهما بنجاسة المحل ، قلنا: نجاسته لا تؤثر في حال الحياة إذ اللبن الخارج من بين فرث ودم طاهر، فكذا

بعد الموت .

ثـم اعـلـم أن الضمير في قول الملتقى ولبنها عائد على الميتة ، والمراد به اللبن الذي فـي ضرعها ، وليس عائداً على الإنفحة كما فهم المحشي حيث فسرها بالجلدة ، وعزا إلى الـمـلـتـقـى طهـارتهـا لأن قـول الشارح ولو مائعة صريح بأن المراد بالإنفحة اللبن الذي فى الجلدة، وقوله لتنجيسها الخ، صريح في أن جلدتها نجسة ، وبه صرح فى الحلية حيث قال بعد التعليل المار: وقد عرف من هذا أن نفس الوعاء نجس بالاتفاق ، ولدفع هذا الوهم غير العبـارة في مواهب الرحمن فقال: و كذا لبن الميتة و إنفحتها و نجساها وهو الأظهر إلا أن تـكـون جـامدة فتطهر بالغسل ، أفاد ترجيح قولهما وأنه لا خلاف فى اللبن ، على خلاف ما فى الملتقى والشرح فافهم . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲۰٦/۱،سعید).

مواہب الرحمٰن کی عبارت لانے سے علامہ شامیؒ کا مقصود قولِ صاحبینؒ کو ترجیح دینا نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ معدے کی جلد کے نجس ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے،اور شارح ملتقیٰ نے جو معدے کی جلد کی طہارت کی نسبت ماتن کی طرف کی ہے اس میں تسامح ہے نیز شارح ملتقیٰ کو اس بارے میں وہم ہوا ہے،جس کا ازالہ مواہب الرحمٰن کے طرزِ عبارت میں معمولی تغیر کی بنا پر ہوجاتا ہے۔

مذکورہ توجیہ کی تائید علامہ شامیؒ کی دوسری عبارت سے ہوتی ہے جو فتاویٰ تاتارخانیہ سے نقل کی ہے اس میں اپنا رجحان ظاہر کرتے ہوئے امام صاحب کے قول کو مختار کہا ہے اور صاحبین کے قول کو احتیاط پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

وكـذا الإنـفـحة وهـو الـمـختار ، وعندهما يتنجس ، وهو الاحتياط . (الـدرالـمختارمع ردالمحتار: ۳٤۹/۱، سعيد).

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ علامہ شامیؒ کا امام صاحبؒ کے قول کو مختار کہنا اس عبارت کے بعد ہے جس میں صاحبینؒ کے قول کی ترجیح کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ عبارت صفحہ ۲۰٦ پر ہے اور امام صاحب کے قول کو مختار کہنے کی عبارت صفحہ ۳۴۹ پر قبیل کتاب الصلاۃ مذکور ہے۔

بعض اکابرؒ کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

بہشتی زیور میں ہے:

پنیر مایہ پاک اور حلال ہے خواہ شتر اعرابی کا ہو یا کسی اور جانور ماکول اللحم کا، اس کی ماہیت یہ ہے کہ شیر خوار بچہ کو دودھ پلا کر فوراً ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں سے وہ دودھ نکال لیتے ہیں جو قدرے منجمد ہو جاتا ہے اس میں یہ اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ سیال چیز کو جماتا ہے اور منجمد چیز کو پگھلاتا ہے اور اور بھی خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی سے جبن یعنی پنیر بنایا جاتا ہے اس کی حلت خلافِ قیاس ہے کیونکہ مافی المعدہ گوبر کے حکم میں ہے لیکن جبن کی حلت اور طہارت ثابت بالنص اور متفق علیہ ہے اس واسطے اس کو بھی حلال اور پاک کہا گیا جگال کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص۱۱۰، دارالاشاعت)۔

دودھ کے ناپاک نہ ہونے کی علت اشرف الاحکام میں ملاحظہ ہو: (ص۱۸۶، مردہ جانور کا دودھ حلال ہے)۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

لبن میتہ میں بندۂ ناچیز کو یہ شبہ پیدا ہوا تھا کہ جب میتہ بجمیع اجزائہا نجس ہے تو اس کا دودھ بوجہ اتصالِ محل نجس جو ظرف ہے کیوں نجس نہیں ہوا؟...

بندہ نے یہ شبہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا، حضرتؒ نے غور وفکر کے بعد اس کا یہ جواب مرحمت فرمایا کہ چونکہ یہ ظرف عصبانی ہے لہذا وہ ناپاک نہیں ہوا۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم، ص۶۷، کتاب الطہارۃ، مکتبۃ الشیخ)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

ممکن ہے کہ مایہ شتر اعرابی کو اس وجہ سے پاک کہا گیا ہے کہ جبن پاک ہے تو اس کا پاک ہونا مایہ شتر اعرابی کے پاک ہونے کو مستلزم ہے، اور جبن کا پاک ہونا قطعی اور مجمع علیہ ہے لہذا خلافِ قیاس اس کو پاک کہا گیا۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم، ص۸۳)۔

منتخباتِ نظام الفتاویٰ میں ہے:

کبیری کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو گائے کے بچہ کے شکم

سے یا بکری وغیرہ کسی بھی ایسے جانور سے نکالا جاتا ہے، جس کا گوشت کھانا حلال ہے وہ انفحہ اس جانور کے شکم سے شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کے بعد نکالا جائے وہ بالاتفاق حلال اور پاک ہوتا ہے اور اس کا کھانا اور استعمال کرنا درست رہتا ہے، اور جو انفحہ ماکول اللحم ہی جانور کے پیٹ سے نکال دیا جائے مگر بغیر شرعی ذبح کیے ہوئے (مردار) جانور سے تو صاحبینؒ کے نزدیک حلال تو ہوتا ہے مگر معدہ کی خارجی ناپاک رطوبت کی آمیزش کی وجہ سے ناپاک رہتا ہے، اگر خشک اور منجمد ہو تو دھو کر پاک وطاہر بھی کیا جاسکتا ہے اور بعد التطہیر استعمال بھی کیا جاسکتا ہے، اور اگر رقیق اور سیال ہے تو ناپاکی کے سرایت کر جانے کی وجہ سے اس کی تطہیر کی کوئی شکل مفید نہیں رہتی، اور اس کا استعمال درست نہیں ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر حال میں اس کا استعمال درست رہتا ہے، اور رہے گا، کیونکہ وہ رطوبت امام صاحبؒ کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتی، اور اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ از روئے فتویٰ اس کا استعمال جائز اور درست رہے گا، از روئے تقویٰ احتیاط افضل ہوگی۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۳ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل میں مختلف فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں: از ص ۴۲۱۔ تا ص: ۴۴۵)۔

نیز جامعۃ الازہر کے صالح العود نے بنام ”صناعة الأجبان الحديثة وحكم أكلها“ رسالہ تالیف فرمایا ہے اس رسالہ میں کتاب، سنت کے دلائل کے ساتھ معاصرین علماء کے فتاویٰ اور ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ حلال کہنے والے مفتیان اور علماء کے چند اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) **فتوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، للشيخ الرئيس عبد العزيز بن عبد الله بن باز۔ (المملكة العربية السعودية** کا عام فتویٰ، اس پر چند علماء کے دستخط بھی موجود ہیں)۔

(۲) مفتی جمہوریۃ مصر العربیۃ محمد سید طنطاوی کا فتویٰ، عمومِ بلویٰ کی وجہ سے جواز کو ترجیح دی ہے۔

(۳) فتویٰ مفتی عمان سعید عبد الحفیظ حجاوی، **المفتی العام بالوكالة، المملكة الاردنية الهاشمية**۔

(۴) فتویٰ مفتی صلاح الدین قایا، مفتی استانبول، ترکیا۔

(۵) فتویٰ دار الافتاء، دار العلوم کراچی۔

(۶) فتویٰ دار الافتاء دار العلوم دیوبند۔

(۷) شیخ یوسف برقانی۔

(۸) شیخ عبدالرزاق حلبی، مفتی الاحناف بادارۃ جامع بنی امیۃ دمشق۔

(۹) شیخ ابوبکر جابرالجزائری، المدرس بالمسجد النبوی الشریف۔

(۱۰) شیخ احمد محمد العسال۔

(۱۱) شیخ عبدالحمید طہماز، فقیہ حنفی ومدرس التربیۃ الاسلامیۃ۔(ازص: ۵۳۔تاص:۸۷،ط: دارالکتب العلمیۃ بیروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مذکورہ بالا رسالہ کے آخر میں خلاصہ لکھا ہے، اس خلاصہ کے آخر میں مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں ایک نقشہ بنایا ہے۔

ذیل میں اس رسالہ کا نقشہ ملاحظہ ہو:

جدول يبيّن الجبن الحلال والجبن الحرام

نوع الجبن	محتواه	حكمه شرعا
حيواني مأكول اللحم ومذبوح شرعاً	إنفحة حيوان مأكول ومذبوح	حلال بالإتّفاق
حيواني مأكول غير مذبوح	إنفحة ميتة	علي الخلاف-: حلال عند أبي حنيفة وأحمد في إحدي الروايتين (هذا هو الرّاجح عند الأحناف والحنابلة) -حرام عند مالك والشافعي وعند أحمد في الرواية الاخري
نباتي	مستحلبات نباتية	حلال بالإتّفاق
مجهول الحال	مجهول	مباح(اي حلال) بالإتّفاق
حيوان محرّم الأكل (كالخنزير)	إنفحة خنزير	حرام بالاتّفاق

داخا اور حشیش کے استعمال کا حکم:

سوال: ماریوانا یا داخا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز حشیش کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: داخا اور حشیش کے استعمال کا حکم یکساں نہیں ہے بلکہ ان میں فرق ہے داخا اگر زیادہ یا معتد بہ مقدار میں استعمال کیا جائے جس میں نشہ کا اندیشہ اور ظن غالب ہو تو وہ حرام ہے اگرچہ نشہ تھوڑی دیر رہ کر جلدی ختم ہو جائے اور اگر معمولی اور قلیل مقدار میں لیا جائے تو تفصیل ہے کہ اگر لہو لعب اور مستی کے طور پر استعمال کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہوگا، البتہ طبی مقاصد کے لئے معمولی مقدار میں اس کے لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے بشرطیکہ کوئی حاذق متقی مسلمان طبیب کے مشورہ سے ہو اور اسکا کوئی بدل بھی نہ ہو۔

حشیش کے بارے میں علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اسکا استعمال کسی بھی مقدار میں جائز نہیں ہے خصوصاً جبکہ ماہرین اور جدید تحقیقات کرنے والے کا کہنا کہ حشیش کے کوئی طبی منافع اور فوائد کا ثبوت اب تک نہیں ملا۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

القنب الهندی: ایک پودے کا نام ہے۔ جس کے پھولوں اور پتوں سے مختلف مخدرات بنائے جاتے ہیں البتہ ان تمام مخدرات میں نشہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ ان میں نشہ کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے کثیر تفاوت پایا جاتا ہے ان میں سے دو معروف ومشہور ہیں:

(۱) ماریوانا جو بھنگ کے مشابہ ہے جنوبی افریقہ میں داخا کے نام سے مشہور ہے۔ اطباء کا کہنا ہے کہ داخا کا معمولی استعمال طبی اعتبار سے فوائدِ کثیرہ کا حامل ہے، اور کئی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۲) حشیش مذکورہ پودہ کے پھولوں میں موجود دانوں کو سکھا کر بنایا جاتا ہے۔ سائنسی تحقیقات یہ بتلاتی ہیں کہ اس میں بھنگ اور داخا سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ نشہ پایا جاتا ہے۔

المخدرات دمّار للمجتمعات میں ہے:

المخدرة فی اللغه: الخدر هو ستر یعد للجاریة فی ناحیة البیت والخدر هو تورم العین أو ثقل فیها من قذی والخدرة هی الظلمة الشدیدة. المخدر اصطلاحاً: هو کل ما

غطی العقل والحواس ولم يصحبه نشوة وسرور أما إن غيب العقل وصحب ذلک نشوة و سرور فهو المسكر . (المخدرات دمّار للمجتمعات لعبيد العصيمی،ص:١٠).

الدر المختار میں ہے:

(ويحرم أكل البنج والحشيشة) هی ورق القنب (والأفيون) لأنه مفسد للعقل ويصد عن ذكر اللّٰه وعن الصلاة (لكن دون حرمة الخمر). وفی ردالمحتار: قوله ويحرم أكل البنج وفی القهستانی هو أحد نوعی شجر القنب حرام لأنه يزيل العقل وعليه الفتوى بخلاف نوع آخر منه فإنه مباح كالافيون لأنه وإن اختل العقل به لا يزول وعليه يحمل ما فی الهدايه وغيرها من إباحة البنج كما في شرح اللباب . أقول هذا غير ظاهر لأن ما يخل العقل لا يجوز أيضا بلا شبهة فكيف يقال: إنه مباح بل الصواب أن مراد صاحب الهداية وغيره إباحة قليله للتداوی ونحوه ومن صرح بحرمته أراد به القدر المسكر منه يدل عليه ما فی غاية البيان عن شرح شيخ الإسلام : أكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوی وما زاد على ذلک إذا كان يقتل أو يذهب العقل حرام فهذا صريح فيما قلنا ... وفی أول طلاق البحر من غاب عقله بالبنج والافيون يقع طلاقه إذا استعمله للهو وإدخال الآفات قصداً لكونه معصية . وإن كان للتداوی فلا لعدمها كذا فی فتح القدير وهو صريح فی حرمة البنج والافيون لا للدواء وفی البزازيه والتعليل ينادی بحرمته لا للدواء كلام البحر : وجعل فی النهر هذا التفصيل هو الحق . والحاصل أن استعمال الكثير المسكر منه حرام مطلقاً كما يدل عليه كلام الغاية . وأما القليل فإن كان للهو حرم وإن سكر منه يقع طلاقه لأن مبدأ استعماله كان محظوراً وإن كان للتداوی وحصل منه اسكار فلا .

قوله وهي ورق القنب، قال ابن البيطار ومن القنب الهندی نوع يسمى بالحشيشة يسكر جداً إذا تناول منه يسيراً قدر درهم حتى أن من أكثر منه أخرجه إلى حد الرعونة وقد استعمله قوم فاختلت عقولهم وربما قتلت. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الاشربة: ٦/ ٤٥٧-٤٥٨، سعيد).

دوسری جگہ مرقوم ہے.

ومن جزم بحرمة الحشيشة شارح الوهبانية فى الحظر ونظمه فقال:

وأفتوا بتحريم الحشيش وحرقه ☆ وبتطليق محتش لزجر وقرروا

لبائعه التاديب والفسق اثبتوا ☆ وزندقة للمستحل وحرروا

علامہ شامیؒ اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

قوله وممن جزم الخ قد علمت إجماع العلماء على ذلك. (رد المحتار، كتاب الاشربة:٦/٤٦١، سعيد).

وللمزيد راجع : (شرح منظومة ابن وهبان، فصل من كتاب الكراهية: ٢/١٧٦، و رد المحتار، مطلب فى البنج والافيون والحشيشية :۴/ ۴۲، سعيد، و فتح القدير ،كتاب الطلاق: ۳/ ۳۴۷.۴۶، و رد المحتار ،كتاب الطلاق :۳/ ۲۳۹ ، سعيد، و البحر الرائق ،كتاب الطلاق :۳/ ۲۴۸).

واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش فى القرآن میں ہے:

نص كثير من الأطباء والعلماء بأحوال النبات على أن الحشيش مسكر منهم أبوعبد الله محمد بن أحمد المالقى العشاب المعروف بابن البيطار وكمال الدين بن الواصل بل حكى الزركشى إجماعهم على ذلك وكذلك الفقهاء صرحوا بأن الحشيش مسكر وممن عده مسكر من غير الشافعيه... ونقل الشيخ عبد الغنى النابلسى الحنفى ذلك عن كتاب تنوير الأبصار وجامع البحار من كتب الحنفية وعللو ذلك بأن السكر معناه تغطية العقل ومنه قوله تعالى: لقالوا إنما سكرت أبصارنا أى غطيت وهذا المعنى موجود فى الحشيش. (واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش فى القرآن لابى الفضل عبد الله بن محمد،ص:۷۳-۷۲).

وقال فى مقام آخر : اتفق العلماء من المذاهب الأربعة على تحريمها (أى الحشيش) إنما اختلفوا هل هى مسكرة او مخدرة؟ فالذين قالوا بالأول استدلو بحديث كل مسكرحرام. والذين قالو بالثانى استدلو بحديث . نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر. رواه أحمد وأبو داود من حديث أم سلمة رضى الله عنها بإسناد

حسن. قال العلماء: المفتر كل ما يورث الفتور والخدر فى الأطراف وقال الزركشى: هذا الحديث أول دليل على تحريم الحشيشة بخصوصها فإنها إن لم تكن مسكرة كانت مفترة مخدرة .

والخلاصه : أن الأدلة على تحريم الحشيش خمسة :

الأول: حديث كل مسكر حرام . على القول بأنها مسكرة وهو مذهب الحنفية والشافعية والحنابلة أو حديث نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم عن كل مسكر ومفتر على القول بأنها مخدرة وهو الصحيح عند المالكيه .

الثاني: الإجماع حكاه القرافى وابن تيميه و شمس الحق .

الثالث : أنها تصد عن ذكر اللّٰه وعن الصلاة فتكون فى معنى الخمر من هذه الجهة ومعنى صدها أن متناولها لا يجوز له أن يصلى حتى يذهب أثرها من عقله ومن صلى قبل ذهاب أثرها فصلاته لا تصح .

الرابع : أنها من الخبائث وهي محرمة بقوله تعالى ويحرم عليهم الخبائث .

الخامس : ما فيها من الضرر الحسى والمعنوى والقاعدة الشرعية أن ما فيه مضرة فهو حرام لحديث لا ضرر ولا ضرار وهو حديث صحيح . (واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش من القران ،ص ۸۱ـ۷۸).

کفایت المفتی میں ہے:

حرام اشیاء دواءً استعمال کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی مسلمان طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ اب کوئی دوا نافع نہیں رہی۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۴۹، ط: دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الاحکام: ۴/ ۳۱۸، وفتاویٰ حقانیہ: ۵/ ۲۰۱، وکفایت المفتی: ۹/ ۲۵۶، وفتاوی محمودیہ: ۱۸/ ۳۸۱، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل دوم
احکام الشرب کا بیان

پانی پینے کے بعد کی دعا:

سوال: اگر کسی حدیث شریف میں صرف پانی پینے کی دعا وارد ہوئی ہو تو تحریر کیجئے؟

الجواب: بعض ضعیف اور مرسل روایات سے پانی پینے کے بعد درجِ ذیل دعا کا پڑھنا ثابت ہے:

" الحمد لله الذي سقانا عذباً فراتاً برحمته ولم يجعله ملحاً أجاجاً بذنوبنا ".

أخرجه الطبراني فى الدعاء (۸۹۹) **عن أبي جعفر مرسلاً .**

وأبو جعفر وهو الباقر محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنه تابعي ثقة .

قلت: إسناده ضعيف ، والحديث مرسل. فيه جابر الجعفي وهو ضعيف .

وكذا رواه البيهقى في شعب الإيمان (٤١٦٢) **، وابن أبى الدنيا فى "الشكر"** (٦٩)، **وأبونعيم فى " الحلية "** (١٣٧/٨) **وقال: غريب من حديث الفضيل وجابر وهو يزيد الجعفى الكوفى وأبو جعفر هو محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنه كذا رواه مرسلاً. وأخرجه العراقي في " تخريج الإحياء "** (١٣١١) **وقال: أخرجه الطبراني فى الدعاء مرسلاً من رواية أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين .**

ورواه ابن عبد الهادی في " أحاديث منتقاه " (۱/۳۳۸) **عن ابن جريج ، عن ابن خيثم مرفوعاً . و رجاله ثقات ، لكنه مرسل أيضاً ، وابن جريج مدلس وقد عنعنه .**

وذكره الإمام السيوطي فی "الجامع الصغير" (۶۷۲۸) **وعزاه لأبي نعيم فی الحلية ، ورمز له بالضعيف .**

خلاصہ یہ ہے کہ پانی پینے کے بعد مذکورہ بالا دعا کا پڑھنا بعض ضعیف اور مرسل روایات سے ثابت ہے۔ اور تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث قابل عمل اور لائق حجت ہے، نیز فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا فقہاء اور محدثین کے ہاں مشہور ومعروف ہے۔

ملاحظہ ہو قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول ، وإن لم يكن له إسناده صحيح قال ابن عبد البر فی" الاستذكار" لما حكى عن الترمذي أن البخارى صحح حديث البحر [هو الطهور ماء ه] وأهل الحديث لايصححون مثل إسناده ، لكن الحديث عندي صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول . قلت: والقبول يكون تارة بالقول ، وتارة بالعمل عليه. (قواعدفی علوم الحدیث،ص ۶۰).

قال فی الدرالمختار: فيعمل به في فضائل الأعمال، قال محشيه ابن عابدينؒ : لأجل تحصيل الفضيلة المترتبة على الأعمال. قال ابن حجرؒ في شرح الأربعين: لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فقد أعطى حقه من العمل ، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير. (قواعدفی علوم الحدیث ،ص ۹۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پانی پینے کے چند آداب:

سوال: پانی پینے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ تین سانس سے پینا، سرڈھانپ کر پینا، اور برتن میں سانس نہ لینا یہ باتیں سنت ہیں یا نہیں؟ نیز پانی پینے کے آداب کیا ہیں؟

الجواب: علماء نے احادیث کی روشنی میں پانی پینے کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں؛ چند حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) تین سانس سے پینا۔

(۳) ہر مرتبہ ابتدا میں بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ کہنا۔

(۴) بیٹھ کر پینا۔

(۵) پانی پینے سے قبل برتن کو دیکھ لینا۔

(۶) برتن میں سانس نہ لینا۔

(۷) داہنے ہاتھ سے پینا۔

(۸) پانی چوس کر پینا، غٹ غٹ جانور کی طرح اُتارنا مکروہ ہے۔

(۹) گلاس یا پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصے کی طرف سے نہ پینا۔

(۱۰) پانی پینے کے بعد یہ دعا پڑھنا: " **الحمد لله الذي سقانا عذباً فراتاً برحمته ولم يجعله ملحاً أجاجاً بذنوبنا** ".

سر ڈھانکنے سے متعلق صراحۃً کہیں نظر سے نہیں گزرا لیکن اگر کھانا کھانے پر قیاس کرے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ مکشوف الراس کھانا کھانا جائز اور درست ہے، اس اعتبار سے مکشوف الراس پانی پینا درست ہے، مکروہ یا خلافِ اولیٰ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ثمامة بن عبد الله قال : كان أنس رضي الله عنه يتنفس في الإناء مرتين أوثلاثاً وزعم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتنفس ثلاثاً . (رواه البخاری :۲/۸۴۱).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے۔

عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا

شرب أحدكم فلا يتنفس فى الإناء . (رواه البخارى : ۲/۸٤۱،باب النهى عن التنفس فى الاناء).

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔

قال العلامة العيني: إن البخارى جعل الإناء فى الترجمة الأولىٰ ظرفاً للتنفس، والنهى عنه لاستقذاره ، وقال فى هذه الترجمة : الشرب بنفسين ، فجعل النفس للشرب أن لايقتصر على نفس واحد بل يفصل بين الشربين بنفسين أوثلاثة خارج الإناء ، فبهذا ينتفى التعارض . (عمدة القارى:۱٤/٦۲٦،دارالحديث ،ملتان).

عن ابن شهاب : أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا شرب تنفس ثلاثة أنفاس ونهى عن العب نفساً واحداً ويقول: " ذلک شرب الشيطان ". قال الإمام البيهقى: هذا مرسل. (اخرجه البيهقى فى شعب الايمان،رقم الحديث : ٥٦۱۰).

أخرج الإمام البيهقي فى " الآداب "(٤٤٤) **، بسنده ، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا شرب تنفس ثلاثاً، ويقول:" هو أهنأ وأمرأ وأبرأ .**

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقے سے پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

وروينا ...عن ابن أبى الحسين أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا شرب أحدكم فليمص مصاً ولا يعب عباً ، فإن الكُباد من العب " . (الآداب للامام البيهقى:رقم:٤٤٤).

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پانی پیو تو چوس کر پیو، غٹ غٹ مت پیو، اس سے جگر کی بیماری ہوتی ہے۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا شرب فى الإناء تنفس ثلاثة أنفاس ، يحمد اللّٰه عز وجل في كل نفس ، ويشكره في آخرهن. (عمل اليوم والليلة رقم: ٤٧۰،واسناده ضعيف ،فيه : معلى بن عرفان منكرالحديث).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے تو تین مرتبہ میں نوش فرماتے اور ہر مرتبہ میں الحمدللہ کہتے، اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا فرماتے۔

وعن نوفل بن معاوية الدؤلي رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب بثلاثة أنفاس، يسمى الله عز وجل في أوله، ويحمده في آخره. (عمل اليوم والليلة،رقم:۴۷۱).

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ کہتے تھے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

...إن السنة في شرب الماء المص. (فتاوی الشامی: ۷۶۶/۳،کتاب الایمان،سعید).

النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

وأما السنة ... والثاني عشر: شرب الماء بثلاثة أنفاس في موضع يكون صلاحاً.

(النتف فی الفتاویٰ،ص۱۵۸،کتاب الاطعمة،ط:بیروت).

زادالمعاد میں ہے:

وكان هديه الشرب قاعداً، هذا كان هديه المعتاد ...وفي صحيح مسلم من حديث أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتنفس في الشراب ثلاثاً، ويقول: إنه أروى وأمرأ وأبرأ"، الشراب في لسان الشارع وحملة الشرع: هو الماء، و معنى تنفسه في الشراب: إبانته القدح عن فيه، وتنفسه خارجه، ثم يعود إلى الشراب، كما جاء مصرحاً به في الحديث الآخر: " إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في القدح، ولكن ليبن الإناء عن فيه. [اخرجه ابن ماجه :۳۴۲۷،من حديث ابی هريرة مرفوعاً]...**وللتسمية في أول الطعام والشراب، وحمد الله في آخره تأثير عجيب في نفعه واستمراءه، ودفع مضرته.** (زادالمعاد: ۲۳۲،۲۲۹/۴،فصل فی هديه فی الشرب وآدابه،ط: مؤسسة الرسالة).

غذاء الالباب شرح منظومۃ الآداب میں ہے:

وروى ابن عدي عن أنس رضي الله عنه أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب جرعة، ثم قطع، ثم سمى، ثم جرع، ثم قطع، ثم سمى الثالثة، ثم جرع، ثم مضى فيه حتى فرغ منه، فلما شرب حمد الله تعالىٰ عليه. وروى ابن عدي أيضاً عن ابن عمر رضي الله عنه قال: ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب شراباً قط إلا تنفس فيه ثلاثاً كلها يقول: بسم الله، والحمد لله...إذا علمت ذلک فينبغي لک الاقتداء بمعدن التقوى وينبوع الهدى، ولاتشرب كشرب البعير، بل تنفس خارج الإناء ثلاث مرات، هذا هو المستحب المسنون، وصفة ذلک كما قال الإمام المحقق أن تقول: بسم الله وتشرب، ثم تبين الإناء عن فيک وتقول: الحمد لله وتتنفس خارجه كما مر، ثم تفعل الثانية والثالثة كذلک. (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب:۲/۱۰۸،ط:بيروت).

مذکورہ بالا روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی نوش فرماتے تھے اور ہر مرتبہ ابتدا میں بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ کہتے تھے۔

ولا تشربن من ثلمة الإناء أى الوعاء والثلمة الكسر...فيكره للشارب أن يقصد الثلمة فيشرب منها؛ لأنها محل اجتماع الوسخ لعدم التمكن من غسلها تاماً...ولأنه ربما لايتمكن من حسن الشرب منها وربما انجرح بحدها، ولأنه يقال: الرديء من كل شيء لاخير فيه. وأخرج أبوداود وابن حبان فى صحيحه عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشرب من ثلمة القدح وأن ينفخ فى الشراب. (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب:۲/۱۰۶).

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ برتن کے ٹوٹے ہوئے حصے کی طرف سے مشروب پینا مکروہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب:۲/۱۰۵۔۱۱۰،ط: دارالكتب العلمية، بيروت،وزادالمعاد:٤/۲۲۹۔۲۳۲،كان هديه فى الشرب وآدابه،ط:مؤسسة الرسالة، وشمائل كبرى، جلد اول،ص۱۲۹۔۱۳۰،ط:زمزم پبلشرز،واسوئہ رسول اکرم،ص۱۳۳،ط: دارالاشاعت، کراچی، وسنتِ نبوی اورجدیدسائنس،جلدِ اول،ص۱۲۹۔۱۳۳،ط:ادارہ اسلامیات). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوتل اور مشروب کے ڈبے سے پینے کا حکم:

سوال: بوتل سے پانی پینا صحیح ہے یا مکروہ؟ نیز مختلف مشروب کے ڈبے ملتے ہیں، اسی طرح جو مشروب نلکی کے ساتھ آتے ہیں ان سے براہِ راست پینا درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ شرب من فم السقاء کی ممانعت میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا، شراحِ حدیث نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اندر کا حال معلوم نہیں ہے اس لیے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے لہذا جن ڈبوں کے اندر کا حال معلوم نہیں ہوتا تو ان سے پینا مکروہ ہوگا، ہاں وہ بوتلیں جن کے اندر کی حالت باہر سے واضح طور پر نظر آتی ہے تو ان میں یہ وجہ نہیں تو ان سے پینا درست ہوگا، تاہم گرنے کا اندیشہ ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشرب من فم القربة أو السقاء.

وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الشرب من في السقاء.

وعن أبي سعيد الخدري يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن اختناث الأسقية. قال عبد الله قال معمر أو غيره هو الشرب من أفواهها. (بخاری شریف: ۸٤۱/۲، ط: فیصل).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولا يشرب بنفس واحد، ولا من فم السقاء والقربة لأنه لا يخلو عن أن يدخل حلقه ما يضره كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية: ۳٤۱/۵).

لیکن بعض روایتوں سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قلت: روي أحاديث تدل على جواز الشرب من فم السقاء ؛ منها: مارواه الترمذی من حديث عبد الرحمن بن أبي عمرة عن جدته كبشة قالت: دخل علي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فشرب من في قربة معلقة ، وقال: حديث حسن صحيح . [رقم: ۱۸۹۲]

ومنها: حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ رواه الترمذی فی الشمائل : أن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم دخل وقربة معلقة فشرب من فم القربة .

ومنها: حديث عبد اللّٰه بن أنيس عن أبيه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قام إلى قربة معلقة فخنثها ثم شرب من فمها ، رواه الترمذی وأبوداود، وقد صح عن جماعة من الصحابة والتابعين فعل ذلک، فروى ابن أبي شيبة فی المصنف عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه كان لا يرى بأساً بالشرب من فی الإداوة ، وعن سعيد بن جبيرقال: رأيت ابن عمر رضی اللہ عنہ يشرب من فی الإداوة ، وعن نافع ، أن ابن عمر رضی اللہ عنہ كان يشرب من فی السقاء ، وعن عباد بن منصور قال: رأيت سالم بن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ يشرب من فی الإداوة . (عمدة القاری:۱۴/۶۲۴،ط:ملتان).

احادیث کے درمیان تطبیق:

فإن قلت: كيف يجمع بين هذه الأحاديث التي تدل على الجواز وبين حديثی الباب اللذين يدلان على المنع ؟ قلت: قال شيخنا: لو فرق بين ما يكون لعذر كأن تكون القربة معلقة ولم يجد المحتاج إلى الشرب إناء متيسراً ولم يتمكن من التناول بكفه فلا كراهة حينئذ ، وعلى هذا تحمل هذه الأحاديث المذكورة ، وبين ما يكون لغيرعذر فيحمل عليه أحاديث النهی .قيل: لم يرد حديث من الأحاديث التي تدل على الجواز إلا بفعله صلى اللّٰه عليه وسلم وأحاديث النهی كلها من قوله فهي أرجح . واللّٰه أعلم ...وقال النووی: اتفقوا على أن النهی هنا للتنزيه لا للتحريم ، قيل : في دعواه الاتفاق نظر... (عمدة القاری: ۱۴/۶۲۴،باب الشرب من فم السقاء،دارالحديث، ملتان).

احادیث کے مابین تطبیق کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

(۱) ممانعت والی احادیث قولی ہیں جو کہ راجح ہیں۔

(۲) جواز والی احادیث عذر پر مبنی ہیں۔یعنی کسی کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے اجازت ہے۔

(۳) امام نوویؒ نے فرمایا کہ علماء کا اتفاق ہے کہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔یعنی ممانعت خلافِ اولیٰ کے قبیل سے ہے۔لیکن علماء کے اتفاق کے دعوے کو علامہ عینیؒ نے محل نظر فرمایا ہے۔

ممانعت کی حکمتیں ملاحظہ فرمائیے:

ووجه الحكمة فى النهى ما قاله قوم من أنه لايؤمن من دخول شيء من الهوام مع الماء في جوف السقاء فيدخل فم الشارب ولايدري فعلى هذا لو ملأ السقاء وهو يشاهد الماء الذي يدخل فيه ، ثم ربطه ربطاً محكماً ، ثم لما أراد أن يشرب حله فشرب منه لايتناوله النهى، وقيل: ما أخرجه الحاكم من حديث عائشة ، رضي اللّٰه تعالىٰ عنها، بسند قوي بلفظ: نهى أن يشرب من فى السقاء ، لأن ذلک ينتنه ، وهذا عام ، وقيل : إن الذى يشرب الماء من فم السقاء قد يغلبه الماء فينصب منه أكثر من حاجته فلا يأمن أن يشرق به أو تبتل ثيابه. وقيل: ينزل بقوة فيقطع العروق الضعيفة التي بإزاء القلب، فربماكان سبباً للهلاک. (عمدة القارى:١٤/٦٢٥).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وقيل : سبب النهى أنه يقذره على غيره. وقيل: إنه ينتنه . والكل ممكن ولا تزاحم فى الأسباب . وأماكون النهى للتنزيه فلما ثبت عن كبشة بنت ثابت قالت:...الخ. (تكملة فتح الملهم:٤/٩،ط:دارالعلوم كراچى).

ممانعت کی مختلف حکمتوں کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) برتن سے کسی جانور کے پیٹ میں داخل ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲) برتن میں محفوظ پانی میں بو محسوس ہوتی ہے۔

(۳) دوسرے ساتھی کے لیے باعثِ کلفت ہوتا ہے۔

(۴) حاجت سے زیادہ نکلنے سے تکلیف کا اندیشہ ہے۔

(۵) قوت کے ساتھ نکلنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔

پانی دیکھ کر پینے کا طبی فائدہ:

سنتِ نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

پانی میں ایسے کیڑے ہوتے ہیں جو اندر چلے جائیں تو جگر، معدے اور تلی کو نقصان پہنچاتے ہیں بعض طفیلی کیڑے ایسے ہوتے ہیں، اگر پانی کو دیکھ کر نہ پیا جائے تو وہ پانی کے ذریعے اندر چلے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ پانی میں بچھو کا چھوٹا سا بچہ تھا اب اگر وہ اندر چلا جاتا تو کیا کیفیت ہوتی۔

ملتان نشتر ہسپتال میں ایک نوجوان کا آپریشن ہوا اس کے معدے سے ایک کچھوا نما بلا نکلی ڈاکٹر نے کہا کہ یہ پانی کے ذریعہ اندر گئی تھی اور مریض بھی فوت ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کامیابی کی دلیل ہے۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس: ۱/۱۳۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینے کا حکم:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینا ثابت ہے یا نہیں؟ اطباء کہتے ہیں کہ کھانا کھانے کے آدھا گھنٹہ بعد پانی پینا چاہئے اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو وہ سنت کے خلاف کام کرنے والا کہا جائیگا یا نہیں؟

الجواب: اطباء جو کہتے ہیں کہ کھانا کھانے کے آدھا گھنٹہ بعد پانی پینا چاہئے یہ سنت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی نوش نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ سیرت نگار حضرات نے کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی پینے کو طبی اعتبار سے مکروہات میں شمار کیا ہے۔ ہاں تھوڑا بہت پانی پینا اس کے خلاف نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ ابن القیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

ولم يكن من هديه أن يشرب على طعامه فيفسده ، ولا سيما إن كان الماء حاراً أو بارداً ، فإنه رديء جداً ... ويكره شرب الماء عقيب الرياضة ، والتعب ، وعقيب الجماع ، وعقيب الطعام وقبله ، وعقيب الفاكهة ، وإن كان الشرب عقيب بعضها أسهل من بعض ... فهذا كله مناف لحفظ الصحة ، ولا اعتبار بالعوائد ، فإنها طبائع ثوان ...وأما هديه في الشراب، فمن أكمل هدى يحفظ به الصحة . (زادالمعاد: ٤/ ٢٢٤،ط:مؤسسة الرسالة).

شمائل کبریٰ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد (فوراً) پانی نوش نہیں فرماتے تھے۔ (مدارج صفحہ ۱۷)۔

کھانے کے بعد فوراً پانی پینا معدہ اور ہضم کے لیے مضر ہے اس لیے تھوڑی دیر کے بعد پانی پینا چاہئے۔ (شمائل کبریٰ :۱/ ۱۲۸، ط: زمزم پبلشرز)۔

اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

کھانے کے بعد پانی پینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے خصوصاً اگر پانی گرم ہو یا زیادہ سرد ہو کیونکہ یہ دونوں صورتیں بہت زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں، آپ ورزش کے بعد تکان ہونے پر اور کھانا یا پھل کھانے پر اور جماع یا غسل کے بعد پانی پینے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ (اسوۂ رسول اکرم، ص ۱۳۳، ط: دار الاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کھڑے کھڑے پانی پینے کا حکم:

سوال: بعض فقہاء نے کھڑے کھڑے پانی پینے کو جائز اور بعض نے مکروہِ تنزیہی لکھا ہے، ملا علی قاریؒ نے خلافِ اولیٰ فرمایا ہے۔ جب کہ مسلم شریف کی روایت میں کھڑے کھڑے پانی پینے پر قے کرنے کا حکم وارد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہِ تحریمی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قیاماً پانی پینے کے بارے میں مختلف قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے

ممانعت معلوم ہوتی ہے، اور بعض سے جواز مترشح ہوتا ہے۔ دونوں کے مابین علماء نے درجِ ذیل تطبیقات دی ہیں:

(۱) ممانعت والی احادیث کراہتِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ پر محمول ہیں، بیان جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل فرمایا۔ یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑے کھڑے پانی پینا زمانہ جاہلیت کی عادت ہو اس لیے ابتدا میں اس سے سخت ممانعت ہوئی اور قے کرنے کا حکم ہوا پھر بعد میں جب لوگ قاعداً پانی پینے کے عادی ہو گئے اور شرب قائماً کی کبھی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی آسان ہوتا ہے اس لیے اس میں تخفیف کر دی گئی اور کراہتِ تنزیہی رہ گئی۔

(۳) جواز کی احادیث زیادہ قوی ہیں اس لیے راجح ہیں۔

(۴) ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں احادیثِ جواز اور عمل صحابہ کی وجہ سے۔

(۵) احادیث جواز منسوخ ہیں۔ لیکن یہ قول زیادہ صحیح نہیں کیونکہ بعد میں صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔

(۶) احادیث النہی ضرر طبی پر محمول ہیں، اور احادیث الجواز اباحتِ شرعیہ پر۔

(۷) بعض علماء نے احادیث النہی پر کلام کیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے رد کیا ہے۔

(۸) جہاں بیٹھنے کے مواقع میسر ہوں وہاں کراہت ہوگی ورنہ بلا کراہت شرب قائماً جائز ہوگا۔

ممانعت والی روایات ملاحظہ ہوں:

عن قتادة عن أنس رضي الله عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم زجر عن الشرب قائماً .

عن قتادة عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه نهی أن يشرب الرجل قائماً .

عن أبي غطفان المری أنه سمع أباهريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لايشربن أحد منكم قائماً فمن نسي فليستقئ . (رواه الثلاثة مسلم:٢/١٧٣،باب فی شرب قائماً،ط:فیصل).

و عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لو يعلم الذي يشرب و هو قائم ما في بطنه لاستقاءه. أخرجه أحمد فی مسنده (٧٨٠٨) **وابن حبان في صحيحه**

(٥٣٢٤) . وقال شعيب الأرنؤوط: حديث صحيح .

جواز والی روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الملك بن ميسرة عن النزال قال: أتى علي رضي الله عنه على باب الرحمة فشرب قائماً فقال: إن ناساً يكره أحدهم أن يشرب وهو قائم وأني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت .

عن الشعبي رحمه الله عن ابن عباس رضي الله عنه قال: شرب النبي صلى الله عليه وسلم قائماً من زمزم.
(رواهما البخارى :٢/٨٤٠،باب الشرب قائماً ،ط: فيصل).

وعن ابن عمر رضي الله عنه قال: كنا نأكل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نمشي ونشرب ونحن قيام . رواه الترمذى (١٨٨٠) وقال: هذا حديث صحيح. وأخرجه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه .

وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب قائماً وقاعداً. رواه الترمذي (١٨٨٣) وقال: هذا حديث حسن صحيح .

وحديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه رواه الترمذي فى الشمائل عنه : أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يشرب قائماً ، وإسناده حسن ، وحديث عائشة رضي الله عنها أخرجه النسائي من حديث مسروق عنها ، قالت: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يشرب قائماً وقاعداً ...الحديث . وحديث أنس رضي الله عنه رواه أحمد في مسنده : أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل وقربة معلقة فشرب من فم القربة و هو قائم ... الخ . (عمدة القارى :١٤/٦١٥،باب الشرب قائماً ،ط: دارالحديث ، ملتان) .

قال العلامة العيني رحمه الله: ثم كيفية الجمع بينهما على أقوال: أحدها: أن النهي محمول على التنزيه لا على التحريم ، وهو الذي صار إليه الأئمة الجامعون بين الحديث والفقه ... والرابع : تضعيف أحاديث النهي عن الشرب قائماً قاله جماعة من المالكية...وفيه نظر.

والخامس : أن أحاديث النهي منسوخة... السادس: ما قاله ابن حزم أن أحاديث النهي ناسخة لأحاديث الشرب قائماً ، وقال النووي : الصواب أن النهي محمول على كراهة التنزيه ، وأما شربه قائماً فبيانه للجواز فلا إشكال ولا تعارض ، قال : وهذا الذي ذكرناه يتعين المصير إليه ، قال: وأما من زعم نسخاً أو غيره فقد غلط غلطاً فاحشاً ، وكيف يصار إلى النسخ مع إمكان الجمع لو ثبت التاريخ ؟ وأنى له بذلك ... قلت: جزم النووي هنا بالكراهة ، وخالف ذلک فی الروضة تبعاً للرافعي، فقال: إن الشرب قائماً ليس بمكروه . (عمدة القاری:۱۴/۶۱۶،ط:ملتان).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بالشرب قائماً . (الفتاویٰ الهندية:۵/۳۴۱).

فتاوی الشامی میں ہے:

ولعل النهي لأمر طبي أيضاً كما مر فی الشرب ... ولا بأس بالشرب قائماً. (فتاوی الشامی:۱/۱۳۰،سعید).

مراقی الفلاح میں ہے:

وأجمع العلماء على كراهته تنزيهاً لأمر طبي لا ديني ، وفی حاشية الطحطاوی : قوله وأجمع العلماء ...الخ ، لا تسلم حكاية الإجماع فإنه لما تعارضت الأحاديث الدالة على النهي ، والأحاديث الدالة على الفعل اختلف العلماء فی المخلص من التعارض، فمن قائل إن النهي ناسخ للفعل ، ومن قائل بالعكس ، ومن قائل إن النهی ليس للتحريم ، بل للتنزيه لأنه لأمر طبي لا ديني ، وفعله لبيان الجواز ذكره ابن أمير حاج. (حاشية الطحطاوی مع مراقی الفلاح، ص۷۸،آداب الوضوء،قدیمی).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

والمسلک الخامس : أن يجمع بين الأحاديث بأن النهي للتنزيه فلا يعارض أحاديث الجواز ، وهو الذي اختاره أكثر الفقهاء من المذاهب الأربعة .

والـمسـلـك السـادس: أن يـحمل النهي على الضرر الطبي ، وأحاديث الجواز على الإبـاحة الشـرعية ، وإليه جنح الطحاوي ... وإذا ثبتت أحاديث النهي فالمسلك الخامس أولـىٰ...والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه : أن الكراهة فى المواقع التي يتيسر فيهـا محل للجلوس ، فأما إذا لم يتيسر ، أو كان فى الجلوس تكلف شديد، فلا كراهة أيضاً ، ويـحتـمـل أن تـكـون أحـاديـث الشـرب قـائـمـاً متـعـلقة بمثل هذه المواقع... (تـكـمـلة فتح الملهم:٤/ ١١ـ١٢).

مزید ملاحظہ ہو: (الـمـفـهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم :٥/ ٢٨٥،ومكمل اكمال الاكمال:٧/ ١٣٧، وتـكـمـلة فتـح الـمـلـهـم:٤/ ١٠ـ١٢، شرح مسلم للامام النووى:٢/ ١٧٣،ط:فيصل،وزادالمعاد: ٤/ ٢٢٩،ط: مؤسسة الرسالة ، وفتاوى الشامى:١/ ١٢٩ـ١٣٠، سعيد).

پانی بیٹھ کر پینے کا طبی فائدہ:

اگر پانی بیٹھ کر پیا جائے تو جسم کی حاجت کے مطابق پانی جسم میں جاتا ہے اور اگر زیادہ پانی جسم میں چلا جائے جو جسم کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے اس کی وجہ سے ایک خطرناک مرض ہوتا ہے جسے استسقاء کہتے ہیں اور مریض کا تمام بدن پھول جاتا ہے۔اگر پانی کھڑے ہوکر پیا جائے تو اس کی وجہ سے معدہ اور جگر کی ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جن کے علاج میں معالجین عاجز آجاتے ہیں۔نیز پاؤں پر ورم کا خطرہ رہتا ہے۔(سنتِ نبوی اور جدید سائنس،ص۱۳۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشروبات وماکولات میں پھونکنے کا حکم:

سوال: حدیث شریف میں پانی میں پھونکنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ کونسی حدیث ہے؟ اور کیا چائے اس میں شامل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: پھونکنے کی ممانعت والی روایات درجِ ذیل ہیں:

عن أبي سعيد الخدرى رضي الله عنه : أن الـنبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النفخ فى الشرب

...الخ. رواه الترمذی (۱۸۸۷) **وقال: هذا حديث حسن صحيح. وابن حبان فی صحيحه** (۵۳۲۷) **قال شعيب: إسناده صحيح.**

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن النفخ فی الطعام والشراب. رواه أحمد في مسنده** (۲۸۱۷). **قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخاری.**

وعن عبد اللّٰه بن أبي قتادة، عن أبيه؛ أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم نهی عن النفخ فی الإناء. رواه ابن أبي شيبة في مصنفه (۱۲/۲۹۹). **وابن ماجه عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ (ص ۲۴۵).

وعن مولاة لثوبان، قالت: أتيت ثوبان بشراب فنفخت فيه، فأبی أن يشرب. (مصنف ابن ابی شيبة: ۱۲/۲۹۸).

و عن القاسم بن مسلم مولی الحسن بن علی، قال: استسقی علي رضی اللہ عنہ **، فاتيته بشراب فنفخت فيه، فأبی أن يشربه، وقال: اشربه أنت.** (ابن ابی شيبة: ۱۲/۲۹۹).

یہ روایات تمام قسم کے مشروبات وماکولات کو شامل ہیں البتہ نہی ادب اور سلیقہ پر محمول ہے تاکہ دوسرے شخص کو گھن محسوس نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ پھونک ممنوع ہے جس میں آواز ہو۔

چائے میں پھونکنے کا مقصد اس کی تبرید اور ٹھنڈا کرنا ہوتا ہے اور جس چائے کو آدمی پیتا ہے اسی میں پھونکتا ہے تو اس میں دوسرے کی کراہت یا گھن کی کوئی بات نہیں ہوتی اس لیے یہ جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہاں اگر پھونکنے کے بعد دوسرے کو اس کے پینے سے نفرت ہو تو پھونکنا مکروہ ہوگا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ خود پینے کی صورت میں بھی پھونکنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس میں منہ کے کچھ جراثیم شامل ہوجاتے ہیں جس کے پینے سے ضرر لاحق ہوسکتا ہے۔

اوجز المسالک میں ہے:

ومحل هذا إذا أكل وشرب مع غيره أما لو أكل وحده أو مع أهله أو من يعلم أنه لايتقذر شيئاً مما يتناوله فلا بأس، قال الحافظ: والأولی تعميم المنع. (اوجز المسالك: ۱۶/۳۲۳،

ط: دارالقلم دمشق).

التمهيد میں ہے:

إنما نهى عن التنفس فى الإناء لأدب المجالسة لأن المتنفس فى الإناء قل ما يخلو أن يكون مع نفسه ريق ولعاب ومن سوء الأدب أن يشرب ثم يناول جليسه لعابه ألا ترى أنه لو عمد إلى الإناء فشرب منه ثم تفل فيه وناوله جليسه أن ذلك مما تقذره النفوس وتكرهه وليس من أفعال ذوى العقول فكذلك من تنفس فى الإناء لأنه ربما كان مع تنفسه أكثر من التفل من لعابه ، والله أعلم. (التمهيدلابن عبدالبر:۱/۳۹۸،ط:مؤسسة القرطبة).

المنتقی شرح المؤطا میں ہے:

نهى صلى الله عليه وسلم عن النفخ فى الشراب حملاً لأمته على مكارم الأخلاق ؛ لأن النافخ فى آنية الماء يجوز أن يقع من ريقه فيها شيء مع النفخ فيتقذره الناظر ويفسده عليه . (المنتقى :٤/٣٢٨).

قال المناوى في فيض القدير: ومحل ذلك إذا أكل مع غيره فإن أكل وحده أو مع من لايتقذر منه شيئاً كزوجته وولده وخادمه وتلميذه فلا بأس . (فيض القدير:٦/٤٢٠،ط:بيروت).

(وكذا فى شرح ابن بطال:٦/٧٩،ط: مكتبة الرشد، و عمدة القارى: ١٤/٦٢٦، دارالحديث ملتان).

المحیط البرہانی میں ہے:

ولا ينفخ فى الطعام والشراب ؛ لأن ذلك يسوء الأدب . (المحيط البرهانى:٦/٨٩،الفصل الثانى عشرفى الكراهية فى الاكل).

فتاوی الشامی میں ہے:

وعن الثاني أنه لا يكره النفخ فى الطعام إلا بما له صوت نحو أف وهو محمل النهى .

(فتاوى الشامى:٦/٣٤٠،سعيد).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ويرى أبويوسف ؒ من الحنفية : أنه لايكره النفخ فى الطعام إلا ما له صوت مثل أف

وهو تفسير النهى . (الموسوعة الفقهية الكويتية:٤١/٢٤).

(وكذافى الفتاوى الهندية: ٣٣٧/٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گرم طعام یا مشروب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: بہت گرم کھانا یا مشروب کا کیا حکم ہے؟ اگر مکروہ ہے تو گرم چائے پینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعض احادیث اور کتبِ فقہ سے گرم کھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تیز گرم کھایا جائے کہ ہاتھ، منہ وغیرہ جلے اور تکلیف ہو، لیکن ہلکا گرم کھانا جائز اور درست ہے، خصوصاً وہ اشیاء جن کی لذت ہی گرم ہونے میں ہے مثلاً چائے، کافی، پلاؤ، نہاری وغیرہ تو ان اشیاء کو ہلکا سا گرم استعمال کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درجِ ذیل روایات سے تیز گرم کھانے کی ممانعت مترشح ہوتی ہے۔

عن خولة بنت قيس وكانت تحت حمزة بن عبدالمطلب قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعلت له خريزة فقدمتها إليه فوضع يده فيها فوجدحرها فقبضها فقال: يا خولة لا نصبر على حر ولا برد يا خولة إن الله أعطانى الكوثر وهو نهر فى الجنة وما خلق أحب إلى من يرده من قومك يا خولة رب متخوض في مال الله ومال رسوله فيما اشتهت نفسه له النار يوم القيامة . رواه الطبرانى فى الكبير (٥٨٨) **وفي رواية له عنها... قالت: فقربت له عصيدة في تور فلما وضع يده فيها احترقت فقال: حس ثم قال : إن ابن آدم إن أصابه حر قال : حس وإن أصابه برد قال: حس.** (رقم:٥٨٩).

قال الهيثمي : رواه كله الطبراني بأسادين ورجال أحدهما رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:٢٠/٥،ط:دارالفكر).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه **أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى بصحفة تفور فأسرع يده ثم رفع يده فقال: إن الله عز وجل لم يطعمنا ناراً . رواه الطبراني فى الصغير والأوسط** (٧٠١٢)

وفيـه عبـد اللّٰـه بـن يـزيـد البـكـرى ضعـفـه أبـوحـاتـم وبقية رجـالـه ثقـات. (مجمع الزوائد:٥/٢٠،ط:دارالفكر).

وعـن أبي هريرة﷛ قـال: قـال رسـول الـلّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أبردوا بالطعام فإن الطعام الحار غير ذي بركة . (رواه الطبرانى فى الاوسط،رقم: ٦٢٠٩).

وإسناده ضعيف لضعف عبد اللّٰه بن يزيد البكرى . وأخرجه الحاكم فى المستدرك (١١٨/٤) **عن جابر﷛ .**

وللمزيد راجع: (كشف الخفاء :٣٦٨/٢،وتخريج الاحياء للعراقى :٦٤٥/١،ط:الرياض).

فیض القدیر میں ہے:

قـوله " أبردوا بالطعام...فيكره استعمال الحار لخلوه عن البركة ومخالفته للسنة بل إذا غلب على ظنه ضرره حرم. (فيض القدير،رقم: ٥٠).

ہلکا گرم کھانے کے جواز کی روایت ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة﷛ قال: أتى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوماً بطعام سخن ، فأكل ، فلما فرغ قال: " الحمد للّٰه ما دخل بطني طعام سخن منذ كذا وكذا. (رواه ابن ماجه ،ص٣٠٦).

وفى الزوائد: إسناده حسن وسويد مختلف فيه .

ابن ماجہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم کھانا تناول فرمایا اور اس کو نعمت فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ چند صحابہ نے گرم کھانا تناول فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

عـن أنس بن مالك﷛ قـال: بيـنا أنا وأبوطلحة الأنصاري ﷛ وأبـي بن كعب﷛ أتينا بطعام سخن فأكلناه ...الخ. (شرح معانى الآثار:٦٩/١).

فتاوی الشامی میں ہے:

ومـن السـنة أن لا يأكل من وسط القصعة... ولا يأكل الطعام حاراً ولا يشمه . (فتاوى الشـامـى:٣٤٠/٦،سعيـد). (وكـذا فـى الـفتـاوى الهـندية: ٣٣٧/٥،والمحيط البرهانى:٨٩/٦،الفصل الثانى عشرفى الكراهية فى الاكل).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

گرم کھانا جو برداشت نہ ہوسکے اس سے منع کیا گیا ہے، اور جو برداشت ہوسکے اس سے منع نہیں کیا گیا، ورنہ روٹی، سالن، چائے سبھی گرم کھائی جاتی ہیں اور ٹھنڈا کرنے سے اس کی لذت اور خاصیت میں فرق آجاتا ہے یہی حال چائے کا ہے، ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ چائے نہیں رہے گی، بلکہ شربت بن جائے گی، شروح حدیث سے یہی تفصیل مستفاد ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۹۰، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کچھ گرم ہو تو مکروہ نہیں، ہاں زیادہ گرم ہو تو مکروہ ہے، مگر جو چیز ایسی ہو کہ سرد ہوجانے سے اس کا فائدہ یا ذائقہ ختم ہوجائے تو مکروہ نہیں ہے، جیسے چائے، کافی وغیرہ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۶۸، ط: دیوبند)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں "أبردوا بالطعام" اس سے معلوم ہوا کہ بہت گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی اس لیے خلافِ اولیٰ ہے مگر ناجائز نہیں کہہ سکتے اور چائے یا اور ایسی چیزیں جن سے مقصود ہی گرمی حاصل کرنا ہے اس سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ درحقیقت اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہی نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلدِ دوم، ص ۸۰۷)۔

شمائل کبریٰ میں ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ مناسب ہوجائے (یعنی کھانے کے لائق ہوجائے)۔ (کنزالعمال ۱۹/ ۱۸۸)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گرم) کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ اس سے بھاپ نکل جائے۔ یعنی ایسا گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو۔ (جمع الفوائد، مجمع: ۵/۲۲)۔

ایسا تیز گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو اور ہاتھ اور منہ کے جلنے یا تکلیف کا اندیشہ ہو کھانا ممنوع ہے پھر یہ کہ ایسے کھانے میں لذت بھی نہیں حاصل ہوتی، کیوں کہ منہ جلنے کی وجہ سے انسان جلد نگلنا چاہے گا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا ٹھنڈا ہونے دو اس میں

برکت زائد ہوتی ہے۔(کنزالعمال:۱۹/۱۷)۔

حضرت اسماءؓ کے پاس جب (گرم) ثرید لایا جاتا تو اسے ڈھانک رکھنے کا حکم دیتیں، تو اسے ڈھک دیا جاتا، یہاں تک کہ اس کی بھاپ ختم ہوجاتی اور یہ کہتیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ یہ (ٹھنڈا کرکے) کھانا بڑی برکت کا باعث ہے۔(مشکوٰۃ ص ۳۶۸)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہئے، گرم آجائے تو اسے ٹھنڈا ہونے دینا چاہئے۔ گرم سے مراد وہ گرم ہے جو منہ اور ہاتھ کو تکلیف دے اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے آگ نہیں کھلائی، اس سے تیز گرم کا مفہوم واضح ہے۔ البتہ چائے اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا گرم ہی پینا نافع ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوا کہ معتدل گرم کھانا ممنوع نہیں چنانچہ جو کھانے گرم ہی لذیذ ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ، نہاری وغیرہ ان کو معتدل گرم کھانا خلافِ سنت نہ ہوگا۔(شمائل کبریٰ:۱/۴۴-۴۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرام خوراک والے جانور کے دودھ کا حکم:

سوال: بعض کسان لوگ گایوں کو شراب ملی ہوئی گھاس کھلاتے ہیں، پھر دودھ نکال کر فروخت کرتے ہیں کیا ایسا دودھ خرید کر پینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی دودھ ناپاک ہوگا یا پاک؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کسانوں کا گایوں کو اس طرح شراب ملا کر گھاس کھلانا مکروہ ہے لیکن اس کی وجہ سے دودھ میں کوئی خرابی نہیں آتی، تبدیل ماہیت کی وجہ سے دودھ حلال اور پاک ہے، اس کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

حرام اور ناپاک چیز جانور کو کھلانا منع ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

الاستفسار: هل يجوز أن يسقى الفرس خمراً ؟

الاستبشار: لايجوز؛ في مطالب المومنين : ولا يسقى الصبي والدابة والذمى خمراً والإثم على من سقاهم ، كذا في جوامع الفقه ، انتهى...ثم إن كان لا بد من سقى الخمر

فرساً لا يشربه بل يضع الخمر بين يديه ليشربه ، كما أن لاينبغي أن يؤكل الميتة الكلب إلا بأن يضع الميتة بين يدى الكلب ، فيأكله بنفسه كما فى مطالب المومنين. (فتاوی اللكنوی،ص ٤٧١،٤٧٢ط: دارابن حزم).

لیکن بعض فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک پانی جانوروں کو پلا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہوالبحرالرائق میں ہے:

وفي خزانة الفتاویٰ : لا بأس بأن يسقى الماء النجس للبقر والإبل والغنم .

(البحرالرائق:١/١٢٥،ط:کوئٹه).

مزید دیکھئے: (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة:٤/٨٢،والمحیط البرهانی:٦/١٠٣).

اگر کسانوں کو ضرورت ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

دودھ تبدیل ماہیت کی وجہ سے بلا کراہت حلال اور طیب ہے۔ملاحظہ ہو:

الاستفسار: الدودة المتولدة من العذرة ، هل هى نجسة ؟

الاستبشار : لا ، فى خزانة الروايات : الدودة إذا تولدت من النجاسة ، قال السرخسيؒ: إنها ليست بنجسة ، من الخلاصة انتهى . فإن قلت: كيف تكون طاهرة وأصلها أعنى العذرة نجسة ، قلت: لا يلزم من كون ما خلق منه نجساً كون ماخلق نجساً ... (فتاوی اللكنوی،ص١٠٣،ط: دارابن حزم).

قال ابن حجرؒ في فتح البارى : تقريره أن اللبن خالط الفرث والدم ، ثم استحال فخرج خالصاً طاهراً ، اهـ. قلت: يشير إلى قول الله تعالىٰ: ﴿نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ [النحل: ٦٦].

يبين أن طبع اللبن غير طبع الفرث ، وغير طبع الدم سواء من حيث الرقة والسيولة أو من حيث الرائحة والطعم وغيرهما. ومن هنا عرفنا أن التعريف المختار للاستحالة اصطلاحاً هو : تغير الشيء من طبعه ووصفه إلى طبع آخر و وصف آخر. (ماخوذ من مجلة المجمع الفقهى الاسلامى،ص١٨٩ـ١٩٠،الاستحالة واحكامها فى الفقهى الاسلامى).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس جانور کو ناجائز پتے کھلائے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم:

الجواب: بغیر اجازت مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے،...لیکن جس جانور کو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۲۸۵، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجنبی عورت کا جھوٹا پینے کا حکم:

سوال: کیا مرد اجنبی عورت کے بچے ہوئے کھانے یا پینے کو کھا، پی سکتا ہے، اسی طرح عورت اجنبی مرد کے بچے ہوئے کھانے، پینے کو کھا، پی سکتی ہے یا نہیں؟ اگر تبرک کی نیت سے ہو اور خوفِ فتنہ بھی نہ ہو کیا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو شریعت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: عام طور پر فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ استلذاذ کے اندیشہ کی وجہ سے اجنبی کا جھوٹا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

نعم يكره سورها للرجل كعكسه للاستلذاذ واستعمال ريق الغير و هو لا يجوز. و في ردالمحتار: أي في الشرب لا في الطهارة، بحر، قال الرملي: ويجب تقييده بغير الزوجة والمحارم. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/ ۲۲۲، سعید).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وكراهة سؤر المرأة للأجنبي كسؤره لها ليس لعدم طهارته بل للاستلذاذ كذا في النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳).

البحر الرائق میں ہے:

صرح في المجتبى من باب الحظر والإباحة: أنه يكره سور المرأة للرجل وسوره

لها. (البحرالرائق: ۱/۱۲٦، کوئٹه).

حاشیة الطحطاوی میں ہے:

ویکره أن یشرب غیره إن وجد منه لذة إلا الزوجین. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۲۹، قدیمی).

فقہاء کی عبارات پرغور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حصولِ لذت اور خوفِ فتنہ کی وجہ سے اجنبی کا جھوٹا مکروہ ہے لیکن اگر یہ علت نہ ہو بلکہ تبرک مقصود ہوتو اجازت ہوگی، مثلاً کوئی عورت اپنے شیخ کا بچا ہوا برکۃً استعمال کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ احادیث میں چند نظائر موجود ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام بخاریؒ نے باب الصعید الطیب وضوء المسلم کے تحت ایک طویل حدیث نقل فرمائی ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت کے توشہ داں سے سب صحابہ نے پانی پیا اور استعمال کیا اور اس سے زیادہ پانی دیکر اس عورت کو رخصت کیا۔ ملاحظہ ہو:

عن عمران رضی اللہ عنہ قال: کنا في سفر مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ...فقال: اذهبا فابتغیا الماء فانطلقا فتلقیا امرأة بین مزادتین أو سطیحتین من ماء علی بعیر لها...قال: فاستنزلوها عن بعیرها ودعا النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بإناء ففرغ فیه من أفواه المزادتین ...ونودی فی الناس اسقوا واستقوا فسقی من شاء واستقی من شاء وکان آخر ذلک أعطی الذي أصابته الجنابة إناء من ماء ... (رواه البخاری: ۱/۴۹، باب الصعیدالطیب وضوء المسلم).

(۲) غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو دعوت دی تھی، جب سب کھانے سے فارغ ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس ماندہ کھانا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو دیدیا اور فرمایا: ”**کلي هذا واهدی فإن الناس أصابتهم مجاعة**“. (رواه البخاری: ۲/۵۸۸، باب غزوة الخندق وهی الاحزاب).

(۳) ہجرت کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کی بکری سے دودھ نکالا اور سب سے پہلے اسی کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔

ملاحظہ ہومستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے:

...فدعا بإناء يربض الرهط فحلب فيه ثجا حتى علاه البهاء ثم سقاها حتى رويت وسقى أصحابه حتى رووا وشرب آخرهم صلى الله عليه وسلم... . (مستدركِ حاکم:۳/۹/۴۲۷۴،والمعجم الکبیرللطبرانی،رقم:۳۶۰۵،ومعرفة الصحابة لابی نعیم :۲/۸۷۱). **واللہ ﷻ اعلم۔**

چائے کی پیالی میں چمچی ہلانے کا طریقہ:

سوال: لوگوں کی عادت ہے کہ پیالی میں شکر ڈال کر پیالی میں چمچی کو چلاتے ہیں،اگر کوئی شخص مغرب کی طرف منہ کیئے ہوئے ہوتو چمچی جنوب کی طرف چلانا بہتر ہوگا یا شمال کی طرف؟

الجواب: اس مسئلہ میں صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا تاہم اسلامی خط لکھنے پر قیاس کرتے ہوئے جنوب کی جانب چلانا چاہئے جیسے خط لکھنے والے دائیں جانب سے یعنی دائیں ہاتھ کے قریب سے شروع کرتے ہیں اور بائیں جانب تک لے جاتے ہیں،مغرب کی طرف متوجہ آدمی جنوب کی طرف لے جاتا ہے، پھر قلم کو دائیں جانب لاکر پھر دائیں جانب سے شروع کرتے ہیں، چمچی میں بھی یہی مناسب ہوگا، باقی جائز دونوں طرف سے ہے، سائنس داں زمین کی حرکت کے بھی اسی طرح قائل ہیں، اور طواف کرتے ہیں تو اسی طرح چلتے ہیں جو کہ نبوی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

گیس والے مشروبات پینے کا حکم:

سوال: کاربن ڈائی آکسائیڈ ایک گیس (ہوائے بسیط) ہے جو کوکا کولا وغیرہ مشروبات میں مستعمل ہے۔ یہ درجِ ذیل دو طریقوں سے حاصل ہوسکتی ہے:

(۱) کیمیکل کے ذریعہ سے۔

(۲) شراب بنانے کے ذریعہ سے۔

عام طور پر کیمیکل ہی سے یہ گیس حاصل ہوتی ہے لیکن آج کل اس کی قلت کی وجہ سے دوسرے طریقہ بنانے کا ارادہ ہے۔

اس طریقہ کو سمجھنے کے لیے جمعیۃ المفتیین کے بعض شرکاء اور حلال اداروں کے بعض نمائندے اس کا معاینہ کرنے گئے، جو طریقہ ان کو سمجھایا گیا اس کا مختصر بیان مزید ضروری وضاحت کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) گیہوں کو پانی کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔

(۲) جامد ذرات (بھوسہ) کو نکالا جاتا ہے۔

(۳) ایک بڑے ٹینک میں اس کو اُبالا جاتا ہے اور ایک قسم کی جڑی بوٹی (hopps) اس میں ملائی جاتی ہے جس کے تین کام ہیں:

(الف) اس میں کڑواہت پیدا کرتی ہے۔

(ب) اس میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔

(ج) مضر ذرات کو ختم کرتی ہے۔ مثلاً بیکٹیریا وغیرہ۔

(۴) پھر اس کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔

(۵) اس نشاستہ میں قدرتی طور پر چینی ہوتی ہے، سائنسی وکیمیائی اصطلاح میں یہ کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہوتا ہے یا اس نشاستہ میں یہ مذکورہ چیزیں بھی پائی جاتی ہیں، اس لیے اس نشاستہ کو کاربن ہائیڈریٹ بھی کہتے ہیں، اس نشاستہ میں خمیر (yeast) ملا کر تخمیر کے مشین میں اس کو جوش دیا جاتا ہے، یہ عمل تقریباً بارہ ایام تک جاری رہتا ہے، yeast تدریجاً پورے نشاستہ پر عمل کرتی ہے اور بارہ دن میں پورے نشاستہ کی چینی کو دو چیزوں میں منتقل کردی ہے: (۱) الکحول۔ (۲) کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2 گیس)۔ الکحول مائع یا جامد شکل میں ہوتا ہے اور وہ برتن میں باقی رہتا ہے جب کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اوپر اڑ جاتی ہے چونکہ وہ گیس کی شکل میں ہوتی ہے اس لیے اس گیس کو دوسرے ذرائع کے ذریعہ محفوظ کیا جاتا ہے۔ یہ گیس نہ تو الکحول سے حاصل ہوتی ہے اور نہ yeast کا بخار (steam) ہے۔ بلکہ نشاستہ میں موجود چینی کی پیداوار ہے۔

نوٹ: (۱) کمپنی کا ارادہ ہے کہ اس طرح کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا ۵۰ فیصد استعمال کیا جائے۔

(۲) صفائی کے بعد شراب کا ۰.۰۰۰۰۰۲ فیصد (دس کروڑ میں سے دو حصے) اثر اس میں رہتا ہے۔

(۳) آج کل جو گیس استعمال ہو رہی ہے وہ کیمیکل والی گیس ہے۔

(۴) یہ شراب گیہوں اور جو سے بنتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس گیس کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جن مشروبات مثلاً کوکا کولا وغیرہ میں یہ گیس استعمال کی جائے گی ان مشروبات کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: گیس والے مشروبات میں جو گیس شراب سے بنائی جاتی ہے، اس کی نظیر فقہاء کے کلام میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ نجاست کے بخارات اور دھواں اصح قول کے مطابق ناپاک نہیں ہے تو جو گیس شراب سے کشید کیا گیا ہے وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا اس لیے اس کا استعمال جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا مرت الريح بالعذرات وأصابت الثوب المبلول يتنجس إن وجدت رائحة النجاسة وما يصيب الثوب من بخارات النجاسة لاينتنجس بها وهو الصحيح هكذا فى الظهيرية ، دخان النجاسة إذا أصاب الثوب أو البدن الصحيح أنه لاينجسه هكذا فى السراج الوهاج ، وفى الفتاوى : إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق و انعقد ثم ذاب أو عرق الطابق فأصاب ماؤه ثوباً لايفسده استحساناً ما لم يظهر أثر النجاسة . (الفتاوى الهندية: ۱/۴۷).

جب ہوا گندگی اور پاخانہ سے گزر جائے اور گیلے کپڑے کو لگے تو اگر نجاست کی بدبو محسوس ہو تو کپڑا ناپاک ہو جائیگا، اور اگر کپڑے کو نجاست کے بخارات لگے اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اور یہی صحیح روایت ہے، نجاست کا دھواں جب کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو صحیح یہ ہے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوں گے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے، اور فتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی مکان میں پاخانہ جلایا جائے اور اس کا دھواں یا بخارات کسی اینٹ یا شیشہ یا چھت کو لگ جائے اور جم جانے کے بعد پگھل جائے یا اس پر تری پیدا ہو جائے اور کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو جائے اور یہ استحسان ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(و بخار نجس) فی الفتح مرت الریح بالعذرات وأصاب الثوب إن وجدت رائحتها تنجس لکن نقل فی الحلیة أن الصحیح أنه لا ینجس وما یصیب الثوب من بخارات النجاسة قیل: ینجسه وقیل: لا وهو الصحیح وفی الحلیة: استنجی بالماء وخرج منه ریح لاینجس عند عامة المشایخ وهو الأصح وکذا إذا کان سراویله مبتلاً. (فتاوی الشامی: ۱/۳۲۵، سعید).

مذکورہ بالاعبارت میں علامہ شامیؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اگرگندگی سے ہوا گزرکر کپڑے کو لگ جائے اور کپڑے سے بدبو محسوس بھی ہوتب بھی کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، نیز اگر شلوار تر ہواور ہوا خارج ہوجائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(قوله و بخار نجس) القول بعفوه هو الصحیح... ولو استنجی بالماء ولم یمسحه حتی فسا اختلف المشایخ فیه وعامتهم علی أنه لا ینجس ...وفیه: دخان النجاسة إذا أصاب الثوب أو البدن فیه اختلاف والصحیح أنه لا ینجسه. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۱۶۱، کوئته).

شراب کو سرکہ بنانے کے لیے رکھنے کا حکم:

شراب سے گیس یا سرکہ بنانا احناف کے نزدیک جائز ہے اوراس نیت سے شراب رکھنا بھی جائز ہے، مزید یہ ہے کہ فیکٹریوں میں کارکنان اور فیکٹری کے مالکان بھی غیر مسلم ہیں جو شراب کے احکام کے پابند نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو أمسک الخمر في بیته للتخلیل جاز ولا یأثم. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۷۳).

ہدایہ میں ہے:

كما إذا ورثهما ثم إن كان خمراً يخللها وإن كان خنزيراً يسيبه . (الهداية: ٥٩/٣).

البحر الرائق میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت يعني خل الخمر فلا فرق في ذلك بين أن يتخلل بنفسه أو يخلل بإلقاء شيء فيه كالملح أو الخل أو النقل من الظل إلى الشمس أو بإيقاد النار بالقرب منها. (البحرالرائق: ٢١٩/٨، کوئٹه).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کو سرکہ بنانے کی نیت سے گھر میں رکھنا جائز ہے پھر چاہے وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا سرکہ بنانے کے مختلف طریقے استعمال کیے جائے مثلاً اس میں نمک ڈالنا، سائے سے دھوپ میں منتقل کرنا یا اس کے قریب آگ جلا دینا وغیرہ، یہ سب باتیں جائز ہیں۔

بنابریں شراب سے کشید کیا ہوا بخارنا پاک نہیں ہے، ہاں چونکہ شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش نکالنا مشکل ہے اس لیے احتیاط بچنے میں ہے لیکن ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بجائے ''کوکا کولا'' کے دوسرے مشروبات پی لیا کریں جن کے اجزاء معلوم ہوں کیونکہ کوکا کولا کے بعض اجزاء معلوم بھی نہیں ہیں لہذا ایسی مشتبہ و مشکوک چیزوں سے بچنا چاہئے۔

بعض مفتی حضرات نے درجِ ذیل تحقیق فرمائی ہے:

کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) گیس نہ بذاتِ خود نجس ہے اور نہ ہی متنجس ہے، کیونکہ یہ نہ خود شراب (خمر) ہے، نہ شراب کا دھواں یا بخار، نیز الکحول کے ساتھ اس کا مس بہت ہی قلیل عرصہ کے لیے ہوتا ہے جو کہ کالعدم کے درجہ میں ہے، پھر ابتدا میں جو الکحول کا اثر آتا ہے وہ بھی قلیل یعنی ہزار میں سے دو حصے (0.2%) پھر وہ بھی دوبارہ صفائی کے بعد دس کروڑ میں دو حصے (0.000002%) رہ جاتا ہے، شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

جب کہ سرکہ میں ایک فیصد سے تین فیصد تک اور ڈبل روٹی (Bread) میں ہزار میں سے پانچ حصے اور رائج کوکا کولا میں دس لاکھ میں سے ایک حصہ الکحول کا اثر ہوتا ہے۔ سرکہ شراب سے وجود میں آتا ہے لیکن اس میں شراب کے اثرات وخاصیات نہیں ہوتیں اس لیے وہ طاہر اور حلال ہے۔

جانور سے جو دودھ اور شہد حاصل ہوتا ہے اس پر غور کریں کہ وہ کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے:﴿ **من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً لشربین**﴾، اور﴿ **یخرج من بطونها شراب مختلف ألوانه فیه شفاء للناس** ﴾[النحل:] یہ دونوں چیزیں طاہر اور حلال ہیں۔

فقہاء نے ریح جو کہ ناقض للوضو ہے اس کو نجس قرار نہیں دیا، اگر یہ ریح گیلے کپڑے سے مس کرے تو وہ کپڑا نجس نہیں ہوگا، حتی کہ نجاست سے اٹھنے والے بخارات بھی کسی چیز کو نجس نہیں کرتے، یہی صحیح قول ہے۔

(عنایہ، کفایہ۔ درمختار:۱/ ۲۳۸، سعید).

بہشتی زیور میں ہے:

اگر ناپاک پانی کی بھاپ بدن کو لگی تو بدن کو ناپاک جب کہیں گے جب کہ کوئی قطرہ پانی کا بدن سے ٹپکے ورنہ صرف بھاپ کی حرارت لگنے سے نجاست کا فتویٰ نہیں دیا جائیگا، جیسے نجاست کی بدبو دماغ میں پہنچنے سے کوئی حکم نہیں ہوتا، علی ہذا اگر بدن میں یا کپڑوں میں نجاست کے دھویں یا بھاپ کی بدبو آجائے تو نجاست کا حکم نہیں ہوگا۔(بہشتی زیور، طبی جوہر، حصہ نہم، ص:۸۳۷)۔

لہذا شراب بنانے کے عمل کے دوران جو کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل ہوتی ہے وہ نجس نہیں ہے اور اگر اسے پاک وحلال طعام یا مشروب کے ساتھ ملایا گیا تو وہ طعام یا مشروب طاہر وحلال رہے گا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ بحث جس کاربن ڈائی آکسائیڈ کے بارے میں ہورہی ہے وہ شراب کی اس فیکٹری سے حاصل کی جائیگی جہاں شراب جو(شعیر) سے بنائی جاتی ہے فقہاء احناف کے ہاں یہ معروف ہے کہ جو سے بننے والی شراب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجس نہیں ہے، عمومِ بلویٰ اور کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے غیر عنب وتمر سے بننے والے الکحول کے نجس نہ ہونے کا فتویٰ حضرت تھانویؒ کے زمانہ سے معروف ومشہور ہے۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔(امداد الفتاویٰ:۱/ ۱۳۷، وبہشتی زیور، طبی جوہر، حصہ نہم، ص۱۰۲)۔

وفی الهدایة: وقال فی الجامع الصغیر: وما سوی ذلک من الأشربة فلا بأس به

قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لايوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ ...وعن محمدؒ أنه حرام ويحد شاربه ... وكان أبو يوسفؒ يقول: ما كان من الأشربة يبقى بعد ما يبلغ عشرة أيام ولايفسد فإني أكرهه ثم رجع إلى قول أبي حنيفةؒ. (الهداية: ٤/٤٩٥، كتاب الاشربة، ط: شركة علمية، ملتان).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سرکہ اور زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ اور ان کا حکم:

سوال: ایک کمپنی ہے جو بیلسمک (balsamic) نامی سرکہ بناتی ہے، یہ سرکہ انگور کی شراب سے بنایا جاتا ہے، نیز مذکورہ کمپنی زیتون کا تیل بھی بناتی ہے، دونوں کے بنانے کا طریقہ حسبِ ذیل ہے:

سرکہ بنانے کا طریقہ:

لکڑی کے بڑے برتن جو مٹکے کی شکل میں ہوتے ہیں ان کو اورلینس طریقہ کے مطابق تیار کرتے ہیں۔ (یہ اورلینس طریقہ سرکہ بنانے کا پرانا فطری طریقہ ہے) پھر ان برتنوں کو اسٹیل کے طاق میں رکھتے ہیں، پھر کیبنٹ سوگنن ریڈ وائن (cabernet sauvignon red wine) جو انگور سے بنی ہوئی سرخ شراب ہوتی ہے اس کے ساتھ انگور کا شیرہ جو سڑنے کے قریب ہوتا ہے ملا دیا جاتا ہے، اس کے بعد برتنوں میں بھر کر سرکہ بنانے کی غرض سے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ تقریباً دس ہفتوں کے بعد سارا الکحول سرکہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، تو اس سرکہ کو لکڑی کے برتنوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ پرانا ہونے کے بعد اس میں اچھی خوشبو پیدا ہوجائے، اس کے بعد بوتلوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ:

زیتون کے پھلوں کو مشین میں ڈال کر زائد چیزوں کو صاف کیا جاتا ہے پھر پھلوں کو صاف پانی سے دھونے کے بعد ایک خاص قسم کی (hommer crusher) مشین میں نچوڑا جاتا ہے، پھر ملیکسنگ بن (malaxing bin) [ایک قسم کی مشین ہے جس کے ذریعہ پھلوں سے تیل علیحدہ ہوجاتا ہے] میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر پمپ کے ذریعہ منتقل

کرکے اسے ایک مشین میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے،ان سب مراحل سے گزارنے کے بعد ٹینکوں میں رکھا جاتا ہے تا کہ اس میں ذائقہ پیدا ہو جائے،اس کے بعد بوتلوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ سے بنایا ہوا سرکہ اور زیتون کا تیل مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں حلال ہے یا نہیں؟ یعنی ان کا داخلی استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز مذکورہ فیکٹری کو حلال کا سرٹیفکٹ دیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جمہور فقہاء کے ہاں اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا استعمال جائز ہے،لیکن اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنادیا جائے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں طاہر اور حلال ہے مگر شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ہاں شافعیہ میں سے ابن حجرؒ نے جائز کہا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ایک روایت جواز کی ہے۔

احناف کے دلائل ملاحظہ ہوں:

ہدایہ میں ہے:

وإذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلاً بنفسها أو بشيء يطرح فيها ولايكره تخليلها وقال الشافعيؒ: يكره التخليل ولا يحل الخل الحاصل به إن كان التخليل بإلقاء شيء فيه قولاً واحداً . (الهداية:٤/٤٩٩).

البحر الرائق میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت يعني خل الخمر فلا فرق في ذلک بين أن يتخلل بنفسه أو يخلل بإلقاء شيء فيه كالملح أو الخل أو النقل من الظل إلى الشمس أو بإيقاد النار بالقرب منها. (البحرالرائق: ٨/٢١٩،كوئته).

(وكذا فى الفتاوى الشامى:٦/٤٥١،سعيد،والفتاوى الهندية: ٥/٤١٠).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

تاڑی یا شراب کو اگر سرکہ بنالیا جائے اور حقیقت بدل جائے تو اس کا کھانا درست ہے: **الخمر إذا خلله بعلاج الملح أو بغيره ، يحل عندنا أكله** ،عالمگیری۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۸/ ۱۷۹،جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اصل وجہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قولاً وفعلاً اس کو حلال فرمایا” **لما روى مسلم فى صحيحه عن جابر ﷛ مرفوعاً نعم الإدام الخل وفى سنن ابن ماجه عن أم سعيد: اللّٰهم بارك فى الخل ولم يفتقربيت فيه الخل.** (زاد المعاد فى ذكرالادوية والاغذية :٤/ ١٥١) ،باقی عقلی حکمت سو وہ بھی ظاہر ہے کہ سرکہ پر جو مختلف قسم کے انقلابات آتے ہیں ان سے اس میں انقلابِ ماہیت پیدا ہو جاتا ہے تمام خواص وآثار بدل جاتے ہیں تو حکمِ شرعی بھی بدل جاتا ہے جیسے ہوا اگر پانی بن جائے تو اس سے وضو جائز ہو جاتا ہے پیاس اس سے بجھ جاتی ہے نجاست جل کر اگر خاک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔(امداد المفتین ، جلد دوم،ص:۸۰۵،ط: دارالاشاعت).

مذہبِ مالکیہ کے دلائل:

بدایۃ المجتہد میں ہے:

واختلفوا إذا قصد تخليلها على ثلاثة أقوال : التحريم ، والكراهية ، والإباحة . وسبب اختلافهم معارضة القياس للأثر واختلافهم في مفهوم الأثر، وذلك أن أباداود خرج من حديث أنس بن مالك﷛ أن أبا طلحة سأل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن أيتام ورثوا خمراً ، فقال: اهرقها، قال: أفلا أجعلها خلاً ؟ قال: فمن فهم من المنع سد ذريعة حمل ذلك على الكراهية ، ومن فهم النهي لغيرعلة قال بالتحريم ، ويخرج على هذا أن لا تحريم أيضاً على مذهب من يرى أن النهي لا يعود بفساد المنهى ، والقياس المعارض لحمل الخل على التحريم أنه قد علم من ضرورة الشرع أن الأحكام المختلفة إنما هي للذوات المختلفة ، وأن الخمر غير ذات الخل ، والخل بإجماع حلال ، فإذا انتقلت ذات الخمر إلى ذات الخل وجب أن يكون حلالاً كيفما انتقل. (بداية المجتهد: ١/ ٣٤٨،كتاب الاطعمة

والاشربة، ط: دارنشرالکتب الاسلامیة).

مذہبِ شافعیہ کے دلائل:

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما إذا خللت بوضع شيء فيها فمذهبنا أنها لا تطهر وبه قال أحمد ... (المجموع شرح المهذب: ٢/٥٧٨، ط: دارالفکر).

مذہبِ حنابلہ کے دلائل:

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ذهب الحنفية والمالكية، وهو رواية عن أحمد إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة ... وكذلك الخمر إذا صارت خلاً سواء بنفسها أو بفعل إنسان أوغيره، لانقلاب العين، ولأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، فينتفي بانتفائها، فإذا صار العظم واللحم ملحاً أخذا حكم الملح؛ لأن الملح غير العظم واللحم. ونظائر ذلك في الشرع كثيرة. (الموسوعة الفقهية: ١٠/٢٧٨، وزارة الاوقاف).

المجمع الفقهي الإسلامي کے مجلّہ میں ہے:

إذا خللت الخمرة بطرح شيء فيها، أو قصد تخليلها، فاختلف فيها الفقهاء ...القول الثاني: يحل تخليل الخمرة بطرح شيء فيها وتطهر به. و به قال الحنفية، قول لمالك نقله أشهب عنه، وقول لأحمد، وهوالمفهوم من مذهب البخارى وابن حجر والقرطبي وبه قال أبوالدرداء والثوري والأوزاعي والليث بن سعد ... واستدل أصحاب القول الثاني ـ هم الحنفية ــ على قولهم بجواز تخليل الخمرة وأنها تحل وتطهربه، بما يلي:

(١) قوله تعالىٰ: ﴿و يحل لهم الطيبات﴾ [الاعراف: ١٥٧] **والخل من الطيبات.**

(٢) أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: " أيما إهاب دبغ فقد طهر كالخمر يخلل فيحل ". (رواه البيهقى فى الكبرى عن ام سلمة).

(۳) أن أباالدرداء رضی اللہ عنہ كان يأكل المرى الذي يجعل فيه الخمر، ويقول: ذبحته الشمس والملح. [قال ابن حجرؒ: المري: يعمل فى الشام يؤخذ الخمر فيجعل فيه الملح والسمک ويوضع فى الشمس فيتغيرعن طعم الخمر].

(۴) بالقياس ، فقالوا: ثم مارويناه أقرب إلى الصحة ؛ لأنه شبه دبغ الجلد بالتخليل ، والدبغ يكون بصنع العباد لا بطبعه ، فعرفنا أن المراد التخليل الذي يكون بصنع العباد ، والمعنى فيه أن هذا صلاح لجوهر فاسد ، فيكون من الحكمة والشرع أن لاينهى عما هو حكمة...

ومن هنا أقول: بأننا رأينا ستة من أكابر الفقهاء فيهم البخارى وابن حجر وابن الجوزي والطحاوي والقرطبي وابن رشد، إضافة إلى جميع الفقهاء الحنفية، وقول لمالک وقول في مذهب أحمد، وغيرهم ممن قدمنا في عرض الأقوال كل هولاء يرون أن التحليل أولى من التحريم في هذه المسألة ....

قلت: هذا هو الذي أرجحه ، وهو أن الخمرة إذا قصد تخليلها أو خللت بطرح شيء فيها أنها تطهر، بعد ذهاب الخمرية وانتقالها إلى حالة التخليل ، وصارت خلاً ... ومن هنا فإنه يسع أصحاب معامل الخمور أو من يعمل الخمرة لنفسه أن يحولوا معاملهم وخمورهم إلى ما فيه فائدة وحلال دون أن يريقوا هذه الخمور التي عندهم . والله تعالىٰ أعلم. (ملخص من مجمع الفقهى الاسلامی : ص ١٩٣-٢٠٧، ١٤٢٤ھ/ ٢٠٠٣ء).

شراب سے سرکہ بنانا احناف کے نزدیک جائز ہے اوراس نیت سے شراب رکھنا بھی جائز ہے،اورمسلمان کی ملکیت میں شراب آجائے تو واجب الاراقہ نہیں، نیز فیکٹریوں میں کارکنان اورفیکٹری کے مالکان بھی غیرمسلم ہیں جوشراب کے احکام کے پابندنہیں ہیں۔ہاں مسلمان کے لیے شراب خریدنا جائزنہیں ہے۔

ملاحظہ ہوعالمگیری میں ہے:

ولو أمسک الخمر في بيته للتخليل جاز ولا يأثم . (الفتاوى الهندية:٥/٣٧٣).

ہدایہ میں ہے: **کما إذا ورثهما ثم إن کان خمراً یخللها وإن کان خنزیراً یسیبه** . (الهدایة: ۳/۵۹).

البحرالرائق میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت یعني خل الخمر فلا فرق في ذلک بین أن یتخلل بنفسه أو یخلل بإلقاء شيء فیه کالملح أو الخل أو النقل من الظل إلی الشمس أو بإیقاد النار بالقرب منها. (البحرالرائق: ۸/۲۱۹، کوئته).(وکذا فی الفتاوی الشامی:٦/٤٥١، سعید، والفتاوی الهندیة: ٥/٤١٠).

مبسوط میں ہے:

فأما بیع الخمر من المسلم فباطل والثمن غیر مستحق له بل هو واجب الرد علی من أخذ منه . (المبسوط للامام السرخسی:٢٤/٤٩، دارالفکر، وبدائع الصنائع:٥/١٢٨، سعید).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والثالث: أنه یحرم تملیکها وتملکها بالبیع والهبة وغیرهما مما للعباد فیه صنع . (الفتاوی الهندیة:٥/٤١٠).

ہدایہ میں مرقوم ہے:

وانتقال الملک إلی الآمر أمر حکمي فلا یمتنع بسبب الإسلام کما إذا ورثهما ثم إن کان خمراً یخللها وإن کان خنزیراً یسیبه. (الهدایة:۳/۵۹). **واللہ ﷻ اعلم۔**

زیتون کے تیل کا حکم:

زیتون کا تیل بنانے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا اس کے مطابق زیتون کا تیل استعمال کرنا جائز اور درست ہے، کیونکہ اس طریقہ میں کوئی چیز خلافِ شریعت نہیں ہے اور نہ کوئی چیز حرام یا ناپاک استعمال کی جاتی ہے۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

حقہ پینے کا شرعی حکم:

سوال: کیا حقہ پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو مع الکراہت یا بلا کراہت؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آج سے تقریباً ۴۰۰ سال پہلے کفار نے حقہ کو ایجاد کیا تھا، پھر یہ بہت ہی عام ہو گیا، زمانہ ماضی میں حقہ بعض بیماریوں کا علاج سمجھا جاتا تھا، لیکن فی زماننا لوگ اس کو بطورِ فیشن شوقیہ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ نشہ آور ہے جیسا کہ اس کی بعض قسمیں نشہ آور ہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہے لیکن اگر نشہ آور نہیں ہے تو اس کا استعمال مکروہ ہوگا، اگر کوئی شخص اس کا عادی ہو تو اس پر لازم ہے کہ مسجد یا محفل وغیرہ میں جانے سے قبل اچھی طرح منہ کی صفائی کر لے، تاکہ انسان اور ملائکہ کو اس کی بد بو سے تکلیف نہ ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس بدبودار پودے میں سے کچھ کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس . (رواه مسلم: ١/٢٠٩).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال الإمام العيني رحمه الله في شرحه على صحيح البخاری، قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافاً لمن شذ، ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره ... (فتاوى الشامي: ١/٦٦١، احكام المساجد، سعيد).

تاہم حقہ پینے کی عادت بنانا مکروہِ شدید ہے کیونکہ اس میں درجِ ذیل نقصانات ہیں:

(۱) پھیپھڑے اور بدن کے دیگر اعضاء کے لیے ضرر رساں ہے۔

(۲) آدمی کے حواس میں کدورت آجاتی ہے۔

(۳) منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) اہل نار کے ساتھ تشبہ ہے، کیونکہ اس میں منہ اور ناک سے دھواں نکلتا ہے۔

(۵) حقہ کے عادی اس کو برا نہیں سمجھتے، اس سے برائی کی نفرت دل سے ختم ہو جاتی ہے۔

(۶) حقہ کے عادی برائی اور گندگی کے عادی ہو جاتے ہیں پھر ان کی زندگی میں صفائی ستھرائی نہیں رہتی۔ حالانکہ صفائی ستھرائی اسلامی شعار ہے۔

(۷) عموماً اس میں مبتلا لوگ فرائض وغیرہ میں کوتاہی اور سستی برتتے ہیں، کم از کم واجباتِ دنیوی میں ضرور کمی اور نقص آتا ہے۔

(۸) اس میں مال کا ضیاع ہے۔

(ماخوذ از امداد الفتاویٰ:۴/ ۹۷، ۹۸، وفتاویٰ محمودیہ:۱۸/ ۳۸۶، ۳۸۹، ۳۹۲، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

جس حقہ میں ناپاک یا نشہ آور چیزیں نوش کی جاتی ہیں وہ بالاتفاق حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ:۵/ ۴۷۰، ط: دیوبند)۔

وللمزید راجع: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ١٠ / ١٠٠ .١٠٥ ،وفتاوى الشامي: ٦/ ٤٥٩. ٤٦١، سعيد، وکفایت المفتی: ۹/ ۱۴۵۔۱۴۷، وامداد المفتین: ۲/ ۸۰۷، واحسن الفتاویٰ: ۸/ ۴۸۱، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۷۰۔۴۷۳، ط: دیوبند، وحلال وحرام، ص ۱۷۱، ومجموعہ فتاویٰ از مولانا عبد الحی لکھنویؒ، جلدِ دوم، ص ۲۹۵۔۲۹۷، ط: آرام باغ کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حقہ پینے کے مزید نقصانات:

ورجینیہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کا بیان ہے کہ: ہر وہ خطرہ جو سگریٹ پینے میں ہے وہ شیشہ پینے میں بھی ہے۔ برطانیہ کے محکمہ حفظانِ صحت کا بیان ہے کہ شیشہ سے پیا ہوا تمباکو سگریٹ سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

حقہ پینے کے چند مزید نقصانات حسبِ ذیل درج ہیں:

☆ اس میں ایسے زہریلے مادے ہوتے ہیں جن سے منہ کا کینسر، پھیپھڑے کا کینسر اور دل کی بیماریوں کا شدید اندیشہ ہے۔

☆ مسوڑھے کمزور ہو جاتے ہیں۔

☆ قوتِ مردانگی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

☆ ایک پائپ کئی لوگ استعمال کرتے ہیں اس کی وجہ سے ٹی، بی، ہیرپس (T.B. herpes) جیسی

بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

☆ شیشہ سے نکلنے والے دھویں میں بہت سے زہریلے مادے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

lesenic,lead,cobalt۔

☆ دیر تک استعمال کرنے کی صورت میں chronic obstructive pulomanary بیماری ہوسکتی ہے۔

تحقیق کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل ایسے فلیور (flavour) (جس میں تمبا کو ہوتا ہے) بھی بنائے جاتے ہیں جس میں تمبا کو بالکل نہیں ہوتا اگر یہ بات صحیح ہو اور مستعمل مکونات حلال ہو اور ان میں نقصان بھی نہ تو ایسے فلیور کا استعمال خلافِ اولیٰ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس فلیور میں تمبا کو ہو اور نقصان دہ ہو تو اس کا استعمال مکروہِ تحریمی ہے، البتہ جس فلیور میں تمبا کو بالکل نہ ہو بلکہ دوسری جائز اور حلال اشیاء ہوں تو اس استعمال خلافِ اولیٰ ہوگا۔

فقہاء کے کلام سے چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

وفي فتاوی أبی اللیث ذکر شمس الأئمة إذا کان یخاف علی نفسه من أکل الطین بأن کان یورث علة لا یباح له أکل الطین وکذا کل شيء أکله یورث ذلک. (البحرالرائق: ۸/ ۲۱۰، ط: کویته).

وفی الدرالمختار: التتن الذی حدث وکان حدوثه بدمشق فی سنة خمسة عشر بعد الألف... وفي رد المحتار: قوله والتتن، أقول: قد اضطربت أراء العلماء فیه فبعضهم قال بکراهته وبعضهم قال بحرمته وبعضهم بإباحته وأفردوه بالتألیف وفی شرح الوهبانیة للشرنبلالی:

ویمنع من بیع الدخان وشربه ☆ وشاربه فی الصوم لاشک یفطر

قلت: وألف في حله أیضاً سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالة سماها الصلح بین الأخوان في إباحة شرب الدخان ...الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۶/ ۴۵۹، سعید).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۰۱/۱۰، ۱۰۷، وزارة الاوقاف، الكويت، وحكم الدين فى عادة التدخين، للشيخ طارق الطوارى، الاستاذ بكلية الشريعه، جامعة الكويت، ورسالہ تمبا کو اور اسلام، از مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی ندوی، ط: بیت العلم ٹرسٹ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الکحول کا شرعی حکم:

سوال: الکحول کا کیا حکم ہے؟ اس کو استعمال کرنا، اسی طرح اس کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ آج کل اس میں ابتلائے عام ہے لہذا تفصیلی جواب مرحمت فرمائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو الکحول یا اسپرٹ، منقیٰ، انگور، یا کھجور کی شراب سے بنایا گیا ہو وہ بالاتفاق ناپاک ہے، اس کا استعمال اور اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔

وہ الکحول یا اسپرٹ جو مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً جو، آلو، شہد وغیرہ کی شراب سے بنایا گیا ہو اس کی نجاست اور حرمت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی اتنی مقدار حلال ہے جس سے نشہ نہ ہو۔ جب کہ اس کو صحیح مقصد کے لیے استعمال کیا جائے، طرب اور لہو لعب کے طور پر نہ ہو۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک تھوڑی مقدار بھی ناجائز ہے، عام حالات میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے مگر اسپرٹ میں عمومِ بلویٰ کی وجہ سے شیخین کے قول کے مطابق گنجائش ہے۔

نیز جن صورتوں میں الکحول یا اسپرٹ کے استعمال کی اجازت ہے ان صورتوں ان کی بیع وشراء کی بھی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

وقال في الجامع الصغير وما سوى ذلك من الأشربة فلا بأس به قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ ولا يحد شاربه عنده وإن أسكر منه...وعن محمد أنه حرام ...وكان أبو يوسفؒ يقول ...ثم رجع إلى قول أبي حنيفةؒ وقوله الأول مثل قول محمدؒ

... قال: و نبيذ العسل والتين ونبيذ الحنطة والذرة والشعير حلال وإن لم يطبخ وهذا عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ إذا كان من غير لهو و طرب . (الهداية:٤/ ٤٩٦،٤٩٧،كتاب الاشربة).

تکمله فتح الملهم میں ہے:

و بيع الأشربة المحرمة أو المسكرة منعقد عندهم مع الكراهة . والظاهر أن هذه الكراهة إنما تثبت إذا تعاطاه الرجل لغرض غير مشروع ، وأما إذا تعاطاه لغرض مشروع، كالدواء ، والضماد وغيره فيما يجوز استعماله فيه ، فالظاهر أن لاكراهة أيضاً . وإنما نبهت على هذا لأن " الكحول " المسكرة (Alcohols) اليوم صارت تستعمل فى معظم الأدوية ولأغراض كيمياوية أخرى، ولا تستغنى عنها كثير من الصناعات الحديثة ، وقد عمت بها البلوىٰ، واشتدت إليها الحاجة ، والحكم فيها على قول أبي حنيفةؒ سهل ، لأنها إن لم تكن مصنوعة من النيء من ماء العنب ، فلا يحرم بيعها عنده ، والذي ظهر لي أن معظم هذه الكحول لا تصنع من العنب ، بل تصنع من غيرها ، وراجعت له دائرة المعارف البريطانية المطبوعة : ١٩٥٠م (١/ ٥٤٤) فوجدت فيها جدولاً للمواد التي تصنع منها هذه الكحول، فذكر في جملتها العسل ، والدبس ، والحب ، والشعير، والجودار، وعصير أناناس (التفاح الصوبرى) ، والسلفات ، والكبريتات ، ولم يذكرفيه العنب والتمر .

فالحاصل أن هذه " الكحول" لو لم تكن مصنوعة من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاق بين أبي حنيفةؒ وصاحبيه ، وإن كانت مصنوعة من التمر أو من المطبوخ من عصير العنب ، فكذلک عند أبي حنيفةؒ ، خلافاً لصاحبيه ، ولوكانت مصنوعة من العنب النيء فبيعها حرام عندهم جميعاً ، والظاهر أن معظم " الكحول " لاتصنع من عنب، ولا تمر، فينبغى أن يجوز بيعها لأغراض مشروعة فى قول علماء الحنفية جميعاً . (تكملة فتح الملهم:١/ ٥٥١،حكم الكحول المسكرة).

علامہ محمد بن بخیت المطیعی مفتی الدیار المصریہ(۱۲۷۱۔۱۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

وما كان مستحضراً من الثمار والحبوب والأخشاب فهو طاهر، وهذا الصنف هو الرائج والغالب استعماله في المتجر على ما بلغنا ممن بحثوا عنه .

بقي ما لو أضافوا السبيرتو على الأدوية، وعلى الروائح العطرية كالكلونيا، لإصلاحها فهل يعفى عنه؟ فنقول : أما السبيرتو المأخوذ من الأشياء الطاهرة كالحبوب والأخشاب، فالأدوية والروائح العطرية المخلوطة به طاهرة . (الفتاوى للامام العلامة محمدبن بخيت المطيعي مفتي الديار المصرية، ص۱۹، ط:دارالصديق للعلوم).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔ (امدادالفتاویٰ:۱/ ۱۳۷، و۴/ ۲۰۹)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں:

الکحول اصل میں شراب کے جوہر کو اور تلچھٹ کو کہتے ہیں...دواؤں میں عام طور پر اسپرٹ ڈالی جاتی ہے اور اسپرٹ کا ان چار شرابوں کی جنس سے ہونا ضروری نہیں جو نجس العین ہوتی ہیں بلکہ گڑ وغیرہ سے بھی بن جاتی ہے، لہذا جب تک دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ اسپرٹ جو اس دوا میں پڑی ہوئی ہے وہ انہی شرابوں کا جوہر یا تلچھٹ ہے جو نجس العین ہوتے ہیں اس وقت تک اس اسپرٹ کو ناپاک ونجس نہیں کہہ سکتے اور اس کا استعمال کرنا یا ان دواؤں کا استعمال کرنا جس میں یہ اسپرٹ پڑی ہونا جائز وحرام نہیں کہہ سکتے۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ ص۳۶۱)۔

نظام الفتاویٰ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اشربہ اربعہ محرمہ کے علاوہ سے بنایا گیا ہو تو اس میں گنجائش ہے۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

...اور جو الکحول انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل کیا گیا ہو، ازراہِ نشہ اس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے، دوا کے طور پر ظاہر ہے کہ اس کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہے...(کتاب الفتاویٰ:۶/ ۲۰۷)۔

انعام الباری میں ہے:

الکحول کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ یہ نجس نہیں ہے اور اس کی بیع جائز ہے اس لیے کہ اس کا استعمال بھی ممکن ہے جیسے دوا وغیرہ کے اندر استعمال کیا جاتا ہے یا دوسرے سائنٹیفک اغراض کے لیے اسی سے روشنائی بناتے ہیں اور خوشبو کے اندر بھی ڈالی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ ،اس واسطے اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔(انعام الباری: ۲۱۲/۶)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۹۶/۱۔۹۸،وکتاب الفتاویٰ: ۲۰۶/۶۔۲۰۷،وتکملۃ فتح الملہم: ۵۹۹/۳۔۶۰۸،باب تحریم الخمر،واسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۱/۴). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿هل أتاك حديث ضيف إبراهيم المكرمين إذ دخلوا عليه فقالوا: سلاماً، قال: سلام قوم منكرون، فراغ إلى أهله فجاء بعجل سمين، فقربه إليهم قال: ألا تاكلون﴾.

[سورة الذاريات].

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: تعلم عمر بن الخطاب رضي الله عنه البقرة في اثنتى عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً.

(شعب الايمان).

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لما قدم المدینة نحر جزوراً أو بقرة" (بخاری شریف).

باب ...... ﴿۲﴾

ضیافت ومہمانی کے آداب واحکام کا بیان

ختمِ قرآن کے موقع پر دعوت کا حکم:

سوال: ختمِ قرآن کے موقع پر دعوت کا کیا حکم ہے؟ اور اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ختمِ قرآن کے موقع پر دعوتِ طعام اور اجتماعی دعا دونوں احادیث سے ثابت ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ ختم فرمائی تو اونٹ ذبح فرمایا اور دعوت فرمائی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (۱۸۰۵) **بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه قال: تعلم عمر بن الخطاب رضي الله عنه البقرة في اثنتى عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً.**

(۲) علامہ ابن طولون نے "**فص الخواتم في ما قيل فى الولائم**" میں حفظ قرآن کے موقع پر دعوت کرنے اور اس میں لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں چند روایات نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو فص الخواتم میں ہے:

"الاحتفال بحذاق الصبيان": وروى الدوري في جزء ه عن أبي بكر الهذلي قال: سألت الحسن يعنى البصريَّ وعِكرمة عن الصبي نبتت أسنانه فينثر عليه الجوز، فقالا: حلال.

وعن یونس بن عبید قال: طرق ابن لعبد اللّٰہ بن الحسن فقال عبد اللّٰہ: إن فلاناً قد حذِق والمعلم یطلب، قال: فماذا یرید؟ أعطه درهماً. قال: سبحان اللّٰہ ! قال: فأَعطِه درهمین . قال: إنه لا یرضیٰ ! فقال الحسن رضی اللّٰہ عنه : کانوا إذا حذِق الغلام قبل الیوم نحروا جزوراً ، واتخذوا طعاماً.

وعن بن سلمة عن حمید قال: کانوا یستحبون إذا جمع الصبيُّ القرآنَ أن یذبح الرجل الشاة ویدعو أصحابه . (فص الخواتم فیما قیل فی الولائم، ص۹).

حِذاق/حذاقة : هي الإطعام عند ختم القرآن . ویقال للیوم الذی یختم فیه القرآن هذا یوم حِذاقة . وکذا إذا تعلم الآداب ، وکذا إذا نبتت أسنان الصغیر ، ونحو ذلک .

ختمِ قرآن کی دعوت کو حذاق کہتے ہیں۔بعض کہتے ہیں جب بچہ بولنا شروع کرے اس وقت کی دعوت کو حذاق/حذاقہ کہتے ہیں۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن یسار: أنه کان لأبي مسعود رضی اللہ عنہ صبیان فی الکتاب فأرادوا أن ینتهبوا علیهم فاشتری لهم جوزاً بدرهمین وکره أن ینتهبوا مع الصبیان. فقد یجوز أن یکون ذلک علی الخوف منه علیهم من النهبة لا لغیر ذلک. (شرح معانی الآثارللامام الطحاوی، رقم: ۴۱۱۲).

عن خالد بن سعید : أن غلاماً من الکتاب حذق فأمر أبومسعود رضی اللہ عنہ فاشتری لصبیانه بدرهم جوزاً وکره النهب. (السنن الکبری للامام البیهقی ،رقم۱۵۰۷۲، باب ماجاء فی النثارفی الفرح).

طحاوی شریف اور بیہقی سنن کبریٰ دونوں کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو بدری رضی اللہ عنہ کے ہاں مکتب میں کچھ بچوں نے حفظ کیا یا قرآن میں مہارت حاصل کی تو حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے کچھ اخروٹ خریدے اور تقسیم کیے کیونکہ ان کے نزدیک لٹانا مکروہ تھا،اس سے پتہ چلتا ہے کہ ختمِ قرآن کے موقع پر کچھ دعوت کا انتظام کرنا درست ہے۔

دعوتِ طعام کی مختلف اقسام:

قال الكرماني: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: ـ الوليمة للعرس والخرس للولادة والعذار للختان والوكيرة للبناء والنقيعة لقدوم المسافر من النقع وهو الغبار والوضيمة للمصيبة والعقيقة لتسمية الولد يوم السابع والمأدبة للطعام المتخذ للضيافة بلاسبب وكلها مستحبة إلا الوليمة فإنها تجب عند قوم. (حاشية البخاري باختصار:۲/۷۷۶).

کھانا کھلانے کی بہت سی اقسام ہیں۔ ملاحظہ ہو مجلّہ المآثر میں ہے:

ہمارے علمائے اسلام ،فقہاء اور شراحِ حدیث نے دعوت اور ولیمہ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اہتمام سے اس کو ذکر کیا ہے کہ چند خاص مناسبتوں و مواقع پر عہد قدیم سے دعوتوں کا سلسلہ چلا آرہا ہے حتی کہ عربی میں ہر موقع و مناسبت کی دعوت کے لیے عنوان بھی الگ الگ ہے، اگر چہ تعداد میں کچھ اختلاف ہے۔ فقہائے احناف میں امام طحاویؒ وشامیؒ وغیرہ نے گیارہ قسم کی دعوتیں نقل کی ہیں، جب کہ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ وغیرہ نے آٹھ کا تذکرہ کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے بعض اقسام کا ذکر رہ گیا ہے۔ (مجلّہ، ص۴۸)

دعوت کی چند اقسام کو اس جملہ میں جمع کیا گیا ہے:

”أنعموا مُخَّا“. (اچھے آدمی کو کھانا کھلا کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو)۔

ا : **إعــذار: ختنہ کی دعوت**:۔ اسے عذیرہ بھی کہتے ہیں۔ بچوں کے ختنہ کی دعوت کو اعلاء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے مستحب فرمایا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: **عن نافع قال: كان ابن عمر** رضی اللہ عنہ **يطعم على ختان الصبيان**. (رقم:۱۷۴۵۱) . اور جن حضرات نے منع کیا ہے ان کے قول کو حافظ ابن حجرؒ نے بچیوں کے ختنہ پر محمول فرمایا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ختنہ کی دعوت فی نفسہٖ مستحب اور سلفِ صالحین سے ثابت ہے لیکن اس کا التزام اور پابندی اور اس کو سنت سمجھنا درست نہیں۔ مزید دیکھئے: (اعلاء السنن:۱۱/ ۱۷، ومجلّہ المآثر ص۵۰۔۵۵)۔

ن : **نقيعه**: سفر سے واپسی کی دعوت۔ یہ لفظ ”**نقع**“ سے ماخوذ ہے، جو غبار کے معنی میں ہے۔

ع : **عقیقہ**: ولادت کے ساتویں دن کی دعوت۔

ع : **عتيـرة**: اوائل رجب کا ذبیحہ اور دعوت، جو قبل الاسلام غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔ اسلام میں

اللہ کے لئے ہو گیا پھر بعد میں اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔

م : **مائدة / مأدبة:** دوست واحباب کے لیے عام دعوت جس کا کوئی خاص سبب نہ ہو یا یہ کہ دوسرے اسبابِ دعوت نہ ہوں۔

و : ولیمہ: نکاح کے بعد زوجین کی ملاقات کی مناسبت سے دعوت۔ (یہ دعوت مسنون ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم زکریا جلدِ سوم، باب الولیمہ)۔

و : **وكيرة :** نئے مکان کی دعوت۔

و : **وضيمة :** کسی مصیبت کے موقع کی دعوت (ہمدردوں و پڑوسیوں وغیرہ کی طرف سے)۔

م: **الملاک:** عقدِ نکاح کے موقع کی دعوت۔

خ: **الخرس:** ولادت کی دعوت۔

اقسامِ دعوت کی مختصر وضاحت:

☆ نقیعة کی تعیین کے بارے میں دو قول ہیں: **يصنعها القادم من السفر أو تُصنع له.**

یعنی جو کھانا آدمی سفر سے واپس آنے پر لوگوں کے لئے تیار کرے۔ یا لوگ اس کے لئے تیار کریں۔

بعض کہتے ہیں: جو کھانا مسافر تیار کرے اسے نقیعہ کہتے ہیں اور جو کھانا لوگ مسافر کی آمد پر بنائیں اسے تحفہ کہتے ہیں۔(فتح الباري:٩/ ٢٤١).

سفر سے واپسی کے موقع پر دعوت سے متعلق بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر سے واپسی پر اونٹ یا گائے ذبح فرمائی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب الطعام عند القدوم وكان ابن عمر ﷛ يفطر لمن يغشاه ، قال: حدثني محمد أخبرنا وكيع عن شعبة عن محارب بن دثار عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم المدينة نحر جزوراً أو بقرة . (بخارى شريف:١/ ٤٣٤، رقم: ٣٠٨٩).

☆ عتیرہ منسوخ ہے۔ ملاحظہ ہو صحیحین کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا فرع ولا عتيرة ... والعتيرة في رجب . (بخاری۲/ ۸۲۲ باب العتيرة. مسلم ۲/۱۵۹ باب الفرع والعتيرة).

☆ **مأدبة** میں علماء نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

نَقَرٰی: إن كانت لقوم مخصوصين. وجفلٰی: إن كانت عامة.

طرفہ بن عبد اپنی قوم کی تعریف میں کہتے ہیں:

نحن في المَشْتَاةِ نَدعُوالجَفَلٰی ☆ لا تَرى الآدِبَ فينا يَنتَقِر

یعنی جب ہماری قوم کا کوئی آدمی (موسمِ سرما میں) دعوت دیتا ہے تو سب کو بلاتا ہے۔ دعوت دینے والا آدمی کبھی خاص دعوت نہیں کرتا۔ (فتح الباري۹/۲۴۱- ۲۴۲. ديوان طرفة بن العبد ص۲۹).

مأدبة : دوست واحباب کو بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانے کے لئے جمع کرنا۔ یہ مستحب ہے، اور متعدد روایات وواقعات میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بطورِ ''مشتِ نمونہ از خروارے'' چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

جاءَ ت ملائكة إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو نائم، فقال بعضهم: إنه نائم، وقال بعضهم : إن العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: إن لصاحبكم هذا مثلاً فاضرِبوا له مثلاً ... فقالوا: مَثَلُه كَمَثل رَجل بنٰى دَارًا وجَعل فيها مأدُبةً وبَعث داعياً، فَمن أَجابَ الداعيَ دَخل الدارَ وأَكلَ مِن المأدبة، ومَن لَم يُجِب الداعي لَم يدخل الدارَ ولم يأكل من المأدبة. (رواه البخاری:۲/۱۰۸۱، الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم).

اس حدیث شریف میں کھانے کی عام دعوت کے لئے آدمی کو بھیج کر لوگوں کو بلانے کا ذکر ہے، جس کا کوئی ظاہری سبب نہیں۔

(۲) مسلم شریف کی روایت ہے:

قال (عبد اللّٰه بن رباح): وَفَدتُ وفودا إلٰى معاوية رضی اللہ عنہ، وذلک في رمضان، فكان يصنع بعضنا لبعض الطعام، وكان أبو هريرة رضی اللہ عنہ مما يكثرأن يدعونا إلٰى رَحله. فقلت: ألا

أصنع طعاما فأدعوهم إلى رحلي، فأمرت بطعام يُصنع، ثم لقيت أبا هريرة من العشي فقلت: الدعوة عندی الليلة، فقال: سبقتني؟ قلت: نعم، فدعوتهم، فقال أبو هريرة ﷺ: ألا أُعلِمكم بحديث من حديثكم يا معشر الأنصار، ثم ذكر فتح مكة. (رواه مسلم: ١٠٢/٢، باب فتح مكة).

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بہت کثرت سے اپنے ساتھیوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور ایک دن عبداللہ بن رباح نے ساتھیوں کی دعوت کی، چنانچہ ابو ہریرہ ﷺ نے بھی کھانے میں شرکت کی اور پھر انہیں فتح مکہ کا قصہ سنایا۔

(۳) صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوشعیب ﷺ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دیگر چار صحابہ کی دعوت فرمائی۔

عن أبي مسعود الأنصاري ﷺ قال: كان من الأنصار رجل يقال له : أبو شعيب، وكان له غلام لحّام، فقال: اصنع لي طعامًا أدعو رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم خامسَ خمسة، فدعا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم خامسَ خمسة، فتبعهم رجل... الحديث. (رواه البخاری ٨١٧/٢، الرجل يتكلف الطعام لإخوانه ، و مسلم:١٧٦/٢، ما يفعل الضيف إذا تبعه غير من دعاه صاحب الطعام).

(۴) مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پڑوسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی کہ میرے ساتھ حضرت عائشہ ؓ کو بھی دعوت ہے؟ اس نے دو مرتبہ انکار کرنے کے بعد تیسری مرتبہ میں حضرت عائشہ ؓ کو بھی دعوت دی۔

حدیث شریف یہ ہے:

عن أنس ﷺ أن جاراً لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فارِسِيًّا كان طيِّب المَرق، فصنع لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثم جاء يدعوه، فقال: وهذه؟ لعائشة، فقال: لا، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : لا، فعاد يدعوه ... قال: نعم، فی الثالثة. (رواه مسلم: ١٧٦/٢).

(۵) متعدد روایات میں یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے کہ جب تمہیں تمہارا بھائی دعوت دے تو اسے قبول

کرو، اس لئے کہ یہ فائدہ سے خالی نہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تب بھی دعوت قبول کرے۔

اس حدیث سے دلالۃ النص کے طور پر اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں دوستوں کو دعوت دینے کا رواج تھا۔

نیز صحابہ کرام کا دعوت کرنا اور اسے قبول کرنا بھی متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

(٦) عن أبي وائل قال: ما شهِد عبد اللّٰه مَجمعا ولا مأدُبةً فيقومَ حتّٰى يحمد ويصلي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (مصنف ابن أبي شيبه ١٥/٣٨٠/٣٠٤٢٩، من كان يصلي على النبي ﷺ ويحمد اللّٰه قبل أن يقوم من مجلسه).

امام بخاری نے الادب المفرد میں مأدبۃ سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے۔

☆ اہل میت کے واسطے کھانا بھیجنا پڑوسیوں اور اہل قرابت کے لئے مستحب ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن جعفر رضي الله عنه قال: لماجاء نعي جعفر رضي الله عنه قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: اصنعوا لأهل جعفر طعاماً، فإنه قدجاء هم مايَشغَلهم. (رواه الترمذي ١/١٩٥، ما جاء فى الطعام يصنع لأهل الميت).

ابن ماجہ میں ہے:

قال: لما أصيبَ جعفر رضي الله عنه رجع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى أهله فقال: إن آل جعفر قد شُغِلوا بشأن ميتهم فاصنعوا لهم طعاماً. قال عبداللّٰه (أحد الرواة): فما زالت سنة حتّٰى كان حديثاً فتُرِك. (سنن ابن ماجه: ١١٥، فى الطعام يبعث إلى أهب الميت).

شامی میں ہے:

قال في الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم، يشبعهم يومَهم وليلهم لقوله صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لآل جعفرؓ طعاماً... حسنه الترمذي وصحَّحه الحاكم. (رد المحتار: ٢/٢٤٠، سعيد).

وللمزید راجع: (رد المحتار:٦/٦٦٥،سعيد، و الفتاوى الهندية: ١/١٦٧ و ٥/٣٤٤، و فتح القدير: ٢/١٤٢، دارالفكر).

نیز اہل میت کا اپنے اہل وعیال اور جنازہ میں شرکت کے لئے جو رشتہ دار وغیرہ آئے ہوں، ان کے لئے کھانا پکانا جائز ہے بشرطیکہ کھانے کی عام دعوت نہ ہو، کھانا متوسط درجے کا ہو اور کسی دن کی تخصیص نہ ہو۔اس کے بارے میں مدلل ومفصل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دارالعلوم زکریا ۳/ ۵۸-۶۱)۔

☆ ''ملاک'' کا دوسرا نام بعض نے ''شندخية'' ذکر کیا ہے۔

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ جائز ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنانا چاہئے، نیز اگر شادی میں شرکت کے لئے آنے والے رشتہ داروں کے لئے کھانا بنایا جائے تو درست ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دارالعلوم زکریا ۳/ ۲۳۶-۲۳۸)۔

مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ درجِ ذیل قسموں کا ذکر بھی ملتا ہے:

(۱) **قِرى: ما يُصنَع للضيف.**

(۲) **السُّلفة واللُّهنة:** وہ مختصر کھانا جو دوپہر کے کھانے سے پہلے کھایا جائے، یا اصل کھانا تیار ہونے سے پہلے تھوڑا سا کھانا کھایا جائے۔

کھانے کی ان اقسام کو بعض علماء نے اشعار میں جمع کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں: (رد المحتار ٦/١٦، نقلا عن حاشية الطحطاوي على الدرالمختار٤/١٠).

اسی طرح ''فصّ الخواتم فيما قيل في الولائم'' کے آخر میں علامہ ابن طولونؒ نے مختلف علمائے کرام کے ۸، منظومے ذکر فرمائے ہیں، جو کھانے کی مذکورہ اقسام کے بیان پر مشتمل ہیں۔ان میں سے سب سے پہلا منظومہ حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

إن الولائم عشرة مع واحد ☆ من عدها قد عز في أقرانه

فالخرس إن نفست، كذاك عقيقة ☆ للطفل، والإعذار عند ختانه

ولحفظ قرآن وآداب لقد ☆ قال: الحذاق لحذقه وبيانه

ثم الملاک لعقده وولیمة ☆ في عرسه ، فاحرص علی أعلانه
وکذاک مأدبة بلا سبب یری ☆ و وکیرة لبنائه لمکانه
ونقیعة لقدومه ، و وضیمة ☆ من أقرباء المیت أو جیرانه
و لأول الشهر الأصم عتیرة ☆ جاء ت هدیت کذا لرفعة شانه

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(شرح النووي علی مسلم :١/٤٥٨، باب صداق المرأة، وفتح الباری :٩/٢٤١-٢٤٢، و عمدة القاري :١٤/١١١، ورد المحتار :٦/١٦، و الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة: دعوة، و فقه اللغة للثعالبي ص: ٢٨٧، الباب الرابع والعشرون، ط:بيروت، والتعريفات الفقهية ، ص ٢٤٠،ط: بيروت، ورد المحتار: ٦/١٦، سعيد، والتمهيد لابن عبدالبر: ١٠/١٨٢، ومجلة المآثر للشيخ المحدث حبيب الرحمن الاعظمی،ص٤٨۔٥١). **واللہ ﷻ اعلم۔**

ختم القرآن کے موقع پر اجتماعی دعا کا ثبوت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن پاک ختم فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرکے اجتماعی دعا فرماتے تھے۔
ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر میں ہے:

عن ثابت ، أن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ کان إذا ختم القرآن جمع أهله وولده فدعا لهم.
(المعجم الکبیر للطبرانی،رقم:٦٧٤).

قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، باب الدعاء عندختم القرآن).

عن إبراهيم التيمي، قال: قال عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ : من ختم القرآن فله دعوة مستجابة ، قال: فكان عبد اللّٰه إذا ختم القرآن جمع أهله ثم دعا وأمنوا على دعائه. (اخرجه القاسم بن سلام فی فضائل القرآن ،رقم:٨٧،باب فضل ختم القرآن).

وعن أبي قلابة ، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : " من شهد خاتمة القرآن کان کمن شهد الغنائم حين تقسم ، ومن شهد فاتحة القرآن کان کمن شهد فتحاً في سبيل

اللّٰـه "، قـال: وقـال الـمرى ، عن قتادة : كان بالمدينة رجل يقرأ القرآن من أوله إلى آخره عـلـى أصـحاب له ، فكان ابن عباس ﷺ يـضـع عـلـيـه الـرقباء ، فإذا كان عند الختم جاء ابن عباس ﷺ فشهده . (اخرجه ايضاً القاسم بن سلام فی فضائل القرآن ،رقم: ٨٦).

و عـن مـجـاهـد قـال: كـانوا يجتمعون عند ختم القرآن و يقول : الرحمة تنزل . (قيام رمضان لمحمدبن نصرالمروزی،ص٨٩).

عـن الـحـكـم عن مجاهد قال: بعث إلي قال: إنما دعوناک إنا أردنا أن نختم القرآن وأنـه بـلـغـنـا أن الدعاء يستجاب عند ختم القرآن قال: فدعوا بدعوات . (رواه الدارقطنی ،رقم: ٣٤٨٢، قال حسین سلیم اسد: اسناده صحیح،والبیهقی فی شعب الایمان،رقم:١٩٠٩).

وعـن أنس بن مالک ﷺ قـال: قـال رسـول الـلّٰـه صلى الله عليه وسلم : له عند ختم القرآن دعوة مستجابة وشجرة فى الجنة. (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان،رقم: ١٩٢٠).

کنزالعمال میں ایک روایت مذکور ہے:

و مـن " مسند أنس بن مالک ﷺ" عن أنس بن مالک ﷺ قـال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا ختم جمع أهله ودعا " ، ابن النجار . (کنزالعمال :٤٢١٩/٣٤٩/٢).

عالمگیری میں ہے:

ويستـحـب له أن يجمع أهله وولده عند الختم ويدعو لهم ، كذا فى الينابيع . (الفتاوى الهندية:٣١٧/٥).

امام قرطبی فرماتے ہیں: **قلت: ويستحب له إذا ختم القرآن أن يجمع أهله .** (الجامع لاحکام القرآن :٢٥/١،مقدمة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نئے مکان کی خوشی میں دعوت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نئے مکان کی خوشی میں دعوت کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نئے مکان کی خوشی میں دعوت کرنے کا ثبوت بعض روایات سے ملتا ہے، البتہ اس کو مسنون نہیں سمجھنا چاہئے۔

أخرج الطبراني فی الأوسط (۳۹۴۸) **بسنده عن مجاهد عن أبي هريرة ﷺ قال: الوليمة حق وسنة فمن دعی فلم يجب فقد عصى الله ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيارقال: قلت: إني والله لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكيرقال: الخرس: الولادة ، و الإعذار : الختان ، والتوكير : الرجل يبنى الدار وينزل فی القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاء وا جاؤوا وإن شاء وا قعدوا. لم يرو هذا الحديث عن إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمى تفرد به الصلت بن مسعود .**

قال الهيثمي : يحيى بن عثمان التيمى وثقه أبوحاتم الرازى وابن حبان وضعفه البخارى وغيره وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:٤/٥٢،دارالفكر).

قال الإمام الطحاويؒ: وكانت الوليمة صنفاً من الأطعمة ؛ لأن فی الأطعمة أصنافاً سواها نحن ذاكروها فی هذا الباب إن شاء الله . وهو ما سمعت أحمد بن أبي عمران يقول: كانت العرب تسمى الطعام الذي يطعمه الرجل إذا ولد له مولود : طعام الخرس ، وتسمى طعام الختان طعام الإعذار، يقولون : قد أعذر على ولده ، وإذا بنى الرجل داراً أو اشتراها فأطعم قيل: طعام الوكيرة ، أى من الوكر ، وإذا قدم من سفر فأطعم قيل : طعام النقيعة ... (مشكل الآثار:٧/٣٧/٢٥٥٨).

علامہ سخاویؒ المقاصد الحسنہ میں ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

حديث: ” من سر فليولم “ هو كلام صحيح ، والولائم مشروعة عند التزوج ووكيرة الدار والقدوم من سفر وجملة مما نظم ونثر. (المقاصدالحسنة،رقم ١١٣١).

قال الكرماني: قالوا : والضيافة ثمانية أنواع:ــ الوليمة للعرس والخرس للولادة والعذار للختان والوكيرة للبناء ... (حاشية البخارى باختصار:٢/٧٧٦).

علامہ ظفر احمد عثمانی اعلاء السنن میں المغنی سے نقل فرماتے ہیں:

فحکم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة ، لما فيها من إطعام الطعام والإجابة إليها مستحبة غير واجبة ، وهذا قول مالك و الشافعی وأبي حنيفة وأصحابه...قلت: وكل ذلک موافق لمذهبنا معشر الحنفية ، وما كان خلافاً نبهت عليه كما ترى، والله أعلم. (اعلاء السنن: ۱۱/ ۱۷، تفصيل احكام الوليمة واقسامها، ادارة القرآن).

یعنی ولیمہ کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اور ان کا قبول کرنا بھی مستحب ہے، یہی امام مالک وامام شافعی وامام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔... یہ سب ہم احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ جہاں کوئی بات مذہب کے خلاف تھی وہاں میں نے تنبیہ کردی ہے۔

شافعی علماء میں سے شیخ الاسلام زکریا الانصاری اسنی المطالب (۳/ ۲۲۴، ط: بیروت) میں اور شیخ محمد الخطیب الشربینی مغنی المحتاج (۳/ ۲۴۵، ط: دار الفکر) میں اقسامِ دعوت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”**والكل مستحب**“.

نیز افتتاحِ مسجد یا نئے مکان یا دیگر خوشی کے موقع پر صلحا کو دعوت دینا اور ان سے تبرک حاصل کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع أنه عقل رسول الله صلى الله عليه وسلم وعقل مجة مجها في وجهه من بئر كانت في دارهم فزعم محمود أنه سمع عتبان بن مالک الأنصاري وكان ممن شهد بدراً مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كنت أصلي لقومي بني سالم وكان يحول بيني وبينهم وادٍ إذا جاء ت الأمطار يشق علي اجتيازه قبل مسجدهم فجئت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت له: إني أنكرت بصري...فوددت أنک تأتي فتصلي من بيتي مكاناً أتخذه مصلى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل فغدا علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر رضي الله عنه بعد ما اشتد النهار...فصلى ركعتين ثم سلم فسلمنا حين سلم وحبسته على خزيرة تصنع له فسمع أهل الدار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي فثاب رجال منهم حتى كثر الرجال في

البيت ...الخ. (رواه البخاری:۱/۱۵۸،باب صلاة النوافل ،ط:فیصل).

قال العلامة العيني: ذكر ما يستفاد منه وهو خمسة وخمسون فائدة...العشرون: التبرك بآثار الصالحين ...الثلاثون: صنع الطعام للكبير عند اتيانه لهم وإن لم يعلم بذلك. (عمدة القاری : ۵/۵۵۸،ط: ملتان). **واللہ ﷻ اعلم۔**

درسِ نظامی سے فراغت پر دعوت کا حکم:

سوال: اکثر مدارس میں دورۂ حدیث کے طلباء سال کے آخر میں دعوت کرتے ہیں ، یہ دعوت برضا و رغبت ہوتی ہے بلا کسی اخلاقی جبر کے،کوئی بھی اس کو شریعت کا حصہ نہیں سمجھتا، کیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل ۔

الجواب: خوشی کے موقع پر دعوت کرنا احادیث سے ثابت ہے،اور درس نظامی سے فراغت بھی باعثِ مسرت ہے،لہذا سوال میں مذکورہ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے ۔اور دعوت قبول کرنا مستحب ہے۔ہاں فخر وریا اور نمود وشہرت اور اسراف سے بچنا چاہئے ۔نیز نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع نہ ہو اور اس کو رسم ورواج کا درجہ دیکر ضروری نہ سمجھے۔

احادیث سے چند نظائر ملاحظہ کیجئے:

أخرج مسلم (۱٤۲۹) **بسنده عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **أنه كان يقول عن النبي صلى الله عليه وسلم: إذا دعا أحدكم أخاه فليجب عرساً كان أو غير نحوه .**

والأمر بالإجابة محمول على الاستحباب. (اعلاء السنن:۱۱/۱۷).

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ ختم فرمائی تو اس کی خوشی میں اونٹ ذبح فرمایا اور دعوت فرمائی۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) أخرج الإمام البيهقي فى شعب الإيمان (۱۸۰۵) **بسنده عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال: تعلم**

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ البقرة في اثنتي عشرة سنة ، فلما ختمها نحر جزوراً .

(۲) علامہ ابن طولون نے "**فص الخواتم في ما قيل فى الولائم**" میں حفظ قرآن کی خوشی کے موقع پر دعوت کرنے اوراس میں لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق ایک فصل قائم کی ہے اوراس میں چند روایات نقل کی ہیں جن کا تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

عن عبد اللّٰه بن رباح قال: وفدت وفود إلى معاوية رضی اللہ عنہ وذلک في رمضان فكان يصنع بعضنا لبعض الطعام وكان أبوهريرة رضی اللہ عنہ مما يكثر أن يدعونا إلى رحله فقلت: ألا أصنع طعاماً فأدعوهم إلى رحلي فأمرت بطعام يصنع ثم لقيت أباهريرة رضی اللہ عنہ من العشي فقلت: الدعوة عندى الليلة فقال: سبقتني فقلت: نعم ، فدعوتهم. (اخرجه مسلم ،رقم: ۱۷۸۰).

وعن أبى العالية ؛ أن أباموسى نحر جزوراً فأطعم أصحابه ، ثم قاموا يصلون بغير طهور ... (مصنف ابن ابی شيبة :۱/٤٦/٥١٦).

علاوہ ازیں ذخیرۂ احادیث میں دعوتِ طعام کی بہت ساری روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ طعام پیش کی آپ تشریف لے گئے ، نیز صحابہ آپس میں بھی دعوت کرتے تھے، ماقبل میں اقسامِ دعوت میں "مادبہ" کے تحت کچھ روایات گزر چکی ہیں ان کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، تکرار سبب طوالت ہے۔

☆ شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ نے فتح الباری کو ایک جلد میں اورصحاحِ ستہ کو ایک جلد میں لکھا تو اظہارِ خوشی میں علماء اعیان کی دعوت فرمائی۔ دیکھئے: (الامام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد الانصار،۱۳۵،۲۲۵، بقلم الشیخ سائد بکداش)۔

☆ شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی تکمیل فرمائی تو بڑے علماء کی دعوت فرمائی۔

وقد أولم عند ختمه وليمة حضرها وجوه المسلمين ، أنفق فيها ٥٠٠ دينار. (مقدمة بلوغ المرام،ص٦).

وفى "السلوك لمعرفة دول الملوك" للمقريزي (٤٢٨/٣): **وفي يوم السبت ثامنه: جمع الحافظ قاضى القضاة شهاب الدين شيخ الإسلام أبوالفضل أحمد بن حجرؒ ،**

أعيان الدولة ، وفيهم المقام الناصري محمد ولد السلطان وغيره من الأمراء ، وكاتب السر، وناظر الجيش ، والوزير، والقضاة وشيوخ العلم في عامة طلبة العلم وغيرهم، فاجتمعوا بأعلا الخمس الوجوه من أرض التاج خارج القاهرة ، وكان الوقت شتاء والأرض مخضرة بأنواع الزراعات ، والخيول على مرابط ربيعها، وقدم لهم من أنواع الحلاوات ألوان الأطعمة الفاخرة ما يجل وصفه ويكثر مقداره ، وقد أكمل تصنيف كتاب فتح الباري بشرح صحيح البخاري في عشرين مجلدة ، ثم قرئ من آخره مجلس خفيف، وقام بعد ختمه الشعراء ...الخ .

اعلاء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ولیمہ (مشہور کے قول کے مطابق سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے) کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اور ان کا قبول کرنا بھی مستحب ہے، یہی امام مالک وامام شافعی وامام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/ ۱۷، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حج کے سفر سے واپسی پر دعوتِ طعام کا حکم:

سوال: حاجی لوگ جب حج سے واپس آتے ہیں تو ان کی تشریف آوری پر لوگ دعوت کرتے ہیں شرعاً اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد کے سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ یا گائے ذبح فرمائی، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے سفر سے واپسی پر حج کی خوشی کی وجہ سے دوست واحباب اور اہل قرابت کے لیے کچھ دعوت کا انتظام کرنا درست ہے۔ لیکن فخر و مباہات اور شہرت سے احتراز لازم ہے۔ نیز اس کو رسم ورواج کا درجہ دیکر ضروری بھی نہ سمجھا جائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب الطعام عند القدوم وكان ابن عمر ﷺ **يفطر لمن يغشاه ، قال: حدثني محمد أخبرنا وكيع عن شعبة عن محارب بن دثار عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم المدينة نحر جزوراً أو بقرة .** (بخاري شريف:١/٤٣٤، رقم: ٣٠٨٩).

قال الكرماني: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: ـ الوليمة للعرس والخرس للولادة والعذار للختان والوكيرة للبناء والنقيعة لقدوم المسافر من النقع وهو الغبار والوضيمة للمصيبة والعقيقة لتسمية الولد يوم السابع والمأدبة للطعام المتخذ للضيافة بلاسبب وكلها مستحبة إلا الوليمة فإنها تجب عند قوم . (حاشية البخاري باختصار:٢/٧٧٦).

نقيعة کی تعیین کے بارے میں دوقول ہیں: **يصنعها القادم من السفر أو تُصنع له.**

یعنی جوکھانا آدمی سفر سے واپس آنے پرلوگوں کے لئے تیار کرے۔ یالوگ اس کے لئے تیار کریں۔

بعض کہتے ہیں: جوکھانا مسافر تیار کرے اسے نقیعہ کہتے ہیں اور جوکھانا لوگ مسافر کی آمد پر بنائیں اسے تحفہ کہتے ہیں۔(فتح الباري:٩/٢٤١).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

جب ریااورفخر ومباہات سے خالی ہوتواس ذبح میں کوئی حرج نہیں بلکہ مسنون ہے،**لأن النبي صلى الله عليه وسلم ذبح حين قدم وكانت الصحابة** رضی اللہ عنہم **يطعمون على زائرهم عند القدوم** ۔(فتاویٰ فریدیہ:۴/۲۷۰)۔ **مزید ملاحظہ ہو:** (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۵۸، جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

طفیلی کا دعوت میں شریک ہونے کا حکم:

سوال: طفیلی بغیر بلائے دعوت میں شریک ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بغیر بلائے دعوت میں شریک ہونا ناجائز ہے،الا یہ کہ اس کے اور داعی کے درمیان بے تکلفی ہوتو گنجائش ہے۔نیز کھانے سے پہلے صاحبِ خانہ سے اجازت حاصل کرلی تب بھی اجازت ہوگی۔جیسا کہ

ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت میں شریک ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبان سے اجازت طلب فرمائی۔ **قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا شعيب أن رجلاً تبعنا فإن شئت أذنت له وإن شئت تركته قال: لا بل أذنتُ له .** (متفق علیہ).

ممانعت والی روایت ملاحظہ ہو:

عن نافع قال: قال عبد الله بن عمر رضي الله عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله ومن دخل على غير دعوة دخل سارقاً وخرج مغيراً .

(رواه ابوداود، رقم ۳۷۴۳،باب ماجاء فی اجابة الدعوة).

وقال الإمام أبوداود: أبان بن طارق ، مجهول .

قال الإما م ابن الجوزى فى الضعفاء (۱/۱۷/۱۰)**: أبان بن طارق : قال أبوزرعة: مجهول. وقال ابن عدى: له حديث واحد منكر لايعرف إلا به، وهو:" من دخل بغير دعوة ... الخ ". قال المحشي: والحديث ضعيف ، والبلية فيه من درست بن زياد.** (انظر: العراقى فى المغنى :۲/۱۰، تذكرة الموضوعات للفتنى۶۷، والفوائدالمجموعة للشوكانى ۸۶).

قال العراقي في تخريج الإحياء (۱۳۲۷) **حديث: من مشى إلى الطعام لم يدع إليه مشى فاسقاً وأكل حراماً . أخرجه البيهقى من حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها نحوه وضعفه . وللمزيد راجع:** (الفوائد المجموعة للشوكانى،ص۸۶،رقم ۷۶،وتذكرة الموضوعات للعلامة الفتنى،ص۶۷). خلاصہ یہ ہے دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

(دخل سارقا) لأنه دخل بغير إذنه فأثم كما يأثم السارق في دخول بيت غيره (خرج مغيراً) أى ناهباً غاصباً يعنى وإن أكل من تلك الضيافة فهو كالذى يغير أى يأخذ مال أحد غصباً والحاصل أنه صلى الله عليه و سلم علم أمته مكارم الأخلاق البهية ونهاهم عن شمائل الدنية فإن عدم إجابة الدعوة من غير حصول المعذرة يدل على تكبر النفس

والرعونة وعدم الألفة والمودة والدخول من غير دعوة يشير إلى حرص النفس ودناءة الهمة وحصول المذلة والمهانة فالخلق الحسن هو الاعتدال بين الخلقين المذمومين .
(مرقاة المفاتيح:٦/٢٥٥،باب الوليمة).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قال القاضي عياضؒ: فيه تحريم طعام الطفيليين . وقال أصحاب الشافعي: لا يجوز التطفل إلا إذا كان بينه وبين صاحب الدار انبساط... الخ. (عمدة القارى:٨/٣٤٥،كتاب البيوع).

اسی طرح ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وإن من تطفل فى الدعوة كان لصاحب الدعوة الاختيار في حرمانه فإن دخل بغير إذنه كان له إخراجه وإن من قصد التطفيل لم يمنع ابتداء لأن الرجل تبع النبى صلى الله عليه و سلم فلم يرده لا حتمال أن تطيب نفس صاحب الدعوة بالإذن له وينبغى أن يكون هذا الحديث أصلاً في جواز التطفيل لكن يقيد لمن احتاج إليه ...

قال الكرمانيؒ: واستدل به على منع استتباع المدعو غيره إلا إذا علم من الداعى الرضا بذالك. وأن الطفيلى يأكل حراماً...لا يجوز التطفيل إلا إذا كان بينه وبين صاحب الدار انبساط. (فتح البارى ٩/٥٦٠-٥٦١- كتاب الاطعمه باب الرجل يتكفل الطعام لاخوانه). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تمام انواعِ طعام دسترخوان پر بہ یک وقت رکھنے کا حکم:

سوال: مہمانوں کو کھانا کھلانے کے عموماً دو طریقے رائج ہیں: (۱) تمام انواع کے کھانوں کو ایک ساتھ دسترخوان پر رکھدیا جاتا ہے۔(۲) یکے بعد دیگرے لایا جاتا ہے۔ان دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ بہتر اور مناسب ہے، کتبِ فقہ کی روشنی میں تحریر کیجئے؟

الجواب: بہتر اور مناسب یہ ہے کہ جملہ انواعِ طعام کو دسترخوان پر بہ یک وقت رکھدیا جائے تا کہ مہمان کو جو پسند ہو وہ کھالے، مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، الا یہ کہ ایسا کھانا ہے جو بعد میں کھایا جاتا

ہے، مثلاً آئیس کریم، فالودہ وغیرہ ہوں تو ان کو بعد میں لایا جائے۔

ملاحظہ ہو تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال العلامة الزمخشري في ربيع الأبرار من باب الطعام وألوانه ما نصه: كانت سنة السلف أن يقدموا جملة الألوان دفعة ليأكل ما يشتهيه. فثبت بهذا أن تقديم الألوان جملة من سنة السلف كما هو عادة العرب وما يفعله الأروام من تقديم الألوان واحداً بعد واحد مستدلين بما روي أنه عليه الصلاة والسلام كان لايجمع بين لونين، فيجاب عنه بأنه ما كان يجمع بين لونين في لقمة واحدة بدليل ما ذكره أيضاً في ربيع الأبرار من الباب المزبور عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ماكان يجتمع لونان في لقمة في فم رسول الله صلى الله عليه وسلم إن كان لحماً لم يكن خبزاً وإن كان خبزاً لم يكن لحماً. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۵۹/۲،ط:كوئته). (وكذافى الدرر المباحة فى الحظر والاباحة للشيخ خليل بن عبدالقادر الشيبانى النحلاوى، ص۳٤،دارابن حزم).

قوت القلوب میں شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں:

وقد كان من سنة المتقدمين أن يقدموا جملة الألوان في مكان واحد مما يشتهي، وليكون ما تقدم معلوماً لهم وقال لهم إذا لم يكن عنده إلا لون واحد: ليس يحضر إلا هذا ليستوفوا منه ولايتطلعوا إلى غيره كان صواباً، حدثني بعض شيوخنا عن شيخ له قال: قدم إلى بعض أهل الشام لوناً من طبيخ فقلت له عندنا بالعراق يقدم هذا اللون آخر الألوان فقال لي: هكذا هوعندنا بالشام، قال: فاستحييت إذ لم يكن عنده غير ذلک اللون، وقال لي آخر: كنا في جماعة عند رجل فجعل يقدم إلينا ألوان الرؤوس منها منها طبيخاً وقديداً فجعلنا نقصر فى الأكل نتوقع بعده الألوان وجملاً أوجدياً، قال: فجاء نا بالطست ولم يقدم غيرها، ...قال: فبتنا تلک الليلة جياعاً. (قوت القلوب :۳۰۸/۲بيروت). (وكذا فى احياء علوم الدين: ۲۳۹/۲).

البحر الرائق میں ہے:

ولا بأس بأكل الفالوذج والأطعمة النفيسة وعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أكل الرطب مع البطيخ وأكل عمر رضى الله تعالىٰ عنه البطيخ مع السكر. (البحر الرائق: ۸/ ۲۱۰، بيروت).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولا بأس بأكل الفالوذج والأطعمة الشهية لما روي عن الحسنؒ أنه كان على مائدته ومعه مالك بن دينار فأتي بفالوذج. (الفتاوى التاتارخانية: ۱۸/ ۱٤٤، ديوبند، وكذا في الفتاوى الهندية نقلاً عن الفتاوى الظهيرية: ۵/ ۳٤۱، باب في الكراهية في الاكل).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

دسترخوان پر تمام انواع یکمشت رکھنا بہتر ہے۔

تمام کو یکمشت رکھنا بہتر ہے سلف اور عرب کا یہی معمول تھا اور یکے بعد دیگرے رکھنا رومیوں کا معمول ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۶۶۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

"أكل طعامكم الأبرار" دعا کا حکم:

سوال: کھانے کے بعد یہ دعا "أكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة، وأفطر عندكم الصائمون" کسی کے ہاں بوقت افطار پڑھی جائے گی یا بغیر افطار کے بھی اس دعا کا پڑھنا جائز ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ افطار کے ساتھ خاص ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بوقتِ افطار پڑھی تھی، اور دوسری بعض روایات سے بغیر افطار کے پڑھنا بھی ثابت ہے، ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ بلا افطار کے بھی یہ دعا عام دعوتوں میں جائز ہے، لیکن چونکہ عام روایات میں افطار کا ذکر ہے اس وجہ سے یہ دعا بوقت افطار پڑھی جانی چاہئے۔ وہ روایات ملاحظہ ہوں جن میں افطار کا ذکر موجود ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه **قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أفطر عند أهل**

بيت قال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وتنزلت عليكم الملائكة . (رواه ابو يعلى في مسنده، قال حسين اسلم : رجاله رجال الصحيح ،رقم ٤٣٢٠).

عن عبد اللّٰه بن الزبير رضی اللہ عنہ قال: أفطر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عند سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فقال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة .

(رواه ابن ماجه ،رقم : ١٧٤٧ ،في الزوائد في اسناده مصعب بن ثابت عن عبدالله بن الزبير ضعيف، قال الالباني : صحيح دون قوله افطر رسول الله صلى الله عليه وسلم). (والبيهقي في الصغرى ، رقم:١٣٩٦، وفي الكبرى، رقم:٨٣٩٣، والطبراني في الأوسط، رقم:٣٠١، وفي الدعاء ، رقم:٩٢٢، والدارمي، رقم:١٧٧٢، وابن حبان في صحيحه، رقم:٥٢٩٦، قال الشيخ شعيب: صحيح بشواهده وهذا سند ضعيف ، وأحمد في مسنده، رقم: ١٢١٧٧، والبزار في مسنده، رقم:١٧٥، وعبد بن حميد، رقم: ١٢٣٤، وابن أبي شيبة في مصنفه، رقم : ٩٨٣٨، والنسائي في الكبرى، رقم:٦٨٧٤).

وہ روایات جن میں افطار کا ذکر موجود نہیں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا أكلوا عند أهل بيت قال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة". (رواه أبويعلى في مسنده ، رقم: ٤٣١٩، قال حسين أسلم أسد في تعليقاته: رجاله رجال الصحيح).

عن أنس رضی اللہ عنہ أو غيره أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم استأذن على سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ فقال: السلام عليكم ورحمة اللّٰه ، فقال: سعد وعليك السلام ورحمة اللّٰه ولم يسمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حتى سلم ثلاثاً ورد عليه سعد ثلاثاً ولم يسمعه فرجع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واتبعه سعد فقال: يا رسول اللّٰه بأبي أنت وأمي ما سلمت تسليمة إلا هي بأذني ولقد رددت عليك ولم أسمعك أحببت أن أستكثر من سلامك ومن البركة ثم أدخله البيت فقرب له زبيباً فأكل نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلما فرغ قال: أكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة، وأفطر عندكم الصائمون. (رواه احمد في مسنده ،رقم ١٢٣٠٦، قال الشيخ شعيب: اسناده صحيح على شرط الشيخين). (وأيضاً رواه أبوداود ، رقم:٣٨٥٦، وعبد الرزاق في مصنفه، رقم:٧٩٠٧، والبيهقي في الشعب، رقم:٥٦٤٨).

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعا عام ہے، افطار کے ساتھ خاص نہیں ہے اور افطار کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے، پھر دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے کہ دونوں کو الگ الگ واقعہ پر محمول کریں۔ ملاحظہ ہو:

وأما قوله وأفطر عندكم الصائمون، فدعاء لأن مجرد الإخبار به لا يفيد فائدة تامة مع أن الظاهر أنه ماكان وقت الإفطار ولا ينافيه تقييده في رواية بقوله إذا أفطر عند قوم دعا لهم بل فيه تأييد له فتأمل، غايته أنه قيد واقعي لا احترازي...ويمكن الجمع بتعدد القضية .

(المرقاة : ۸/۲۰۷، ط:ملتان).

الاذکار میں ہے:

قال النوويؒ في الأذكار: فهما قضيتان جرتا لسعد بن عبادة وسعدبن معاذ رضي الله تعالىٰ عنهما . (الاذکار،ص۲۸۳،باب دعاء المدعو والضيف لاهل الطعام اذا فرغ من اكله).

امام نوویؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں قضیے علیحدہ ہیں لہذا دونوں مقام پر عمل کرسکتے ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ نے ''الاذکار'' میں دونوں جگہ مستقل باب قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص۲۳۴، پر فرماتے ہیں: **باب ما يقول إذا أفطر عند قوم** ۔ اور دوسری جگہ ص۲۸۲، پر فرماتے ہیں: **باب دعاء المدعو والضيف لأهل الطعام إذا فرغ من أكله .**

وقال المناوي في فيض القدير: ولامانع من التعدد. (رقم: ۱۳۱۰).

تاہم اکثر محدثین نے جو باب قائم کیا ہے وہ افطار سے متعلق ہے، چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

قال في ابن ماجه : باب في ثواب من فطر صائماً . اس باب میں حضرت سعد بن معاذ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں افطار کا لفظ ہے۔ (ابن ماجه ،ص۱۳۵).

قال في سنن الدارمي: باب دعاء الصائم لمن يفطر عنده. افطار والی روایت نقل کی ہے۔ (سنن الدارمی:۲/۴۰).

وقال في السنن الكبرى للبيهقي: باب ما يدعو به الصائم لمن أفطر عنده ، افطار والی روایت نقل کی ہے۔ (السنن الكبرى للبيهقي :۴/۲۴۰).

وقال فی عمل الیوم و اللیلة لابن السنی : باب ما یقول إذا أفطر عند قوم .

وفی مصنف ابن أبی شیبة : ما قالوا فی الصائم إذا أفطر ، ما یقول. (رقم:۹۸۳۸).

وفی مصنف عبد الرزاق : باب من فطر صائماً. حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں افطار کا ذکر نہیں ہے۔(۷۹۰۷/۳۱۱/٤).

وفی السنن الکبری للنسائی: الدعاء لمن أفطر عنده . (٤/۲۰۲). وغیرہ۔

اس کے برخلاف بعض محدثین نے مطلق باب قائم کیا ہے۔

چنانچہ امام ابوداود فرماتے ہیں: باب ماجاء فی الدعاء لرب الطعام إذا أکل عنده. (رقم:۳۸۵٦). حضرت سعد بن عبادہ کی روایت نقل ہے۔

صحیح ابن حبان میں فرماتے ہیں: ذکر إباحة دعاء الضیف للمضیف بغیر ما وصفنا عند فراغه من الطعام، لیکن اس باب کے تحت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی افطار والی روایت ذکر کی ہے۔ (۵۲۹٦/۱۰۷/۱۲، باب الضیافة).

امام بیہقی شعب الایمان میں فرماتے ہیں: الدعاء لرب الطعام .

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر حضرات نے دونوں کو الگ تسلیم کیا ہے دونوں مقام پر اس دعا کے پڑھنے کی اجازت دی ہے، لہذا کسی کے ہاں افطار کے بعد یا بغیر افطار کے عام دعوت کے بعد دونوں مواقع پر پڑھنا جائز اور درست ہے، البتہ عام دعوتوں میں یہ دعا بھی احادیث سے ثابت ہے:

" اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ ". رواه مسلم. (رقم:۲۰٤۲).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا" اللّٰهم أطعم من أطعمني " کا حکم:

سوال: دعا کے الفاظ: " اللّٰهم أطعم من أطعمنا واسق من سقانا " کا مطلب یہ ہے کہ: اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا اور پلایا آپ اس کو کھلا دو اور پلا دو، عام طور پر لوگ دعاؤں میں ماضی کے معنی لیتے ہیں

یعنی جس نے مجھے کھلایا آپ اس کو کھلا دو، لیکن مسلم شریف کی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مستقبل کے لیے ہیں، یعنی مطلب یہ ہوگا: اے اللہ جو مجھے کھلائے اس کو آپ کھلا دو اور جو مجھے پلائے اس کو آپ پلا دو۔ مسلم شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن المقداد قال: أقبلت أنا وصاحبان لي وقد ذهبت أسماعنا وأبصارنا من الجهد فجعلنا نعرض أنفسنا على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس أحد منهم يقبلنا فأتينا النبي صلى الله عليه وسلم فانطلق بنا إلى أهله فإذا ثلاثة أعنز فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتلبوا هذا اللبن بيننا قال: فكنا نحتلب فيشرب كل إنسان منا نصيبه ونرفع للنبي صلى الله عليه وسلم نصيبه قال: فيجيء من الليل فيسلم تسليماً لايوقظ نائماً ويسمع اليقظان قال: ثم يأتی المسجد فيصلی ثم يأتی شرابه فأتانی الشيطان ذات ليلة وقد شربت نصيبي فقال: محمد يأتی الأنصار فيتحفونه ويصيب عندهم ما به حاجة إلى هذه الجرعة فأتيتها فشربتها فلما أن وغلت في بطني وعلمت أنه ليس إليها سبيل قال: ندمنی الشيطان ... قال: فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فسلم كما كان يسلم ثم أتی المسجد فصلی ثم أتی شرابه فكشف عنه فلم يجد فيه شيئاً فرفع رأسه إلى السماء فقلت الآن يدعو علي فأهلك، فقال: اللّٰهم أطعم من أطعمني واسق من سقاني ...الخ. (رواه مسلم: ۱۸٤/۲، باب اكرام الضيف وفضل ايثاره، ط: فيصل). بينوا توجروا.

الجواب: حدیث شریف کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ مستقبل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور برتن میں دودھ نہیں پایا تو فرمایا جو مجھے کھلائے آپ اس کو کھلا دیں اور جو مجھے پلائے اے اللہ آپ اس کو پلا دیں۔

شراحِ حدیث نے بھی یہی مستقبل والی توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فيه دعاء للمحسن والخادم ولمن سيفعل خيراً. (الشرح الكامل على صحيح مسلم: ۱۸٤/۲، ط: فيصل).

اکمال المعلم میں ہے:

والدعاء بأن يطعم اللّٰه من يطعمه ويسقى من سقاه . (اکمال المعلم : ۱/ ۵۴۴،دارالوفاء).

المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم میں ابوالعباس قرطبیؒ فرماتے ہیں:

و" سقاني" بمعنى يسقيني، و" من أطعمني" بمعنى: يطعمني ، لما فهم المقداد منه الدعاء ، وطلب أن يفعل اللّٰه ذلک معه فی الحال ؛ عرف اللّٰه يجيبه ، ولايرد عوته ، لاسيما عند شدة الحاجة ، والفاقة ، فقام لينظر له شيئاً تكون به إجابة دعوته. (المفهم : ۵/۳۳۳).

البتہ حدیث شریف کے الفاظ میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے،" **والعبرة لعموم الألفاظ** " لہذا ماضی کا معنی لینا بھی درست ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے "الاذکار" میں اس روایت کو: " **باب دعاء الإنسان لمن سقاه ماء أو لبناً** " کے تحت ذکر کیا ہے۔

نیز" **الفتوحات الربانيه على الأذكار النووية** " میں حدیث کے الفاظ کی شرح بھی ماضی کے صیغہ کے مطابق کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قوله أطعم ، أى أرزق ، من أطعمني أى تسبب لإطعامي ...من سقاني وفيه الدعاء لمن صنع معروفاً مع الإنسان . (الفتوحات الربانية :۵/ ۲۵۴،ط:احیاء التراث العربی). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ہندو کے ارسال کردہ کھانے کا حکم:

سوال: اگر کوئی ہندو مسلمان کے گھر کھانا بھیجے تو کیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ منشأ سوال یہ ہے کہ ہندو لوگ گائے کے پیشاب کی تعظیم کرتے ہیں اور بعض ہندو اس کو کھانے میں بھی ڈالتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (الف) جب کوئی تعلق والا آپ کے ہاں کھانا یا کوئی تحفہ بھیجے تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔

(باء) قبول کرنے بعد جب یقین ہو جائے کہ اس کھانے میں گائے کا پیشاب ڈالا ہے تو پھر اس کا کھانا

ناجائز ہے، ہاں محض ظن کی وجہ سے کھانا ناجائز نہیں ہوتا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پنیر سے متعلق یہ اشکال ظاہر کیا کہ ”شاید یہ مردار جانور سے بنایا گیا ہو“ **نحن نری أنه يجعل فيها ميتة**“، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **فقال: اطعنوا فيها بالسكين واذكروا اسم الله وكلوا.**“یعنی شاید کا اعتبار نہیں کیا۔ پھر وہ کھانا خود کھائے یا کسی اور کو دیدے، دونوں باتیں درست ہیں۔

(ج) اگر کسی غیر مسلم کے ہاں سے گوشت آجائے تو اس کا کھانا درست نہیں، الا یہ کہ اس نے کسی قابل اعتماد مسلمان کی دکان سے گوشت خریدا ہو تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔

عام طور پر ہندو مسلمانوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لے تعلقات کی بنا پر جو کچھ بھیجتے ہیں وہ حلال اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

روى البيهقي في سننه الكبرى(۹/۲۸۵)، **بسنده عن علي** رضي الله عنه **قال: لا بأس بطعام المجوس إنما نهى عن ذبائحهم.**

البحر الرائق میں ہے:

ولا بأس بطعام المجوس كلها إلا الذبيحة. (البحرالرائق: ۸/۲۳۲،بیروت).

عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام... ولابأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد... ويكره الأكل والشرب في أوانى المشركين قبل الغسل ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلاً وشارباً حراماً وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فلا يجوز أن يشرب ويأكل منها قبل الغسل.

(الفتاوى الهندية:۵/۳۴۷).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: **ولا بأس بطعام المجوس وأهل الشرك ما خلا الذبائح فإن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يأكل ذبائح المشركين وكان يأكل ما سوى ذلك من طعامهم.** (المبسوط : ۲۴/۵۰،ط:بیروت).

حدیث شریف میں آتا ہے ایک یہودی عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت ہدیہ میں دیا آپ نے اسے قبول فرمایا۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ہندوؤں کے یہاں دہئی، چوڑا، دال، بھات کھانا جب تک ناپاکی کا علم نہ ہو درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ۳۵/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عاشورا کے دن ضیافت کا حکم:

سوال: عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنا اور عام مہمانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے، نیز عام مہمانی کی بھی وسعت میں داخل ہے اور اس سے بھی حدیث شریف میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہوگی۔

اس مسئلہ سے متعلق تفصیلی بحث فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ اول ص۴۱۴ پر ملاحظہ کیجئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عاشورا کے دن دیگر اشیاء میں وسعت کا حکم:

سوال: عاشورا کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنے میں کھانے کے علاوہ کپڑے وغیرہ داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت کرنے میں کھانے کے علاوہ کپڑے وغیرہ بھی داخل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وقد رأیت لبعض العلماء کلاماً حسناً محصله: أنه لا یقتصر فیه علی التوسعة بنوع واحد بل یعمها فی الماکل والملابس وغیرذلک وأنه أحق من سائر المواسم بما یعمل

فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كالأعياد ونحوها. (فتاوى الشامي:٦/ ٤٣٠،سعيد).

والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عاشورا کا کھانا رات میں کھلانے کا حکم:

سوال: عام طور پر عاشورا کے دن روزہ ہوتا ہے تو رات میں کھانا کھلایا جاتا ہے، تو کیا عاشورا کے دن مغرب کے بعد کھانا کھلایا جائے تو برکات اور فضیلت حاصل ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف کے الفاظ یوں ہیں: ” **من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر السنة** “ چونکہ دن میں روزہ رکھنا مستحب ہے اور کھانے پینے میں رات ماقبل دن کی تابع ہوتی ہے افطاری دن کا کھانا ہے جو مغرب کے بعد کھایا جاتا ہے اس لیے رات کا کھانا سابقہ دن کا تابع ہوا اگر کوئی یہ کہے: ” **والله أكلت العشاء يوم الخميس** “ اور اس نے جمعرات کو مغرب کے بعد کھانا کھایا تو عرفاً حانث نہیں ہوگا، لہٰذا مغرب کے بعد طعام بھی دن کے مستحبات میں شامل ہے۔

نیز دن میں دو کھانے ہیں غدا اور عشاء: غدا صبح کے کھانے کو اور عشاء شام کے کھانے کو کہتے ہیں اگرچہ مغرب کے بعد کھایا جائے۔

بخاری شریف میں ہے:

وإن أبابكر تعشى عند النبي صلى الله عليه وسلم ثم لبث حيث صليت العشاء ثم رجع فلبث حتى تعشى النبي صلى الله عليه وسلم. (رواه البخاري: ١/ ٨٥).

حدیثِ بالا میں مذکور ہے کہ شام کا کھانا جو عصر کے بعد کھایا جاتا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشا کے بعد کھایا، اس سے واضح ہوا کہ شام کا کھانا رات کو کھایا جائے وہ بھی دن ہی کا کھانا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے مغرب کے بعد کھانا کھانے میں بھی وہ فضیلت موجود ہے۔ والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشکال اور جواب:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث شریف: ” **من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه**

سائر سنته“ کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ پورا سال اس پر فراخی کریں گے، اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یوم عاشورا کھانے پینے کا دن ہے، جب کہ صحیح حدیث کی روشنی میں عاشورا کا دن روزے کا دن ہے، اب ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

الجواب: (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی بعض روایات میں نفقہ میں وسعت کا ذکر ہے، جو اہل وعیال کو نقدی یا جنس کی شکل میں دے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

من وسع علی عیاله فی النفقة یوم عاشوراء ...الخ. (مشكاة المصابيح، باب فضل الصدقة: ۱/۱۷۰، ط: قدیمی کتب خانه) میں نفقہ کا لفظ مذکور ہے، اور سب سے اچھا ہدیہ یہ ہے کہ کسی نقدی یا جنس کی صورت میں دے، جو کسی وقت بھی کام آسکتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یومِ عاشورا میں یوم کے دو معنی ہیں: (الف) سورج کے طلوع سے لے کر غروبِ آفتاب تک۔ (ب) پورے چوبیس گھنٹے کا دن۔ شریعت کی نظر میں یومِ جمعہ طلوعِ آفتاب سے نہیں بلکہ جمعرات کے غروبِ آفتاب سے لے کر جمعہ کے غروبِ آفتاب تک ہے، اس لیے جس کا انتقال شبِ جمعہ یا جمعہ کے دن ہو دونوں کے لیے جمعہ کی فضیلت ہے، پیر کے دن کا بھی یہی حال ہے، تو اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو دسویں کی رات کو جو عاشورا سے پہلے ہے کھانا وغیرہ کھلا دے تو وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہے اور اس کے ساتھ بھی وسعت کا وعدہ ہے۔

اس معنی کی تائید عبدالملک بن حبیب المالکی کے درجِ ذیل اشعار سے ہوتی ہے:

لا تنس لا ینسک الرحمن عاشوراء ☆ واذکره لا زلت فی الأخیار مذکوراً

قال الرسول صلاة اللّٰه تشمله ☆ قولاً علیه وجدنا الحق والنوراً

من بات في لیل عاشوراء ذا سعة ☆ یکن بعیشه فی الحول محبوراً

فارغب فدیتک فیما فیه رغبنا ☆ خیر الوری کلهم حیاً ومقبوراً

ترجمہ: آپ عاشورا کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ جو رحم والا ہے آپ کو نہیں بھولے گا۔

اللہ تعالیٰ کو یاد کرو آپ ہمیشہ متقیوں میں مشہور اور مذکور رہوں گے۔

رسول اللہ جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت محیط ہو۔

(انہوں) نے ایسا قول فرمایا جس پر ہم نے حق اور نور پایا۔

جو عاشورا کی رات کو فراخی کرے گا۔

اس کی معیشت پورے سال خوبصورت ومزین ہوگی۔

میں آپ پر قربان ہوں آپ اس چیز میں رغبت کریں جس کی ترغیب

اس نبی نے دی ہے جو تمام لوگوں میں حیاً ومیتاً بہتر ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں فراخی کا ذکر رات کو ہے اور شاعر ائمہ مالکیہ میں ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر فراخی سے کھلانا پلانا مراد ہو اور یوم سے دن ہی مراد ہو تو جو نابالغ یا روزہ نہ رکھنے والے ہیں ان پر فراخی کا روزہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ فراخی سے مراد فراخی کے اسباب کا مہیا کرنا ہے اگر چہ کھانا پینا آئندہ رات کو ہو۔

(۵) پانچواں جواب وہ ہے جو ابتدا میں گزرا کہ رات ماقبل دن کے تابع ہے۔

الغرض شریعت رحمت ہے تو ان جوابات کی روشنی میں اگر کوئی نقدی یا جنس دے، یا عاشورا کی رات میں کھانا کھلا دے، یا دن میں نابالغ وغیرہ کو دیدے یا عاشورا کے دن پکا کر رات کو کھلا دے، حدیث ان سب کو شامل ہو جائے گی۔ مزید ملاحظہ ہو: (الیواقیت الغالیہ، ص۲۰۷، افادات الشیخ محمد یونس شیخ الحدیث بجامعہ سہارنپور)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عاشورا کی شیرینی کھانے کا حکم:

سوال: محرم کے مہینہ میں ہندوستان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر جلوس نکالتے ہیں، اس میں عام طور پر شیعہ لوگ ہوتے ہیں، لیکن آج کل ہمارے لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں، یہ لوگ جلوس کے ساتھ ایک وافر مقدار میں کھانے کی چیزیں لے کر چلتے ہیں، یہ اشیائے خوردنی، فقیر، امیر ہر ایک کو دیتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ اس تقسیم میں ہم صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کی نیت کرتے ہیں، تو کیا ان اشیاء کا

کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر یہ اشیائے خوردنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر ہوں تو ان کا کھانا ناجائز ہے، اور اگر فقط ایصالِ ثواب کے لیے ہوں تو ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحب کام ہے، ایصالِ ثواب جس کو چاہے جس وقت چاہے بلا کسی التزامِ تاریخ ومہینہ وغیرہ کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے، [ہاں عاشورا کے دن خاص کر دینا بلا دلیل ہے] اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرحومین کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے، اور فقراء کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے مالدار بھی کھا سکتے ہیں لیکن ثواب کم ملے گا اس میں ہدیہ کا پہلو ہے۔

البتہ عبادات میں اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے آج کل اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں، لہذا ان دنوں میں خصوصیت کے ساتھ شرینی کی تقسیم وغیرہ سے احتراز واجتناب اولیٰ ہے۔

مزید براں اکثر شیعہ کے عقائد حدِ کفر تک پہنچ چکے ہیں، لہذا ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ان کی چیزوں کے کھانے سے بچنا چاہئے۔ نیز اس قسم کے جلوس میں شرکت کرنا بھی ناجائز ہے۔

ایصالِ ثواب سے متعلق بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضي الله عنه أن سعد بن عبادة رضي الله عنه توفيت أمه وهوغائب عنها، فقال: يا رسول الله ! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شيء إن تصدقت به عنها قال: نعم ، قال: فإني أشهدك أن حائطی المِخْرَافَ صدقة عليها. (بخاری شریف: ۱/۳۸۶).

قال السيوطي في شرح الصدور في باب ما ينفع الميت في قبره: عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيء . (شرح الصدور، ص ۳۰۰، بیروت).

قال فى البحر: والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة. (البحرالرائق: ۳/۱۰۵، باب الحج عن الغير، وكذا فى فتاوى الشامي: ۲/۲۴۳، سعيد، والهداية: ۱/۲۹۲).

عبادات میں اپنی طرف سے ایام اور کیفیات کا تعین مخصوص ثواب کے ساتھ بدعت ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام إلا أن يكون في صوم يصومه أحدكم . (رواه مسلم: ١/٣٦١/١١٤٤).

الاعتصام میں امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

و منها التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلک التعيين فی الشريعة . (الاعتصام: ١/٢٩، دارالكتب العلمية).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلدِ اول ص۲۴۴-۲۵۴)۔

ایصالِ ثواب کا کھانا اغنیاء کے کھانے کا حکم:

ایصالِ ثواب کا کھانا فقراء کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے مالدار بھی کھا سکتے ہیں لیکن ثواب کم ملے گا اس میں ہدیہ کا پہلو ہے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی الدر میں ہے

الصدقة على الغنى هبة والهبة للفقير صدقة. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/٣٣٦).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: اپنے بزرگوں کی ارواح کو ایصالِ ثواب منظور ہے کوئی شئی اپنے یار و احباب اغنیاء کو کھلا کر ایصالِ ثواب کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اغنیاء ایسی شئی کے کھانے سے خطاوار تو نہیں ہوں گے۔

جواب: غنی کو ایسا طعام صدقہ نفل کا مکروہ تنزیہی ہے اور ثواب پہنچتا ہے مگر فقیر کے کھانے سے کم۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۲۸۰)۔

اور باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: ...صدقہ نفل خواہ ایصالِ ثواب میت کا ہو، خواہ ارواحِ مشائخ کرام وانبیاء علیہم السلام یا کسی وجہ کا صدقہ نفل ہو، یہ سب ایک حکم رکھتے ہیں، کہ غنی کو مکروہ تنزیہی ہیں، نہ حرام۔ **قال فی الهداية : ولا تدفع إلى غنى الخ.** ترجمہ: ہدایہ میں کہا ہے: صدقات غنی کو نہ دیئے جائیں۔ مراد اس سے زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ ہے۔ **قال فی فتح القدير : وكذا يجوز النفل للغنى**، پس ذی مقدرت اگر غنی ہے تو

اس کو......ثواب کا کھانا حرام نہیں، اگر چہ مکروہ تنزیہی ہے...(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۰۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لیے ایصالِ ثواب کا کھانا جائز ہے، ہاں ثواب میں کم ہے اسی کو مکروہ تنزیہی کہا ہے یعنی چونکہ میت کو ثواب پہنچانا مقصود ہے اور غنی کو کھلانے میں ثواب کم ہے لہذا یہ خلافِ اولیٰ ہوا۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

شیعہ زندیق ہیں، لہذا ان سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں، ان کے گھر سے کوئی چیز کھانا غیرتِ ایمانیہ کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ بوقتِ ضرورتِ شدیدہ گنجائش ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۲۲/۸)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ان روافض سے پوری احتیاط برتی جائے، یہ سنی لوگوں کو نجس کھلانا ثواب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: بعض ملکوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ دس محرم میں مٹھائی وغیرہ کھانے کی چیزیں مسجد میں لا کر یا گھر میں تقسیم کی جاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۴/۳، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی آمدنی حرام سے ہے، تو اس کے گھر دعوت کھانے اور اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ شخص مذکور کی کمائی اگر غالب حلال ذرائع سے ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا اور ہدیہ قبول کرنا جائز اور درست ہے۔ نیز اگر غالب حرام ہے لیکن حلال مال سے دعوت وہدیہ دیتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد بھی ہے تو دعوت وہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال...لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب . (الفتاوى الهندية:۵/۳۴۲).

المحيط البرهاني میں ہے:

وفي عيون المسائل : رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه ، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام ؛ وهذا لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام و تخلو عن كثيره ، فيعتبر الغالب ويبنى الحكم عليه.

(المحيط البرهانی: ۶/۱۱۰،الفصل السابع عشر فی الهدایاو الضیافات).

(وكذا فی الموسوعة الفقهیة الكويتية:۱۵/۷۸،والاشباه والنظائر:۱/۳۴۳،والمبسوط :۱۰/۱۹۷).

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال وحرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں، اپنے اخراجات کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اور اس کی بات پر اعتماد ہے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اور حلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ (جواہر الفتاویٰ:۳/۲۹۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجتماعات میں مہمانی کا کھانا فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں تبلیغی اجتماعات میں ہم اپنا کھانا تھوڑے سے نفع پر فروخت کرتے ہیں۔ جب کہ بعض مرتبہ دوسرے حضرات کی طرف سے کھانے کی کچھ اشیاء بطورِ مہمانی مفت اجتماعات میں دی جاتی ہیں،

تا کہ لوگوں کی مہمانی کی جائے، تو کیا اس طرح کے کھانے کو فروخت کر کے اس کا پیسہ دیگر اخراجات میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کھانا خریدنے والے کو کسی وقت میں کھانا نہیں ملا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تبلیغی اجتماعات میں کھانا فروخت کرنا جائز اور درست ہے، اگر چہ باہر سے ہدایا بھی آتے ہیں، کیونکہ اکثر و بیشتر کچا غلہ یا اشیائے خوردنی باہر سے بطورِ ہدیہ حاصل ہوتی ہیں ان کو تیار کرنے کے اخراجات اجتماعات کے منتظمین حضرات ادا کرتے ہیں، لہذا ان اخراجات کی قیمت وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

پھر بہت سی مرتبہ کھانے کی ایک دو چیزیں ہدیہ میں آتی ہیں اس کے ساتھ دیگر اشیاء ملا کر کھانا پکایا جاتا ہے ان کی قیمت وصول کرنا بھی جائز اور درست ہے۔

پھر جو قیمت حاصل ہوتی ہے اس سے متعلق اجتماع کے منتظمین حضرات کو اختیار ہے دوسرے اخراجات وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں۔

ہاں اگر کھانا کم ہو جائے اور پیسہ ادا کرنے والوں کو نہ پہنچے تو ان سے معافی مانگی جائے اور دوسرے وقت میں جلد آنے کو کہا جائے، اور اگر معاف نہ کریں تو ایک وقت کے کھانے کی رقم ان کو واپس کر دی جائے۔

فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کو زیادہ اجرت پر دے تو زیادتی اس صورت میں حلال ہوگی جب کہ کرایہ کی جنس مختلف ہو یا اس میں کچھ خرچہ وغیرہ کر دیا ہو تو زیادہ کرایہ لینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله لو أصلح فيها شيئاً ، بأن جصصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما فى المبسوط. (رد المحتار:٦/ ٢٩، سعيد).

وفى الهندية: ولو زاد فى الدار زيادة كما لو وتد فيها وتداً أو حفر فيها بئراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائطها طابت له الزيادة . (الفتاوى الهندية: ٤/٤٢٥).

مذکورہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے کی چیز میں کچھ اصلاح اور مرمت کر کے اس کے عوض کرایہ

میں زیادہ وصول کر سکتے ہیں، اسی طرح مہمانی کے کھانے یا اشیائے خوردنی کو تیار کرنے کا خرچہ یا اور چیزیں ملائی گئی ہیں ان کی قیمت بصورتِ ثمن وصول کر سکتے ہیں۔

پھر یہ قیمت بھی ایک قسم کا چندہ اور اجتماع کے امور میں معاونت کی غرض سے لی جاتی ہے، جس میں تسامح چلتا ہے۔ اس وجہ سے بھی اس کی گنجائش ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بینک ملازم کی دعوت قبول کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، وہ اگر کسی کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا جائز اور درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بینک اور انشورنس کمپنی کی وہ ملازمت جو خالص سودی حساب کتاب اور لین دین سے متعلق ہو، ناجائز ہے، اور اس کی تنخواہ بھی حلال نہیں ہے، لہذا ایسے ملازم کے گھر کھانا، اس کی دعوت قبول کرنا یا اس سے ہدیہ قبول کرنا درست نہیں، ہاں اگر معلوم ہو جائے کہ ضیافت یا ہدیہ حلال مال سے ہے تو درست ہے۔

لیکن اگر اس کی ملازمت بینک میں خالص سودی معاملہ کی نہیں ہے بلکہ چوکیداری، جاروب کشی، ڈرائیونگ وغیرہ غیر سودی معاملہ سے متعلق ہے یا کسی اسلامی شعبہ میں ملازمت کرتا ہے تو پھر اس کے گھر کھانا جائز ہے۔

نیز آج کل بینک میں سودی لین دین کے علاوہ درآمدات اور برآمدات، بجلی، ٹیلیفون وغیرہ کے بل ادا کیے جاتے ہیں، یعنی حلال کاروبار بھی ہوتا ہے، لہذا بینک کو خالص سودی کاروبار کی جگہ سمجھنا مشکل ہے۔

تاہم بینک ملازم کی دعوت قبول کرنے سے اجتناب اولیٰ ہے لیکن بالکل حرام اور ناجائز بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: هم سواء. (رواه مسلم: ۲/ ۲۷، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور یہ فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها كذا في الملتقط. (الفتاوى الهندية:٥/٣٤٣).

اسلام اور جدید معاشی مسائل میں ہے:

بینک کی تنخواہ یا حرام آمدنی سے تحفہ یا دعوت قبول کرنا۔ اس میں اصل قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر آمدنی اگر حرام ہو تو پھر اس مال سے ہر چیز لینا حرام ہے۔ خواہ تنخواہ ہو، پیسے ہوں لیکن بینک میں جو روپیہ ہوتا ہے وہ اکثر حرام کا نہیں ہوتا اس میں اصل سرمایہ ہوتا ہے۔ بینک کے مالکین اور دوسرے ڈپازیٹرز کے پیسے ہوتے ہیں اکثریت ان کی ہے، لہٰذا اکثریت مال حرام کی نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی کام جائز کر کے اس کے پیسے لیے جائیں تو جائز ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل:۴/۱۳۶)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلدِ پنجم، ص۶۷۳۔۶۷۶)۔

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کا ذریعہ آمدنی حرام ہے ... مثلاً بینک کی ملازمت، انشورنس کی ملازمت، سینماؤں کی آمدنی، گانے والوں کی آمدنی، فوٹوگرافروں کی آمدنی، اگر اس کا کوئی حلال ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کے یہاں کھانا پینا، اس کا ہدیہ، تحفہ وصول کرنا اور استعمال کرنا ناجائز وحرام ہے، الا یہ کہ وصول کرنے والا خود مستحق زکوٰۃ وصدقہ ہو تو پھر گنجائش ہوگی، البتہ جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال وحرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں، اپنے اخراجات کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اور اس کی بات پر اعتماد ہے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اور حلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ (جواہر الفتاویٰ:۳/۹۲۶)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

...سود کے اختلاط کو حرمت میں اثر ہے، پس اگر نصف یا زائد سود ہے تو سب حرام ہے اور اگر نصف سے کم ہے تو حلال ہے۔(امداد الفتاویٰ:۴/ ۱۱۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کی محفل (بے بی شاور) میں شرکت کا حکم:

سوال: مجھے ایک تقریب بے بی شاور (baby shower) میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ بے بی شاور یہ ایک خاص عورتوں کی محفل ہوتی ہے جو کہ خاندان کی کسی حاملہ عورت کے لیے منعقد کی جاتی ہے جس میں اس کی قریبی رشتہ دار خواتین اور سہیلیاں شرکت کرتی ہیں، اس محفل میں عورتیں حاملہ کو اس کے بچہ کے لیے ہدایا پیش کرتی ہیں، اور یہ ہدایا تمام عورتوں کے سامنے کھولے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ کس نے کیا ہدیہ پیش کیا، کبھی کبھار تفریح اور دل لگی کے لیے بعض کھیل بھی کھیلے جاتے ہیں، مثلاً حاملہ سے کہا جاتا ہے کہ ہدایا کھولنے سے پہلے اٹکل سے بتاؤ اندر کیا ہے، اگر اندازہ صحیح ہوتا ہے تو ہدیہ پیش کرنے والی عورت کو کسی قول یا فعل پر آمدہ کیا جاتا ہے، ورنہ حاملہ کو کسی فعل یا قول پر آمدہ کیا جاتا ہے، ہدایا کھولنے کے بعد سب ساتھ مل کر کھانا کھاتی ہیں، اور بات چیت کرتی ہیں۔

یاد رہے کہ سب کے سامنے ہدایا کھولنے کا مقصد کسی کی تحقیر نہیں ہوتی، بلکہ باہمی دل لگی مقصود ہوتی ہے۔ مذکورہ محفل اور اس جیسی دیگر تقریبات اگر چہ مغربی تہذیب کی ایجاد ہیں اور غیر مسلموں کا شعار ہیں، لیکن ہمارے مسلمان معاشرے میں بہت عام ہو چکی ہیں، بلکہ معاشرے کا ایک حصہ بن چکی ہیں جن سے اجتناب بہت مشکل ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ تقریب و محفل میں شرکت کا شرعی حکم کیا ہے ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ دعوت نامہ ایک قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہوتا ہے جس کو رد کرنے میں ان کی ناراضگی کا اندیشہ ہے جو کہ باہمی قطع تعلق کا باعث بن سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مذکورہ بالا تقریبات اور رسومات میں درجِ ذیل مفاسد وخرابیاں ہیں:

(۱) فاسقات اور کافرات کے طور وطریقہ کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۲) ہدایا کے لین دین کو ضروری سمجھنا۔ اگر کوئی خالی ہاتھ چلی جائے تو عیب سمجھا جائیگا۔

(۳) ہدایا میں برابری نہ ہونے پر دل میں ناراضگی، اگر ایک نے زیادہ ہدیہ دیا اور پھر اس کو کم ملا تو دل میں خفگی ہوگی۔

(۴) مسلمان عورتوں کو اپنی صلاحیتیں اچھے کاموں میں لگانی چاہئے، ان فضولیات سے بچنا چاہئے۔

(۵) ہنسی مذاق میں حد سے تجاوز ہوگا، جو نامناسب ہے، اکثر غیبت بھی ہوتی ہوگی۔

(۶) حاملہ کا حمل کوئی دکھانے کی چیز نہیں کہ اس کے لیے محفل منعقد کی جائے۔

(۷) کبھی ایسے فعل کی ترغیب دی جاتی ہے جو اسراف میں داخل ہوتا ہے، مثلاً پورا کیک کھاؤ، جب کہ اس کا کھانا مشکل ہے، اور احادیث میں تقلیل طعام کی ترغیب ہے۔

(۸) دیندار گھرانوں میں اس کا رواج ہو جائے تو دوسرے لوگ حد سے بہت تجاوز کریں گے۔

(۹) اس میں تضییع اوقات ہے۔

(۱۰) اس میں تکبر، فخر اور نمائش وغیرہ ہیں۔

(۱۱) برقی آلہ (X RAY مشین) کے ذریعہ بچہ کا مذکر یا مؤنث ہونا معلوم کرکے مہمانوں کو اس کی اطلاع دینا تاکہ اسی کے موافق ہدایا، تحفے وغیرہ پیش کریں، بالکل درست نہیں ہے، اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ نیز اطباء کی تحقیق کے مطابق مذکورہ مشین کا استعمال بچہ اور ماں دونوں کے لیے نہایت مضر ہے۔

خلاصہ یہ ہے مذکورہ بالا مفاسد کی بنا پر اس قسم کی محفلوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اگر قطع تعلق کا اندیشہ ہو تو شرکت کے بعد اس کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے، اور دین کی بات محفل میں چلائے اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے اصلاح کی کوشش کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن جابر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ قال:
”لکل داء دواء فإذا أصیب دواء الداء برأ
بإذن اللّٰہ عز وجل“.

(رواہ مسلم).

عن أسامة بن شریک قال: أتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وأصحابہ کأنما علی رؤوسہم الطیر فسلمت ثم قعدت فجاء الأعراب من ھاھنا وھاھنا فقالوا: یا رسول اللّٰہ أنتداوی قال: ”تداووا فإن اللّٰہ عز وجل لم یضع داء إلا وضع لہ دواء غیر واحد الہرم“.

(رواہ ابوداود).

علاج ومعالجہ کے شرعی احکام

علاج کرانے کا شرعی حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بیمار ہے تو اس بیماری سے صحت یابی کے لیے علاج معالجہ کرانا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ شخص علاج نہ کرائے اور اسی بیماری کی وجہ سے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے لیکن چونکہ سببِ یقینی نہیں ہے اس وجہ سے لازم اور ضروری نہیں ہے، بایں وجہ اگر کوئی مریض علاج نہ کرائے اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

البتہ آج کل بعض معالجات تقریباً یقینی ہو چکے ہیں، جن سے مریض کے شفایاب ہونے کا یقین یا ظن غالب ہوتا ہے، لہٰذا اگر مسلمان ماہر طبیب بتلا دے کہ علاج کرانے میں شفا تقریباً یقینی ہے تو پھر علاج کرانا لازم ہوگا، بشرطیکہ اس کے اخراجات کا بار قابل برداشت ہو، ورنہ ضروری نہیں ہے۔

جس علاج ومعالجہ سے شفایاب ہونا یقین کے درجہ میں ہو اس کا اختیار کرنا ضروری ہونے کی نظیر فقہاء کے کلام میں ملاحظہ فرمایئے:

ملاحظہ ہو فتاوی النوازل میں ہے:

ولو مرض ولم يعالج حتى مات لم يأثم بخلاف الجائع إذا لم يأكل حتى مات بالجوع يأثم به . (فتاوى النوازل ،۲۰۰،كتاب الكراهية،ط: آرام باغ كراچی).

معلوم ہوا کہ کھانا حیاتِ انسانی کے بچاؤ کا یقینی سبب ہے جس کے ترک پر گنہگار رہوتا ہے تو اسی طرح ترکِ علاج جس سے شفا یقینی یا ظن غالب کے درجہ میں ہو گنہگار رہوگا۔ ہاں عام حالات میں علاج مسنون ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مرض أو رمد فلم يعالج حتى مات لا يأثم كذا فى الملتقط ، والرجل إذا استطلق بطنه أو رمدت عيناه فلم يعالج حتى أضعفه ذلک وأضناه ومات منه لا إثم عليه فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة حتى مات حيث يأثم والفرق أن الأكل مقدار قوته مشبع بيقين فكان تركه إهلاكاً ولا كذلک المعالجة والتداوي كذا فى الظهيرية. (الفتاوى الهندية:۳۵۵/۵،الباب الثامن عشر فى التداوى).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً أثم وإن عن التداوي حتى تلف مرضاً لا لأن عدم الهلاک بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون . (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۳٦۷/٦، نوع فى التداوى).

وفى الهندية : ولو جاع ولم يأكل مع قدرته حتى مات يأثم . (الفتاوى :۳۳۸/۵،الباب الحادى عشرفى الكراهية).

محیط برہانی میں ہے:

وفى النوازل: الرجل اذا ظهر به داء، فقال له الطبيب: قد غلبک الدم فأخرجه ، فلم يخرجه حتى مات لايكون مأخوذاً ؛ لأنه لا يعلم يقيناً أن الشفاء فيه، وفيه أيضاً: استطلق بطنه أو رمدت عينه ، فلم يعالج حتى أضعفه ومات بسببه لا إثم عليه ؛ فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة على الأكل حتى مات فإنه يأثم ، والفرق: أن الأكل قدر قوته فيه شفاء يتعين ، فإذا تركه صار مهلكاً نفسه ، ولا كذلک المعالجة. (المحيط البرهانى: الفصل التاسع

عشرفی التداوی من کتاب الاستحسان:١١٧/٦). (وكذا فی الفتاوی الهندية: ٣٥٤/٥،الباب الثامن عشرفی التداوی).

بعض صورتوں میں علاج ومعالجہ وجوب کے درجہ میں ہے۔ملاحظہ ہوفقہ المشکلات میں ہے:

فإذا حصل الظن الغالب أن الشفاء يحصل بالتداوي وفي تركه يكون خوف الموت يكون التداوي واجباً وتركه معصية... أصيب أحد بمرض عُضال لا دواء له حسب تقديرات الأطباء ولكنه ليس مهلكاً على الفور ثم أصابه مرض آخر والمرض الجديد خطير ومهلک عند الأطباء ولكن الظن الغالب أن الشفاء يحصل به حيث أن الطب الجديد قد أدرک علاجه ، فإن قام الطبيب بمعالجته تبقى حياته ولو تركه وشأنه يموت بناء على الظن الغالب ففي هذه الحال القول إن العلاج مباح محض وليس في تركه معصية استناداً إلى قول الفقهاء وعباراتهم العامة ليس صحيحاً بل الحق أن استعمال الدواء لحفظ النفس يكون واجباً وتركه معصية في هذه الحال. (فقه المشكلات ، بحوث فقهية مختارة، ص١٨٢ـ ١٨٤، ط: ادارة القرآن).

علاج ومعالجہ سے متعلق چنداحادیث ملاحظہ کیجئے:

عن جابر رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لكل داء دواء فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله عز و جل . (رواه مسلم ،رقم ٢٢٠٤، باب لكل داء دواء واستحباب التداوی).

أن عاصم بن عمر بن قتادة حدثه أن جابر بن عبد الله عاد المقنع ثم قال: لا أبرح حتى تحتجم فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن فيه شفاء . (رواه مسلم ،رقم ٢٢٠٥).

عن أسامة بن شريک رضي الله عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وأصحابه كأنما على رؤوسهم الطير فسلمت ثم قعدت فجاء الأعراب من هاهنا وهاهنا فقالوا: يا رسول الله أنتداوى قال: تداووا فإن الله عزوجل لم يضع داء إلا وضع له دواء غير واحد الهرم... (رواه ابوداود، واسناده صحيح، رقم : ٣٨٥٥،باب فی الرجل يتداوی،وابن ماجه،رقم:٣٤٣٦،والترمذی

،رقم: ۲۰۳۸،قال: هذا حديث حسن صحيح ،وغيرهم من المحدثين).

قال الإمام النووي : في هذا الحديث (أى :حديث جابر رضی اللہ عنہ:لكل داء دوا...الخ) إشارة إلى استحباب الدواء ، وهو مذهب أصحابنا وجمهور السلف وعامة الخلف....وفيه ردعلى من انكرالتداوى من غلاة الصوفية وقال: كل شيء بقضاء وقدر، فلا حاجة إلى التداوي، وحجة العلماء هذه الأحاديث ، ويعتقدون أن الله هو الفاعل، وأن التداوى أيضاً من قدر الله، وهذا كالأمر بالدعاء ، وكالأمر بقتال الكفار وبالتحصن ومجانبة الإلقاء باليد إلى التهلكة ، مع أن الأجل لايتغير، والمقادير لا تتأخر ولا تتقدم عن أوقاتها ، ولا بد من وقوع المقدرات . (تكملة فتح الملهم:٤/ ٣٣٤).

قال الملا على القاریؒ بعد نقل كلام النوویؒ ما نصه: وحاصله أن رعاية الأسباب بالتداوى لاينافى التوكل كمالاينافيه دفع الجوع بالأكل وقمع العطش بالشرب ومن ثم قال المحاسبى: يتداوى المتوكل اقتداء بسيد المتوكلين . (المرقاة : ٨/ ٣٤٠،ط: امداديه ملتان).

ملا قاریؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علاج ومعالجہ کے اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں ہے، اور محاسبی نے تو کیا ہی خوب فرمایا کہ متوکل شخص سید المتوکلین کی اقتدا میں علاج کرائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عجوہ سے زہر کا علاج کرنے کا حکم:

سوال: احادیث میں عجوہ کو زہر کا علاج بتلایا گیا، کیا زہر کھانے کے بعد عجوہ سے علاج ہوسکتا ہے یا اگر کوئی عجوہ کھاتا ہو تو اس پر زہر اثر نہیں کرے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بندہ عاجز کا خیال یہ ہے کہ کھجور مقوی اجزا پر مشتمل ہے اس میں ہر قسم کا وٹامن موجود ہے اور عجوہ کھجوروں میں اعلیٰ درجہ کے مقوی اجزا موجود ہیں اور اس پر دوام کرنے سے قوتِ مستمرہ آتی ہے اور صبح نہار منہ استعمال کرنے سے اس کی قوت دوبالا ہو جاتی ہے کیونکہ پیٹ خالی ہوتا ہے مزید براں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اس کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے تو فضا میں جو زہریلے اثرات، جراثیم اور وائرس پھیلتے ہیں تو ان

کھجوروں کے کھانے سے وائرس والی بیماریوں کے اثرات سے آدمی محفوظ رہیگا، نیز سحر بھی ضعیف آدمی پر اثر کرتا ہے قوت والے آدمی پر زیادہ اثر نہیں کرتا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ اثر ہوا تھا وہ اس وجہ سے کہ سحر کی تاثیر کا پتہ چل جائے اور اس سے بچنے کی تدبیر کی جائے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت واضح ہوجائے کہ آپ معبود نہیں ہیں، بہرحال اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ کھجوریں کھا کر زہر کا انجکشن لگوادے تو اثر نہیں کریگا۔

عجوہ کھجور کی فضیلت میں چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: من أكل سبع تمرات مما بين لابتيها حين يصبح لم يضره سم حتى يمسي. وفي رواية عنه يقول: سمعت رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم يقول: من تصبح بسبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سم ولا سحر. (رواهما مسلم، رقم: ٢٠٤٧، والبخاري: ٢/٨١٩، باب العجوة).

وعن عائشة رضي اللّٰہ تعالىٰ عنها أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: إن في عجوة العالية شفاء أو أنها ترياق أول البكرة. (رواه مسلم، رقم: ٢٠٤٨).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم. (رواه الترمذي، رقم: ٢٠٦٦، وقال: هذا حديث حسن).

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے صبح میں سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اس کو اس دن زہر اور جادو بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ جنت کا پھل ہے اور زہر تک کے لیے شافی ہے۔

حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال الخطابي: كونها عوذة من السحر والسم إنما هو من طريق التبرك لدعوة سلفت من النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم فيها، لا أن من طبع التمر ذلك. وقال النووي: تخصيص من عجوة المدينة وعدد السبع من الأمور التي علمها الشارع ولانعلم نحن

حكمتها فيجب الإيمان بها وهو كأعداد الصلوات ونصب الزكاة ، وقال المظهر: يجوز أن يكون في ذلك النوع منه هذه الخاصية...وعن شهربن حوشب عن أبي سعيد رضي الله عنه وأبي هريرة رضي الله عنه رفعاه : العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم ...وقال الطيبي: في قوله صلى الله عليه وسلم : من عجوة المدينة تخصيص المدينة أما لما فيها من البركة التي حصلت فيها بدعائه ولأن تمرها أوفق لمزاجه من أجل قعوده بها. (عمدة القارى: ٤٤٦/١٤،باب العجوة، ط: دار الحديث ،ملتان).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وقد وجهه بعضهم بأن السم والسحر إنما يضران لبرودتهما، فإذا داوم الرجل على التصبح بالعجوة تحكمت فيه الحرارة، فتقاوم برودة السم ، وأطال في ذلك عياض، كما في شرح الأبي، وقال ابن القيم : والتمر في الأصل من أكثر الثمار تغذية لما فيه من الجوهر الحار الرطب ، وأكله على الريق يقتل الديدان لما فيه من القوة الترياقية ، فإذا أديم أكله على الريق جفف مادة الدود وأضعفه وقتله . (تكملة فتح الملهم : ٥٢/٤،باب فضل تمرالمدينة).

وللمزيد راجع : (فتح الباری: ٢٣٨/١٠۔٢٤٠،باب الدواء بالعجوة للسحر،والمرقاة :١٧٤/٨،ط: امداديه ،ملتان،والطب النبوی ،ص٢٨٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مریض سے آلاتِ تنفس ہٹانے کا حکم:

سوال: بعض مرتبہ قریب المرگ اشخاص پر مصنوعی آلات سلگا کر ان کے دل کی حرکت کو جاری رکھا جاتا ہے، اگر یہ آلات ہٹادئے جائیں تو دل کی حرکت بند ہوجاتی ہے اور وہ مردہ کی طرح ہوجاتا ہے بلکہ مرجاتا ہے تو کیا ان مصنوعی آلات کا ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ قتل کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مریض سے مصنوعی آلات کا ہٹانا جائز اور درست ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل درجِ ذیل تحقیق کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے:

(۱)اطباء کے نزدیک جب تنفس اور حرکتِ قلب مکمل طور پر ختم ہوجائے یا دماغ (cerebrum) اور جذع المخ (brain stem)اپنے افعال ختم کردے تو اس کو(brain death)دماغی موت کہتے ہیں۔

اعضائے رئیسہ میں دماغ کا بڑا اہم مقام ہے دماغ نہ صرف سارے عصبی نظام کو کنٹرول کرتا ہے بلکہ تنفس اورحرکتِ قلب بھی اس کے تابع ہے۔

عصبی نظام کے چار حصے ہیں:۔

(الف) المخ (cerebrum)عصبی نظام کا بڑا حصہ اس پر مشتمل ہے، یہاں سے سوچ، یادداشت، احساس،حسیت،جسم کے مختلف اعضاء کی حرکت اور دوسرے ایسے کام کا صدور ہوتا ہے جو انسان جاگتے ہوئے اپنی مرضی سے انجام دیتا ہے۔

(ب)المخیخ (cerebellum)عصبی نظام کا دس فیصد حصہ اس پر مشتمل ہے، یہ جسم کے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔

(ج)جذع المخ (brain stem): یہ دماغ کو حرام مغز سے ملاتا ہے،اس کا کام تنفس،حرکتِ قلب اور فسادِ خون کو کنٹرول کرنا ہے۔

(د)حرام مغز(spinal cord): جسمِ انسانی کے احساس اور حرکت کا پیغام یہاں سے دماغ کو منتقل ہوتا ہے۔

چنانچہ مخ یا مخیخ کی موت واقع ہوجائے تو انسان کا غیرعادی طور پر زندہ رہنا ممکن ہے لیکن اگر جذع المخ کی موت واقع ہوجائے تو یہ حقیقی موت کہلائے گی جس کی ظاہری علامات میں سے چند مندرہ ذیل ہیں:

(۱)آنکھوں کی پتلیوں کا بے حس و بے حرکت ہوجانا اور نور کا چلا جانا۔

(۲)دورانِ نفس کا مکمل طور پر بند ہوجانا۔

(۳) حرکتِ قلب کا مکمل طور پر بند ہوجانا،اس کے علاوہ طبی آلاتِ جدیدہ سے موت کا تعین اور تیقن ہونا۔وغیرہ۔

لیکن فقہاء کے نزدیک روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام موت ہے،یعنی اعضائے جسم میں حیات

وزندگی باقی نہ رہے۔

احادیث میں اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے جہاں مومن وکافر کی موت کے احوال مذکور ہیں۔مثلاً مومن کی روح جسم سے آسانی کے ساتھ نکلتی ہے اور کافر کی روح سخت تکالیف کے ساتھ،اس سے واضح ہوتا ہے کہ جسم سے روح کی مفارقت کا نام موت ہے،لہذا اس صورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے فقہاء کے نزدیک مریض کے احوال کے پیشِ نظر تین صورتیں درجِ ذیل ہیں:

(۱) آلاتِ تنفس سے مریض اپنی طبعی حالت پر آجائے یعنی حرکتِ معمولہ پر آجائے اس صورت میں آلاتِ تنفس علیحدہ کردئے جائیں کیونکہ مریض خطرے سے محفوظ ہوگیا۔

(۲) آلات کے باوجود حرکت بند ہوجائے اور سانس بھی بند ہوجائے،چونکہ مریض کی مکمل طور پر موت واقع ہوگئی،لہذا ڈاکٹر آلاتِ تنفس ہٹانے کو کہے گا۔

(۳) دماغی موت کی علامات ظاہر ہوجائیں مثلاً مکمل بے ہوشی اور بے حس وحرکت ہونا وغیرہ لیکن آلاتِ تنفس کے ذریعہ مصنوعی طور پر قلب کی حرکت اور سانس جاری کردیا جائے یہ تیسری صورت محلِ نظر ہے۔

تاہم شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جس شخص کے اندر مندرجۂ ذیل علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر ہوجائے تو وہ مردہ تصور کیا جائیگا:

(الف) حرکتِ قلب اور سانس مکمل طور پر بند ہوجائے اور ماہر اطباء یہ کہدیں کہ اب ان کی واپسی ناممکن ہے۔

(ب) دماغ کے تمام وظائف معطل ہوجائیں اور ماہر اطباء کے کہنے کے مطابق اس کی دماغی موت واقع ہوجائے۔

ایسی صورت میں آلاتِ تنفس کو ہٹانا جائز اور درست ہے،اور اس شخص کو مردہ تصور کریں گے اور مردوں کے احکام جاری ہوں گے۔کذا فی فقہ النوازل۔

(۲) دوسری وجہ: ماہر طبیب نے مشورہ دیا کہ مریض خود بخود زندہ نہیں رہ سکتا ہے صرف آلات ہی کے ذریعہ حرکت جاری ہے تو مصنوعی آلات کو ہٹانا درست ہے اور یہ قتل کے حکم میں بھی نہیں ہے کیونکہ مصنوعی

آلات وغیرہ علاج ومعالجہ میں داخل ہیں اور علاج ومعالجہ خود کوئی فرض یا واجب نہیں۔لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس سے شفایابی کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔ورنہ واجب ہے اور ترک کرنے پر گنہگار ہوگا، کما مر آنفاً۔لیکن صورت مسئولہ میں تو علاج ہے ہی نہیں بلکہ موت تقریباً یقینی ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

وفي النوازل: الرجل اذا ظهر به داء، فقال له الطبيب: قد غلبك الدم فأخرجه، فلم يخرجه حتى مات لايكون مأخوذاً؛ لأنه لا يعلم يقيناً أن الشفاء فيه، وفيه أيضاً: استطلق بطنه أو رمدت عينه، فلم يعالج حتى أضعفه ومات بسببه لا إثم عليه؛ فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة على الأكل حتى مات فإنه يأثم، والفرق: أن الأكل قدر قوته فيه شفاء يتعين، فإذا تركه صار مهلكاً نفسه، ولا كذلك المعالجة. (المحيط البرهاني: الفصل التاسع عشرفي التداوي من كتاب الاستحسان:٦/١١٧). (وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٤،الباب الثامن عشرفي التداوي). **وللاستزادة انظر:** (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية :٣/٤٠٣، و الفتاوى السراجية ،ص ٣٣٢).

وفي الكيسانيات في الجراحات المخوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة في المثانة ونحوها إن قيل: قد ينجو وقد يموت أو ينجو ولايموت يعالج وإن قيل لاينجو أصلاً لايداوى بل يترك كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٦٠).

فقہ المشکلات میں ہے:

أما الصورة الأخيرة وهي التي يبقى فيها التنفس بأجهزة النعاش الصناعية فالظاهر أنه تكلف محض وحياة اصطناعية، فلسنا مكلفين بإبقائها شرعاً، فيجوز نزع مثل تلك الأجهزة والآلات. (فقه المشكلات ،ص١٨٥، مرتبه: قاضي مجاهد الاسلام قاسمي صاحبؒ).

(۳) تیسری وجہ: قریب المرگ کے ساتھ شریعت کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے پاس یسٓ شریف پڑھی جائے تاکہ موت آسان ہو اور سکرات کی تکالیف سے جلد از جلد چھٹکارا مل جائے۔معلوم ہوا کہ قریب المرگ کی موت کی آسانی کی صورتیں پیدا کرنا مطلوب ہے اور آلات ہٹانا بھی اسی طرح ہے۔

ملاحظہ ہو ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

قال بعض العلماء: من خصائص هذه السورة أنها لاتقرأ عند أمر عسير إلا يسره اللّٰه تعالىٰ، وكان قراءتها عندالميت لتنزل الرحمة والبركة وليسهل عليه خروج الروح. واللّٰـه أعلم. قال الإمام أحمد: حدثنا أبوالمغيرة حدثنا صفوان كان المشيخة يقولون: إذا قرء ت يعني يٰسٓ عند الميت خفف اللّٰه عنه بها. (تفسیرابن کثیر:۳/۶۱۹).

الدرالمنثور میں ہے:

أخرج ابن مردويه والديلمي عن أبى الدرداء رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من ميت يقرأ عنده يٰسٓ إلا هون اللّٰه عليه. وأخرج أبوالشيخ في فضائل القرآن والديلمي من حديث أبي ذر رضي الله عنه مثله. وأخرج ابن سعد وأحمد في مسنده عن صفوان بن عمرو قال: كانت المشيخة يقولون ...وأخرج البيهقي في شعب الإيمان عن أبي قلابة قال: من قرأ يٰسٓ غفرله، ومن قرأها عند طعام خاف قلته كفاه، ومن قرأها عند ميت هون اللّٰه عليه، ومن قرأها عند امرأة عسر عليها ولدها يسر عليها، ومن قرأها فكأنما قرأ القرآن إحدى عشرة مرة، و لكل شيء قلب وقلب القرآن يٰسٓ ...(الدرالمنثور: ۷/۳۸،۳۹).

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس یاسین پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے۔(رواہ الدیلمی وابن حبان،مظہری)۔(معارف القرآن:۷/۳۶۳).

فتاوی الشامی میں ہے:

هو استحسان بعض المتأخرين (أى قراءة سورة الرعد) لقول جابر رضي الله عنه أنها تهون عليه خروج روحه. (فتاوى الشامي: ۲/۱۹۱،سعيد).

التلخيص الحبير میں ہے:

في فتح العزيز شرح الوجيز ...استحب بعض التابعين قراءة سورة الرعد ...

والمبهم المذكور هو أبو الشعثاء جابر بن زيد صاحب ابن عباس رضی اللہ عنہ **، أخرجه أبوبكر المروزي في كتاب الجنائز له و زاد فإن ذلك تخفيف عن الميت.** (التلخيص الحبير: ۵/۱۱۳).

(۴) چوتھی وجہ: مصنوعی آلات کا لگانا خود ایک احسان کا معاملہ ہے اور ہٹا دینا یہ ترکِ احسان ہے اور قاعدہ ہے: "**ترك الإحسان لا يكون إساءة**" یعنی احسان ترک کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو قواعد الفقہ میں ہے:

ترك الإحسان لا يكون إساءة: فمن مر بامرأة وصبي في المفازة وهو يقدر على نقله إلى العمران فلم يفعل لم يكن ضامناً شيئاً من بدله. (قواعد الفقه، ص ۷۰).

المجمع الفقهي الإسلامي کا فیصلہ:

المجمع الفقہی الاسلامی نے اس موضوع پر غور کیا کہ یقینی طبی علامات کے ذریعہ کیا موت کا تیقن ہوسکتا ہے، اور شدید نگہداشت کی حالت میں مریض کے جسم سے لگے ہوئے زندہ رکھنے کے آلات کو ہٹا لینے کا کیا حکم ہے؟

اجلاس میں سعودی عرب کی وزارتِ صحت کی جانب سے نیز ماہر اطباء کی طرف سے زبانی اور تحریری بیانات وآراء پر غور کیا گیا، اجلاس میں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے اجلاس منعقدہ عمان اردن میں اس بابت کیے گئے فیصلہ نمبر (۵) مؤرخہ ۳/ ۷/ ۱۹۸۶ء کو بھی پیش نظر رکھا گیا۔

موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے بعد المجمع الفقہی نے درجِ ذیل فیصلے کیے:

جس مریض کے جسم سے زندگی جاری رکھنے کے آلات لگے ہوں، اگر اس کے دماغ کی کارکردگی مکمل طور پر بند ہو جائے اور تین ماہر وواقف کار ڈاکٹر اس بات پر متفق ہوں کہ اب یہ کارکردگی دوبارہ بحال نہیں ہوسکتی ہے تو اس مریض کے جسم سے لگے ہوئے آلات ہٹا لینا درست ہے، خواہ ان آلات کی وجہ سے مریض میں حرکت قلب اور نظامِ تنفس قائم ہو، البتہ مریض کی موت شرعاً اس وقت سے معتبر مانی جائے گی جب ان آلات کے ہٹانے کے بعد قلب اور تنفس اپنا کام بند کردیں۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، مرتب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ، ص ۱۸۵، ادارۃ القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

إلقاء الأضواء على زرع الأعضاء

اعضاء کی پیوندکاری کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے فحول ومفتیانِ ذوی العقول اس مسئلہ میں کہ: اگر کسی شخص کی بینائی ختم ہورہی ہو یا دونوں گردے فیل ہورہے ہوں یا کسی اور عضو کی ضرورت ہو تو دوسرے انسان کا عضو اس کو لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل ۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا میں علمائے کرام کا اختلاف ہے بعض حضرات بہ چند شرائط اس کے جواز کے قائل ہیں، اور بعض منع فرماتے ہیں۔ ہر ایک کے دلائل درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

عدمِ جواز والوں کے دلائل:۔

مانعین کی پہلی دلیل اور اس کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو معزز ومکرم بنایا ہے انسان کے جسم کو قطع وبرید کرنے کی صورت میں اور اس کے اعضاء کے استعمال کرنے کی صورت میں اس کی اہانت کا پہلو مضمر ہے، اور چونکہ حرمت واعزاز میں زندہ مردہ دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ ہے اس لیے زندہ یا مردہ کسی کا عضو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے:

ولقد كرمنا بني آدم و حملناهم في البر والبحر. (سورة بنى اسرائيل،الآية:۷۰).

حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة. (صحيح مسلم:۲/۲۰۴،ط: فيصل).

اس حدیث شریف کے ذیل میں امام نووی رقمطراز ہے:

وقد فصله أصحابنا فقالوا: إن وصلت شعرها بشعر آدمي فهو حرام بلا خلاف سواء كان شعر رجل أو امرأة وسواء شعر المحرم والزوج وغيرهما بلا خلاف لعموم الأحاديث ولأنه يحرم الانتفاع بشعر الآدمى وسائر أجزائه لكرامته بل يدفن شعره وظفره وسائر أجزائه . (الشرح الكامل للامام النووی: ۲/ ۲۰٤).

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حياً .

(رواه ابوداود ،رقم: ۳۳۰۷، وابن ماجه ،رقم: ۱٦۱٦،وغيرهما).

اسی طرح فقہائے کرامؒ انسانی اکرام واعزاز کی وجہ سے انسانی اعضاء سے انتفاع اور اس کی تجارت سے منع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

لا يجوز بيع شعر الإنسان ولا الانتفاع به لأن الآدمي مكرم لا مبتذل ولا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً . (الهداية: ۳/ ۳۹).

شرح السیر الکبیر میں ہے:

والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته فكما لايجوز التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراماً له فكذلک لايجوز التداوی بعظم الميت قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كسر عظم الميت ككسر عظم الحى . (شرح السيرالكبير: ۱/ ۹۰).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع: ۵/ ۳۳۱،سعيد،والعناية مع الهداية: ۱/ ۸۲،ط: رشيديه، والفتاوى الهندية: ۵/ ۳۵٤).

مجوزین حضرات نے مذکورہ بالا دلائل کے درجِ ذیل جوابات دیے ہیں:

جدید فقہی مباحث میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ ملاحظہ ہو:

اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) ترقی یافتہ موجودہ دور میں اعضاء کی

پیوندکاری کا طریقہ اہانتِ انسانی میں داخل ہے یا نہیں؟

(۲) انسانی جان کے تحفظ کے لیے اہانتِ محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ پہلی بات سے متعلق عرض ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے انسان کو مکرم ومحترم ضرور قرار دیا ہے، اسی وجہ سے اس کی اہانت کو جائز قرار نہیں دیا، لیکن کتاب وسنت نے تکریم واہانت کے سلسلہ میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں، اوراہل علم کی نظر میں یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہو اور قطعی فیصلہ نہ کیا ہو انسانی عرف وعادت ہی سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مختلف فقہاء کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال الفقهاء أيضاً كل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا فى اللغة يرجع فيه إلى العرف كالحرز فى السرقة .

پھراس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ عرف وعادت کی بعض صورتیں زمانہ وعلاقہ کی تبدیلی کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں۔ امام ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں:

والمتبذلة منها ما يكون متبذلاً فى العادة من حسن إلى قبيح وبالعكس مثل كشف الراس فإنه يختلف بحسب البقاع فى الواقع فهو لذوى المروءات قبيح فى البلاد المشرقية وغير قبيح فى البلاد المغربية فالحكم الشرعي يختلف باختلاف ذلك فيكون عند أهل المشرق قادحاً فى العدالة وعند أهل المغرب غير قادح . (الموافقات: ۴۸۹/۲،ط:دارابن عفان).

فقہاء نے اجزائے انسانی سے انتفاع کو بے شک منع کیا ہے لیکن یہ ممانعت اس لیے بھی تھی کہ اس زمانہ میں انسانی اعضاء سے انتفاع کو اس کی توہین تصور کیا جاتا تھا اور اُس دور میں ایسے طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزاء سے انتفاع کیا جاسکے ہمارے زمانے میں اس عمل کو انسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا اگر کوئی شخص اپنا عضو کسی اور کو دیدے تو وہ نہ خود اپنی اہانت کا احساس کرتا ہے نہ لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں، بلکہ اس کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور یہ انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

پس موجودہ زمانہ میں اجزاء انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں ہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے اس لیے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہئے۔

(۲) انسانی تحفظ کے لیے اہانتِ محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لیے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

علامہ سمرقندیؒ نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لیے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

لو أن حاملاً ماتت في بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو فى مدة يعيش غالباً فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمى فترک تعظيم الآدمى أهون من مباشرة سبب الموت. (تحفة الفقهاء:۳۴۵/۳).

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: **إبطال حرمة الميت لصيانة حرمة الحي يجوز .** (فتح القدير:۱۴۲/۲،دارالفكر). یعنی مردہ کی حرمت کا ابطال زندہ کی حرمت کی حفاظت کی خاطر جائز ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲۰۳/۲،بیروت،والفتاوى الهندية: ۱۵۷/۱،و۳۶۰/۵،وبدائع الصنائع:۱۳۰/۵،سعيد،وتحفة الملوك ،ص۲۳۹،بيروت،ومجمع الانهر:۲۷۶/۱،بيروت،والموسوعة الفقهية الكويتية:۱۲۰/۱٦،والكويت).

ماں کی موت ہوجائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے، تو فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لیے ترک کیا جارہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

لأن ذلک تسبب في إحياء نفس محترمة بترک تعظيم الميت فالإحياء أولى . (البحر الرائق: ۲۰۵/۸، كوئته).

علامہ ابوبکر کاسانیؒ یوں فرماتے ہیں:

لأنا ابتلينا ببليتين فنختار أهونهما وشق بطن الميتة أهون من إهلاک الولد الحي .

(بدائع الصنائع : ۵/ ۱۳۰، سعید).

یعنی ایک طرف مردہ کی تعظیم وتکریم کا پہلو ہے تو دوسری طرف زندہ کی جان خطرہ میں ہے تو اہون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے زندہ کی جان بچانے کی فکر کی جائے گی۔ اگر چہ مردہ کے کسی جز کا اتلاف لازم آئے۔

الموسوعہ میں اس کو جمہور فقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الحامل إذا ماتت وفي بطنها جنين حي يشق بطنها، ويخرج ولدها، لأنه استبقاء حي بإتلاف جزء من ميت . (الموسوعة : ١٦/ ١٢٠، ط: وزارة الاوقاف).

نیز فقہاء نے اسی اصول سے متعلق ایک دوسرے مسئلہ سے بحث کی ہے کہ مضطر کسی مردہ انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ حسن علی شاذلی نے اپنی کتاب " **حكم نقل أعضاء الإنساني فى الفقه الإسلامى**" میں اس مسئلہ کو بعنوان " **حكم الانتفاع بميتة الإنسان**" (از ص ۵۰ تا ۵۴) بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں احکام بیان فرمائے ہیں، تفصیل کے لیے اصل کتاب کی مراجعت مفید ہوگی۔ البتہ مختصر خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

...وإن وجد معصوماً ميتاً لم يبح أكله في قول أصحابنا(أى الحنابلة) وقال الشافعيؒ وبعض الحنفية يباح ، وهو أولى ، لأن حرمة الحي أعظم ،....

الترجيح : والذى أرجحه هو جواز الانتفاع بأجزاء الآدمى الميت عند الضرورة ، سواء كان معصوماً أو غير معصوم ، إحياء للنفس الآدمية ومداً لأسباب البقاء لها، ... وبخاصة أن النفس الميتة إن لم ينتفع بها تحللت وصارت تراباً ...فإنقاذ نفس حية بشيء من نفس ميتة حفاظ على النفس ، وإحياء لها ، هو هدف مشروع ، ومصلحة مقررة شرعاً ومعتد بها فضلاً عن أن رعاية مصلحة الحي في امتداد حياته ، أولى من رعاية مصلحة الميت في عدم المساس بجسمه ، إذ جسمه إلى تحلل وإلى فناء . (حكم نقل اعضاء الانسانى فى الفقه الاسلامى، ص ٥٢ و ٥٤).

مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

واستدل بعموم الآية على جواز أكل المضطر ميتة الخنزير والآدمي ، خلافاً لمن منع ذلک . (روح المعانی:۲/۴۲).

علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

قوله لحم الإنسان ، لأن لحم الإنسان حرام لحق الشرع وحق العبد والصيد حرام لحق الشرع لا غير فكان أخف زيلعي ، قال في النهر والكلام فيما هو الأولى حتى لو تناول من لحم الإنسان جاز أبو السعود. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۱/۵۲۸).

(وكذا في فتح المعين لابى السعود:۱/۵۳۴، والنهرالفائق لسراج الدين ابن نجيم:۲/۱۴۲).

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض فقہائے احناف نے اجازت دی ہے یہ اس وجہ سے کہ زندہ کی حرمت مردہ سے بڑھ کر ہے۔

لیکن بعض دوسرے حضرات نے مضطر کے لیے مردوں کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔اور علامہ شامیؒ نے اس کی علت کرامتِ بنی آدم ذکر فرمائی ہے۔لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو انہیں فقہاء نے بچے کی حیات کے لیے ماں کا شکم چاک کرنے ،دوسرے کا مال نگل جانے پر اس کو چاک کرنے، نیز زائد انگلی کاٹ نے کی اجازت دی ہے۔ان میں سے بعض میں تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ تزیین کے قبیل سے ہے۔نیز کسی مردہ انسان کے اعضاء کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کو گائے کے گوشت کی طرح پکا کر کھانا علامہ شامیؒ کے نزدیک کرامت کے خلاف ہے لیکن کسی مردہ کے کسی عضو کو آپریشن کے ذریعہ احترام اور احتیاط کے ساتھ علیحدہ کر کے دوسری جگہ لگانا یہ کرامت کے خلاف ہونا محل نظر ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويقدم الميتة على الصيد والصيد على مال الغير ولحم الإنسان ، وقيل: والخنزير؛ ولو الميت نبياً لم يحل بحال . وفي رد المحتار: قوله ولحم الإنسان أى لكرامته ، ولأن الصيد يحل في غير الحرم أو في غير حالة الإحرام ، والآدمي لايحل بحال . (الدرالمختارمع

ردالمحتار:۲/۵٦۲،۵٦۳،سعید).

وینظر : (التحریر المختار علی رد المحتار:۲/۱٦۵،سعید،وتبیین الحقائق:۲/٦۸،ط:امدادیه ،ملتان، والفتاوی الهندیة: ۵/۳٦۰، والدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۳۸،سعید، وبدائع الصنائع : ۵/۱۳۰،سعید).

حدیث شریف " لعن اللّٰہ الواصلة ...الخ " کا جواب:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں اجزاء انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزین اور آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

اسی طرح وہ حدیث" **کسر عظم المیت ککسر عظم الحی**" عام حالات پر محمول ہے جب کہ کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو۔...اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اجزاء انسانی سے انتفاع کی حرمت پر کوئی صریح اور غیر محتمل نص موجود نہیں ہے۔(جدید فقہی مباحث:۱/۲۱۱)۔

اسی طرح دکتور رفاعی عبید فرماتے ہیں:

أما حديث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم" كسر عظمة الميت ككسره حياً " فمعناه أن للميت حرمة وكرامة كحرمة الحي، فلايتعدى شخص آخر على جسم هذا بكسر عظمه لغير مصلحة ، وكذلك بغير إذن من الميت أو ورثته أو الولى فهذا فيه ابتذال ومهانة للميت لغير مصلحة راجحة . وجاء فى سبب هذا الحديث أن الحفار الذى كان يحفر القبر أراد كسر عظم إنسان دون أن تكون هناك مصلحة. (البيان فى التبرع بعضو من الاعضاء ،للشيخ صفوت جودة احمد،ط: مكتبة القاهرة،ص۳۹).

(۲) مانعین کی دوسری دلیل اور اس کا جواب:

انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے۔

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ...ومن قتل نفسه بشي عذب به فى نار جهنم ... و يؤخذ منه أن جناية الإنسان على نفسه كجنايته على غيره فى الإثم لأن نفسه ليست ملكاً له مطلقاً بل هى للّٰه تعالىٰ فلا يتصرف فيها إلا بما أذن له فيه . (فتح البارى: ۱۱/ ۵۳۹،ط: لاهور).

عن جابر رضی اللہ عنہ أن الطفيل بن عمرو الدوسي رضی اللہ عنہ أتى النبي صلى الله عليه وسلم ...فلما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم هاجر إليه الطفيل بن عمرو رضی اللہ عنہ وهاجر معه رجل من قومه فاجتووا المدينة فمرض فجزع فأخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فشخبت يداه حتى مات فرآه الطفيل بن عمرو رضی اللہ عنہ في منامه فرآه وهيئته حسنة ورآه مغطياً يديه فقال له: ماصنع بک ربک فقال: غفر لی بهجرتی إلى نبيه صلى الله عليه وسلم فقال: ما لی أراک مغطياً يديک قال: قيل لی : لن نصلح منک ما أفسدت ...الخ. (رواه مسلم ،رقم: ١١٦).

فتح الباری کی عبارت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح زندہ انسان کی قطع وبرید ناجائز ہے اسی طرح مردہ انسان کی قطع وبرید بھی ناجائز ہے نیز انسانی جسم واعضاء کے ذریعہ تداوی اورعلاج بھی ناجائز ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جسمِ انسانی میں وہ تصرفات جومحض زیب وزینت کے لیے ہوں یابلا کسی ضرورتِ شدیدہ کے ہوں اوران میں ہلاکتِ نفس کاقوی اندیشہ ہوتو وہ ناجائز ہیں۔

جب کہ فقہائے کرام کی بیان کردہ جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ بوقتِ ضرورت انسان کے جسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جنین کی حیات کے آثار پر حاملہ عورت کا شکم چاک کرنا۔جس کی تفصیل گزرچکی ہے۔

(۲) کوئی شخص کسی کے قیمتی مال کونگل کرمرگیا تو اس کا شکم چاک کرنے کے بارے میں دوقول ہیں،ابن ہمامؒ نے چاک کرنے والے قول ترجیح دی ہے۔

ولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان والأولى نعم ، فتح .قوله والأولى نعم ، لأنه وإن كان حرمة الآدمی أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه كما فی الفتح .

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/٢٣٨،سعيد ، وفتح القدير: ٢/١٤٢، دارالفكر).

(۳) فقہاءفرماتے ہیں کہ اگرکسی شخص کی زائدانگلی یاعضونکل آئے تو اس کوکاٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہلاکت کا خطرہ نہ ہو۔ملاحظہ ہوعالمگیری میں ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصيرؒ : إن كان الغالب على من

قطع مثل ذلک الهلاک فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلک .
(الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٦٠).

بظاہر اس جزئیہ سے محض زینت کے لیے اپنے جسم میں تصرف کا جواز معلوم ہوتا ہے تو ضرورت یا حاجتِ شدیدہ کے وقت تصرف بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

پھر خود فتح الباری کی عبارت ”**فلا يتصرف فيها إلا بما أذن له فيه**“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصرف ممنوع ہے جس میں فائدہ نہ ہو اور ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

مزید براں مانعین میں سے اکثر حضرات خون دینے کے قائل ہیں، بلکہ اب اس پر قریب قریب اتفاق ہو چکا ہے حالانکہ جزء انسانی سے انتفاع کو مطلقاً ”توہین انسانی“ باور کیا جائے تو اس کو بھی ناجائز کہنا چاہیے کیونکہ جزء انسانی ہونے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ خون دودھ کی طرح ہے لیکن یہ محلِ نظر ہے، دودھ حلال طیب ہے جب کہ خون ناپاک ونجس ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث: ۲۰۶، ۲۰۷)۔

اور یہ بات کہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں لہذا بالکل تصرف نہیں کرسکتا اس سے متعلق بعض حضرات نے درجِ ذیل جواب دیا ہے۔

ولا يقال: إن جسد الإنسان ليس ملكاً له ، وإنما هو ملک لله تعالىٰ ، ومادام الأمر كذلک فلا يصح للإنسان أن يتصرف فيما لايملكه بالبيع ولا بالتبرع . فالكون كله ملک للّٰه تعالىٰ وليس جسد الإنسان وحده ، ومع ذلک فقد أباح اللّٰه سبحانه، للناس أن يتصرفوا فيما يملكه عز وجل بالطريقة التي ترضيه ، ولاشک أن فضيلة الإيثار ودفع الأذى عن الغير على رأس الفضائل التي يحبها اللّٰه عزوجل ، ويكافئ أصحابها بما يستحقونه من ثواب جزيل . (البيان في التبرع بعضو من الاعضاء ،ص٣٨،ط:مكتبة القاهرة).

ويستمر المؤيدون فيقولون : إن الذى لايملكه الإنسان ولايملک التصرف فيه هو حياته وروحه وليس جسده ...لذلک فإنه يحرم عليه الانتحار ولايجوز له إلقاء نفسه في

التهلكة إلا لضرورة قصوى وهدف اسمى مثل الجهاد فى سبيل الله والدفاع عن النفس. (نقل الاعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم ،ص۸).

إن قضية التبرع مبنية على إسقاط العبد حقه فى العضو والحق أعم من الملك فإذا انتفت ملكية الإنسان لبدنه وأعضائه لانتفى حقه فيها والتبرع بالعضو ليس من قبيل التمليك حتى يشترط الملكية بل من قبيل التنازل عن الحق وهو لايستلزم الملكية . (ردشبه المجيزين لنقل الاعضاء من الناحيتين الدينية والطبية،ص۳۵).

حدیث شریف میں ہے:

عن شيبان قال: سمعت الحسن يقول: إن رجلاً ممن كان قبلكم خرجت به قرحة فلما آذته انتزع سهماً من كنانته فنكأ فلم يرقأ الدم حتى مات قال ربكم:قد حرمت عليه الجنة ثم مد يده إلى المسجد فقال: أى والله لقد حدثني بهذا الحديث جندب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا المسجد . (رواه مسلم ،رقم: ۱۱۳).

قال الإمام النووىؒ: هذا محمول على أنه نكأها استعجالاً للموت أو لغير مصلحة فإنه لو كان على طريق المداواة التي يغلب على الظن نفعها لم يكن حراماً . (الشرح الكامل على صحيح مسلم : ۷۲/۱).

مانعین کی تیسری دلیل اوراس کا جواب:

فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ مضطر کے لیے کسی دوسرے زندہ انسان کے عضوکواس کی اجازت سے کاٹ کرکھانا ناجائز ہےاسی طرح مکرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

أما النوع الذي لا يباح ولا يرخص بالإكراه أصلاً فهو قتل المسلم بغيرحق سواء كان الإكراه ناقصاً أو تاماً لأن قتل المسلم بغير حق لايحتمل الإباحة بحال ...وكذا قطع عضو من أعضاء ه ...ولو أذن له المكره عليه ...لا يباح له أن يفعل لأن هذا مما لا يباح

بالإباحة ولو فعل فهو آثم. (بدائع الصنائع : ۱۷۷/۷،سعید).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس ألا ترى أن المضطر كما لا يباح له قتل الإنسان ليأكل من لحمه لا يباح له قطع عضو من أعضاء ه . (المبسوط : ۸۸/۲٤،دارالفکر).

عالمگیری میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدى وكلها أو قال اقطع منى قطعة وكلها لا يسعه أن يفعل ذلك ولا يصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعة من نفسه فيأكل كذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية: ۳۳۸/۵).

مذکورہ عباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مضطر کے لیے دوسرے کے عضو کو لینا ناجائز ہے۔

الجواب: مولانا خالد سیف اللہ صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: لیکن ضروری ہے کہ فقہاء کی اس طرح کی تعبیر کو ہم اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کی تحقیق اور انکشاف کے تناظر میں دیکھیں پیوندکاری کے طریقے میں ہلاکت یا ضررِ شدید کا اندیشہ نہیں اور کسی کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھانے میں ہلاکت یا ضررِ شدید کا قوی اندیشہ ہے نیز اپنے اعضاء سے خود انتفاع درست ہے لیکن بعض فقہاء نے مضطر کے لیے خود اپنے جسم کے کسی حصے سے گوشت کھانے کو بھی منع کیا ہے، جیسا کہ ہندیہ کی عبارت سے واضح ہے۔

ابن قدامہ نے اس کی علت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

ولنا أن أكله من نفسه ربما قتله فيكون قاتلاً نفسه ولايتيقن حصول البقاء بأكله.

(المغنی : ۷۹/۱۱،دارالفکر). **مستفاد از** (جدید فقہی تحقیقات:۲۱۰/۵)۔

صاحب محیط نے بھی اس کی علت کو ذیل کے الفاظ میں واضح کیا ہے:

وفي فتاوى أبي الليث: رجل مضطر لا يجد ميتة خاف الهلاك، فقال له رجل: اقطع يدى وكلها ، أو اقطع مني قطعة وكلها لايسعه ذلك ؛ لأنه ربما يؤدى إلى إتلافه. (المحيط

البرهاني : ١٢٧/٦، رشيديه).

(۴) مانعین کی چوتھی دلیل اوراس کا جواب:

انسانی اعضاء مال ہی نہیں کہ اس کا ہبہ یا اس کی وصیت کرنا جائز اور درست ہو۔

ملاحظہ ہو صاحبِ بدائع الصنائع فرماتے ہیں:

ومنها أن يكون مالاً متقوماً فلا يجوز هبة ماليس بمال أصلاً كالحر ... (بدائع الصنائع: ١١٩/٦، سعيد).

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ انسانی اعضاء کا مال نہ ہونا یہ مطلق نہیں بلکہ بعض جگہوں میں شریعت نے اس کو مال تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولأبي حنيفةؒ أن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال فيجرى فيها البذل بخلاف الأنفس . (الهداية: ١٥٨/٣).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو قال: اقطع يدى فقطع لاشيء عليه بالإجماع لأن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال وعصمة الأموال تثبت حقاً له فكانت محتملة للسقوط بالإباحة والإذن كما لو قال: أتلف ما لي فأتلفه . (بدائع الصنائع: ٢٣٦/٧، سعيد).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

شریعت نے بعض مواقع پر انسانی وجود اور انسانی اعضاء کو متقوم (قابل قیمت) مانا ہے اور یہ اس وقت ہے جب کوئی انسان ہلاک کردیا جائے یا اس کا کوئی عضو تلف کردیا جائے اس کو اصطلاح شرع میں دیت کہتے ہیں اس پر بھی اتفاق ہے کہ آزاد انسان کے پورے وجود کی خرید وفروخت نہیں ہوسکتی انسانی جسم کے مختلف اجزاء میں بال اور دودھ یہی دو چیزیں تھیں جن سے گذشتہ زمانہ میں انتفاع کیا جاتا تھا، بال جس کا عموماً آرائش اور زیبائش کے لیے کیا جاتا تھا فقہاء نے اس کی خرید وفروخت کو بھی منع کیا ہے...علامہ شامیؒ نے بالوں کیطرح ناخنوں کی خرید وفروخت کو بھی منع کیا ہے۔

وكذا بيع ما انفصل عن الآدمی كشعر وظفر لأنه جزء الآدمی ولذا وجب دفنه .

لیکن دودھ کی خرید وفروخت میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔

مذہب احناف:

لم يجز بيع لبن المرأة لأنه جزء الآدمی وهو بجميع أجزاء ه مكرم عن الابتذال بالبيع (البحرالرائق: ۸۷/۶، کوئٹه).

مذہبِ شافعیہ:

بيع لبن الآدميات جائز عندنا لا كراهة فيه . (المجموع: ۲۵٤/۹، دارالفکر).

مذہبِ مالکیہ:

فروع :... و يجوز بيع لبن الآدميات لأنه طاهر منتفع به ، وأجازه أيضاً الشافعیؒ وابن حنبلؒ ومنعه أبو حنيفةؒ . (مواهب الجليل بشرح مختصرالخليل: ٦٦/٦).

مذہبِ حنابلہ:

فأما بيع لبن الآدميات فقال أحمد: أكرهه واختلف أصحابنا في جوازه فظاهر كلام الخرقي جوازه لقوله " وكل مافيه منفعة " وهذا قول بن حامد والشافعی وذهب جماعة من أصحابنا إلى تحريم بيعه وهو مذهب أبي حنيفةؒ ومالکؒ...والأول أصح لأنه لبن طاهر منتفع به فجاز بيعه كلبن الشاة ولأنه يجوز أخذ العوض عنه في إجارة الظئر فأشبه المنافع ... وسائر أجزاء الآدمی يجوز بيعها فإنه يجوز بيع العبد والأمة ...و حرم بيع العضو المقطوع لأنه لا نفع فيه . (المغنی: ۳۲۹/٤).

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک عضو انسان کسی حد تک مال شمار ہوتا ہے علاوہ ازیں احناف کے نزدیک اگرچہ مال نہیں لیکن یہاں مسئلہ اضطراریا حاجتِ شدیدہ کا ہے لہٰذا اضطراریا حاجتِ شدیدہ کے وقت "**الضرورات تبيح المحظورات**" کے تحت بہ چند شرائط کسی کو اپنا عضو دینا جائز ہونا چاہئے۔

يقول فضيلة الشيخ منصور الرفاعي عبيد : يجوز أن يتبرع إنسان حي بجزء من جسده لايترتب على اقتطاعه ضرر به متى كان ذلک فی صالح الشخص المنقول إليه وبيده ، خاصة إذا ما أشار بذلک طبيب ، وبحيث لا يؤثر العضو الذی يتبرع به المسلم إلى عجزه أو تشويهه لماجاء فی فقه الزيدية والشافعية أنهما يجيزان أن يقطع الإنسان الحي جزءاً من نفسه ليأكله عند الضرورة بشرط ألا يجد مباحاً ولا محرماً آخر يأكله ويدفع به مخمصته ، وأن يكون الضرر الناشئ من قطع جزئه أقل من الضرر الناشئ من تركه الأكل . (البيان فی التبرع بعضو من الاعضاء ،ص:۳۹).

ويقول صفوت جودة أحمد : حكم التبرع بعضو من الأعضاء :

...و يرى جمهور الفقهاء أن التبرع بعضو أن بجزء من إنسان حي لإنسان آخر مثله جائز بشروط من أهمها: أن يصرح الطبيب أو الأطباء الثقاة بأن نقل هذا العضو من شخص إلى آخر لا يترتب عليه ضرر بليغ بالشخص المتبرع، وإنما يترتب عليه حياة الشخص المتبرع له ، أو إنقاذه من مرض عُضال.

وهذا هو الرأى الراجح ، لأن التبرع قلما يصدر عن الإنسان إلا في أشد حالات الضرورة وقلما يكون إلا لشخص عزيز على هذا الإنسان المتبرع ، ولأن المتبرع ما فعل ذلک إلا بقصد تقديم منفعة عظيمة لغيره مبتغياً بها وجه اللّٰه تعالىٰ . (البيان فی التبرع بعضو من الاعضاء ،ص:۳۸).

اعضاء کی خرید وفروخت کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری ایسے اعضاء کو خرید کرنا جائز ہوگا جیسا کہ فقہاء نے بوقتِ ضرورت رشوت دینے یا سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایسے اعضاء کی خرید وفروخت دونوں درست ہوگی ، اس سلسلہ میں ابن قدامہ کی یہ عبارت اور اس کا عموم قابل لحاظ ہے کہ:

”وسائر أجزاء الآدمی يجوز بيعها فإنه بيع العبد والأمة“.

آگے چل کر ابن قدامہ نے گو جسم سے تراشے گئے عضو کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے مگر یہ اس لیے نہیں کہ انسانی اجزاء سے انتفاع جائز نہیں بلکہ اس لیے کہ اس وقت انسانی اعضاء سے انتفاع ممکن نہیں تھا۔ **وحرم بيع العضو المقطوع لأنه لا نفع فيه**۔ (جدید فقہی تحقیقات:۵/۲۱۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت عضو کے ہبہ کرنے کی گنجائش ہے البتہ وصیت کرنا محل نظر ہے کیونکہ وصیت میں فی الحال مضطر موجود نہیں ہے بلکہ موہوم ہے، الا یہ ہے کہ مضطر معلوم ہو تو اس میں ضرورت متحقق ہوسکتی ہے۔

مانعین کی پانچویں دلیل اوراس کا جواب:

بعض اعضاء مثلاً بینائی کے ختم ہونے سے اضطرار کی حالت نہیں پائی جاتی لہذا اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے؟

فالضرورة: بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلك أوقارب وهذا يبيح تناول الحرام.

والحاجة : كالجائع الذى لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهد ومشقة وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم .

والمنفعة : كالذى يشتهى خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم .

والزينة : كالمشتهى بحلوى والسكر .

والفضول : التوسع بأكل الحرام والشبهة . (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر: ۲۵۲/۱، ادارة القرآن).

الجواب: بعض مرتبہ حاجت کو ضرورت کا درجہ دیدیا جاتا ہے۔ کیونکہ بینائی میں جسم کے اہم نفع کو لوٹا ہے۔

چنانچہ شیخ احمد زرقا فرماتے ہیں:

قاعدة : الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة " والظاهر أن ما يجوز للحاجة إنما يجوز فيما ورد فيه نص يجوزه أو تعامل أو لم يرد فيه شيء منهما ولكن لم يرد فيه نص

يمنعه بخصوصه وكان له نظير في الشرع يمكن إلحاقه به وجعل ما ورد في نظيره وارداً فيه .... أو كان لم يرد فيه نص يجوزه أوتعامل ولم يرد فيه نص يمنعه ولم يكن له نظير جائز في الشرع يمكن إلحاقه به ولكن كان فيه نفع ومصلحة . (شرح القواعدالفقهية ،ص: ۲۰۹).

مانعین کی چھٹی دلیل اوراس کا جواب:

''الضرر لايزال بمثله'' قاعدہ یہ ہے کہ ایک ضرر کو اس جیسے دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا ہے۔

الضرر لا يزال بالضرر، فإذا كان المريض المطلوب نقل العضو له يعافى من الضرر قطعاً فإن المتبرع بذلك العضو سيصاب بالضرر حتماً...لأنه إذا كان سيتبرع بإحدى كليتيه مثلاً وعلى افتراض عدم حدوث أية مضاعفات له بعد العملية الجراحية فإنه سيفقد نصف الطاقة الإجمالية لِكُلْيَتَيْهِ وهذا بالتأكيد ضرر قادح ومؤكد. (نقل الاعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم،ص:٦).

الجواب: اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں ضرر یکساں نہیں ہیں بلکہ ایک اشد ہے اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ '' الضرر الاشد يزال بالضرر الأخف ''۔یعنی ضررِ شدید کو ضررِ خفیف سے دور کیا جائیگا۔

چنانچہ شیخ احمد زرقا فرماتے ہیں:

الضرر لا يزال بمثله ولا بما هو فوقه بالأولى بل بما هو دونه هذه المادة تصلح أن تكون قيداً للمادة : الضرر يزال ... (شرح القواعدالفقهية،ص: ۱۹۵،دارالقلم).

پھر مجوزین نے خود جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ عضو دینے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عضو دینے کے بعد فی الحال یا آئندہ کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے ورنہ ناجائز ہوگا۔

ألا يتعرض المتبرع لضرر يؤديه كلياً أو جزئياً في الحال أو المآل .

لیکن یہ کہنا کہ جو اعضاء دو ہیں مثلاً گردے تو ایک دینے سے ضرور نقصان ہوگا یہ بات محلِ نظر ہے۔

مانعین کی ساتویں دلیل اوراس کا جواب:

سد الذرائع ، یعنی آئندہ ضررِ عظیم اوراعضائے انسانی کی تجارت کا دروازہ نہ کھل جائے، اس وجہ سے منع کیا جائے گا۔

وإذا كان الحكم الشرعي في أمر ما بالإباحة ولكنه عند التطبيق سيؤدى إلى ضرر يفوت الفائدة المعتبرة من ورائه . امتنع ذلک الحكم كراهة أو تحريماً وفي هذا فإن امتهان كرامة الإنسان ونشوء سوق لتجارة أعضاء الآدمية بكل مايستتبعه من تداعيات بمثل خطراً شديداً وضرراً بليغاً بالمجتمع المسلم قاطبة يوجب تعطيل أية إباحة لنقل الأعضاء على فرض صحتها. (نقل الاعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم:۱/۶).

الجواب: اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ مجوزین نے بھی تجارت کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ بوقتِ ضرورت یہ شرط لگادی ہے کہ یہ محض تبرع ہونا چاہئے۔

أن يكون النقل تبرعاً ودون أى مقابل مادى حتى بعيداً عن البيع والشراء وحتى لايتحول جسد الإنسان الذى كرمه الله تعالىٰ إلى قطع غيار تباع فى الأسواق .

ہاں اگرکوئی متبرع نہ ملے تو بوقتِ مجبوری صرف خریدنا جائز ہوگا بیچنا کسی حال میں جائز نہیں، علاوہ ازیں پیوندکاری کا مسئلہ مسلمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کے حاجت مند ہوتے ہیں وہ ہم سے فتویٰ نہیں پوچھیں گے، اوروہ اس طریقہ علاج کواستعمال کرتے ہیں، لہٰذا مسلمان کواجازت نہ دینے کی صورت میں بھی یہ مذکورہ خطرہ لاحق ہے۔

مجوزین کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

دلیل(۱): **قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً﴾** [سورة المائدة:۳۲].

المراد من إحياء النفس تخليصها عن المهلكات ...(تفسیرالرازی:۵/۲۱۹،دارالفکر).

قال العلامة الآلوسي: و من أحياها أى تسبب لبقاء نفس واحده موصوفة بعدم ما ذكر من القتل والفساد ...أو استنقاذها من سائر أسباب الهلكة بوجه من الوجوه . (روح المعانی: ۶/۱۱۸، دارالتراث).

دلیل(۲) **قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ وما جعل علیکم فی الدین من حرج ﴾** [سورة الحج:۷۸].

أی في جميع أموره ...من حرج أی ضيق بتكليف ما يشتد القيام به عليكم. (روح المعانی: ۱۷/ ۴۲۷،مؤسسة الرسالة).

دلیل(۳): **عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ما أنزل اللّٰه داء إلا أنزل له شفاء .** (رواه البخاری : ۸۴۷/۲،ط:فیصل).

عن عبد اللّٰه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه عز وجل لم ينزل داء إلا أنزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله . (مسنداحمد : ۷/ ۲۷۱، مؤسسة الرسالة).

دلیل(۴): یہ علاج بھی تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جس کی علماء نے بہ چند شرائط اجازت دی ہے۔

قال فی الدرالمختار: وجوزوه فی النهاية بمحرم إذا أخبره الطبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد مباحاً يقوم مقامه (قوله وجوزوه فی النهاية) ونصه وفی التهذيب : يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوی إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه . (الدرالمختارمع ردالمحتار:۳۸۹/۶،سعید،و ۲۲۸/۵،مطلب فی التداوی بالمحرم،والفتاوی الهندية: ۳۵۵/۵).

دلیل(۵): پیوندکاری سے علاج مضطر کے قبیل سے ہے اوراس کے بارے میں تفصیل ماقبل میں گزرچکی ہے۔

دلیل(۶): " **الضرورات تبيح المحظورات** " قاعدے کے تحت جائز ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل اس طرح کے علاج کی شدید ضرورت ہے ورنہ انسان سخت مصیبت میں مبتلا ہوسکتا ہے یا اس کی موت واقع ہوسکتی ہے،لہٰذا اس طرح کا علاج ومعالجہ بھی جائز ہونا چاہئے،مزید یہ کہ آئے دن مختلف قسم کی نئی نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں، پھرانسانی غذامیں ملاوٹ کی وجہ سے انسانی جسم بہت نحیف اور کمزور ہوچکے ہیں اور یہ علاج معاشرہ کی ایک عام ضرورت بن چکا ہے،لہٰذا موجودہ دور کے علمائے کرام کو مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری اکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں:

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کسی فوت شدہ انسان کا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے ہیں، اور ایسی وصیت بھی جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۳۳۶، فاروقیہ)۔

نیز فتاویٰ رحیمیہ (۵/ ۴۸۵، دیوبند،) اور آپ کے مسائل اور ان کا حل (۴/ ۳۵۱) میں بھی ناجائز لکھا ہے۔

فتاویٰ حقانیہ میں لکھا ہے کہ... متاخرین فقہاء نے حالتِ اضطرار شدیدہ کے وقت مرخص قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۲/ ۳۹۷)۔

''نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے'' میں مرقوم ہے:

۴۔ اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کرسکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لیے مباح ہوگا۔

۵۔ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔ (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۴۳۔ ۱۴۴، ط: ایفا پبلیکیشنز وکذا فی اہم فقہی فیصلے، ص ۱۳۱ ط: کراچی)۔

عصر حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

...لیکن مصالح کے پیش نظر اور موجودہ سرجری میں غیر معمولی ترقی ہوجانے کے بعد اعضاء کی پیوندکاری کی افادیت تقریباً یقینی ہوجانے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔(عصر حاضر کے فقہی مسائل،ص ۸۸،۸۹،از مولانا بدر الحسن قاسمی)۔

المجمع الفقهي الإسلامي کے فیصلے:

...اس موضوع پر بحث ومناقشہ کے بعد اجلاس کا خیال ہے کہ قائلین جواز کے استدلالات ہی راجح ہیں، اس لیے اجلاس درجِ ذیل فیصلے کرتا ہے:

اول: کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے دوسرے انسان کے جسم میں لگادینا جو اس کا ضرورت مند ہو اپنی زندگی بچانے کے لیے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو واپس لانے کے لیے جائز عمل ہے، جو عضو دینے والے کی نسبت سے کرامتِ انسانی کے منافی نہیں ہے، دوسری طرف عضو لینے والے کے حق میں نیک تعاون اور بڑی مصلحت کا کام ہے، جو ایک مشروع اور قابل تعریف عمل ہے بشرطیکہ درجِ ذیل شرائط موجود ہوں:

(۱) عضو کے لینے سے اس کی عام زندگی کو نقصان پہنچانے والا ضرر نہ لاحق ہوتا ہو کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ کسی نقصان کے ازالہ کے لیے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارا نہیں کیا جائے گا، اور چونکہ ایسی صورت میں عضو کی پیشکش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف ہوگا، جو شرعاً ناجائز ہے۔

(۲) عضو دینے والے نے رضاکارانہ طور پر اپنی خواہش سے بغیر کسی دباؤ کے دیا ہو۔

(۳) ضرورت مند مریض کے علاج کے لیے عضو کی پیوندکاری ہی طبی نقطہ نظر تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

(۴) عضو لینے اور لگانے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادۃً یقینی ہو۔

دوم: مندرجہ ذیل صورتیں بدرجہ اولیٰ جائز شمار کی جائیں گی:

(۱) کسی مردہ انسان کا عضو دوسرے ضرورت مند انسان کے تحفظ کے لیے حاصل کیا جائے، بشرطیکہ جس کا عضو لیا جارہا ہے وہ مکلّف ہو اور اپنی زندگی میں اس کی اجازت دے چکا ہو۔

(۲) کسی ماکول اللحم اور ذبح شدہ جانور یا بوقتِ ضرورت دوسرے جانور کا عضو خنزیر کے علاوہ کسی

ضرورت مند انسان میں پیوند کاری کے لیے لیا جائے۔

(۳) انسانی جسم سے کوئی حصہ لینا تاکہ اسی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جائے، مثلاً کھال یا ہڈی کا کوئی ٹکڑا لے کر جسم کے کسی دوسرے مقام پر بوقتِ ضرورت لگایا جائے۔

(۴) معدنی یا کسی اور دھات کے مصنوعی ٹکڑے کو کسی مرض کے علاج کے لیے انسان کے جسم میں لگایا جائے جیسے جوڑوں اور قلب کے والوو غیرہ کے لیے استعمال کیا جائے۔

یہ چاروں حالتیں سابقہ شرائط کے ساتھ اکیڈمی کی رائے میں جائز ہیں۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۷، ۱۵۸، مرتب: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ، ط: ادارۃ القرآن)۔

بعض من أجاز نقل الأعضاء :

قرار هيئة كبار العلماء فى المملكة العربية السعودية .

فتوى لجنة الإفتاء فى المملكة الأردنية الهاشمية .

فتوى لجنة الإفتاء الجزائرية .

فتوى لفضيلة مفتى جمهورية مصر العربية .

وغيرهم من الفتاوى والآراء الفقهية لبعض الفقهاء المعاصرين. (المأخوذ من رد شبه المجيزين لنقل الاعضاء من الناحيتين الدينية والطبية، للشيخ محمود محمد عوض سلامة).

اعضاء کی پیوند کاری کی تفصیلی بحث کا خلاصہ:

☆ اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں مفتی حضرات کی دو رائے ہیں، ضرورت کے وقت ان مفتی حضرات کی رائے کو لے سکتے ہیں جو جواز کے قائل ہیں، لیکن ان تفصیلات وشرائط کی رعایت ضروری ہے جو مجوزین نے ذکر فرمائی ہیں۔

☆ اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے لیے جو طبی طریقہ ایجاد و رائج ہوا ہے اس میں توہین انسانیت نہیں ہے۔

☆ بوقتِ ضرورت اعضاء خرید کیے جا سکتے ہیں۔

☆ اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

☆ اعضاء انسانی کی وصیت ناجائز ہے۔اور شرعاً اس وصیت کا اعتبار نہیں ہے۔

☆ اعضاء کی پیوندکاری کا مقصد مریض کی جان بچانا یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو جیسے بینائی۔

مزید تفصیلات کے لیے درجِ ذیل کتب ورسائل ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

(جدید فقہی مسائل، جلد:۵، وجدید فقہی مباحث، جلدا، وحکم نقل اعضاء الانسان فی الفقه الاسلامی، للشیخ حسن علی الشاذلی، واعضاء انسانی کی پیوندکاری، وانسانی اعضاء کا احترام اور طبِ جدید، واحسن الفتاویٰ، جلد۸، توقیع الاعیان علی حرمة ترقیع الانسان، والاستنساخ البشری بین الاباحة والتحریم فی ضوء الشریعة مع بیان موقف الهیئات الدولة المعاصرة، ورابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ ۲۰۹ء مطابق ۱٤۳٠ھ، ورد شبه المجیزین لنقل الاعضاء من الناحیتین الدینیة والطبیة، للشیخ محمود محمد عوض سلامة، وتعریف اهل الاسلام بان نقل العضو حرام، للشیخ الغماری، والبیان فی التبرع بعضو من الاعضاء، للشیخ صفوت جودة احمد، وجدید فقہی تحقیقات، جلد۵، ونظام الفتاویٰ، جلدا، وعصر حاضر کے فقہی مسائل، از مولانا بدر الحسن قاسمی، ونئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ومجلّہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ: ۱/ ۱۶۹-۲۴۸، اعضاء کی پیوندکاری)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قلب کی پیوندکاری کا حکم:

سوال: کیا قلب کی پیوندکاری (heart transplant) جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر اختلاف ہے تو دونوں فریق کے دلائل بھی پیش کیجئے، اور مفتی رضاء الحق صاحب جس قول کو ترجیح دیتے ہیں اس کو بھی درج کیجئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جاننا چاہیے کہ اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے سلسلہ میں علمائے کرام کے درمیان دو مختلف نظریات اور مذاہب پائے جاتے ہیں، بعض حضرات اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، فی زماننا علماء کی ایک بڑی جماعت نے تحققِ ضرورت اور مختلف دلائل کی روشنی میں اس کے جواز کو ترجیح دی ہے، فریقین کے دلائل کی تفصیلات ماقبل میں گزر چکی ہیں، وہاں ملاحظہ کر لی جائیں۔

البتہ ایک آدمی کے قلب کو نکال کر دوسرے کو لگانا اس شخص کو قتل کرنے کے مترادف ہے لہذا دل کی پیوند کاری کی اجازت نہیں دی جاسکتی، دل ودماغ کے علاوہ ایسے اعضاء کی پیوند کاری جس پر اس کی زندگی موقوف نہ ہو ان میں اختلاف کی گنجائش ہے، مثلاً آنکھ، ایک گردہ وغیرہ اس کے متعلق مجوزین کے قول پر عمل کر سکتے ہیں۔

لیکن اگر مرنے کے بعد فوراً یا اطباء کے کہنے کے مطابق دماغی موت واقع ہوجانے کے بعد نکالا جائے جس میں قتل کا شبہ نہ ہو تو پھر مجوزین کے قول کے مطابق قلب کی پیوند کاری کی اجازت ہوگی جیسا کہ فی زماننامروج ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (مجلّہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ :۱/ ۱۶۹۔۲۴۸، اعضاء کی پیوندکاری)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گردہ منتقل کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے دونوں گردے خراب ہوچکے ہیں، کیا یہ شخص اعضاء کی پیوندکاری کرا کر یعنی دوسرے آدمی کا گردہ لگا کر اپنی زندگی کی بقا کا سامان کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اعضاء کی پیوندکاری سے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے تاہم مجوزین کے قول پر ان کی بیان کردہ شرائط وقیودات کے ساتھ عمل کر کے گردہ تبدیل کرانے کی اجازت ہوگی۔ دلائل کے لیے ہمارا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ کرلیا جائے۔

نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (مجلّہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ :۱/ ۱۶۹۔۲۴۸، اعضاء کی پیوندکاری)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آنکھ کی پتلی منتقل کرنے کا حکم:

سوال: میں ایک خاتون ہوں، میری بینائی تقریباً ختم ہوچکی ہے اور اطباء کا کہنا ہے کہ اگر علاج نہ کرایا

گیا تو میں بالکل نابینا ہو جاؤں گی۔ اطباء کا کہنا ہے کہ مجھے آنکھوں کی روشنی حاصل کرنے کے لیے کورینل گرافٹ (corneal graft) کرانا پڑیگا۔

اس علاج کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

یہ انتقالی آپریشن ہوتا ہے، ایک آدمی کا عضو یعنی آنکھ کی پتلی دوسرے کی آنکھ میں ڈالی جاتی ہے۔

یہ آنکھ کی پتلی ایک ایسے شخص کی آنکھ سے لی جاتی ہے جس نے یہ وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھ کی پتلی کسی اور میں استعمال کی جائے، موصی کی موت کے بعد ایک خاص مدت کے لیے اس پتلی کو آنکھوں کے بینک میں رکھ کر اس کی نگرانی کی جاتی ہے۔

مریض میں منتقل کرنے سے پہلے پتلی کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں کہ صحیح اور مفید ہے یا نہیں اور مریض کی آنکھ میں منتقل کرنے سے کسی قسم کی بیماری تو منتقل نہیں ہوگی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ آیا اس قسم کے علاج کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض علماء اور مفتیوں کے نزدیک اس کی گنجائش ہے آپ ان کے فتوے پر عمل کر سکتے ہیں۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل ماقبل تفصیلی فتوے میں ملاحظہ فرمالیں، ہاں اس قسم کی وصیت کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ہڈی کا مغز منتقل کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین درجِ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

ہڈی میں جو مغز ہے اس کا ٹرانسپلانٹ (bone marrow transplant) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: انسانی اعضاء سے انتفاع اور اس کی پیوندکاری سے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ مجوزین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

جانور کے عضو سے پیوندکاری کا حکم:

سوال: کسی معذور یا بیمار شخص کو حیوانات کے اعضاء بوقتِ ضرورت لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لیے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے غیر حیوانی اجزاء کا استعمال جائز اور درست ہے نیز ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال ''جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو شرعی طریقہ پر ذبح کیے گئے ہوں'' جائز ہے۔

اسی طرح جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کیے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی بوقتِ ضرورت جائز اور درست ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزا کا استعمال جائز نہیں۔ ہاں بوقتِ اضطرار اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال في الفتاوى الهندية: وقال محمدؒ: ولا بأس بالتداوي بالعظم إذا كان عظم شاة أو بقرة أو بعير أو فرس أو غيره من الدواب إلا عظم الخنزير والآدمي فإنه يكره التداوي بهما فقد جوز التداوي بعظم ماسوى الخنزير والآدمي من الحيوانات مطلقاً من غير فصل بينما إذا كان الحيوان ذكياً أو ميتاً وبينما إذا كان العظم رطباً أو يابساً وما ذكر من الجواب يجري على إطلاقه إذا كان الحيوان ذكياً لأن عظمه طاهر ...وأما إذا كان الحيوان ميتاً فإنما يجوز الانتفاع بعظمه إذا كان يابساً ولا يجوز الانتفاع إذا كان رطباً. (الفتاوى الهندية: ٣٥٤/٥). وكذا في المحيط البرهاني: ١١٧/٦، الفصل التاسع عشر في التداوي).

درمختار میں ہے:

و ما طهر به أى بدباغ طهر بذكاة على المذهب . (الدرالمختار: ۱/ ۲۰۵،سعید).

فتاوی الشامی میں ہے:

والحاصل أن ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً وإلا فإن كان نجس العين فلا تطهر شيئاً منه وإلا فإن كان جلده لايحتمل الدباغة فكذلک لأن جلده حينئذٍ يكون بمنزلة اللحم وإلا فيطهر جلده فقط ...(فتاوى الشامی: ۱/ ۲۰۵،سعید).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

تبادلہ اعضائے انسانی کی تین صورتیں:۔ایک صورت جوز مانہ قدیم سے جاری ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان کے عضو کا بدل جمادات یا نباتات وغیرہ سے تلاش کیا جائے اور فنی مہارت کے ذریعہ اس کو کارآمد ومفید بنایا جائے جیسے مصنوعی دانت،مصنوعی آلہ سماعت وغیرہ...دوسری صورت یہ ہے کہ حیوانات کے اعضاء سے یہ کام لیا جائے یہ بھی قدیم زمانہ سے جاری تھا...یہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی ،اجتماعی ،ہرحیثیت سے بے خطر بے ضرر ہیں...زمین کی تمام مخلوقات معدنیات،نباتات حیوانات کوانسان اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس فائدہ کے لیےان چیزوں کوکاٹ چھانٹ کر،کوٹ پیس کر بلکہ جلا کراور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کرسکتا ہے۔(جواہرالفقہ ،جلدِ ہفتم،ص۵۱۔۵۳)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: جانور کی آنکھ انسان کولگانا جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/ ۲۳۶)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث،جلدِاول،وتئے مسائل اورعلمائے ہند کے فیصلے،ص۱۴۳،وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل،ص۱۵۸)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دندان سازی کے لیے جانور کی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: جب آدمی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے مسوڑے کی ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں ، اور کمزوری کی وجہ سے یا کسی بیماری یا دیگر وجوہات کی بنا پر وہ ہڈیاں نہ تو حقیقی دانتوں کو برداشت کرسکتی ہیں اور نہ

مصنوعی دانتوں کو، لہذا ان ہڈیوں کو مضبوط بنانے کے لیے اطباء نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جانور کی ہڈی یا اس کے مغز سے مسالا تیار کر کے، اس کے ذریعہ مسوڑوں کو مضبوط بناتے ہیں، پھر دانتوں کو جمانا ممکن ہوجاتا ہے۔ تو کیا اس طریقہ سے جانوروں کی ہڈیاں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جانوروں کی ہڈیوں سے فائدہ اٹھانا جائز اور درست ہے۔ چاہے وہ جانور شرعی طریقہ پر ذبح کیے گئے ہوں یا ذبح نہ کیے گئے ہوں۔ کیونکہ ہڈیوں میں حیات نہیں ہے لہذا موت بھی حلول نہیں کرتی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولا بأس ببيع عظام الميتة وعصبها...والانتفاع بذلك كله لأنها طاهرة لايحلها الموت لعدم الحياة . (الهداية:۳/۵۵).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما عظم الميتة وعصبها وشعرها ...فيجوز بيعها والانتفاع بها عندنا. (بدائع الصنائع: ۱٤۲/۵،سعيد).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

...حیوانات کے اعضاء سے یہ کام لیا جائے یہ بھی قدیم زمانہ سے جاری تھا... یہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی، اجتماعی، ہر حیثیت سے بے خطر بے ضرر ہیں... زمین کی تمام مخلوقات معدنیات، نباتات حیوانات کو انسان اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس فائدہ کے لیے ان چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر، کوٹ پیس کر بلکہ جلا کر اور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ، جلدِ ہفتم، ص۵۱-۵۳)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث، جلدِ اول، و نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص۱۴۳، وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص۱۵۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دندان سازی کے لیے انسانی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: آج کل جبڑوں میں مصنوعی دانت جمائے جاتے ہیں جن کو بار بار نہیں نکالا جاتا، اور ان کو

جمانے کے لیے انسانی ہڈیوں سے مسالا تیار کیا جاتا ہے، کیا اس طرح دانتوں کو جمانے کے لیے انسانی ہڈیوں کا مسالا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: انسانی اعضاء کو بطورِ تداوی استعمال کرنے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، مجوزین نے بھی بدرجہ مجبوری جان بچانے کی غرض سے اجازت دی ہے جب کہ صورتِ مسئولہ میں کوئی مجبوری نہیں ہے نیز جانوروں کی ہڈیوں سے بھی کام چل سکتا ہے بلکہ چل رہا ہے لہذا انسانی ہڈی استعمال کرنا ناجائز ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

اسقاطِ حمل کی چند صورتیں مع احکام:

سوال: کیا اسلام میں اسقاطِ حمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اسقاطِ حمل کی چند صورتیں ہیں ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ملاحظہ ہو:۔

پہلی صورت: فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ اور حمل میں نفخ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنابریں، چار ماہ بعد باتفاقِ علماء اسقاط جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے۔

دوسری صورت: اعضاء کی تخلیق کے بعد اور نفخ روح سے پہلے بھی صحیح قول کے مطابق اسقاط کی اجازت نہیں ہے، البتہ اس صورت میں بھی اگر عورت کی جان خطرہ میں ہو تو اسقاط کی اجازت ہوگی۔

تیسری صورت: حمل شکل وصورت والا ہو جانے کے بعد بلا عذرِ شرعی اس کا اسقاط جائز نہیں ہے، خواہ اعضاء کی تخلیق ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہے یا طبی آلات کے ذریعہ یہ یقین ہو جائے کہ اس حمل کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ کسی خطرناک موروثی مرض، کوئی خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہوگا یا ماں کی جان کا خطرہ ہو یا ماں کی جسمانی صحت یا دماغی توازن کے متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا اور اس قسم

کے شرعی اعذار کی وجہ سے تخلیق سے قبل اسقاط کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

نقل بعضهم أنه اتفق العلماء على أن نفخ الروح لايكون إلا بعد أربعة أشهر أى عقبها كما صرح به جماعة وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ **أنه بعد أربعة أشهر وعشرة أيام وبه أخذ أحمد ولاينافى ذلك ظهور الخلق قبل ذلك لأن نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق وتمام الكلام فى ذلك مبسوط في شرح الحديث الرابع من الأربعين النووية فراجعه.** (فتاوى الشامى: ۱/ ۳۰۲، مطلب فى احوال السقط واحكامه، سعيد).

وفيه أيضاً : وفى الذخيرة : لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث . (فتاوى الشامى: ٦/ ۳۷٤، سعيد).

وفى الدرالمختار: ويكره أن تسقى لإسقاط حملها وجاز لعذر حيث لايتصور. وفى رد المحتار: قوله ويكره ، أى مطلقاً قبل التصور وبعده على مااختاره فى الخانية كما قدمناه قبيل الاستبراء وقال إلا أنها لاتأثم أثم القتل، قوله وجاز لعذر، كالمرضعة إذا ظهر بها حبل وانقطع لبنها وليس لأبى الصبى مايستأجر به الظئر و يخاف هلاك الولد قالوا: يباح لها أن تعالج فى استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أوعلقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمى الخانية ، قوله حيث لايتصور، قيد لقوله وجازلعذر والتصور كما فى القنية أن يظهر له شعر أو أصبع أو رجل أو نحو ذلك . (فتاوى الشامى: ٦/ ٤۲۹، سعيدو كذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/ ۲۱۳).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن أرادته قبلها (أى قبل نفخ الروح) اختلف المشايخ فيه منهم من قال: لا بأس به لأنه إذا كان قبلها فإلقاء ما في رحمها وعزل الماء سواء والعزل مباح فكذا هذا وكان الفقيه

علي بن موسى يكرهه فإن مآل الماء بعد ما وقع فى الرحم الحياة ولايحتاج إلى صنع أحد وإذا كان مآله الحياة كان له حكم الحياة كما في بيض صيد الحرم. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:٤/٢١٢،كتاب الحظر والاباحة).

عالمگیری میں ہے:

وفى اليتيمة سألت على بن أحمد عن إسقاط الولد قبل أن يتصور فقال: أما فى الحرة فلا يجوز قولاً واحداً ... امرأة مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف على ولدها الهلاک وليس لأبي هذا الولد سعة حتى يستأجر الظئر يباح لها أن تعالج فى استنزال الدم ما دام نطفة أومضغة أو علقة لم يخلق له عضو. (الفتاوى الهندية:٥/٣٥٦).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

امرأة عالجت في إسقاط ولدها لم تأثم ما لم يستبن شيء من خلقه. (الفتاوى السراجية، ص: ٢٩٨).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شرح منظومۃ ابن وہبان:۲/۱۷۰،ط: الوقف المدنی، دیوبند، وجدید فقہی مباحث، مرتب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، جلدِ اول،ص۳۶۹-۳۷۲،ط: ادارۃ القرآن، واسلامی فقہ:۲/ ۲۲۹-۲۳۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ناقص الخلقت جنین کے اسقاط کا حکم:

سوال: اگر ڈاکٹر یہ کہدے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ناقص الخلقت ہے یا زندہ رہنے کے قابل نہیں تو کیا آپریشن کے ذریعہ اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: ناقص الخلقت جنین کے اسقاط کی چند صورتیں، ان میں جواز وعدمِ جواز کی تفصیل فقہ اکیڈمی کے فیصلے کے تحت ملاحظہ فرمائیے:

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اجلاس میں اس موضوع پر ماہر اطباء اور ارکان کی آراء پر غور اور مباحثہ کے بعد اکثریت کی رائے سے

درجِ ذیل فیصلہ کیا گیا:

اگر حمل ایک سوبیس (۱۲۰) دنوں کا ہوتو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہورہا ہو کہ حمل بچہ ناقص الخلقت ہے، البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہورہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لیے یقیناً خطرناک ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لیے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقت ہو یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سوبیس دن نہ گزرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہورہی ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے جو ناقابل علاج ہے، اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لیے الم رساں رہے گا، تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی سفارش کرتا ہے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۲۴۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (حلال وحرام، ص ۳۱۰، وجدید فقہی مباحث: ۱/۳۰۶۔۳۱۱، و ۳۷۰، وکذا فی مجلّہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ: ۱/۳۷۰۔۳۷۳، اعضاء کی پیوند کاری)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

ماں کے ضرر کی وجہ سے اسقاط کا حکم:

سوال: ایک عورت سخت بیماری کی وجہ سے چار ماہ سے پہلے اسقاط کراتی ہے کیا مجبوری کی وجہ سے چار ماہ قبل اسقاط کی اجازت ہے یا نہیں؟ نہ کرنے کی صورت میں ماں کو جان کا شدید خطرہ ہے۔

الجواب: اعضاء کی تخلیق کے بعد اور جان پڑنے سے قبل بھی صحیح قول کے مطابق اسقاط جائز نہیں ہے، البتہ ماں کی جان جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں مرجائے اور اس کے نکالنے کا راستہ نہ ہو اور نہ نکالنے کی صورت میں ماں کی جان

جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں ماں کی جان بچانے کی غرض سے بچہ کو کاٹ کاٹ کر نکال لینا جائز ہے۔

و فی النوادر : امرأة حامل اعترض الولد في بطنها ولايمكن إلا بقطعه أرباعاً ولو لم يفعل ذلک يخاف علی أمه من الموت فإن کان الولد ميتاً فی البطن فلا بأس به وإن کان حياً لايجوز لأن إحياء نفس بقتل نفس أخری لم يرد فی الشرع. (البحرالرائق:۸/۲۳۳).

(وكذا فی الفتاوی الهندية:۵/۳۶۰،والمحيط البرهانی : ٦/،والفصل الثالث والعشرون،وتحفة الملوك، ص: ۲۳۹، بيروت،ومجلّہ فقہ اسلامی،مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ:۱/۳۷۰-۳۷۳،اعضاء کی پیوندکاری)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

توأمین میں سے ایک کے مرنے پر اسقاط کا حکم:

سوال: پانچ ماہ کی حاملہ عورت کو اگر ڈاکٹر کہہ دے کہ آپ کے پیٹ میں دو بچے ہیں جن میں سے ایک مردہ ہے اگر اسقاط نہ کرایا تو دوسرا بھی مر جائے گا یا بوقتِ ولادت ماں کی زندگی خطرے میں رہے گی ، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ اور حمل میں نفخ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنابریں، چار ماہ بعد باتفاقِ علماء اسقاط جائز نہیں ہے۔البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ”**يختار أهون البليتين**“ اور ”**لو كان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد يزال بأخف**“ ان جیسے مسلمہ اصول کے پیش نظر عورت کی جان بچانے کی غرض سے اسقاط کی اجازت ہونی چاہیے ،اس لیے عورت کی جان کا ضیاع ضررِ عظیم ہے اور جنین کا اسقاط اہون ہے کیونکہ عورت کا وجود مشاہد ہے اور جنین کا وجود غیر مشاہد،عورت کا وجود متیقن ہے اور جنین کا وجود غیر متیقن ،اس لیے ایک مشاہد اور متیقن وجود کو بچانے کے لیے ایک غیر مشاہد اور غیر متیقن وجود کو ضائع کیا جا سکتا ہے۔(جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۰)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

جنین کے سر میں پانی کی وجہ سے اسقاط کا حکم:

سوال: ایک عورت کے پیٹ میں حمل ہے اس پر چھ ماہ گزر چکے ڈاکٹر کہتا ہے کہ بچے کے سر میں پانی ہے اس کا اسقاط کرانا چاہئے، ماں کو کوئی تکلیف نہیں ہے، شرعاً اسقاط کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نفخ روح کے بعد جنین کا اسقاط باجماع حرام ہے، مزید براں ماں کو فی الحال کوئی تکلیف نہیں ہے، لہٰذا محض ڈاکٹر کے کہنے پر اسقاط جائز نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وفي الذخيرة : لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث. (فتاوى الشامي:٦/٣٧٤،سعيد).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

اسقاطِ حمل کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے ہمیں اس کے دو مرحلوں پر غور کرنا چاہئے: ایک صورت یہ ہے حمل میں جان پیدا ہو چکی ہے، حدیث کے مطابق استقرارِ حمل کے چار ماہ یعنی ۱۲۰ دن بعد روح پیدا ہوتی ہے، غالباً علم الجنین'' کے جدید ماہرین بھی اس کی تائید کرتے ہیں، روح پیدا ہونے کے بعد اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے، احمد علیش مالکی فرماتے ہیں:

والتسبب في إسقاطه بعد نفخ الروح فيه محرم إجماعاً وهو من قتل النفس . (فتح العلى المالك:١/٣٩٩).

اور فتاویٰ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ میں ہے:

إسقاط الحمل حرام بإجماع المسلمين وهو من الوأد الذي قال تعالىٰ فيه : ﴿ وإذا الموؤدة سئلت بأى ذنب قتلت﴾. (٣١٧/٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچہ کے معذور ہونے پر اسقاط کا حکم:

سوال: ایک عورت کے پیٹ میں چھ ماہ کا حمل ہے، مختلف ڈاکٹروں نے بتلایا کہ بچہ تقریباً معذور ہے اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے، پھرنے کے بالکل قابل نہیں ہوگا، اور بھی مختلف عوارض لاحق ہیں، اس کی ماں کو بھی خطرۂ جان ہے، اس حالت میں اسقاط کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ڈاکٹروں کا اتفاق ہو کہ بچہ معذور ہوگا اور ماں کو جان کا خطرہ ہے تو اس صورت میں اسقاط کی گنجائش ہونی چاہئے۔ لیکن نفخ روح کے بعد اکثر حضرات نے اسقاط کی اجازت نہیں دی۔

جدید فقہی مباحث میں ہے:

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

اور حمل میں نفخ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنا بریں، چار ماہ بعد باتفاقِ علماء اسقاط جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں "**یختار أهون البلیتین**" اور "**لو کان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد یزال بأخف**" ان جیسے مسلمہ اصول کے پیش نظر عورت کی جان بچانے کی غرض سے اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۰)۔

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اجلاس میں اس موضوع پر ماہر اطباء اور ارکان کی آراء پر غور اور مباحثہ کے بعد اکثریت کی رائے سے درجِ ذیل فیصلہ کیا گیا:

اگر حمل ایک سو بیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل بچہ ناقص الخلقت ہے، البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لیے یقیناً خطرناک ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لیے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقت ہو یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہ گزرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہورہی ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے جو نا قابل علاج ہے، اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لیے الم رساں رہے گا، تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی سفارش کرتا ہے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۲۴۵)۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۰۶-۳۱۱، وکتاب الفتاویٰ: ۶/۲۲۳-۲۲۴، ط: زمزم)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حمل بالزنا کے اسقاط کا حکم:

سوال: ایک غیر شادی شدہ لڑکی نے غلطی سے کسی لڑکے سے زنا کیا اور حمل ٹھہر گیا، اور اس حمل پر پانچ ماہ گزر چکے، اب عار سے بچنے کے لیے حمل کا اسقاط کرانا چاہتی ہے کیا اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء کے ہاں چار ماہ سے قبل حمل کا اسقاط مختلف فیہ ہے لیکن فقہ اکیڈمی کے اجلاس میں صحیح قول کے مطابق ناجائز کہا گیا ہے اور چار ماہ بعد تو بالاجماع حرام اور ناجائز ہے۔ اس میں ولدالزنا اور غیر ولدالزنا کا فرق نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وفي الذخيرة: لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث. (فتاوى الشامي: ٦/٣٧٤، سعيد).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

اگر حمل بالزنا بالرضا کے نتیجہ میں ہو (تو مطلقاً) یا (اور زنا بالجبر ہو) اس حمل پر ۴ ماہ گزر چکے ہوں تو ان

حالتوں میں اسقاط کی اجازت نہیں۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۳، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زنا بالجبر کی وجہ سے اسقاط کا حکم:

سوال: کیا زنا بالجبر کی وجہ سے اسقاطِ حمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا بالجبر کی صورت میں بچہ کے اعضاء بننے اور روح پڑنے سے پہلے اسقاط کی اجازت ہے لیکن اعضاء بننے اور روح پڑنے کے بعد اجازت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو جدید فقہی مباحث میں ہے:

اس سلسلہ میں اتنی بات واضح رہے کہ حمل اگرچہ زنا سے ہو وہ محترم ہے اور اس کا خود کوئی قصور نہیں ہے، اسی وجہ سے صاحبِ ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ حمل بالزنا کا اسقاط بھی جائز نہیں ہے۔

وهذا الحمل محترم لأنه لا جناية منه ولهذا لم يجز إسقاطه . (الهداية : ۳۱۲/۲، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، والبحرالرائق:۱۱۴/۳، دارالمعرفة، بيروت، وتبيين الحقائق:۱۱۳/۲).

لیکن چونکہ اس زمانہ میں زنا کی کثرت ہے اگر اسقاط کی اجازت نہیں دیتے ہیں تو بہت سی کنواری لڑکیاں ازدواجی زندگی کی دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں گی، اسی وجہ سے محشی ہدایہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

وأما في زماننا يجوز وإن استبان الخلق وعليه الفتوىٰ . (حاشية هدايه :۳۱۲/۲).

ہدایہ اور اس کے حاشیہ دونوں کی عبارت کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ اگر زنا بالجبر کے نتیجہ میں حمل ٹھہرا ہو اور اس حمل پر چار ماہ نہ گزرے ہوں اور وہ عورت کنواری ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ وہ بیچاری ایک غیر ارادی فعل کی وجہ سے ازدواجی زندگی کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم نہ ہو اور اگر حمل زنا بالرضا کے نتیجہ میں ہو یا اس حمل پر چار ماہ گزر چکے ہوں تو ان حالتوں میں اسقاط کی اجازت نہیں۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۳، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آنکھوں میں لیزر آپریشن کا حکم:

سوال: ایک شخص کی آنکھوں کی بینائی انتہائی کمزور ہے، بینائی کوٹھیک کرنے کے لیے لیزر آپریشن کرانا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بینائی کا کمزور ہونا آنکھوں میں عیب ہے اور ازالہ عیب کے لیے آپریشن کرانا جائز ہے، لہذا آنکھوں میں لیزر آپریشن کرانا جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصير رحمه الله: إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك.

(الفتاوى الهندية:٥/٣٦٠). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کا دودھ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: علاج کے لیے عورت کا دودھ آنکھوں میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کا دودھ استعمال کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات منع کرتے ہیں اور بعض ضرورت کی وجہ سے اجازت دیتے ہیں۔لیکن آج کل آنکھوں کے علاج کے لیے قسم قسم کی حلال دوائیاں بکثرت موجود ہیں، ان کو استعمال کیا جائے، بلکہ فی زماننا اطباء عورت کے دودھ سے شفا کو تسلیم بھی نہیں کرتے ہوں گے، لہذا اس عمل سے بچنا چاہئے۔

قال في الدرالمختار: ولبن امرأة ولو في وعاء ولو أمة على الأظهر لأنه جزء آدمي والرق مختص بالحي ولا حياة في اللبن فلا يحله الرق. في رد المحتار: قوله على الأظهر ... و أشار إلى أنه لا يضمن متلفه لكونه ليس بمال، وإلى أنه لا يحل التداوي به في العين

الـرمـداء وفيـه قولان ، قيل : بالمنع وقيل : بالجواز إذا علم فيه شفاء كما فى الفتح هنا، ...
(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/۷۱،سعید).

وفـي فتـح القدير: ولا بيع لبن امرأة فى قدح ...والانتفاع به يحرم حتى منع بعضهم صبه فى العين الرمداء وبعضهم أجازه إذا عرف أنه دواء عند البرء . (فتح القدير: ٦/٤٢٣).

وللاستزادة انظر: (البحرالرائق: ٦/٨٠،کوئته،والفتاوی الهندية:٥/٣٥٥،ونفع المفتی والسائل،ص).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیڑے کے اجزا بطورِ دوا استعمال کرنے کا حکم:

سوال: حشرات الارض میں سے ایک قسم کا کیڑا جس کو گھونگا (سنیل،snail) کہتے ہیں،اس کیڑے کے اجزاء بطورِ دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے۔البتہ بطورِ تداوی ان کا خارجی استعمال درست ہے،لہٰذا ایسی کریم (cream) یا دوا (ointment) کا خارجی استعمال جس میں مذکورہ کیڑے کے اجزاء شامل کیے گئے ہوں جائز ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأمـا الـذي يـعيش فى البر فأنواع ثلاثة ماليس له دم أصلاً وما ليس له دم سائل وما له دم سـائـل مثـل الـجـراد والـزنبـور والذباب والعنكبوت ...ونحوها لايحل أكله إلا الجراد خـاصة لأنهـا مـن الـخبـائـث لاستبـعـاد الـطباع السليمة إياها وقد قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾...وكذلک ماليس له دم سائل مثل الحية والوزغ وسام أبرص وجـمـيـع الـحشرات وهوام الأرض من الفار والقراد والقنافذ والضب واليربوع وابن عرس ونـحـوهـا ولا خـلاف في حـرمة هذه الأشياء إلا فى الضب فإنه حلال عند الشافعي. (بدائع الصنائع :٥/٣٦،سعيد).

(وکذا فی الفتاوی الهندية: ٥/٢٨٩، والطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/١٥٥).

وفي رد المحتار: لم يذكروا حكم دودة القرمز...قلت: وفيه أنها من أعز الأموال اليوم، ويصدق عليها تعريف المال المتقوم ويحتاج إليها الناس كثيراً في الصباغ وغيره، فينبغي جواز بيعها...مع أن هذه الدودة إن لم يكن لها نفس سائلة تكون ميتتها طاهرة كالذباب والبعوض وإن لم يجز أكلها. (ردالمحتار: ٥/٥١، سعيد).

قال في الدرالمختار: فلو تفتت فيه نحو ضفدع جاز الوضوء به لا شربه لحرمة لحمه. (الدرالمختار: ١/١٨٥، سعيد).

درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ خارجی استعمال درست ہے، ہاں داخلی استعمال درست نہیں ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

مکھی اور چیونٹی میں دمِ سائل نہیں ہے اس لیے پاک ہے مگر کھانا حلال نہیں، خارجی استعمال درست ہے، داخلی استعمال درست نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ٦/٢٥)۔

بہشتی زیور میں ہے:

کیڑے مکوڑے اور خشکی کے جملہ وہ جانور جن میں دمِ سائل نہ ہو پاک ہیں، جیسے اکثر حشرات الارض... خارجاً ان کا استعمال ہر طرح درست ہے اور داخلاً سب حرام ہیں سوائے ٹڈی کے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص: ۷۷۸)۔

علاج ومعالجہ کے شرعی احکام میں ہے:

...ایسے کیڑے مکوڑے سے دوا تیار کی جائے یا اس کو تیل میں جلا کر طلا بنایا جائے تو بنانا بھی جائز، اور اس سے تیار شدہ دوا، تیل وغیرہ کا خارجی استعمال بھی جائز اور اس قسم کے مرہم تیل کے لگے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ اس کا داخلی استعمال جائز نہیں ہوگا۔ (علاج ومعالجہ کے شرعی احکام، ص ۹۵، از مفتی انعام الحق صاحب قاسمی)۔

استعمال خارجی وداخلی کی وضاحت:

جان لینا چاہئے کہ ان چیزوں کے استعمال کے طریقے دو ہیں اور دونوں کے حکمِ شرعی علیحدہ ہیں، ایک استعمال داخلی اور ایک خارجی، استعمال داخلی صرف حلق میں اور پیٹ میں پہنچ جانے کو کہتے ہیں یعنی استعمال داخلی کھانے پینے کا نام ہے اس کے سوا جتنے طریقے استعمال کے ہیں سب خارجی ہیں حتی کہ استنشاق یعنی تر چیز ناک میں سڑکنا اور سعوط یعنی تر دوا ناک میں ٹپکانا اور نفوخ یعنی ناک میں دوا پھونکنا اور سنون یعنی منجن ملنا اور شموم یعنی کوئی دوا تر یا خشک سونگھنا اور عطوس یعنی ناس لینا اور مضغ یعنی چبانا اور مضمضہ یعنی کلی کرنا یہ سب بھی استعمال خارجی ہیں، بشرطیکہ دوا حلق میں نہ پہنچے لیکن سوائے شموم کے سب میں خطرہ ہے کہ دوا حلق میں پہنچ جائے بلکہ اغلب ہے کہ پہنچ جاتی ہے لہذا فی حد ذاتہ نہ سہی عبرۃً للاکثر، یہ سب بھی استعمال داخلی کے حکم میں ہیں، احتیاط ضرور ہے کہ جس چیز کا استعمال داخلی درست نہیں وہ ان طریقوں سے استعمال نہ کی جاویں ورنہ اگر ذرا بھی حلق میں پہنچ گئی تو حرام چیز کھانے کا گناہ ہوگا، جیسے مردار اور کوئی احتیاط کرسکے تو فتویٰ میں گنجائش ہے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص: ۲۷۷، دار الاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی پٹی کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں چیلی میں خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی ایک پٹی آتی ہے جس میں دوا وغیرہ ہوتی ہے، بہت زیادہ موثر اور زخم کو بہت تیزی سے بھرتی ہے اس کے علاوہ بھی دیگر معالجات ہیں مگر موثر نہیں اور زیادہ مہنگے بھی ہیں تو کیا خنزیر کی پٹی کو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام حالات میں حرام اور نجس اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، اس لیے خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی پٹی کا استعمال بھی ناجائز ہوگا، ہاں اگر مسلمان دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کرے کہ بغیر اس کے شفا ممکن نہیں ہے اور کوئی حلال دوا اس مرض کے لیے کافی نہیں تو پھر بدرجہ مجبوری اس کے استعمال کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر ولكن نقل

المصنف ثمة وهنا عن الحاوی، وقیل: یرخص إذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص فی الخمر للعطشان وعلیه الفتوی، قال الشامی: ففی النهایة عن الذخیرة یجوز إن علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۲۱۰،سعید).

عالمگیری میں ہے:

قال أبوحنیفةؒ: ولا ینتفع من الخنزیر بجلده ولا غیره إلا الشعر للاساکفة وقال أبویوسفؒ: یکره الانتفاع أیضاً بالشعر وقول أبي حنیفةؒ أظهر کذا فی المحیط، وإذا کان برجل جراحة یکره المعالجة بعظم الخنزیر والإنسان لأنه یحرم الانتفاع به کذا فی الکبری. (الفتاوی الهندیة:۵/۳۵٤).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

...سور، کتا، مردار، بہتے ہوئے خون والے حشرات الارض کو تیل میں پکا کر روغن بنایا جائے تو یہ ناپاک رہیں گے، اوران کا استعمال درست نہ ہوگا، یہ احکام عام حالات میں ہیں، بالکل اضطراری اور مجبوری کی صورت مستثنیٰ ہے، اس وقت شریعت ضرورت کے مطابق ناجائز چیزوں کے استعمال کی بھی اجازت دے دیتی ہے۔ (جدید فقہی مسائل:۱/۳۳۵)۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: **الضرورات تبیح المحظورات**. (الاشباہ والنظائر: ۱/۱۱۸).

حلال اور حرام میں ہے:

دوسری ناپاک اشیاء کے مقابلے میں فقہاء نے خنزیر کے اجزاء استعمال کرنے میں زیادہ احتیاط کی راہ اختیار کی ہے، اس لیے کہ خنزیر نجس العین ہے بزازیہ میں ہے: **ویکره معالجة الجراحة بإنسان أو خنزیر لأنهما محرم الانتفاع**، میرا خیال ہے کہ خنزیر کے اجزاء کی ممانعت بھی اس وقت ہے جب کہ کوئی اور ذریعہ علاج موجود ہو، کیونکہ خنزیر اپنی حرمت اور نجاست عین کی وجہ سے مطلقاً ناقابل انتفاع ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں کہ چمڑے وغیرہ کی سلائی کے لیے خنزیر کے بال کے استعمال کو جائز رکھتے ہیں، اور فقہاء امام صاحبؒ کی اس رائے کو دلیل ومصالح شرعی کے لحاظ سے اظہر قرار دیتے ہیں، پس صحتِ انسانی کی حفاظت اور نفس انسانی کی

صیانت کے لیے بدرجہ اولیٰ اجزائے خنزیر کے استعمال کی اجازت دینی ہوگی۔ (حلال وحرام، ص ۱۷۷)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خنزیر سے بنی ہوئی دوا کے استعمال کا حکم:

سوال: ایک عورت کے پانچ آپریشن ہوئے ہیں، وہ کھانا نہیں کھاسکتی ہے، کھانے سے بہت تکلیف ہوتی ہے، ایک خاص دوا کی ضرورت ہے جو خنزیر سے بنائی جاتی ہے، پوری زندگی یہ دوا کھانی ہوگی، تو کیا ایسی دوا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں تو حرام اور نجس اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، اس لیے ایسی دوا کھانے کی اجازت نہیں، لیکن اگر مسلمان، دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کردے کہ خنزیر سے تیار شدہ دوا استعمال کیے بغیر شفا ممکن نہیں اور کوئی حلال دوا اس مرض کے لیے موجود بھی نہیں ہے تو پھر بدرجہ مجبوری اس کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في النهاية وفي التهذيب يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفائه ولم يجده من المباح مايقوم مقامه وإن قال الطبيب يتعجل شفاؤك به فيه وجهان ...وما قيل: إن الاستشفاء بالحرام حرام غير مجرى على إطلاقه وإن الاستشفاء بالحرام إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاء أما إذاعلم وليس له دواء غيره يجوز. (فتاوى الشامي:۵/۲۲۸، سعيد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

انسان کا پیشاب بطورِ دوا استعمال کرنے کا حکم:

سوال: محترم مفتی صاحب انسان کے پیشاب سے دوائی بنانے سے متعلق رہنمائی مطلوب ہے اور یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ بہت ساری دواؤں میں جانور اور انسان کا پیشاب استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) (H.C.G) حاملہ عورت کے علوق سے ۱۲ ہفتے کی مدت میں پیشاب سے ہارمون (وہ مادہ جو خون

میں شامل ہوتا ہے) کو مشین کے ذریعہ الگ کر دیا جاتا ہے یہ دوا ہم چائنا یا جرمنی سے منگواتے ہیں۔

(۲)(H.M.G) عورت کے سن ایاس کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پیشاب سے ہارمون کے اجزاء الگ کر دیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کی دوا مرد وعورت دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں، اور عورت کے بانجھ پن کو دور کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

(۳)(F.S.H) عورت کے سن ایاس کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پیشاب سے ہارمون کے اجزاء نکال دیے جاتے ہیں۔

الجواب: انسان کا پیشاب نجس ہے اس کا استعمال عام حالات میں جائز اور درست نہیں، کیونکہ آج کل ہر قسم کی دوائیاں دستیاب ہیں جن سے کام چل جاتا ہے لہذا ایسی ناپاک چیزوں کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے، ہاں اگر کوئی مسلمان، دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کر دے کہ اس مریض کی شفا کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور دوا ممکن نہیں ہے تو ایسی اضطراری حالت میں ماکول اللحم حیوان کے پیشاب سے کام چلانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں روایت ہے:

عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا، ولا تداووا بالحرام. (رواه ابوداود: ۲/۱۸۵، باب الادوية المكروهة).

قاموس الفقہ میں ہے:

انسان کا پیشاب ناپاک ہے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا پیشاب بھی ناپاک ہے، احناف کے یہاں اسی لیے یہ دونوں نجاستِ غلیظہ کے زمرہ میں ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۲/۳۳۷)۔

نظام الفتاویٰ میں ہے:

اس کشید کرنے کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اجزاء اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا ہو اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب بجمیع اجزاءٔ نجس العین اور

نجس بنجاسۃ غلیظۃ ہے، اس لیے باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس بنجاسۃ غلیظۃ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ (نظام الفتاویٰ:۱/۳۹۱)۔

مفتی تقی صاحب حدیث العرنیین کے تحت فرماتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداوی بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے، تو اس صورت میں تداوی بالمحرم جائز ہوگا، حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ ان کی شفا ابوالِ ابل میں منحصر ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالِ ابل کے استعمال کا حکم فرمایا۔ (درس ترمذی:۱/۲۹۲)۔

لہٰذا ابوقتِ ضرورتِ شدیدہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب پر اکتفا کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

انسان کا پیشاب بطورِ دوا پینے کا حکم:

سوال: قریبی زمانہ میں میڈیکل سائنس نے یہ منکشف کیا کہ آدمی کے لیے اپنا پیشاب پینا بہت مفید ہے اور اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے حتی کہ دل کی بیماری اور کینسر کے لیے بھی شفا ہے۔ لہٰذا درجِ ذیل مسائل کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۱) کیا مسلمانوں کے لیے اپنی بیماریاں دور کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنا پیشاب پینا جائز ہوگا؟

(۲) بوقتِ ضرورتِ شدیدہ مہلک بیماری دور کرنے کے لیے پیشاب پینے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

(۳) جس طرح خون ایک دوسرے کے جسم میں منتقل کیا جاتا ہے اسی طرح پیشاب میں کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۴) خون کی طرح پیشاب کو بھی محفوظ رکھنا اور بینک قائم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۵) کیا اپنا پیشاب دوسرے کو بطورِ دوا استعمال کرنے کے لیے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) پیشاب نجس العین ہے عام حالات میں اس کو پینا اور اس کو استعمال کرنا کسی طرح جائز

اور درست نہیں ہے۔

(۲) ضرورتِ شدیدہ کے وقت بھی جب ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے ضرورت پوری ہوتی ہوتو انسان کے پیشاب کا استعمال جائز نہیں۔

باقی سائنس دانوں کا یہ کہنا کہ پیشاب ہر حالت میں مفید ہے یہ غلط بات ہے بعض ڈاکٹر تو مشت زنی اور لواطت کو بھی ٹھیک کہتے ہیں تو کیا ان کی بات کو تسلیم کیا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

(۳) پیشاب کو خون کی طرح منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) پیشاب کو محفوظ کرنا بلاضرورت ہے اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۵) عندالضرورۃ ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے کام چلایا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في النهاية وفي التهذيب يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفائه ولم يجده من المباح مايقوم مقامه وإن قال الطبيب يتعجل شفاؤك به فيه وجهان ...وما قيل: إن الاستشفاء بالحرام حرام غير مجرى على إطلاقه وأن الاستشفاء بالحرام إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاء أما إذاعلم وليس له دواء غيره يجوز. (فتاوى الشامی:۵/۲۲۸،سعید) . **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

معالجہ بالتنویم کا حکم:

سوال: علمِ جذبات کے جاننے والے ماہر نفسیات اور دماغی امراض کے معالج کی طرف سے یہ سوال ہے کہ کیا معالجہ بالتنویم (hypnosis) جائز ہے یا نہیں؟ اس معالجہ میں طبیب کچھ ایسا عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے مریض ایک قسم کی غفلت میں پڑ جاتا ہے نہ وہ سو رہا ہوتا ہے نہ بیدار، پھر اس حالت میں اس کا علاج آسانی سے کرتا ہے۔

الجواب: جو لوگ عمل تنویم کراتے ہیں ان کو اس کی حقیقت بھی معلوم نہیں اور بظاہر وہ سحر اور شیاطین سے استمداد پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے، بیماریوں کے لیے جائز معالجات بے شمار ہیں ان سے کام چلانا چاہئے۔

تنویم کی حقیقت:

المورد میں ہے: **حالة شبيهة بالنوم . النوم المغنطيسى . المعالجة بالتنويم ۔**

تنویم کا مقصد آدمی کو آرام میں لے جانا ہے اس کی حقیقت نامعلوم ہے البتہ اس سے علاج کرنے میں آدمی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ (اس میں سگریٹ، پرجوش جذبات، دائم المرض، دماغی حالات وتوازن کو ٹھیک رکھنا اسی طرح بے خوابی اور بد دلی وغیرہ کا علاج ہے)۔

معالجہ بالتنویم کا طریقہ: عام طور پر ایک منوم کچھ الفاظ بول کر، کبھی موسیقی کے ذریعہ، کبھی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اشاراتِ مخصوصہ سے، کبھی ہاتھ کو مخصوص انداز میں گھما پھرا کر آدمی کو آرام میں لے جایا جاتا ہے، بلکہ آدمی خود بھی سانس لے کر اور مختلف اعمال کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے۔ (ملخص از انکاٹا ۲۰۰۹ء)۔

التشریع الجنائی الاسلامی میں عبد القادر عودہ لکھتے ہیں:

التنويم المغناطيسى : هو حالة من حالات النوم الصناعى يقع فيها شخص بتأثير يصبح النـائم تحت تأثير المنوم يفعل كل ما يأمره بفعله سواء وقت النوم أو بعد اليقظة ، وينفذ النـائم عادة هذه الأوامر بشكل آلى فلا يشعر بما فعل تلبية للأمر الصادر إليه إذا أتى الفعل أثناء النوم ، ولايستطيع مقاومة إيحاء الآمر إذا أتى الفعل بعد اليقظة ، ولم يعرف بعد بصفة قاطعة الكيفية التى يسيطر بها المنوم على النائم وإن كان البعض الأطباء يرى أن النائم يستطيع أن يقاوم الإيحاء الاجرامى .

وإذا طبقنا قواعد الشريعة على هذه الحالة وجب أن نلحقها بحالة النوم الطبيعى، ومن ثم يكون النائم مكرهاً ويرتفع عنه العقاب للإكراه إذا ارتكب جريمة من الجرائم التى

یرفع فیها الإکراه العقاب . والواقع أنه یصعب إلحاق التنویم المغناطیسی بالجنون ؛ لأن النوم الصناعی الذی یقع فیه النائم لایسلبه الإدراک وإنما یسلبه فقط الاختیار ...الخ.

(التشریع الجنائی الاسلامی: ۱٤۸/۲، رقم : ٤۲۳، ط: دارالکتب العلمیة).

الموسوعة الجنائیة میں ہے:

التنویم المغناطیسی: حالة تتم عن طریق تأثیرشخص قوی علی شخص أضعف منه یکون فی حالة وسط بین النوم والیقظة ، یتم فیها طرد کل الأفکار من ذهن الشخص الآخر وإحلال الأفکار المطلوبة محلها ویکون له تأثیراً قویاً ، وهو منتشرفی هذا الزمان .

(الموسوعة الجنائیة الاسلامیةالمقارنة بالانظمةالمعمول بها فی المملکة العربیة السعودیة ،لسعود بن عبدالعالی ، عضو هیئة التحقیق ،ص٤٥٥).

فتاوی اللجنة الدائمة میں ہے:

التنویم المغناطیسی ضرب من ضروب الکهانة باستخدام جنی حتی یسلطه المنوم علی المنوم فیتکلم بلسانه ویکسبه قوة علی بعض الأعمال بالسیطرة علیه إن صدق مع المنوم وکان طوعاً له مقابل ما یتقرب به المنوم إلیه ویجعل ذلک الجنی المنوم طوع إرادة المنوم بما یطلبه من الأعمال أو الأخبار بمساعدة الجنی له إن صدق ذلک الجنی مع المنوم ، وعلی ذلک یکون استغلال التنویم المغناطیسی واتخاذه طریقاً أو وسیلة للدلالة علی مکان سرقة أو ضالة أو علاج مریض أو القیام بأی عمل آخر بواسطة المنوم غیر جائز.

(فتاوی اللجنة الدائمة ،ص۳٤۸،جمع وترتیب : احمدبن عبدالرزاق الدویش). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

الکحول والے سینٹ اورادویہ کے استعمال کا حکم:

سوال: جس سینٹ میں الکحول ہواس کا استعمال جائزاوردرست ہے یانہیں؟ اگرکسی نے نماز سے پہلے استعمال کیا ہوتو نماز ہوئی یانہیں؟ نیز الکحول والی دواؤں کے استعمال کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فی زمانِنا اکثر عطور، پرفیوم وغیرہ میں جوالکحول استعمال ہوتا ہے وہ انگوراور کھجور کے علاوہ سے بنایا ہوا ہوتا ہے اورحضراتِ شیخینؒ کے قول کے مطابق یہ ناپاک اورحرام نہیں ہے اس وجہ سے اس کی اجازت ہے اورنماز بھی فاسد نہیں ہوگی ،البتہ ان چیزوں کے استعمال کرنے سے بچنا اولیٰ ہے۔نیز الکحول والی دواؤں کا استعمال بھی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہوتکملہ فتح الملہم میں ہے:

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Alcohols) التى عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى،فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ، ولايحرم استعمالها للتداوى أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار ، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ، ولايحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفةؒ .

وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم فى الأدوية والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره،كما ذكرنا فى باب بيع الخمر من كتاب البيوع ، وحينئذٍ هناک فسحة فى الأخذ بقول أبي حنيفةؒ عند عموم البلوىٰ، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم:٣/٦٠٨،ط:مكتبة دارالعلوم كراتشى).

علامہ محمد بن بخیت المطیعی مفتی الدیار المصر یہ(۱۲۷۱۔۱۳۵۴ھ)فرماتے ہیں:

وما كان مستحضراً من الثمار والحبوب والأخشاب فهو طاهر، وهذا الصنف هو الرائج والغالب استعماله فى المتجر على ما بلغنا ممن بحثوا عنه .

بقي ما لو أضافوا السبيرتو على الأدوية ، وعلى الروائح العطرية كالكلونيا، لإصلاحها فهل يعفى عنه؟ فنقول : أما السبيرتو المأخوذ من الأشياء الطاهرة كالحبوب والأخشاب ، فالأدوية والروائح العطرية المخلوطة به طاهرة . (الفتاوى للامام العلامة محمدبن

بخيت المطيعي مفتي الديار المصرية، ص ۱۹، ط: دار الصديق للعلوم).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

جس سینٹ میں الکحول استعمال نہ ہوا ہو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں، جس سینٹ میں الکحول استعمال ہوا ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر انگور اور کھجور سے الکحول حاصل کیا گیا ہو تو وہ شراب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے اس کا لگانا جائز نہیں ہے ... اور اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور شئ سے الکحول حاصل کیا گیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ناپاک نہیں اس کا استعمال درست ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶/۸۱)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحول کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی لہذا شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے ... آج کل ضرورتِ تداوی وعمومِ بلویٰ کی رعایت کے پیش نظر شیخینؒ کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصول فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخینؒ کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارض۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۹۵)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں:

... یہ فتویٰ ہے اور تقویٰ الگ بات ہوگی۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ، ص ۳۶۱)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اسپرٹ اگر عنب (انگور) وزبیب (منقی) ورطب (تر کھجور) وتمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے لا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں لا اتفاق۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ۱۰۲ وامداد الفتاویٰ: ۴/۲۰۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دریائی جانور کی چربی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک مریض کو ایک ڈاکٹر نے ایک دریائی جانور کی چربی کھانے کے لیے کہا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مذہب احناف میں سوائے مچھلی کے تمام دریائی جانور حرام ہے، عام حالات میں ان کا کھانا ناجائز ہے البتہ کوئی مسلمان دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کردے کہ اس مریض کا علاج اسی میں ہے اس کے علاوہ حلال اشیاء میں نہیں تو پھر اس کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفائه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه . (فتاوى الشامى:٥/٢٢٨،سعيد). (وكذافى الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٥).

وقد روى عبدالرزاق فى مصنفه (٩/٢٥٦/١٧١٢٤، باب الرخصة فى الضرورة) **عن ابن جريج قال:سمعت عطاء يسأله إنسان نعت له أن يشترط على كبده (أى : يستخرج دماً من جسده فوق موضع الكبد بمشرط أو غيره) فيشرب ذلك الدم من وجع كان به ، فرخص له فيه . قلت: أى ابن جريج له : حرمه الله تعالىٰ ، قال: ضرورة ، قلت له : إنه لو يعلم أن فى ذلك شفاء ، ولكن لا يعلم .**

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر حاذق دیندار مسلم طبیب یا ڈاکٹر تجویز کردے کہ بغیر سور کے گوشت کے شفاء ممکن نہیں ہے اور کوئی دوسری حلال چیز اس کے قائم مقام نہیں ہے تو اس کا استعمال درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۳۶۱،جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طبی تجربہ کے لیے انسانی جسم کی تشریح کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ: طبی تجربہ کے لیے جسم انسانی کو قطع برید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں تکریم انسان اور احترام آدمیت کا

لحاظ کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں ہے۔اور حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حياً .

(رواه ابوداود ،رقم: ۳۳۰۷، وابن ماجه ،رقم: ١٦١٦،وغيرهما).

قال الطيبي : فيه إشارة إلى أنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي وقال ابن الملك وإلى أن الميت يتألم ، وقال ابن حجرؒ: من لوازمه أنه يستلذ بما يستلذبه الحي . قال في الدرجات : روينا في جزء بحديث ابن منيع عن جابر رضی اللہ عنہ قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا جئنا القبر إذا هو لم يفرغ ، فجلس النبي صلى الله عليه وسلم على شفير القبر، وجلسنا معه ، فأخرج الحفار عظماً ساقاً أو عضداً ، فذهب ليكسرها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :"لا تكسرها ، فإن كسرك إياه ميتاً ككسرك إياه حياً ، ولكن دسه بجانب القبر" فاستفدنا منه سبب الحديث ،انتهى . (بذل المجهود: ۱۰/٤٩٧،ط: دار البشائر الاسلامية). **وينظر:** (شرح الطيبي:۳/۳۸۷،ومرقاةالمفاتيح:٤/١٩٥).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

شریعت نے مردہ انسانوں کا احترام اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح زندہ کا، پس محض طبی تجربات کے لیے مردوں کا چیرنا پھاڑنا جائز نہیں،...الخ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۳۴۰)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۳۴۰۔۳۴۵، جامعہ فاروقیہ، وبہشتی زیور،نواں حصہ،ص۱۰۳، ط: دارالاشاعت)۔

لیکن بعض دوسرے حضرات نے اس کی اجازت دی ہے۔

نظام الفتاویٰ میں ص۴۵۶۔۴۵۸ پر تفصیلی فتویٰ درج ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لیے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا اس لیے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دوضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہوتو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ سے ازالہ کیا جائیگا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لیے چیرا جانا ہے...

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سینکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچانے کے لیے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو اور سینکڑوں جان بچانے کے لیے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو...لہذا ”**الأشباہ**“ کی تصریح کی بنا پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حدِ جواز کے اندر ہے۔

اس تفصیلی فتوے پر دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی حضرت سید مہدی حسنؒ فرماتے ہیں:

علمِ جراحی مسلمانوں کے لیے حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے، اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے، ”**الضرر یزال**“، اور ”**الضرورات تبیح المحظورات**“، پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح کی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی نظام الدینؒ لکھتے ہیں: **الجواب صحیح والمجیب نجیح**، خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیتِ کریمہ: **ولکم فی القصاص حیوۃ یا أولی الألباب**، اور آیتِ قتال کے اشارے بھی اسی طرف ہیں۔ (منتخباتِ نظام الفتاویٰ ص ۴۵۷، ۴۵۸)۔

یاد رہے کہ احسن الفتاویٰ (۸/۳۴۱) میں نظام الفتاوی کے تفصیلی فتوے کی تردید فرمائی ہے۔ **من شاء فلیراجع ثم** ۔

فتویٰ هيئة كبار العلماء :

صدر قرار من مجلس هيئة كبار العلماء في حكم التشريح ...وظهر أن الموضوع ينقسم إلى ثلاثة أقسام :

الأول : التشريح لغرض التحقق من دعوى جنائية .

الثاني: التشريح لغرض التحقق من أمراض وبائية لتتخذ على ضوئه الاحتياطات الكفيلة بالوقاية منها .

الثالث: التشريح للغرض العلمي تعلماً وتعليماً .

وبعد تداول الرأى والمناقشة ودراسة البحث المقدم من اللجنة المشار إليه أعلاه قرر المجلس ما يلي :

...وأما بالنسبة للقسم الثالث وهو التشريح للغرض التعليمى: فنظراً إلى أن الشريعة الإسلامية قد جاء ت بتحصيل المصالح وتكثيرها وبدرء المفاسد وتقليلها وبارتكاب أدنى الضررين لتفويت أشدهما، وأنه إذا تعارضت المصالح أخذ بأرجحها وحيث إن تشريح غير الإنسان من الحيوانات لا يغني عن تشريح الإنسان ، وحيث إن فى التشريح مصالح كثيرة ظهرت فى التقدم العلمي في مجالات الطب المختلفة ، فإن المجلس يرى جواز تشريح جثة الآدمي فى الجملة إلا أنه نظراً إلى عناية الشريعة الإسلامية بكرامة المسلم ميتاً كعنايتها بكرامته حياً، وذلك لما روى أحمد وأبوداود وابن ماجة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”كسر عظم الميت ككسره حياً“ ونظراً إلى أن التشريح فيه امتهان لكرامته، وحيث إن الضرورة إلى ذلك منتفية بتيسير الحصول على جثث أموات غير معصومة ، فإن المجلس يرى الاكتفاء بتشريح مثل هذه الجثث وعدم التعرض لجثث أموات معصومين والحال ما ذكر. (فتاوى اللجنة الدائمة:۵/۲۷۱).

اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

المجمع الفقہی نے محسوس کیا کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم ایسی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر پوسٹ مارٹم کی مصلحت انسانی لاش کی بے حرمتی کے مفسدہ پر فوقیت رکھتی ہے۔

چنانچہ المجمع الفقہی طے کرتی ہے کہ: مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت لاشوں کا پوسٹ مارٹم جائز ہے:

(ج) طب کی تعلیم وتدریس مقصود ہو جیسا کہ میڈیکل کالجز میں رائج ہے۔

بغرض تعلیم پوسٹ مارٹم میں درجِ ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(الف) لاش اگر کسی معلوم شخص کی ہو تو موت سے قبل حاصل کی گئی خود اس کی اجازت یا موت کے بعد وارثین کی اجازت ضروری ہے، معصوم الدم لاش کا پوسٹ مارٹم بغیر ضرورت نہیں ہونا چاہئے۔

(ب) پوسٹ مارٹم بقدرِ ضرورت ہی کیا جائے تاکہ لاشوں کے ساتھ کھلواڑ کی صورت نہ پیدا ہو۔

(ج) خواتین لاشوں کا پوسٹ مارٹم خواتین ڈاکٹروں کے ذریعہ ہی کرنا ضروری ہے۔

تمام حالات میں پوسٹ مارٹم شدہ لاش کی تدفین واجب ہے۔(عصر حاضر کے پیچیدہ سائل کا شرعی حل،ص۱۸۳)۔

مولانا بدرالحسن القاسمی صاحب تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان تمام مسائل میں اگر غور کیا جائے تو قدر مشترک یہی بات نکلتی ہے کہ عمومی مصالح کی خاطر انفرادی نقصان کو انگیز کیا جاسکتا ہے...ان ہی نظائر کو سامنے رکھ کر موجودہ زمانہ کے فقہاء وارباب افتا کا عام رجحان یہی ہے کہ پوسٹ مارٹم میں جو فوائد ہیں ان کے پیش نظر لاش کی قطع وبرید سے ہونے والی اہانت گوارا کی جائے گی خاص طور پہ جبکہ پوسٹ مارٹم کا مقصود لاش کی اہانت ہرگز نہیں ہوا کرتی ،لیکن اس میں بھی احتیاط ضروری ہے کہ تعلیم کے مقصد سے پوسٹ مارٹم کے لیے ان لاشوں کا استعمال کیا جائے جو لاوارث اور غیر معصوم ہوں ،مسلمان کی لاش کو انتہائی مجبورکن حالات کے علاوہ ہاتھ نہ لگایا جائے۔واللہ اعلم بالصواب۔(عصر حاضر کے فقہی مسائل، ص۸۳)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (نظام الفتاویٰ،ص ۴۵۶۔ ۴۵۸،وعصر حاضر کے فقہی مسائل ،ص۷۶۔۸۳،ط: حیدرآباد،وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل،ص۱۸۳۔۱۸۴،ط:ادارۃ القرآن)۔واللہ ﷻ اعلم۔

بلاضرورتِ شدیدہ آپریشن کا حکم:

سوال: کیا بغیر ضرورت کے آپریشن کے ذریعہ بچہ کا نکالنا صحیح ہے جب کہ عام طریقہ ولادت ممکن ہے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں انسان کا جسم محترم ہے چاہے زندہ ہو یا مردہ ،لہذا بلا عذرِ شرعی اس کی قطع وبرید درست نہیں ہے ،فقہاء نے مخصوص اعذار میں شق البطن کی اجازت دی ہے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے ہاں اگر اطباء کے کہنے کے مطابق تاخیر ولادت کی وجہ سے ماں کو کوئی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر درست ہے۔لیکن بعض مرتبہ عورتیں فقط دردِ زہ سے خوف کی وجہ سے آپریشن پر آمادہ ہوجاتی ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

فی فتاویٰ أبی اللیثؒ في امرأة حامل ماتت وعلم أن ما في بطنها حي فإنه يشق بطنها من الشق الأيسر وكذلك إذا كان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها كذا فی المحيط ... لابأس بقطع اليد من الآكلة وشق البطن لما فيه كذا فی الملتقط. (الفتاوی الهندية:٥/٣٦٠).

(وكذافی الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/٢٣٨،سعيد،والبحرالرائق:٨/٢٣٣،ط:بيروت،وبدائع الصنائع:٥/١٣٠،سعيد).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

انسان کا جسم اسلام میں ایک قابل احترام چیز ہے اوراس میں بے مقصد کاٹ چھانٹ گناہ ہے لیکن اگر خودانسانی کی حفاظت اورعلاج کے لیے اس کی ضرورت پڑ جائے تو اجازت ہے۔(جدید فقہی مسائل:۱/۳۲۷)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کینسر کی دوا کھانے کا حکم:

سوال: اگرکوئی عورت کینسر کے مرض میں ایسی دوا کھائے جس سے بال گرتے ہوں تو ایسی دوا کا کھانا درست ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے علاج ومعالجہ کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے بالوں کے حلق کی اجازت دی ہے، بنابریں اگر کینسر کی دوا کھانے سے بال گرتے ہوں تب بھی دوا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وإذا حلقت المرأة شعر رأسها فإن كان لوجع أصابها فلا بأس به . (البحر الرائق: ٨/٢٠٥، كوئته). (وكذافی الفتاوی الهندية:٥/٣٥٨،وخلاصة الفتاویٰ:٤/٣٧٧). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر مسلم کو مانع حمل ٹیکا لگانے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان ڈاکٹر کسی غیر مسلم عورت کو مانع حمل انجکشن لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلم عورت کو مانع حمل انجکشن لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: زید ایک طبیب ہے، زید سے غیر مسلم عدمِ استقرارِ حمل کے لیے دوائیں طلب کرنے آتے ہیں، تو زید ان کو ایسی دوا دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: درست ہے، **وهو ظاهر لايخفى** ۔فقط واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۹/۱۸، ط: جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

خون کے عطیہ کا حکم:

سوال: اس ملک میں (south african national blool seruice) نامی ایک تنظیم ہے، جو بیماروں کے علاج کی خاطر صحیح المزاج اشخاص سے خون کے عطیہ کا مطالبہ کرتی ہے، خون نکالنے کے بعد اس کو بوتلوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور حسبِ ضرورت مریض کی رگوں میں داخل کیا جاتا ہے، یہ علاج بہت ہی کامیاب ہے اور آج کل اس کی بہت ہی ضرورت ہے، اس لیے اس تنظیم نے درخواست کی ہے کہ خون کے عطیہ کے بارے میں شریعت کی رہنمائی حاصل کی جائے، چنانچہ شرعاً ایسے خون کے عطیہ کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ حاجت وضرورت انسانی خون سے علاج کرانا جائز اور درست ہے، اس سے لازماً یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ بوقتِ ضرورت خون دینے کی بھی اجازت ہوگی، لیکن چونکہ ہسپتال میں خون کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اس وجہ سے خون کا عطیہ دینا درست ہے۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

قال في النهاية وفي التهذيب يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفائه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه وإن قال الطبيب: يتعجل شفاؤك به فيه وجهان. (فتاوى الشامي: ۲۲۸/۵، سعيد). (وكذا في الفتاوى الهندية: ۳۵۵/۵).

کفایت المفتی میں ہے:

کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جب کہ اس کی شفایابی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم ہوگئی ہو مباح ہے...**لم یبح الإرضاع بعد مدته لأنه جزء آدمی والانتفاع به لغیر ضرورة حرام.** (الدرالمختار)...درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزا سے بغیر ضرورت کے انتفاع حرام ہے یعنی اگر ضرورت ہو تو مباح ہوسکتا ہے...**وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء کحل الخمر والمیتة لعطشان والجائع، رد المحتار.** (کفایت المفتی:۹/۱۵۴،دارالاشاعت)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بوقتِ ضرورتِ شدیدہ جان بچانے کے لیے عمل نقل دم جائز ہے،مگر خون کی خرید وفروخت جائز نہیں،اگر خون مفت نہ مل سکے اور سخت مجبوری ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے، بیچنے والا گنہگار رہوگا۔(احسن الفتاویٰ:۸/۲۷۳)۔

مزید ملاحظہ ہو:(جواہرالفقہ:۷/۴۴۔۵۰،معارف القرآن: ۱/۴۲۰،وفتاویٰ رحیمیہ :۶/۲۶۲،وآپ کے مسائل اوران کاحل:۹/۱۷۵)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل جگہ جگہ خون کے بینک قائم ہیں، جہاں باضابطہ خون کی خرید وفروخت کی جاتی ہے،علماء نے ضرورۃً علاج کے لیے خون چڑھانے کی اجازت دی ہے لیکن فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

بلڈ بینک اس وقت ایک ضرورت ہے،صورتِ حال یہ ہے کہ انسان کبھی بھی مہلک بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے اور اسے خون کی ضرورت پڑسکتی ہے، پھر ہر آدمی کا خون ہر آدمی کے جسم کے لیے موزون نہیں ہوتا، بلکہ ضروری ہے کہ اجزاء کے لحاظ سے خون کا گروپ یکساں ہو، اس کے بغیر جسم دوسرے خون کو قبول نہیں کرتا، بلڈ بینک پہلے سے مختلف نوعیت کے خون علیحدہ علیحدہ رکھتا ہے جن سے بسہولت مریض کے مناسب حال خون لیا جاسکتا ہے، ہر مریض کے لیے بروقت رضا کارانہ خون دینے والے مہیا ہوجائیں اولاً یہی مشکل ہے اور اس سے زیادہ دشوار یہ ہے ان کا خون مریض کے لیے موافق بھی ہوجائے، اس لیے ایسے بینک ایک طبی ضرورت بن گئے ہیں اور" **الضرورات تبیح المحظورات** " کے تحت اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔(جدید فقہی مسائل:

۱/۳۳۵، ط: نعیمیہ دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مادۂ منویہ کو محفوظ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کینسر کے مرض میں مبتلا ہے، اس کے لیے radiation والا علاج تجویز کیا گیا ہے، اطباء کا کہنا ہے کہ اس علاج کی وجہ سے اس کے مادۂ منویہ پر اثر پڑے گا، اور وہ بانجھ ہوجائے گا، بنابریں ڈاکٹر کا مشورہ ہے کہ علاج سے پہلے صحیح مادۂ منویہ کو منی بینک (sperm bank) میں محفوظ کرلیا جائے تاکہ مستقبل میں کام آئے۔ کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ضرورت کی خاطر مرد کا مادۂ منویہ محفوظ کرکے مستقبل میں اس کی بیوی کے رحم میں ڈالنا جب کہ کسی اور کے مادہ کے ساتھ اختلاط نہ پایا جائے اگرچہ خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے برا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

ان علماء کی تحریرات کا خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

بطورِ تمہید عرض ہے کہ صاحبِ اولاد ہونے کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جو کہ غیر معمولی ہوتا ہے، بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں، ولادت سے محرومی عورت کو مختلف نسوانی، دماغی، قلبی اور جسمانی امراض کا شکار بنادیتی ہے بسا اوقات یہ چیزیں زوجین کے درمیان سخت اختلاف اور کشیدگی کا باعث بنتی ہیں، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ عفت وعصمت پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے، اس لیے یہ بات بعض خواتین کے لیے حاجت کا درجہ اختیار کرگئی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں کینسر کی وجہ سے معتاد طریقے پر اس کا حصول ممکن نہیں ہے، بایں وجہ مذکورہ طریقے پر اولاد حاصل کرنا درست ہونا چاہئے۔ لیکن بعض حضرات نے ناجائز فرمایا ہے ان کے دلائل مع جوابات درجِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

جن فقہاء نے اس کو نادرست قرار دیا ہے ان کے سامنے تین باتیں ہیں:

(۱) مرد کو جلق کے ذریعہ مادہ نکالنا ہوگا اور جلق کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) مرد وعورت یا کم ازکم عورت کی بے ستری ہوگی ، اور شدید مجبوری کے بغیر بے ستری اطباء کے سامنے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، اور شریعت کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ خلاف فطرت امور سے منع کرتی ہے۔

ان اشکالات کے جوابات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مادۂ منویہ جلق یا عزل کے ذریعہ نکالا جائے گا اور جلق ممنوع ہے:

عام حالات میں فقہاء نے جلق کرنے سے منع کیا ہے، لیکن جہاں ضرورت دامن گیر ہو وہاں اس کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں شیخ طاہر بن عبدالرشید البخاری لکھتے ہیں:

" إذا عالج ذكره حتى أمنى...ولا يحل هذا الفعل خارج رمضان إن قصد قضاء الشهوة و إن قصد تسكين شهوة أرجو أن لايكون عليه وبال". (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۶۰،الفصل الثاث فيما يفسدالصوم،المكتبة الرشيدية).

جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:

جلق میں مادۂ حیات کو ضائع کردیا جاتا ہے، لیکن جلق کا عمل مصنوعی تولید کے لیے کیا جائے تو اس میں جوہر حیات کو کارگر وثمر آور بنانا ہے، اس لیے یہ صورت جلق کی ممنوع صورتوں میں داخل نہیں۔

(۲) شدید مجبوری کے بغیر اس میں بے پردگی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی صورتوں میں بھی بے ستری کو گوارا کیا ہے جو خود تو کوئی شدید مرض نہیں، لیکن امکانی طور پر شدید امراض کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ اولاد سے محرومی بعض شدید امراض کا سبب بن جاتی ہے، ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

" وقد روى عن أبي يوسفؒ أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل ما بک من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذلک الموضع للمحتقن وهذا صحيح فإن الهزال

الفاحش نوع مرض تكون آخره الدق والسل". (المبسوط للامام السرخسیؒ:۱۰/۱۵۶، کتاب الاستحسان،النظرالی العورۃ).

ضرورت تو کجا بعض مرتبہ سنت یا مباح کی ادائیگی کے لیے بھی بے ستری جو کہ حرام ہے شریعت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے، جیسے مرد کی ختنہ سنت ہے، اورعورت کی مباح ہے پھر بھی فقہاء نے ضرورت اور عذر کے دائرہ میں شمار فرما کر بے ستری کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

" ولايباح النظر والمس إلى مابين السرة والركبة إلا في حالة الضرورة بأن كانت المرأة ختانة تختن النساء". (تحفة الفقهاء:۳/۳۳٤، کتاب الاستحسان).

نیز موٹا پا نہ حاجت ہے نہ ضرورت، لیکن فقہاء نے یہاں بھی حقنہ لگانے کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

" لا بأس بالحقنة لأجل السمن هكذا روي عن أبي يوسفؒ". (خلاصة الفتاوی:٤/۳٦۳، کتاب الكراهية، الفصل الخامس فی الاکل ، ط: المكتبة الرشيدية).

یہ طریقہ لاولد کے لیے دراصل ایک ذریعہ علاج ہے اوراس میں شبہ نہیں کہ فقہاء نے انسانی مسائل کو تین خانوں ۔ضرورت ،حاجت،اور تحسین ۔ میں تقسیم کیا ہے،اورممنوعات کوصرف اس وقت جائز رکھا ہے جب کہ ضرورت یا حاجت اس کی اجازت کا تقاضہ کرے،لیکن فقہی جزئیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج ومعالجہ کے باب میں فقہاء نے ایک گونہ زیادہ وسعت سے کام لیا ہے،اس لیے اولاد سے محروم شوہر وبیوی کے لیے اولاد کا حصول ایک فطری جذبہ اور طبعی داعیہ ہے جس کے لیے شوہر کا مرد طبیب اورعورت کی عورت طبیبہ کے سامنے بے ستری گوارا کی جاسکتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت طریقہ ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ فطری ضرورت اورتقاضہ کی تکمیل (اولاد کا حصول) کے لیے ایسی غیر فطری صورت اختیار کرنا جس کی ممانعت پر نص وارد نہ ہو جائز ہوگا، مثلاً بچہ کی ولادت کی اصل راہ عورت کی شرمگاہ ہے، لیکن ضرورت ہو تو آپریشن کی اجازت ہے،اس لیے یہاں بھی مجبوری کے درجہ میں

اس غیر فطری عمل کی اجازت ہونی چاہئے۔

ثبوتِ نسب کا حکم:

ثبوتِ نسب کے لیے شوہر کے نطفہ سے بیوی کا حاملہ ہوجانا کافی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جسمانی طور پر اس کے ساتھ مباشرت کرے، لہذا بغیر وطی کے بھی استقرار حمل سے بچہ کا نسب میاں بیوی سے ثابت ہوجائے گا۔جس کی نظیر حسب ذیل درج ہے:

”رجل وطي جارية في مادون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماءه في شيء فاستدخلته في فرجها فعلقت، عند أبي حنيفةؒ أن الولد ولده وتصير الجارية أم ولده كذا فی فتاویٰ قاضيخان“. (الفتاوى الهندية: ٤/ ١١٤، الباب الرابع عشر فی دعوى النسب).

خلاصہ یہ ہے کہ مرد کا مادۂ منویہ کو محفوظ کرنا مذکورہ بالا ضرورت کے تحت جائز اور درست ہے بشرطیکہ کسی اور کے مادہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور یہ سہولت آج کل منی بینک میں موجود ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ جگہ ہوتی ہے۔(ملخص از جدید فقہی مسائل ۵/ ۱۵۱۔۱۶۳، ٹسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل: ۲/ ۵۴۷۔۵۴۸۔ وجدید مسائل کا شرعی حل: ۲۰۹۔۲۱۴، وعصر حاضر کے فقہی مسائل، ص ۵۹۔۶۴، از مولانا بدر الحسن قاسمی، ط: حیدر آباد، وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۶۲۔۱۶۵، ط: ادارۃ القرآن)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

مرد کے لیے عورتوں کا علاج کرنے کا حکم:

سوال: مسلمان عورت مرد ڈاکٹر سے علاج کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح مسلمہ طبیبہ مردوں کا علاج کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مرد وزن کے مسائل علیحدہ علیحدہ ہیں، اور تقریباً ہر جگہ طبیب وطبیبہ دونوں بہ آسانی میسر ہوجاتے ہیں، لہذا اپنے مخصوص معالجات میں مرد مرد ڈاکٹر کی طرف اور عورت عورت ڈاکٹرنی کی طرف رجوع کرے کیونکہ نظر الجنس الی الجنس اخف ہے، بایں وجہ ولادت سے متعلق معالجات میں عورت عورت ڈاکٹرنی ہی

کے پاس معاینہ کرائیں بلاوجہ مرد کے پاس جانے کی اجازت نہیں، ہاں بوقتِ ضرورت ومجبوری طبیب کے لیے عورت کا علاج کرنا نیز عورت کے لیے مرد کا علاج کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

امرأة أصابتها قرحة في موضع لا يحل للرجل أن ينظر إليه لا يحل أن ينظر إليها لكن تعلم امرأة تداويها فإن لم يجدوا امرأة تداويها ولا امرأة تتعلم ذلک إذا علمت وخيف عليها البلاء أو الوجع أو الهلاک فإنه يستر منها کل شيء إلا موضع تلک القرحة ثم يداويها الرجل و يغض بصره ما استطاع إلا عن ذلک الموضع ولا فرق في هذا بين ذوات المحارم وغيرهن لأن النظر إلى العورة لا يحل بسبب المحرمية کذا في فتاوى قاضيخان .
(الفتاوى الهندية:٥/٣٣٠). (وكذا في فتاوى الشامى:٦/٣٧١،سعيد،والاختيار:٤/١٥٤،والموسوعة الفقهيةالكويتية:٧/٧٧).

البحر الرائق میں ہے:

والطبيب إنما يجوز له ذلک إذا لم يوجد امرأة طبيبة فلو وجدت فلا يجوز له أن ينظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف ، وينبغي للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن وإن لم يكن ستر کل عضو منها سوى موضع الوجع ثم ينظر و يغض بصره عن غير ذلک الموضع إن استطاع لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها . (البحرالرائق:٨/٢١٨،ط:بيروت).

(وكذافى المبسوط للامام السرخسى:١٠/٢٦٩،والمبسوط للامام محمد:٣/٦٧،ط:ادارة القرآن،وبدائع الصنائع: ٥/١٢٤، سعيد، والدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٧٠-٣٧١،سعيد،واللباب فى شرح الكتاب:١/٤١١، دارالكتاب العربى).

آپ کے مسائل میں مرقوم ہے:

بیمار کی تیمارداری تو بہت اچھی بات ہے لیکن نامحرم مردوں سے بےحجابی اس سے بڑھ کر وبال ہے عورتوں کے ذمہ خواتین کی تیمارداری کا کام ہونا چاہئے، مردوں کی تیمارداری کی خدمت عورتوں کے ذمہ صحیح نہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:٨/٦٦)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

مردوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کے لیے مردوں کو مقرر کیا جائے، نامحرم عورتوں سے یہ خدمت لینا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۷۹)۔

ایک اور جگہ مرقوم ہے:

☆ طبیب کے لیے عورت کا علاج ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

☆ اگر کوئی معالج عورت مل سکے تو اس سے علاج کرانا ضروری ہے۔

☆ اگر کوئی عورت نہ مل سکے تو مرد کو چاہئے کہ اعضائے مستورہ خصوصاً شرمگاہ کا علاج کسی عورت کو بتادے خود علاج نہ کرے۔

☆ اوراگر کسی عورت کو بتانا بھی ممکن نہ ہو، اور مریضہ عورت کی ہلاکت یا ناقابل برداشت تکلیف کا اندیشہ ہو تو لازم ہے کہ تکلیف کی جگہ کے علاوہ تمام بدن ڈھک دیا جائے، اور معالج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو زخم کے علاوہ باقی بدن سے غض بصر کرے، یعنی نظر بچائے رکھے۔

☆ بچہ جنائی کا کام خاص عورتوں کا کام ہے، اگر معاملہ عورتوں کے قابو سے باہر ہو (مثلاً آپریشن کی ضرورت ہو اور آپریشن کرنے والی کوئی لیڈی ڈاکٹر بھی موجود نہ ہو) تو شرائط مندرجہ بالا کے ساتھ مرد علاج کرسکتا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۵۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۱-۱۵۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طبیب کا مریض کے عیب کو ظاہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک ایڈز کے مریض نے ڈاکٹر پر اصرار کیا کہ آپ میرے مرض کے بارے میں کسی کو نہ بتائیں، اب ڈاکٹر کو مرض کے بارے میں بتانا چاہئے یا نہیں؟ نیز کہاں بتانا چاہئے اور کہاں بتانا جائز نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں رازداری کی بہت زیادہ اہمیت ہے اوراس کی ترغیب آئی ہے، اس کے خلاف افشائے راز کی مذمت وارد ہوئی ہے، ڈاکٹر اپنے مریض کا رازدار ہوتا ہے، اس کی شرعی، اخلاقی، قانونی اورفنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے زیرعلاج مریضوں کا راز فاش نہ کرے جس سے مریض کونقصان پہنچ سکتا ہو یا خاندان وسماج میں بدنامی کا ذریعہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ **قال : إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى عورة فسترها كان كمن أحيا موء ودة .** (رواه ابوداود،رقم:٤٨٩٣ واحمدو البيهقي في سننه الكبرى: ٣٣١/٨).

لیکن اگرمریض کے اندرکوئی ایسامہلک یا خطرناک مرض ہوکہ اس کوراز میں رکھنے اور چھپانے سے کسی فتنہ وفسادکااندیشہ ہو یااجتماعی مفادخطرہ میں پڑسکتا ہوتو اس وقت افشائے راز اخلاقِ طب کے خلاف نہیں بلکہ عین تقاضائے مصلحت کہلائے گا۔ درمختار میں ہے:

تباح غيبة مجهول ومتظاهر بقبيح ولمصاهرة . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤٠٨/٦، ٤٠٩، سعيد) .

اسی طرح لڑکے میں کوئی ایسا عیب ہے کہ اگر مخطوبہ کومعلوم ہوجائے تواس سے نکاح پر راضی نہ ہو، اوراس ڈاکٹر سے تحقیق کرے تواس پرضروری ہے کہ اس کے عیب کی تفصیل بتادے ہاں ازخود بتاناضروری نہیں۔

اسی طرح مردوزن دونوں قبل ازنکاح ڈاکٹر کے پاس معاینہ کرائیں توڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ جو تحقیق ہوصحیح بتادےاورعیب کی تفصیل سے آگاہ کردے۔ **ويجب على المشاور أن لايخفى حاله بل يذكر المساوى التي فيه بنية النصيحة.** (رياض الصالحين،ص ٥٨١، باب مايباح من الغيبة).

اسی طرح کوئی شخص کسی مہلک اورمتعدی مرض مثلاً ایڈز وغیرہ میں مبتلا ہے اب اگروہ مریض تمام حفاظتی تدابیراختیارکرتا ہے مثلاً خودزوجہ سے الگ رہتا ہے تب تواس کے راز کے افشا کی ضرورت نہیں لیکن ڈاکٹرکویقین ہے کہ یہ مریض مکمل حفاظتی تدبیر پرکاربند نہیں تواہل خانہ وغیرہ کے سامنے اس مرض کی اطلاع فقط جائز نہیں بلکہ

عین تقاضا مصلحت ہے۔

اسی طرح اس مہلک مرض (ایڈز) کو چھپانے میں اہل خاندان اور متعلقین کے لیے ضرر کا باعث ہو تو ڈاکٹر کے ذمہ ضروری ہے کہ اس مرض کی اطلاع کردے اور اس مریض کی بات پر عمل نہ کرے۔

يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر العام مثلاً الحائط المتوهن إذا كان فى الطريق فإنه يجب نقضه على مالكه دفعاً للضرر العام . (شرح القواعدالفقهية ،ص۱۹۷).

قال الإمام الصنعاني في سبل السلام شرح بلوغ المرام :

واعلم أنه قد استثنى العلماء من الغيبة أموراً ستة ...

الذم ليس بغيبة في ستة ☆ متظلم ومعرف ومحذر

ولمظهر فسقاً ومستفت ومن ☆ طلب الإعانة في إزالة منكر

(سبل السلام شرح بلوغ المرام:۴/ ۳۷۰،باب الترهيب من مساوى الاخلاق،ط:دارالكتاب العربى).

کسی کا عیب بیان کرنا چھ جگہ غیبت نہیں، ظلم کی فریاد کرنے والے اور تعارف کرانے والے جیسے اعمش، اور ڈرانے والے اور بچانے والے کے لیے اور کھلم کھلا فسق وفجور ظاہر کرنے والے کے لیے، اور سوال کرنے والے کے لیے اور جو خلافِ شریعت کام کے ازالہ کے لیے کوشاں ہو کر مدد طلب کرے، یہ مسئلہ نمبر ۳ میں داخل ہے۔

نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے میں ہے:

۴۔ ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کردے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵۔ ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمہ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کردے۔ (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے،ص ۱۴۵)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (جدید فقہی مسائل:۵/ ۴۰۔۵۴، نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے،ص:۱۴۵۔۱۴۶)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعدیہ امراض اور ایڈز کا متعدی ہونا:

سوال: " لا عدویٰ ولا طیرة " والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض متعدی نہیں ہوتے پھر ایڈز کیسے متعدی ہوا ؟

الجواب: اس کے مختلف جوابات ہیں:(۱) " لا عدویٰ في كل مرض "، یعنی ہر مرض متعدی نہیں، ہاں بعض امراض متعدی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **فر من المجذوم فرارک من الأسد**"۔ جذامی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔

(۲) حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں نفی نہی کے معنی میں ہے جیسے: " **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج**" یعنی فحش کلامی مت کرو، فسق و فجور اور جھگڑے حج میں مت کرو۔ تو یہ معنی ہوا کہ امراض متعدیہ کو متعدی مت کرو، اگر قصداً کرو تو گناہ کا اندیشہ ہے۔

قال الشيخ عبد الفتاح : معنى هذا الحديث الشريف عندي : (لا عدوى) أى لايعد بعضكم بعضاً ، أى ليمتنع صاحب المرض المعدى عن مخالطة الأصحاء ، خشية أن يعديهم بتقدير الله تعالىٰ ، ولفظة (لا) هنا للنهى كقوله تعالىٰ : ﴿ فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج ﴾ أى فلا يرفث ولا يفسق ولا يجادل في أثناء قيامه بالحج. (تعليقات الموضوعات الصغير،ص ٤٧،ط: مكتبة المطبوعات الاسلامية).

(۳) بعض امراض متعدی تو ہوتے ہیں لیکن درجہ یقین میں نہیں اس لیے ان کی تعدی کو یقینی مت سمجھو جیسے ٹی بی متعدی مرض ہے لیکن بہت مرتبہ متعدی نہیں ہوتا۔ مجھے خود ٹی بی کی بیماری تھی اور مدرسہ میں ساتھیوں کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا کھاتا تھا مگر کسی کو مرض متعدی نہیں ہوا، اور ایسے موقع پر فرمایا:" **فمن أعدى الأول** "۔ پہلے کو کس نے بیماری لگائی۔

(۴) اگر کوئی مرض یقینی طور پر یا ظنی طور پر متعدی ہے جیسے ایڈز اور لا عدوی تمام امراض کو شامل سمجھ لیں تو پھر معنی یہ ہے کہ مرض میں متعدی ہونے کی خاصیت ازخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی جیسے:" **وما**

رمیت إذ رمیت ‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ ایک مٹھی کنکریوں میں اتنی تاثیر آپ نے نہیں اللہ تعالیٰ نے رکھی۔

(۵) بیماری درجہ توکل میں منتقل نہیں ہوتی اور درجہ اسباب میں بعض متعدی بیماریوں سے بچنا چاہئے، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کل مال کو صدقہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے کل مال کے صدقہ کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ توکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے ،اسی کی طرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی درجِ ذیل حدیث میں اشارہ ہے:

أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أخذ بید مجذوم فأدخله معه فی القصعة ثم قال: کل بسم اللّٰه ثقة باللّٰه وتوکلاً علیه. (رواہ الترمذی،رقم:۱۸۱۷، باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم).

(۶) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جاہلیت کے عقیدہ کے مطابق بیماری اڑکر منتقل ہوتی تھی اور موجودہ تحقیقات اور شریعت کی نظر میں بیماری کے اسباب اور جراثیم اور وائرس منتقل ہوتے ہیں تو” **لا عدوی**“ میں ان کے عقیدے کی نفی ہے۔

(۷) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اگر کسی کی بیماری اتفاقاً کسی کو لگ گئی تو اس کی بنا پر اس پر مقدمہ چلا کر اس سے تاوان یا قصاص و دیت کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۳۴۳، ط: قدیمی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

متعدی امراض سے احتیاطی تدابیر کے نظائر:

مظنون التعدی امراض سے حفاظتی تدابیر کے چند نظائر ملاحظہ فرمائیے:

(۱) بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیمار اونٹ کو صحتمند اونٹ کے پاس نہ لایا جائے۔

عن أبي هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا یوردن ممرض علی مصح. (رواہ البخاری،رقم ۵۷۷۰،ومسلم ،رقم ۲۲۲۱).

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسـول الله صلى الله عليه وسلم قال:...وفر من المجذوم كما تفر من الأسد. (اخرجه البخاری تعليقاً ، باب الجذام).

مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنوثقیف کے وفد میں ایک مجذوم شخص بھی تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیغام بھیجا کہ ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے، لہذا تم لوٹ جاؤ۔

عـن عـمروبن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم فأرسل إليه النبي صلى الله عليه وسلم إنا قد بايعناك فارجع . (رواه مسلم ،رقم :۲۲۳۱).

(۲) حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو اس کو ڈبو دو، پھر نکال دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا۔

عـن أبي هريرة رضي الله عنه قـال: قـال رسـول الـلّـه صلى الله عليه وسلم: إذا وقع الذباب فى شـراب أحـدكم فليغمسه ثم لينزعه فإن في إحدى جناحيه داء والأخرى شفاء. (رواه البخاری، رقم: ۳۳۲۰).

اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں یہ زیادتی موجود ہے: **وأنه يتقي بجاحه الذي فيه الداء فليغمسه كله ثم لينزعه.** (صحيح ابن خزيمه،رقم: ۱۰۵).

یعنی وہ اپنے اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے لہذا اسے پوری طرح ڈبو دو۔

(۳) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈالدے تو اس میں موجود پانی وغیرہ کو بہادو اور برتن کو سات مرتبہ دھوڈالو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قـال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا ولغ في إناء أحدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرار. (رواه مسلم ، رقم: ۲۷۹).

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ترمذی کی تقریر میں ہے:

امام ابوحنیفہؒ سات مرتبہ دھونے کو مستحب کہتے ہیں اور تین مرتبہ فرض قرار دیتے ہیں اور اس کی خباثت پر ”**لا تـدخـل الـملائكة**“ والی روایت دلالت کرتی ہے اور بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ نسیاناً سورکلب پینے

سے ان کے قلب کا نور چلا گیا اور آج کل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ لعابِ کلب میں زہریلے جراثیم ہوتے ہیں جب تک سات مرتبہ پانی سے دھویا نہ جائے اور ایک مرتبہ مٹی سے نہ مانجا جائے تو وہ زہریلے جراثیم زائل نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی صحت کے لیے مضر ہیں باؤلے کتے کا زہریلا پن تو واضح ہے تو تین مرتبہ دھونے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے سات مرتبہ دھونا شفا حاصل کرنے کے لیے ہے۔ (تقریر ترمذی، ص۱۹۱۔۱۹۲)۔

شیخ احمد شاکر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد ظهر من البحوث الطبية الحديثة : أن وجه غسل الإناء سبعاً من ولوغ الكلب هو: أن في أمعاء أكثر الكلاب دودة شريطية صغيرة جداً طولها ۴ مليمترات . فإذا راث الكلب خرجت بويضاتها بكثرة فى الروث ، فيلصق أكثر منها بالشعر الذى بالقرب من دبره ، وعادة الكلب أن ينظف مخرجه بلسانه فيتلوث لسانه و فمه بها ، و تنشر في بقية شعره بواسطة لسانه أو غيره ، فإذا ولغ الكلب فى إناء أو قبله انسان ــ كما يفعل الافرنج ومقلدوهم ـ علقت بعض هذه البويضات بتلك الأشياء وسهل وصولها إلى فمه في أثناء أكله أو شربه ، فتصل إلى معدته وتخرج منها الأجنة فتثقب جدار المعدة والأمعاء ، وتصل إلى أوعية الدم فتحدث أمراضاً كثيرة فى المخ والقلب والرئة إلى غير ذلک ، ولما كان تمييز الكلب المصاب بهذه الدودة عسيراً جداً ، لأنه يحتاج إلى زمن طويل وبحث دقيق بالآلة التي لايعرف استعمالها إلا قليل من الناس، لأن اعتبار الشارع إياه موبوءاً والغسل من ولوغه سبع مرات انقاء للإناء بحيث لايعلق فيه شيء مما ذكرناه ، هو عين الحكمة والصواب. (تعليق احكام الاحكام شرح عمدة الاحكام،ص ۳۰، ۳۱).

(وکذا فی احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص۴۷)۔

(۴) فقہاء نے اسبابِ حرمت میں سے ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ چیز جسمِ انسانی کے لیے ضرر رساں نہ ہو ورنہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے، یعنی شریعتِ مطہرہ کی طرف سے یہ جسمِ انسانی کے حفاظت کی احتیاطی تدبیر ہے۔

ملاحظہ ہوالموسوعہ میں فرماتے ہیں:

ما یحرم أکله لأسباب مختلفة : یظهر من الاستقراء وتتبع تعلیلات فقهاء المذاهب فیما یحکمون بحرمة أکله أنه یحرم أکل شيء مهما کان نوعه لأحد أسباب خمسة :۔

السبب الأول : الضرر اللاحق بالبدن أو العقل : ولهذا أمثلة کثیرة : منها: الأشیاء السامة سواء کانت حیوانیة ...أم کانت نباتیة...أم جمادیة... ومنها: الأشیاء الضارة وإن لم تکن سامة ، وقد ذکر منها فی کتب الفقه : الطین ، والتراب ، والحجر ، والفحم ، علی سبیل التمثیل ، وإنما تحرم علی من تضره . ولاشک أن هذا النوع یشمل ماکان من الحیوان أو النبات أو الجماد، ویعرف الضار من غیرالضار من أقوال الأطباء والمجربین .

ولا فرق فی الضرر الحاصل بالسمیات أو سواها بین أن یکون مرضاً جسمانیاً أیا کان نوعه ، أو آفة تصیب العقل کالجنون والخبل. (الموسوعة الفقهیة : ۱۲۵/۵،ط:وزارة الاوقاف).

نیز فقہاء نے فرمایا کہ مٹی کھانا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جسم میں کوئی بیماری یا کسی مصیبت کے پہنچنے کا اندیشہ ہے، یہ بھی ایک احتیاطی تدبیر کے قبیل سے ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أکل الطین مکروه هکذا ذکر في فتاوی أبي اللیث رحمه اللّٰه تعالیٰ وذکر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه : إذا کان یخاف علی نفسه أنه لو أکله أورثه ذلک علة أو آفة لا یباح له التناول وکذلک هذا في کل شيء سوی الطین ...وکراهیة أکله لا للحرمة بل لتهییج الداء . (الفتاوی الهندیة:۳٤٠/۵).

(وکذا فی المحیط البرهانی : ۲۰٦/۵،الفصل الثانی عشر فی الکراهیة فی الاکل ،ط: داراحیاء التراث العربی ، ونصاب الاحتساب ،ص١٤٨،الباب العاشر،فی الاحتساب فی الاکل والشرب والتداوی، ونفع المفتی والسائل ، ص:۳۷۹، ما یتعلق بالاکل والشرب،ط:دارابن حزم). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچوں کو مختلف امراض کے ٹیکے لگانے کا حکم:

سوال: آج کل مختلف امراض سے بچنے کے لیے بچوں کو ٹیکے لگاتے ہیں، بعض علماء ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ یہ مضر ہیں، شرعاً ان ٹیکوں کے لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہو کہ اس انجکشن کا فائدہ ضرر سے زیادہ ہے تو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ لگوانا چاہئے، ہاں ضرر متحقق ہو تو پھر نہ لگوایا جائے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ٹیکا لگانا تجربے سے مفید ثابت ہوا ہو تو جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۴۹، دار الاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حیوانات پر میڈیکل تجربات کا حکم:

سوال: حیوانات پر میڈیکل تجربات جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: زمین کی تمام مخلوقات معدنیات، نباتات حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لیے وجود بخشا ہے، بنابریں انسان کے لیے ان چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر، کوٹ پیس کر بلکہ جلا کر اور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کرنا اور فائدہ حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ اسی طرح حیوانات پر میڈیکل تجربات بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی فائدہ ہی کی ایک قسم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿**هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعاً**﴾ [البقرة: ۲۹].

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے فوائد کو قرآن میں مقامِ احسان و امتنان میں بیان فرمایا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿**واللّٰه جعل لكم من بيوتكم سكناً وجعل لكم من جلود الأنعام بيوتاً تستخفونها يوم ظعنكم و يوم إقامتكم، ومن أصوافها وأوبارها وأشعارها أثاثاً ومتاعاً إلى حين**﴾ [النحل: ۸۰].

جدید فقہی مسائل میں ہے:

مختلف دواؤں کے اثرات اور فائدوں کا تجربہ کرنے کے لیے بسا اوقات جانوروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے، پہلے ان کے جسم میں ایسے جراثیم داخل کیے جاتے ہیں جو اس بیماری کو پیدا کردیں، پھر ممکنہ دواؤں کو ان پر آزمایا جاتا ہے جو ان امراض کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہوں، یہ صورتیں جائز ہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے جانوروں کو خواہ مخواہ اذیت دینے اور اس کے مشاہدہ کو اپنے لیے سامانِ تفریح بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء انسان کے لیے خادم ہیں، اسی لیے جانوروں کی سواری، ان کے گوشت کو غذا، چمڑوں کو لباس اور کسی عضو انسانی کی صحت کے لیے اس کے جسم میں پیوندکاری کی اجازت دی گئی ہے، مذکورہ صورتوں میں بھی چوں کہ تفریح اور بے مقصد اذیت رسانی نہیں ہے بلکہ انسان کی ایک واقعی اور لازمی ضرورت کے لیے ان سے خدمت لینا اور استفادہ کرنا اصل منشا ہے اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔(جدید فقہی مسائل:۱/ ۳۳۷)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں، اس لیے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خصی کرنا بالاتفاق جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دنبوں کی قربانی کی ہے، خصی کرنے کی تکلیف انجکشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۲۲۳)۔

ہاں اگر ان کو اذیت ہو تو ان کو ایسی دوائیں دی جائیں جو تکلیف کو کم کریں اور سکون وراحت پہنچادیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان کے لیے خنزیر کے علاج کا حکم:

سوال: کیا مسلمان طبیب خنزیر کا علاج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمان طبیب کے لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ کسی غیر مسلم ڈاکٹر کے حوالے کردے، خود

علاج نہ کرے لیکن اگر غیر مسلم ڈاکٹر نہ ملے تو اس حدیث شریف " في كل كبد رطبة أجر" ہر جاندار چیز میں اجر ہے، پر عمل کی نیت سے استغفار کے ساتھ علاج کرسکتا ہے، کیونکہ پانی پلانے میں پیاس کی تکلیف کو دور کرنا ہے اور علاج میں درد و تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر ہے بظاہر دونوں میں فرق نہیں اور غیر مسلم یا ذمی کا خنزیر قتل کرنا جائز نہیں ہے اس لیے وہ خنزیر واجب القتل بھی نہیں ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: بينا رجل يمشي فاشتد عليه العطش فنزل بئراً فشرب منها ثم خرج فإذا هو بكلب يلهث يأكل الثرى من العطش فقال: لقد بلغ هذا مثل الذي بلغ بي فنزل بئراً فملأ خفه ثم أمسكه بفيه ثم رقى فسقى الكلب فشكر اللّٰه له فغفر له قالوا: يا رسول اللّٰه ! وإن لنا فى البهائم أجراً قال: في كل كبد رطبة أجر. (صحيح البخارى: ۱/۳۱۸،رقم:۲۳۶۳، باب فضل سقى الماء)۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وقال الداودي : هذا عام في جميع الحيوانات وقال أبوعبد الملک هذا الحديث كان في بني إسرائيل وأما الإسلام فقد أمر بقتل الكلاب فيه وأما قوله في كل كبد فمخصوص ببعض البهائم مما لا ضرر فيه لأن المأمور بقتله كالخنزير لا يجوز أن يقوى ليزداد ضرره وكذا قال النووی رحمه الله إن عمومه مخصوص بالحيوان المحترم وهومالم يؤمر بقتله فيحصل الثواب بسقيه ويلتحق به إطعامه وغيرذلک من وجوه الإحسان إليه قلت: القلب الذي فيه الشفقة والرحمة ينجح إلى قول الداودي وفى القلب من قول أبي عبد الملک حزازة ويتوجه الرد على كلامه من وجوه الأول: قوله كان في بني إسرائيل لا دليل عليه فما المانع أن أحداً من هذه الأمة قد فعل هذا وكوشف للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم بذلک وأخبره بذلک حثاً لأمته على فعل ذلک وصدور هذا الفعل من أحد من أمته يجوز أن يكون في زمنه ويجوز أن يكون بعده بأن يفعل أحد هذا واعلم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم

بـذلک أنـه سيـكـون كذا وأخبره بذلک في صورة الكائن لأن الذى يخبره عن المستقبل كـالواقع لأنه مخبر صادق وكل ما يخبره من المغيبات الآتية كائن لا محالة . والثاني : قوله وأمـا الإسـلام فـقـد أمـر بقتل الكلاب لايقوم به دليل على مدعاه لأن أمره بقتل الكلاب في أول الإسـلام ثـم نسـخ ذلک بـإبـاحة الانتـفـاع بها للصيد وللماشية والزرع ولاشک أن الإبـاحة بـعـد التـحـريـم نسخ لذلک التحريم ورفع لحكمه . والثالث: دعوى الخصوص تـحـكـم ولا دليـل عـليـه لأن تـخـصيـص العام بلا دليل إلغاء لحكمه الذى تناوله فلا يجوز والـعـجـب من النووی ؒ أيضاً أنه ادعى عموم الحديث المذكور للحيوان المحترم وهو أيضاً لا دليـل عـليه وأصل الحديث مبنى على إظهار الشفقة لمخلوقات اللّٰه تعالیٰ من الحيوانات وإظهـار الشـفقة لا ينافى إباحة قتل المؤذى من الحيوانات ويفعل فى هذا ما قاله ابن التيمى لايـمتـنـع إجـراؤه عـلـى عـمومه يعنى فيسقى ثم يقتل لأنا أمرنا بأن نحسن القتلة ونهينا عن الـمثـلة فـعـلـى قول مدعى الخصوص الكافر الحربى والمرتد الذى استمر على ارتداده إذا قـدمـا لـلقتل وكان العطش قد غلب عليهما ينبغي أن يأثم من يسقيهما لأنهما غير محترمين فـي ذلک الوقت ولا يميل قلب شفوق فيه رحمة إلى منع السقى عنهما يسقيان ثم يقتلان.

(عمدة القارى : ۷٦/۹،باب فضل سقى الماء من كتاب المساقاة،ط: دارالحديث ملتان)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

دانتوں کوتاروں سے باندھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے دانتوں کی ظاہری شکل وصورت خراب ہوچکی ہے،اورزیادہ مضبوطی اور جماؤ بھی باقی نہیں رہا،وہ شخص دانتوں کی ظاہری شکل وصورت کوخوبصورت بنانے اورمضبوط کرنے کے لیے دانتوں کو تاروں سے باندھنااورخول چڑھاناچاہتاہے،شرعاً اس کی اجازت ہے یانہیں؟ نیزمصنوعی دانتوں کالگانا کیساہے؟

الجواب: دانتوں کوتاروں سے باندھنااورخول چڑھانابغرض مضبوطیٔ دندان جائزاوردرست ہے،

ہاں اگر کوئی واقعی ضرورت نہ ہو تو محض زینت کے لیے لگوانے سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايشد سنه المتحرک بذهب بل بفضة وجوزهما محمد ويتخذ أنفاً منه لأن الفضة تنتنه . وفي رد المحتار: قوله المتحرک قيد به لما قال الكرخي إذا سقطت ثنية رجل فإن أباحنيفةؒ يكره أن يعيدها ويشدها بفضة أو ذهب...وخالفه أبويوسفؒ فقال: لا بأس به ... زاد فی التاتارخانية قال بِشْرٌ: قال أبويوسفؒ: سالت أباحنيفةؒ عن ذلک في مجلس آخر فلم ير بإعادتها باساً قوله وجوزهما محمدؒ أی جوز الذهب والفضة أی جوز الشد بهما...قوله لأن الفضة تنتنه ... وأشار إلى الفرق للإمام بين شد السن واتخاذ الأنف فجوز الأنف من الذهب لضرورة نتن الفضة لأن المحرم لا يباح إلا لضرورة ... وأصل ذلک ما روى الطحاوي بإسناده إلى عرفجة بن سعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب فی الجاهلية فاتخذ أنفاً من ورق فأنتن عليه فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخذ أنفاً من ذهب ففعل . (الدر المختار مع ردالمحتار:٦/٣٦٢،سعيد).

عالمگیری میں ہے:

قال محمد فی الجامع الصغير: ولا يشد الأسنان بالذهب ويشدها بالفضة يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها فأراد صاحبها أن يشدها، يشدها بالفضة ولايشدها بالذهب وهذا قول أبي حنيفةؒ وقال محمد: يشدها بالذهب أيضاً...وذكر الحاكم فی المنتقى لوتحركت سن رجل وخاف سقوطها فشدها بالذهب أو بالفضة لم يكن به بأس عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ ... (الفتاوى الهندية:٥/٣٣٦).

کفایت المفتی میں ہے:

دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا جائز ہے اور محض زینت کے لیے چڑھوانا مکروہ ہے ...الخ۔(کفایت المفتی:٩/١٥٧،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر بغیر خول چڑھائے دانت کا قائم رہنا دشوار ہوتو چاندی کا چڑھالینا درست ہے، غسل کے وقت اس کو تارنے سے معذوری ہوتو بغیر اتارے بھی غسل ہوجائے گا، نماز بھی درست ہوجائے گی، سونے کے خول میں اختلاف ہے، احتیاط یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔(فتاویٰ محمودیہ:۸۲/۵، جامعہ فاروقیہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

مصنوعی اعضاء جیسے آنکھ، دانت وغیرہ لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں، خواہ اس کا مقصد علاج ہو یا چہرہ کو بدنمائی سے بچانا، حضرت عرفجہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی مگر اس میں بو پیدا ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اسی طرح فقہاء نے سونے چاندی کے دانت لگانے یا دانتوں کی بندش میں اس کے تار استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔(جدید فقہی مسائل:۳۲۶/۱، ط: نعیمیہ دیوبند)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زینت کے لیے اعضاء کی سرجری کا حکم:

سوال: انسانی اعضاء مثلاً بدن، چہرہ وغیرہ مزین اور خوبصورت بنانے کے لیے سرجری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ سرجری ان عیوب کو بھی شامل ہے جو کسی حادثہ کی وجہ سے یا ولادت کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، اسی طرح لیزر کے ذریعہ جسم کو نرم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کینسر کی وجہ سے پستان نکال دیا گیا ہوتو گوشت اور پٹھے لگانے یا اور کوئی چیز لگانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: انسانی جسم میں ایسے تصرفات جو اپنے خیال میں محض زینت کے قبیل سے ہوں درست نہیں، ہاں ازالہ عیوب جائز ہے مثلاً ٹوٹے ہوئے دانت کی جگہ دوسرا دانت لگوانا جائز ہے کیونکہ یہ ازالہ عیب ہے اسی طرح نکلے ہوئے دانتوں کو برابر کرنا بھی درست ہے، مصنوعی ناک کان لگوانا بھی درست ہے تاکہ عیب دور ہوجائے لیکن دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے خیال میں حسن ہے جس کو فرضی

حسن کہہ سکتے ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خودساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے، خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز، قابل لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک، پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات والمتنمصات . (بخاری).

اللہ کی لعنت ہو گوندنے اور گوندوانے والی اور بالوں کو اکھاڑنے والیوں پر۔

نیز حضرت ابوریحانہؓ سے مروی ہے:

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حرم الوشر . (نسائی :۲/۲۸۱).

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں کو نوک دار بنانے سے منع فرمایا۔

... ہاں اگر عام فطرت کے خلاف کوئی عضو زیادہ ہو گیا ہو مثلاً پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہو گئیں تو آپریشن کے ذریعہ ان کو علاحدہ کیا جا سکتا ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصيرؒ : إن كان الغالب على من قطع مثل ذلک الهلاک فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلک .

(الفتاوی الهندية:۵/۳۶۰). (جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصادر ومراجع

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ششم

القرآن الکریم تنزیل من رب العٰلمین

الف

إکمال المعلم بفوائد مسلم ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الریاض

اتحاف الخیرة المهرة علامہ بوصیری الریاض

اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور

آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدھیانوی

الاختیار لتعلیل المختار عبد اللہ بن محمود الموصلی بیروت

الاستذکار ابن عبد البر

إعانة الطالبین ابوبکر عثمان بن محمد الدمیاطی التوفیقیةؒ

ابوداود الحافظ سلیمان بن اشعث ابو داود السجستانیؒو ۲۰۲ت ۲۷۵ کتب خانه مرکز علم کراچی

احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کمپنی

اوجز المسالک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنیؒ مکتبه امدادیه ملتان

الاصابة فی تمییز الصحابه حافظ ابن حجرؒ

امدادالفتاوی — حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی — مکتبہ دارالعلوم کراچی

احياء علوم الدين — امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت۵۰۵ — دار الفكر

ابن ماجه — ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ — قديمی كتب خانه

امدادالاحکام — حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ومفتی عبدالکریم گمتھلویؒ — مکتبۃ دارالعلوم کراچی

اعلاء السنن — مولانا ظفر احمد عثمانی التهانویؒ — ادارة القرآن كراچی

الأشباه و النظائر — زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفی ت ۹۷۰ — ادارة القرآن كراچی

امدادالمفتین — حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶ — دارالاشاعت

انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجه — الشيخ عبد الغنی المجددی الدهلوی ۱۲۹۵ — قديمی كتب خانه

احکام القرآن — حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اہم فقہی فیصلے — قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — ادارۃ القرآن

ایضاح المسائل — مفتی شبیر صاحب مرادآبادی

ایضاح النوادر — مفتی شبیر صاحب مرادآبادی — مکتبہ علمیہ سہارنپور

احكام القرآن — ابوبكر جصاص الرازی — سهيل

احكام القرآن — علامہ ظفر احمد عثمانی — ادارة القرآن

اصول الشاشی — نظام الدين الشاشی — بيروت

الأموال — ابن زنجويه

أشرف الأحكام — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ — ادارہ اسلامیات

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا

احکام الذبح — مفتی تقی صاحب — دارالعلوم کراچی

احکام القرآن — شیخ ابن عربی

ادیانِ باطلہ اور صراط مستقیم — مفتی محمد نعیم صاحب

الامام الفقيه المحدث الشيخ محمدعابدالسبدی ...الخ — شيخ سائد بكداش — دارالبشائر الاسلامية

ارشاد السالك — الشيخ عبدالرحمن المالكی

الاشباہ والنظائر الامام السیوطی بیروت

انکاٹا انسائیکلوپیڈیا

احکام اسلام عقل کی نظر میں حضرت تھانویؒ مکتبہ عمر فاروق

الاستیعاب ابن عبدالبر دارالجیل

اسنی المطالب شیخ زکریا الانصاری دارالکتب العلمیة بیروت

الایضاح فی شرح الاصلاح ابن کمال باشا بیروت

الاوسط ابن المنذر

الآداب الشرعیة ابن مفلح موقع الاسلام

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو الشیخ الاصبھانی موقع جامع الحدیث

الاحادیث المختارۃ الضیاء المقدسی ملتقی اھل الحدیث

الآداب امام بیھقی موقع جامع الحدیث

آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مفتی محمد شفیع صاحب ادارہ اسلامیات

الانوار فی شمائل النبی المختار الامام البغوی بیروت

الاقناع فی حل الفاظ ابی الشجاع محمد الشربینی الخطیب

الاقناع فی فقه الامام احمد بن حنبل شرف الدین موسی بن احمد الحجاوی دارالمعرفة بیروت

اسوہ رسول اکرم ڈاکٹر عبدالحی صاحب دارالاشاعت

اسد الغابة ابن الاثیر

اہم فقہی فیصلے مرتب قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب ادارۃ القرآن

اعضاء انسانی کی پیوندکاری حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی

انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید مولانا عبدالسلام چاٹگامی اسلامی کتب خانہ

الاستنساخ البشری بین الاباحة والتحریم فی ضوء الشریعة محمد العتیبی

الاذکار الامام النوویؒ بیروت

الاعتصام الامام ابو اسحاق الشاطبی

باء

البناية شرح الهداية العلامه بدرالدين العينىؒ فيصل آباد

بخارى ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاريؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فيصل پبليكيشنز،ديوبند

البحرالمحيط ابوحيان الاندلسى دارالفكر

بذل المجهود مولانا خليل احمد السهارنفوريؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لكهنؤ

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بیان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

بداية المجتهد ابو الوليد محمد بن احمد القرطبى دار نشر الكتب

البحر الرائق الشيخ زين الدين ابن نجيم مصرى المكتبة الماجدية

بلوغ المرام الحافظ ابن حجر العسقلانيؒ بيروت

بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاسانى ت۵۸۷ سعيد كمپنى

بريقة محمودية فى شرح طريقة المحمدية عبد الغنى بن اسماعيل النابلسى

بوادر النوادر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات

بحوث فى قضايا فقهية معاصرة مفتی محمد تقی عثمانی

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی

بلغة السالک لاقرب المسالک شيخ احمد الصاوى دارالكتب العلمية بيروت

بيان الوهم والايهام على بن محمد الحميرى الفاسى ابو الحسن ابن قطان دار طيبة الرياض

البحرالمحيط الامام الزركشى

البيان فى التبرع بعضو من الاعضاء الشيخ صفوت جودة احمد مكتبة القاهرة

پاء

الثمر الدانى ابن ابى زيد القيروانى دارالفكر

تاء

تفسير القرطبى محمد بن احمد الانصارى القرطبيؒ دار الكتب العلمية

تهذيب التهذيب ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الكتب العلمية بيروت

تحفة الأحوذى ابو العلى محمد بن عبد الرحمن المباركفوریؒ و۲۸۳ ۱ت۱۲۵۳ دار الفكر

ترمذى ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمزیؒو ۲۰۹ت۲۷۹ فيصل پبليكيشنز،ديوبند

التعليقات على الترمذى و ابى داؤد وابن ماجه و صحيح ابن خزيمه ناصر الدين الألبانى المكتب الاسلامى

التعليق الممجد العلامة عبد الحى اللكنوى بتحقيق الدكتور تقى الدين الندوى دمشق

تهذيب الكمال الحافظ جمال الدين ابو الحجاج يوسف المزّى و۶۵۴ ت۷۴۲ مؤسسة الرسالة

تقريب التهذيب احمد بن على بن حجر العسقلانى و۷۷۳ت۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية

تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط موسسة الرسالة بيروت

التصحيح والترجيح العلامة قاسم بن قطلوبغا بيروت

تنوير الابصار العلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ت۱۰۰۴ سعيد كمپنى

التفسير المظهرى قاضى محمد ثناء الله پانى پتیؒ ت۱۲۲۵ بلو چستان بک ڈپو

التمهيد ابو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمرى و۳۶۸ت۴۶۳ مكتبة المؤيد

تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مدینہ منوّرة

تفسيرالسمرقندى فقيه ابو الليث السمرقندى

الترغيب و الترهيب الحافظ ذكى الدين عبد العليم بن عبد القوى المنذرى ت۶۵۶ دار احياء التراث

تكملة فتح الملهم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مكتبة دار العلوم كراچى

التعليقات على نصب الراية الشيخ محمد عوامة المكتبة المكية

التعليقات على ابن ماجه الدكتور بشار عواد معروف دار الجيل بيروت

تنقيح الفتاوى الحامدية السيد محمد امين ابن عابدين الشامى دار الاشاعة العربية

تألیفات رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور

تذكرة الموضاعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن على المقدسى ت۵۰۷ مير محمدكتب خانه كراچى

تذكرة الموضوعات الشيخ محمد بن طاهر بن على الفتنى الهندى

تبيين الحقائق العلامه فخر الدين عثمان بن على الزيلعى مكتبه امداديه ملتان

تذکرة الرشید	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی	مکتبه عاشقية
التعليقات على المصنف	الشيخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه	المجلس العلمی
تقريرات الرافعی (التحریرالمختار)	العلامه عبد القادر الرافعی	سعید کمپنی
تفسير ابن كثير	الحافظ اسماعيل ابن كثير القرشی الدمشقی ت ۷۷۴	دارالسلام
التحرير فی اصول الفقه	العلامه الشيخ ابن الهمام	دار الكتب العلمية بيروت
تحفة الفقهاء	علاء الدين السمرقندی	
التقرير و التحبير	الشيخ ابن امير الحاج الحلبی	بيروت
التعليقات على المستدرک	صالح اللحام	
التعليقات على مسند احمد	الشيخ شعيب الارنؤوط	القاهرة
التعليقات على سنن ابن ماجه	محمد فؤاد عبد الباقی	
التلخيص الحبير	الحافظ ابن حجر العسقلانی	
تلخيص الحاكم	الامام الذهبی	
تقریر ترمذی	مولانا محمد تقی عثمانی	
التعريفات	السيد شريف الجرجانی	
تكمله رد المحتار	محمد علاء الدينؒ	
تعلیقاتِ فتاویٰ محمودیہ	زیر نگرانی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ	
التعليقات بلوغ المرام	صفی الرحمن المباركفوری	بيروت
تفسير الماوردی (النكت والعيون)	ابو الحسن علی بن محمد الماوردی البصری	بيروت
التعريفات الفقهية	السيد المفتی عميم الاحسان	دارالكتب العلمية بيروت
تكملة عمدة الرعاية	مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ	
تكملة البحرالرائق	علامہ محمد بن حسین بن علی طوریؒ	
التعليقات على شرح تحفة الملوک	الشيخ سائد بكداش	دارالبشائر الاسلامية
تحفة الملوک	الفقيه محمد بن ابی بكر بن عبد القادر الرازی	دارالبشائر الاسلامية

التعليقات على الفتاوى الزينية الشيخ سعيد بن سالم الغامدى داركنوز اشبيليا

تحفة الخواص فى حل صيد بندق الرصاص محمد بيرم بن مصطفى الحنفى

تعليقات اللباب فى شرح الكتاب الشيخ سائد بكداش دارالبشائر الاسلامية

تذكرة الخليل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کتب خانہ اشاعۃ العلوم

التعليقات على الكنز الشيخ سائد بكداش دارالبشائر

التعليقات على مراسيل ابى داود الشيخ شعيب الارنؤوط

تحفة المودود باحكام المولود الشيخ ابن القيم الجوزية دمشق

تنزيه الشريعة الشيخ ابن العراق بيروت

التعليقات على كتاب الدعاء للطبرانى،سامى انور خليل دارالحديث ، القاهرة، ومصطفى عبد القادر عطا

التعليقات على آداب البيهقى موقع جامع الحديث

تهذيب الآثار ابو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبرى القاهرة

تمباکواوراسلام مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی بیت العلم ٹرست

تعريف اهل الاسلام بان نقل العضو حرام الشيخ الغمارى

التاج والاكليل محمد بن يوسف العبدرى دارالفكر

تاج العروس السيد مرتضى الزبيدى دارالهداية

توقيع الاعيان على حرمة ترقيع الانسان (احسن الفتاوی،جلد۸)

جيم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و۱۳۱۴، ت۱۳۹۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی

الجامع الصغير جلال الدين بن أبى بكر السيوطى و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الكتب العلمية بيروت

الجوهر النقى على هامش السنن الكبرى علاء الدين بن على بن عثمان ابن التركمانى ت۷۴۵ دار المعرفة

جامع الأحاديث جلال الدين عبد الرحمن السيوطى ت ۹۱۱ دار الفكر

جامع المسانيد محمدبن محمودالخوارزمى مكة المكرمة

الجوهرة النيرة أبو بكر بن على بن محمد الحدادى ت۸۰۰ مكتبة امدادية

جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جدید فقہی مباحث قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

جواہر الفتاویٰ مفتی عبد السلام چاٹگامی، اسلامی کتب خانہ کراچی،

جامع الرموز شمس الدین محمد الخراسانی القهستانی المطبعة الكريمة

جامع احكام الصغار على هامش الفصولين العلامة الاستروشنی اسلامی کتب خانہ

جامع الاصول فی احادیث الرسول مجد الدین ابوالسعادات ابن الاثیر ۶۰۶م دارالبیان

جامع الفصولین الشیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل ابن قاضی سماونہ ۸۲۳ م

جامع العلوم والحكم الشيخ ابن رجب الحنبلی ۷۹۵ م

جمهرة القواعد الفقهية الشيخ على احمد الندوی

جدید معاملات کے شرعی احکام (فقہ المعاملات) مفتی احسان اللہ شائق دارالاشاعت

جانوروں کا انسائیکلوپیڈیا

جلسات الحج محمد بن صالح العثيمين

جمع الوسائل فی شرح الشمائل الشیخ الملا علی القاریؒ اداره تالیفات

الجامع الصغير الامام جلال الدين السيوطی

جدید فقہی تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

حاء

حاشیہ مؤطا امام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حاشية الدسوقی شمس الدين محمد عرفه الدسوقی دار الفكر

حاشية تبيين الحقائق الشيخ شهاب الدين شلبی امدادیه

حلية الأولياء الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانی ت ۴۳۰ دار الفكر

حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح العلامه السيد أحمد الطحطاوی میر محمد کتب خانہ کراچی

حاشية مشكوٰة المصابيح مولانا احمد علی سہارنپوریؒ قدیمی کتب خانہ

حاشية الشرنبلالى على درر الحكام العلامة الشرنبلالى الحنفى و ۹۹۴،ت ۱۰۶۹،

حاشية الهداية العلامة عبد الحى اللكنوى و ۱۲۶۴،ت ۱۳۰۴،

حاشية صحيح البخارى شیخ محدث احمد علی سہارنپوری

حاشية السندى على ابن ماجه محمد بن عبد الهادى السندى

حاشية الترمذى شیخ محدث احمد علی سہارنپوری

حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حاشية الطحطاوى على الدر المختار العلامة السيد أحمد الطحطاوى و ۱۲۳۱ مكتبة العربية كوئٹه

حاشية سنن الدارمى فواز احمد وخالد السبع العلمى قديمى كتب خانه

حاشية فتح القدير الشيخ سعدالله جلبى دارالفكر

حاشية سنن ابن ماجه الشيخ عبد الغنى المجددیؒ

حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب

حاشية العدوى على شرح الكفاية دارالفكر

حاشية الدرر على الغرر ابوسعيد محمد بن مصطفیٰ الخادمى مطبعة عثمانية

حلة المصيد بالبندقة الرصاصية العلامة الشيخ محمد عابد السندى الانصارى

حلال،حرام پرندے اوران کے طبی فوائد مولانا سلیم احمد دیوبند

حلال،حرام چوپائے اوران کے طبی فوائد مولانا سلیم احمد دیوبند

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح السيد احمد الطحطاوى قديمى

حاشية التصحيح والترجيح الضياء يونس دارالكتب العلمية بيروت

حیوٰة الحيوان الشيخ الدميرى الشافعى

الحاوى للفتاوى الامام السيوطى

الحاوى الكبير العلامه الماوردى

حاشية كنز الدقائق مولانا حبیب الرحمٰن امدادیہ ملتان

حاشية نورالانوار محمد عبدالحلیم اللکھنوی ایچ ایم سعید

حسن العزیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حاشیة السراجی الادیب محمد نظام الدین الکیرانوی قدیمی کتب خانه

حاشیة الجمل الشیخ زکریا الانصاری دارالفکر

حکم الدین فی عادة التدخین الشیخ طارق الطواری

حکم نقل الأعضاء الانسانی فی الفقه الاسلامی حسن علی الشاذلی (مخطوطه)

الحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی القاضی الغزنوی دارالنوادر

خاء

خلاصة الفتاوی الشیخ طاهربن عبد الرشید البخاری مکتبه رشیدیه کوئٹه

خزانة المفتین الشیخ حسین بن محمد کراچی

خزانة الفقه الفقیه ابو اللیث السمرقندیؒ

خلاصة البدرالمنیر سراج الدین ابن الملقن الشافعیؒ ۸۰۴م

الخلاصة الفقهیة محمد عربی القروی المالکی دارالکتب العلمیة بیروت

دال

الدر المنثور عبد الرحمن جلال الدّین السیوطیؒ و ۸۴۹ت ۹۱۱ دار الفکر

الدر المختار علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفیؒ و۱۰۲۵ت۱۰۸۸ ایچ ایم سعید کمپنی

درر الحکام فی شرح غرر الأحکام قاضی ملا خسرو معارف نظارت جلیلة

الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

الدرالمنتقی علی هامش مجمع الانهر علاء الدین الحصکفی الدمشقی

درس ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور) مولانا اشرف علی تھانوی

دررالحکام شرح مجلة الاحکام الشیخ علی حیدر بیروت

الدراری المضیة العلامه الشوکانی بیروت

درة الغواص فی حکم الذکاة بالرصاص العلامه ابن بدران الدمشقی

الدعاء الامام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبرانی دارالکتب العلمية بيروت

الدعوات الکبير الامام ابوبکر احمد بن الحسين البيهقی الکويت

الدعاء محمد بن فضيل الضبی

دقائق التفسير العلامه ابن تيمية

الدرر المباحة فی الحظر والاباحة خليل بن عبد القادر النحلاوی دارابن حزم

الدعاء المسنون المفتی محمد ارشاد القاسمی زمزم پبلشرز

ذال

الذخيرة شهاب الدين احمد بن ادريس القرافی بيروت

راء

روح المعانی شهاب الدين السيد محمود الآلوسی البغدادیؒ ت۱۲۷ التراث القاهرة

رد المحتار خاتمة المحققين محمد امين ابن عابدين ۱۲۵۲ ايچ ايم سعيد کمپنی

رسائل ابن عابدين العلامه الشامیؒ سهيل اکيڈمی

رسم المفتی العلامه الشامیؒ

رمزالحقائق شرح کنزالدقائق العلامه بدرالدين العينیؒ بيروت

روضة الطالبين الشيخ الامام النووی المکتب الاسلامی

الروضة الندية الشيخ محمد صديق حسن خان دارالمعرفة

الروض الانف العلامه السهيلی

رفع التلاحی عن جلود الاضاحی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی

رد شبه المجيزين لنقل الاعضاء من الناحيتين الدينية والطبية الشيخ محمود محمد عوض سلامة

رابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ مکة المکرّمة

زاء

زاد المعاد فی هدی خير العباد شمس الدين أبو عبد الله الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

الزيادات الامام محمد بن حسن الشيبانیؒ المجلس العلمی

زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک مولانا عتیق احمد قاسمی

الزهد هناد بن سری الکوفی دارالخلفاء للکتاب الاسلامی ، الکویت

سین

سلسلة الاحادیث الضعیفة الشیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ المکتب الاسلامی

السنن الکبری أحمد بن شعیب النسائی

سیر اعلام النبلاء شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی و۷۴۸۱ت۱۳۷۴ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمی عبدالله بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ت۲۵۵ قدیمی کتب خانه

سنن الدارقطنی الحافظ علی بن أبی بکر الدارقطنی و۳۰۶ت۳۸۵ مکتبة المتبنی القاهرة

السنن الصغری الامام البیهقی

سنن سعید بن منصور سعید بن منصور الخراسانی ت۲۲۷ الدار السلفیة الهند

السنن الکبریٰ الحافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی دار المعرفة

السعایه علامہ لکھنوی سہیل اکیڈمی

سبل السلام محمد بن اسماعیل الصنعانی

السراج الوهاج العلامه محمد زهری الغمراوی المکتبة التجاریة

السراجی الشیخ سراج الدین السجاوندی قدیمی کتب خانه

سنت نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق چغلتائی ادارہ اسلامیات

سبل الہدی والرشاد محمد بن یوسف الشامی بیروت

سلسلة الآداب الاسلامیة محمد بن صالح

السلوک لمعرفة دول الملوک الامام المقریزی

شین

شرح صحیح البخاری ابن بطال

شرح السنة الامام البغوی

شرح النقایة الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی

شرح المجلة الشیخ محمد خالد الاتالسی رشیدیه

شرح المجلة الشیخ سلیم رستم باز اللبنانی

شرح وقایه عبید الله بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی

شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین مکتبه اسعدی

شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند

شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی

شرح مشکل الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ بتعلیق شعیب الارناؤط

شرح صحیح مسلم ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار احیاء التراث

الشرح الکبیر الشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت

شرح ریاض الصالحین الشیخ محمدبن صالح العثیمین

شرح الهدایة الشیخ سعد الله سعدی جلبی دارالفکر

الشرح الکبیر علی هامش الدسوقی ابو البرکات سید احمد الدردیرالمالکی

شرح منظومة ابن وهبان العلامه ابن الشحنةؒ

شرح المنار لابن ملکؒ

شرح المهذب العلامة النووی دار الفکر

شرح القواعد الفقهیة الشیخ احمد بن محمد زرقا بیروت

شرح تحفة الملوک محمد بن عبداللطیف ابن ملک دارالبشائر

شرح الممتع علی زاد المستقنع الشیخ محمد بن صالح العثیمین

شرح النقایہ مولوی الیاس ایچ ایم سعید کمپنی

شمائل کبری مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی زمزم

شرح الصدور امام سیوطی

صاد

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت

صحیح ابن خزیمه ابوبکر محمدبن اسحاق ابن خزیمه

الصحاح الشیخ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوهری

صناعة الاجبان الحدیثیة وحکم اکلها صالح العود دارالکتب العلمیة بیروت

طاء

الطب النبوی الحافظ ابن القیم الجوزیة دارالفکر

عین

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی العلامة انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل مرتبہ مولانا موسیٰ کرماڈی

عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة

عنایة شرح هدایة أکمل الدّین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸۶

عمدة القاری فی شرح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان

عزیز الفتاوی المفتی عزیزالرحمن

عمدة الفقه مولانا سید زوار حسین صاحب

عمل الیوم واللیلة العلامه ابن السنی

عمل الیوم واللیلة الامام النسائی

غین

غمز عیون البصائر الشیخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن

غنیة ذوی الاحکام العلامه الشرنبلالی

الغررالبهیة الشیخ زکریا الانصاری الشافعی دارالکتب العلمیة

غنیة الناسک فی بغیة المناسک علامہ محقق محمد حسین شاہ ادارۃ القرآن

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب محمد بن احمد السفارینی الحنبلی

غنية المتملی فی شرح منية المصلی الشيخ ابراهيم الحلبی سهيل اكيڈمی

فاء

فتح القدير العلامه الشوكانی

فتاوی حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتح الباری شرح صحيح البخاری ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی

الفتاوی السراجية ابو محمد سراج الدين علی بن عثمان آرام باغ كراچی وزمزم

فتاوی خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

فتاوی عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی

فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کتب خانہ مظہری کراچی

فتح الباری فی شرح البخاری الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ و۷۷۳ت۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية

فتاوی دارالعلوم دیوبند حضرت مولٰنا مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند

فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

فيض القدير الحافظ محمد عبد الرؤف المناویؒ دار الفكر

الفتاوی الهندية الشيخ نظام الدين وجماعة من علماء الهند الاعلام بلوچستان بک ڈپو

فتاوی ابن تيميه الشيخ احمد بن تيميه دار العربية بيروت

فتاوی رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ

فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسی ابن الهمام ت ۶۸۱ دار الفكر

فیض الباری حضرت مولانا انورشاہ کشمیری ت۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاہرۃ

فتاوی رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور

فتاوی قاضی خان فخر الدين حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی ت۲۹۵ بلوچستان بک ڈپو

الفقه الاسلامی و أدلته الدكتور وهبة الزحيلی دار الفكر

فتاوی تاتارخانية عالم بن علاء الانصاری الاندربنی الدهلوی ت۸۷۶ ادارة القرآن

فتاوی اللكهنوی أبو الحسنات عبد الحی اللكهنوی و۱۲۶۴ ت۱۳۰۴ دار ابن حزم كراچی

الفتاوی البزازیة حافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب البزاز الکردی ۸۲۷ بوچستان بک ڈپو

الفقه علی المذاهب الأربعة الشیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر

فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحبؒ اکوڑہ خٹک

الفتاوی الولوالجیة ظهیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفة الولوالجی دار الکتب العلمیة

الفقه الحنفی و ادلته الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی دار الکلم الطیب دمشق

الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید عبد الحمید محمود طهماز دار القلم دمشق

فتح المعین محمد ابو السعود المصری ایچ ایم سعید

فتاویٰ دارالعلوم زکریا حضرت مفتی رضاء الحق صاحب زمزم

فتاوی علماء البلد الحرام مرتبه خالد بن عبدالرحمن

فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء مرتبه شیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش

فتاوی بینات مجلس دعوت وتحقیق اسلامی مکتبه بینات کراچی

فتح المنان (المسند الجامع) ابوعاصم نبیل بن هاشم الغمری

فقہ حنفی کے اصول وضوابط افادات حکیم الامت مرتب مولانا محمد زید ندوی

فقہی مقالات مفتی محمد تقی عثمانی

فقہ المعاملات شیخ صابونی

فقہ السنہ سید سابق

الفلک المشحون العلامه اللکنوی المکتبة الامدادیة

فتوی الخواص فی حل ماصید بالرصاص الشیخ محمود بن محمد الحمزاوی دارالبشائر

فتاوی زینیة العلامه ابن نجیم المصری دار کنوز اشبیلیا

فیروز اللغات الشیخ فیروز الدین

فتاوی الشیخ عبد العزیز بن باز

الفقه المنهجی الدکتور مصطفی الخن و الدکتور مصطفی البغا دارالقلم دمشق

الفقه المیسر احمد عیسی عاشور مکتبة القرآن القاهرة

الفتح الربانی الامام الساعاتی

فتح الغفار ابن نجیم المصری

الفوائد المجموعة العلامه الشوکانی

فتح الباب فی الکنی والالقاب ابن مندة

الفجر الساطع علی الصحیح الجامع محمد الفضل بن محمد الفاطمی

فقه اللغة الامام الثعالبی

الفتوحات الربانیة علی الاذکار النوویة الشیخ محمد بن علی بن علان المکی الشافعی احیاء التراث العربی

فقه المشکلات قاضی مجاہد الاسلام صاحب ادارۃ القرآن

فضائل القرآن قاسم بن سلام

الفواکه الدوانی احمد بن غنیم بن سالم النفراوی دارالفکر

فقه الزکاة الشیخ یوسف القرضاوی

الفتاوی للامام العلامة محمد بن بخیت المطیعی مفتی الدیار المصریة دارالصدیق للعلوم

فص الخواتم فی ما قیل فی الولائم ابن طولون موقع الوراق

قاف

القاموس الوحید مولانا وحیدالزمان الکیرانوی حسینیه دیوبند

قواعد الفقه مولانا عمیم الاحسان دار الکتاب دیوبند

القاموس الفقهی سعدی ابوجیب دارالفکر دمشق

قاموس الفقه مولاناخالد سیف الله

القول الراجح افاداتِ مفتی غلام قادر نعمانی

القاموس الجدید اردو عربی مولانا وحید الزمان الکیرانوی دیوبند

قرآنی فیصلے (پرویزی) طلوع اسلام ٹرسٹ

قوت القلوب شیخ ابوطالب المکی

قواعد فی علوم الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی

القول المبین فی اخطاء المصلین ابوعبیدة مشهور بن حسین بن محمود بن سلیمان

قواعد واسس فی السنة والبدعة الدکتور حسام الدین عفانه

قیام رمضان محمد بن نصر المروزی موقع جامع الحدیث

کاف

کنز العمّال علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة

کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ دارالاشاعت کراچی

کشف الخفاء شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احیاء التراث بیروت

کشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن یونس بن ادریس البهوتی دار الفکر

کتاب الفتاوی مولانا خالد سیف اللّٰہ رحمانی زمزم

کنز الدقائق ابو البرکات النسفی امدادیة ملتان

کشف الاسرار عبد العزیز البخاری

الکفایة فی شرح الهدایة العلامه الخوارزمیؒ

کتاب الام حضرت امام شافعیؒ

الکافی فی الفقه الحنفی وهبی سلیمان غاؤجی

کتاب الآثار الامام ابویوسف دارالکتب العلمیة بیروت

کتاب الآثار الامام ابوحنیفہؒ کتب خانه مجیدیه ملتان

کتاب التجنیس والمزید شیخ الاسلام علی بن ابی بکر المرغینانی

الکامل فی ضعفاء الرجال الشیخ ابن عدی بیروت

لام

لسان العرب العلامه ابن منظورؒ و۶۳۰ت۷۱۱ مکتبة دار الباز مکة المکرمة

لامع الدراری افاداتِ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سعید کمپنی

لسان المیزان ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت۸۵۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

لغات الحدیث حضرت علامہ وحید الزمان

لغات کشوری سید تصدق حسین صاحب رضوی منشی نول کشور

اللؤلؤ والمرجان محمد فواد عبدالباقی دارالفکر

اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة الامام السیوطی بیروت

میم

مشکاة المصابیح ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطیب الطبریزیؒ قدیمی کتب خانہ کراچی

المرقاة شرح المشکوٰة الملا علی القاریؒ مکتبہ امدادیہ ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیریؒ و۲۰۶ ت۲۶۱، مکتبة الاشرفیة دیوبند

مختصر القدوری ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی سعید

المحیط البرهانی محمود صدر الشریعة ابن مازة البخاری الریاض

منحة الخالق حاشیة البحر الرائق العلامہ الشامی کوئٹہ

منظومہ ابن وهبان الشیخ عبدالوهاب بن احمد بن وهبان الدمشقی الوقف المدنی دیوبند

منتخبات نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة

معرفة السنن والآثار الإمام البیهقی جامع الحدیث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی مصطفی السیوطی الرحیبانی موقع الإسلام

المستدرک محمد بن عبد الله الحاکم ت۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکة المکرمة

مجمع الزوائد الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ ت۸۰۷ دار الفکر

مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان

مسند الامام احمد بن حنبل الاما م احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱۶۴ ت۲۴۱ دار الفکر

معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ت ۱۳۹۶ ادارۃ المعارف کراچی

مصنف ابن ابی شیبة الحافظ ابو بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی م۲۳۵ھ ادارة القرآن کراچی

المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۲ دار الفکر

میزان الاعتدال الحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت ۷۴۸ دار الفکر العربی

المعجم الکبیر الحافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه

مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ

المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه

مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة

المغنی عن حمل الأسفار علیٰ هامش احیاء العلوم العلامه زین الدین عبد الرحیم العراقی ت ۸۰۶ دار الفکر

مسند أبی داؤد أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت ۲۰۴ دار المعرفة

المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت ۳۶۰ مکتبة المعارف

مسند أبی یعلی شیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی و ۲۱۰ ت ۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن

المعجم الصغیر ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ المکتب الاسلامی

المبسوط شمس الائمة ابو بکر محمد احمد السرخسی دار المعرفة بیروت

مصنف عبد الرزاق أبو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و ۱۲۶ ت ۲۱۱ ادارة القرآن کراچی

مؤطا امام مالک الامام مالک بن انسؒ

المغنی ابن قدامة الحنبلی دار الکتب العلمیة

معارف السنن العلامه البنوریؒ

مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر عبد الله بن شیخ محمد دامادافندی دار إحیاء التراث

مسند حمیدی ابوبکر عبد الله بن الزبیر الحمیدی سملک ڈابھیل الهند

المقالات الفقهیة مفتی رفیع عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی

مجلة المجمع الفقهی الاسلامی رابطة العلم الاسلامی مکة المکرمة

المعجم الوسیط ابراهیم مصطفی مع اخوانه

الموضوعات العلامه ابن الجوزی

مسند عبد ابن حمید عبد بن حمید بن نصر

مجموعہ قوانین اسلامی قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ

المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم الامام القرطبی بیروت

مجلة البحوث الاسلامية مكة المكرمة

الموسوعة الفقهيه الكويتية وزارة الاوقاف بالكويت

الموافقات الامام الشاطبی

مدارک التنزیل ابوالبرکات النسفی

المدونة الکبری حضرت امام مالکؒ

المغرب ناصر الدين المطرزی

معين الحكام فيما يترددبين الخصمين من الاحكام العلامه الطرابلسیؒ دارالفکر

مشکل الآثار الامام الطحاویؒ

مجلّہ فقہ اسلامی قاضی مجاہدالاسلام اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مطالب اولی النهی مصطفى السيوطی الحنبلی دمشق

مجلة الاحكام الدعلية جماعة من علماء الدولة العثمانية

المقاصد الحسنة العلامه السخاویؒ

متن المنار فی اصول الفقه ابوالبرکات النسفیؒ ۷۱۰م

معجم المصطلحات والالفاظ الفقهية محمد عبدالرحمن عبدالمنعم بیروت

معجم لغة الفقهاء الشيخ محمد رواس وشيخ حامد صادق ادارة القرآن كراچی

معايير الحلال والحرام الدكتور علی مصطفى يعقوب

المسوی الشاه ولی الله الدهلوی

مکالمہ بین المذاہب مکتبہ فاروقیہ

منية الصيادين الشيخ ابن ملک محمد بن عبداللطيف ۸۵۴ھ دارالبشائر الاسلامية

مقدمہ فتاویٰ مفتی محمود ملتانی مفتی محمد جمیل خان لاہور

الملخص الفقهى صالح بن فوزان دارالعاصمة الرياض

منارالسبيل فى شرح الدليل ابن ضويان الحنبلى

مشارق الانوار قاضى عياض المكتبة العتيقة

المورد قاموس انگريزى عربى

المورد قاموس عربى انگريزى

المنجد فى اللغة

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مالابدمنہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی

مجموع فتاوى ورسائل العثيمين

معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی صاحب دارالاشاعت

مسند اسحاق بن راهويه

المطالب العالية الحافظ ابن حجر

المواهب اللدنية العلامه احمد بن محمد القسطلانى

معجم الصحابه ابن الاعرابى

مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی دیوبند

مختصر تاريخ مدينة دمشق ابن عساكر

المبسوط الامام محمد ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى

مصباح الزجاجة العلامه البوصيرى

مسند الشاميين الامام الطبرانى

معرفة الصحابة ابو نعيم

المخدرات دمار للمجتمعات عبد العصيمى

مجلة المآثر الشيخ حبيب الرحمن اعظمى

مقدمة بلوغ المرام صفی الرحمن احیاء التراث العربی

نون

نصب الرایه جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المکتبه المکیة ۱۵۶

نیل الاوطار الشیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ ادارة القرآن کراچی

نهایة المحتاج الی شرح المنهاج شمس الدین محمد بن أبی العباس دار الفکر

نسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ و ۲۱۵ ت۳۰۳ قدیمی کتب خانه

نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

النهر الفائق سراج الدین المصری قدیمی

نئے مسائل اور علماء ھند کے فیصلے قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ

نتائج الافکار شمس الدین قاضی زاده آفندی دار الفکر

نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف العلامه الشامیؒ

نفع المفتی والسائل مولاناعبدالحیی اللکنویؒ

النتف فی الفتاویٰ شیخ الاسلام قاضی القضاة ابوالحسن السغدی ۴۶۱م دارالکتب العلمیة بیروت

النافع الکبیر العلامه اللکنویؒ

نصاب الاحتساب عمر السنامی

نورالانوار الشیخ ملا جیون ایچ ایم سعید کمپنی

النهایة فی غریب الاثر ابن الاثیر

ناسخ الحدیث ومنسوخه ابن شاهین

نقل الاعضاء الآدمیة بین التحلیل والتحریم رضاء الطیب

النکت الطریقة شیخ زاهد الکوثری ادارة القرآن

واو

ولڈ بک انسائیکلو پیدیا

واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش فى القرآن ابوالفضل عبد الله بن محمد

هاء

الهداية ابو الحسن على بن ابى بكر المرغينانىؒ و ۵۱۱ت ۵۹۳ مكتبة شركة علمية

ياء

اليواقيت الغالية الشيخ محمد يونس الجونفورى مجلس دعوة الحق